مَن يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ (حدیث)

المبسوط

فقہِ شافعی

(جلداول)

تالیف

مولانا احمد اللہ (احمد جنگ)

ترتیب جدید وحواشی

ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی

ناشر

معہد امام حسن البنا شہید۔ بھٹکل

نام کتاب	:	المبسوط
تصنیف	:	مولانا احمد اللہ (احمد جنگ)
ترتیب جدید وحواشی	:	ڈاکٹر عبد الحمید اطہر ندوی
صفحات	:	۵۷۶
قیمت	:	۲۵۰ روپئے
تعداد	:	۱۱۰۰
ملنے کے پتے	:	مولانا ابوالحسن ندوی اسلامک اکیڈمی۔ بھٹکل پوسٹ بکس نمبر ۳۰۔ کرناٹک مکتبۃ الشباب العلمیۃ۔ ندوہ روڈ۔ لکھنؤ

ناشر

معہد امام حسن البنا شہید

پوسٹ بکس نمبر ۱۳، بھٹکل 581320 کرناٹک

فہرست کتاب

عرض ناشر

معہد امام حسن البنا شہید نے جب سے قوم وملت کے لیے مفید سے مفید تر ثابت ہونے والی کتابوں کو شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے، الحمد للہ کئی کتابیں چھپ کر معرض وجود میں آچکی ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے۔ "**الفقه المنهجي على مذهب الإمام الشافعي**" کی تینوں جلدوں کا اردو ترجمہ چھپ کر مقبول عام وخاص ہو چکا ہے۔ جب ہم نے اس بات کا تذکرہ دو سال پہلے ابوظبی میں مقیم ہمارے بزرگوار دوست علمی ذوق رکھنے والے جناب مصباح محمد فاروق صاحب سے کیا تو اس کام پر اپنی بے پناہ خوشی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عرض کیا تھا کہ ہماری خواہش ہے کہ کتاب "المبسوط" جو اس وقت نایاب اور کمیاب ہوتی جارہی ہے دوبارہ چھپ جائے تو بہت اچھا ہوگا۔ اس موقعہ پر موصوف نے اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کی طرف اشارہ کیا اور بتایا کہ پہلے یہ کتاب ہائی اسکول میں پڑھائی جاتی تھی، ہم لوگوں نے اس کتاب سے خوب استفادہ کیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوگا کہ یہ کتاب دوبارہ چھپ کر منظر عام پر آجائے۔

محترم فاروق صاحب سے اس کتاب کے سلسلہ میں گفتگو ہوئے اگرچہ کافی عرصہ ہو چکا ہے، مگر عربی کا مقولہ ہے: "**كل شيئ مرهون بوقته**" کہ ہر چیز کے لیے ایک متعینہ وقت ہوتا ہے، جب میں نے اس کا تذکرہ اپنے شاگرد ڈاکٹر عبد الحمید اطہر ندوی سے کیا تو انھوں نے اس کو ایڈٹ کر کے شائع کرنے کی بات کہی اور اس کی ذمہ داری خود ہی لی، الحمد للہ انھوں نے یہ کام شروع کیا اور طویل جد وجہد کے بعد اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، انھوں نے اس کتاب پر جو کام کیے ہیں، اس کو انھوں نے آغازِ سخن میں تحریر کیا ہے۔ اللہ تعالی ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

کتاب کی طباعت سے پہلے ہم نے فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ العالی سے تفصیلی گفتگو کی تھی اور ابتدائی صفحات پر کام ہونے کے بعد ان کی خدمت میں مشورے کے لیے روانہ بھی کیا تھا، موصوف نے اس کام پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اس کی ہمت افزائی بھی کی اور بہت سے مشورے بھی دیے، پھر کام مکمل ہونے کے بعد اس پر پیش لفظ بھی تحریر کیا، اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ہم نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے اس کتاب پر مقدمہ تحریر کرنے درخواست کی تو مولانا موصوف نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود مقدمہ تحریر کیا جس سے کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوا، اللہ حضرت مولانا کو دونوں جہاں میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

اس کتاب کی طباعت جناب مصباح محمد فاروق صاحب کے توسط سے مرکز النوائط ابوظبی نے اپنے ذمہ لیا، یہ مرکز کے ذمہ داران کی علم دوستی اور حبِ دینی کا کھلا ہوا ثبوت ہے، اللہ تعالی تمام ذمہ داران کو اس کا بھرپور بدلہ عطا فرمائے اور ان کے حسنات میں اضافہ کا سبب بنائے، اور اس کتاب کو شرفِ قبولیت بخشے۔

ہم اس کتاب کی طباعت میں کسی بھی طرح تعاون کرنے والوں کے نہایت ہی مشکور ہیں اور ان کے لیے رب کے حضور دعا گو ہیں کہ جزاھم اللہ خیرا الجزاء۔

محمد ناصر سعید اکرمی

رجب المرجب ۱۴۳۴ھ — ناظم معہد امام حسن البنا شہیدؒ

مئی ۲۰۱۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين ، خاتم النبيين محمد بن عبد الله الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد.

امت سینکڑوں سال سے چار مشہور مکاتب فقہیہ پر عمل کرتی چلی آئی ہے، ان کے علاوہ بھی مکاتب فقہ مدون ہوئے اور ان پر عمل بھی ہوا، مگر جو شہرت ومقبولیت ان چار مکاتب فقہ کو حاصل ہوئی وہ کسی کو حاصل نہ ہوسکی، اس پر بھی تقریباً امت متفق ہے کہ ان مکاتیب فقہ کا اختلاف زیادہ تر ترجیحی بنیادوں پر قائم ہے اور یہ سارے مکاتیب فقہ برحق ہیں، اس لیے کبھی یہ کوشش علماء حق کی جانب سے نہیں کی گئی کہ ایک مکتب فکر کی طرف سے دوسرے مکتب فکر کو اختیار کرنے کی دعوت دی جائے، اس لیے کہ اس میں صلاحیتوں اور وقت کے ضیاع کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں، علمائے اہل حدیث کو بھی اہلِ حق ہی میں شمار کیا گیا، اور ان حضرات نے بھی کبھی ان چاروں مسلکوں کو حق کے باہر نہیں سمجھا، ترجیحات کا عمل ہمیشہ جاری رہا، اور اس کے لیے نقلی وعقلی دلائل بھی دیے جاتے رہے، مگر کسی نے کبھی اپنے مسلک کو ہی برحق قرار دے کر دوسرے مسلکوں کو غلط نہیں سمجھا، البتہ ہر مسلک کے لوگوں نے مسائل فقہ کی تدوین اور ہر دور میں اس کو بہتر سے بہتر اسلوب میں پیش کرنے کی کوشش کی، اس بات کی ضرورت بھی تھی تاکہ ہر دور میں عمل کرنے والوں کے لیے آسانی پیدا ہو۔

ہندوستان میں چونکہ فقہ حنفی کے ماننے والوں کی اکثریت رہی ہے، اس لیے اس موضوع پر اور بھی کتابیں لکھی گئیں اور اخیر دور میں اردو زبان میں خاص طور پر درجنوں مفید

کتابیں سامنے آئیں، جن سے عام لوگوں کے لیے بھی استفادہ آسان ہوگیا، فقہ حنفی کے علاوہ فقہ شافعی پر عمل کرنے والوں کی بھی ایک خاصی تعداد اس ملک میں موجود ہے جن کی آبادی ساحلی علاقوں پر زیادہ ہے، فقہ شافعی پر اردو میں بہت کم کام ہوا، اس لیے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ عام لوگوں کے لیے اردو میں فقہِ شافعی پر بھی ایسا مواد سامنے آجائے جس سے استفادہ آسان ہو، خوشی کی بات ہے کہ عزیز گرامی ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی کی نگاہ ایک ایسی کتاب پر گئی جو اس موضوع پر مفید اور جامع ہے، یہ کتاب مولانا احمد اللہ صاحب کی تصنیف کردہ ہے جو نواب احمد بہادر جنگ سے مشہور ہیں، انہوں نے اس موضوع پر تین کتابیں مرتب کیں، پہلی مختصر، دوسری متوسط اور تیسری مبسوط۔ عزیز موصوف کے پیش نظر یہی مبسوط ہے، جس میں تمام مسائل فقہ، فقہ شافعی کی معتبر کتابوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیے گئے ہیں، چونکہ کتاب کی زبان قدیم ہوگئی تھی، عزیزی ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی سلمہ کو ترجمہ وتالیف سے مناسب رہی ہے، انہوں نے المبسوط کی زبان بھی مروجہ بنائی، ذیلی عناوین بھی ڈالے، آیات واحادیث کی تخریج بھی کی، اب یہ کتاب جدید رنگ میں سامنے ہے، اس سے استفادہ بھی آسان ہے، مسلک شافعی سے تعلق رکھنے والے اور اس کی اہمیت سے واقف کار حضرات کے فائدہ کا ایک اچھا کام انجام پایا، میں اس پر عزیز موصوف کو مبارک باد دیتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی ان کی محنت کو قبول فرمائے۔

اس اہم کتاب کی اشاعت بھٹکل کے معروف ادارہ معہد امام حسن البنا شہید سے ہورہی ہے جو کہ فکر اسلامی کی ترویج واشاعت کا بڑا اچھا کام انجام دے رہا ہے۔ اللہ ذمہ داران کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

محمد رابع حسنی ندوی
ندوۃ العلماء لکھنو

رجب ۱۴۳۴ھ
مئی ۲۰۱۳ء

پیش لفظ

ہندوستان میں فقہ حنفی کے بعد سب سے زیادہ جس فقہ کے متبعین پائے جاتے ہیں، وہ فقہ شافعی ہے؛ حالاں کہ فقہ مالکی، فقہ شافعی سے پہلے اور فقہ حنبلی فقہ شافعی کے بعد وجود میں آئی؛ لیکن روایت و درایت سے ہم آہنگی، اس دبستانِ فقہ میں فقہاء و محدثین کی کثرت اور فقہی لٹریچر کی وسعت کی وجہ سے عالمی سطح پر فقہ حنفی کے بعد سب سے زیادہ قبولیت و پذیرائی اسی فقہ کے حصہ میں آئی، ہندوستان میں جنوبی ساحلی علاقہ اور دکن میں آباد عرب نژاد بستیوں میں اکثریت شوافع کی ہے، مگر اس لحاظ سے اُردو زبان میں فقہ شافعی کی اس قدر خدمت نہیں ہوسکی، جو اس کا حق ہے۔

بحمد اللہ کچھ عرصہ سے اس طرف اہل علم کی توجہ ہوئی ہے؛ چنانچہ بعض کتابوں کا اُردو میں ترجمہ ہوا ہے اور بعض مستقلاً اُردو ہی میں لکھی گئی ہیں؛ لیکن اُردو میں فقہ شافعی کا ابتدائی لٹریچر ایک ایسے شخص کو مرتب کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، جو خود مسلکاً حنفی تھا، میری مراد ممتاز فاضل جناب احمد نواز جنگ صاحب سے ہے، جنھوں نے مختصر، درمیانی اور تفصیلی کتاب ''المختصر ، المتوسط ، المبسوط'' کے نام سے مرتب کی ہے، یہ بڑی مفید، آسان اور عام فہم کتابیں ہیں اور مسائل کا انتخاب بہت عمدہ اور بصیرت مندانہ ہے، اس حقیر کو بیس پچیس سال پہلے خاص کر ''المبسوط'' سے اس وقت استفادہ کا موقع ملا جب اس کی رہائش ایک شافعی المسلک عرب نژاد آبادی میں ہوا، جہاں لوگ بکثرت مسائل کے لئے رُجوع کرتے، اس وقت اس حقیر کے پاس فقہ شافعی کی کوئی مستند عربی کتاب موجود نہیں تھی، اور فقہاء احناف کی کتابوں سے فقہ شافعی کے مسائل کا بیان کرنا مناسب نظر نہیں آتا تھا؛ کیوں کہ ایک فقہ کے متبعین جب دوسرے فقہ کے مسائل نقل کرتے ہیں تو اس میں کافی بھول چوک اور راجح قول سے عدم واقفیت کا امکان

ہوتا ہے؛اس لئے یہ حقیر زیادہ تر اسی کتاب سے استفادہ کیا کرتا تھا۔

کتاب کے مطالعہ کے درمیان بار بار یہ احساس ہوتا تھا کہ تعلیق و تحقیق کے ذریعہ اس کتاب کی خدمت ہونی چاہئے ؛ بلکہ بعض شوافع طلبہ سے —— جنھوں نے اس حقیر سے کچھ پڑھا ہے —— میں نے خواہش بھی کی کہ وہ اس کتاب کی خدمت کریں، مگران کے لئے یہ خدمت مقدر نہیں تھی ؛ چنانچہ کچھ عرصہ پہلے میرے بہت ہی قابل احترام دوست فاضل گرامی مولانا محمد ناصر اکرمی زیدت حسناتہٗ کا فون آیا کہ وہ المبسوط پر اس خدمت کو اپنے ادارہ کی طرف سے انجام دے رہے ہیں ، واقعہ ہے کہ اس اطلاع سے مجھے بے حد خوشی ہوئی اوراس طرح ایک دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا، میں اس کتاب کے پورے مسودے کو تو دیکھنے سے محروم رہا؛ لیکن چند صفحات دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور دل خوش ہوا کہ تعلیق و تحقیق کا ایک اچھا کام ہو گیا ہے،اس کام نے کتاب کی نافعیت اوراعتبار واستناد میں اضافہ کیا ہے۔ یہ کام ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی نے کیا ہے۔

مولانا اکرمی ایک صاحبِ توفیق عالم اور صاحبِ ذوق قلمکار ہیں، انھوں نے اس سے پہلے " **الفقه المنهجی علی مذهب الإمام الشافعی** " (تین جلدیں) کا اُردو ترجمہ اپنے ادارہ معہد امام حسن البنا شہید رحمۃ اللہ علیہ سے شائع کیا ہے، جس کا ترجمہ بھی ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی نے کیا ہے، دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ادارہ کی دوسری مطبوعات کی طرح اس کو بھی قبولِ عام عطا فرمائے اور عوام وخواص کو اس سے زیادہ سے زیادہ نفع پہنچے۔ **وباللہ التوفیق وهو المستعان .**

۵/رجب ۱۴۳۴ھ — خالد سیف اللہ رحمانی

۱۶/مئی ۲۰۱۳ء — (خادم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

آغازِ سخن

الحمد لله الذی هدی علماء هذه الأمة إلی طریق الهدی والصلاة والسلام علی من أرشد إلی هذا السبیل أمة الإسلام نبینا وحبیبنا محمد وعلی آله وصحبه وبارک وسلم، أمابعد.

یہ کتاب محترم مولانا احمد یار جنگ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، یہ بڑی تفصیلی بھی ہے اور بڑی مفید بھی، لیکن اب یہ کتاب نایاب ہوتی جارہی ہے، اس کو اہلِ علم اور عوام کے سامنے لانا ہم ضروری سمجھ رہے ہیں تاکہ اس کا فائدہ زیادہ سے زیادہ عام ہو اور لوگوں کو دین کی صحیح معلومات حاصل ہوں، اس کی خاطر میں نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے کام شروع کیا، اب یہ کتاب مکمل ہوکر نئی شکل میں قارئین کے ہاتھوں میں ہے، اس پر میں اللہ ہی کا شکر گزار ہوں، میں نے اصل کتاب پر مندرجہ ذیل کام کیے ہیں:

۱۔ اس کتاب میں بعض جگہوں پر عبارتوں کو تبدیل کرنے کی ضرورت پڑی تاکہ مفہوم زیادہ سے زیادہ واضح ہو۔ صرف عبارت میں ترمیم کی گئی ہے لیکن مفہوم کو ہو بہو باقی رکھا گیا ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔

۲۔ بعض جگہوں پر صرف الفاظ کو تبدیل کیا گیا ہے، دوسرے الفاظ میں عبارت کو زیادہ سے زیادہ آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

۳۔ جن قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کا کتاب میں تذکرہ آیا ہے، ان کی تخریج کی گئی ہے۔

۴۔ جہاں مزید وضاحت کی ضرورت ہوئی تو حاشیے میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

۵۔ اصل کتاب میں بڑے بڑے پیراگراف ہیں، ان کو چھوٹے چھوٹے پیراگراف

میں تبدیل کیا گیا ہے۔

۶۔ بہت سی جگہوں پر ذیلی عنوانات کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

اللہ کی توفیق اور محض اس کے فضل وکرم سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا ہے، اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس کو زیادہ سے زیادہ مفید بنائے۔

میں اپنے استاذ محترم مولانا محمد ناصر سعید اکرمی کا ممنونِ کرم ہوں کہ انھوں نے ہی مجھے اس کام کی جانب متوجہ کیا اور اس کی طباعت کے لیے وسائل بھی فراہم کیے، اللہ ان کو جزاے خیر عطا فرمائے۔

اسی طرح میں ہر اس شخص کا ممنون ومشکور ہوں جس نے اس کتاب کے کسی مرحلے میں تعاون کیا اور میرے اس کام کی ہمت افزائی کی، خصوصاً آل انڈیا فقہ اکیڈمی کے جنرل سکریٹری مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی کا مشکور ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کی ترتیب میں بعض مفید مشوروں سے نوازا، معہد امام حسن البنا شہید کے ناظم مولانا محمد ناصر اکرمی صاحب نے دو سال قبل کتاب پر تھوڑا کام ہونے کے بعد نئی ترتیب کے چند صفحات قدیم کتاب کے صفحات کے ساتھ روانہ کیے تھے اور اس کتاب پر کام کا منہج بھی تحریر کیا تھا اور مولانا موصوف سے مشورے طلب کیے تھے، مولانا نے اس کام کی اہمیت پر مشتمل جواب روانہ کیا اور اس کام کو سراہا اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا، اللہ ان کو جزاے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی

atharathar77@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احساسات

الحمد لله رب العالمين وصلى الله على النبى محمد وعلى آله وصحبه وبارك وسلم.

من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين.

قرآنی ونبوی تعلیمات ایک مکمل نظامِ حیات ہے، اسی نظامِ حیات کی جزئیات کا نام فقہ ہے۔ فقہ کتاب وسنت کی ترجمان ہے، بلکہ کتاب وسنت کے تفقہ کے لیے شاہ کلید کے مانند ہے۔ اس اعتبار سے اس کا ادراک اور اس کا جاننا بسا اوقات فرضِ کفایہ اور بسا اوقات فرض عین کا درجہ رکھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تفقہ فی الدین مطلوب ہے۔

کتاب ہذا ''المبسوط'' محمد خطیب شربینی کی کتاب ''الاِقناع'' کا اردو میں خلاصہ ہے جس کو احمد جنگ نے بہت پہلے اردو کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی تھی اور ماضی قریب میں المبسوط قومی تعلیمی ادارہ انجمن حامیٔ مسلمین بھٹکل کے نصابِ تعلیم میں شامل تھی، جس کے مفید اثرات آج تک ہم طلبا کے ذہن پر مرتب ہیں۔ جہاں یہ کمال اس کتاب کا تھا وہیں اس کا درس دینے والے حضرۃ الاستاذ مولانا شیخ محمود خیال المعروف خیال ماسٹر مرحوم کا بھی تھا۔ اللہ ان کی تربت ٹھنڈی رکھے اور رفع درجات کا معاملہ فرمائے۔

ہم شکر گزار ہیں عزیز القدر مولوی ڈاکٹر عبدالحمید اطہر رکن الدین ندوی کے کہ انہوں نے ہماری محسن کتاب کو نئے اسلوب میں پیش کرنے کی صالح کوشش کی ہے۔ امید کہ یہ کتاب نئی نسل کے سمجھنے کے لیے بہت آسان ہوگی۔ ہماری عصری تعلیم گاہوں سے بھی استدعا ہے کہ اس کتاب کے منتخب ابواب کو نصابِ تعلیم میں شامل فرما کر ایک نیا تجربہ کریں۔

اس اہم فقہی مسائل پر مبنی کتاب کو قارئین کے ہاتھوں پیش کرتے ہوئے مرکز النوائط

ابوظبی کے جملہ ممبران خوشی محسوس کرتے ہیں کہ اس وقیع کتاب کی اشاعت کا بیڑہ اٹھا کر علمِ نافع کی ترویج کا موقع مل رہا ہے۔

اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ کتابِ ہذا کی اشاعت ممبران مرکز کے میزانِ حسنات میں ترقی کا باعث ہو، نیز سبھی قارئین کے بھی۔

ہم بیحد ممنون ہیں ناظم معہد امام حسن البنا شہید رحمہ اللہ بھٹکل مولانا ناصر اکرمی جامعی صاحب کے کہ انہوں نے ہمیں اس کتاب کی اشاعت کی ترغیب دی اور وہ اس کو اپنے ادارہ ہی سے شائع کر رہے ہیں۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

ممبران مرکز النوائط۔ ابوظبی

رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

مئی ۲۱۰۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

ایک دفعہ میں بغداد شریف کی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھنے گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ وقتِ واحد میں دو جماعتیں بازو سے بازو لگائے کھڑی ہیں، چوں کہ میں حنفی ہوں، اس لیے حنفی امام کے پیچھے جماعت میں شریک ہو گیا، مگر اس بات کے سمجھنے میں مجھے بڑی دشواری محسوس ہوئی کہ جب کوئی امام اللہ اکبر کہتا تو یہ حنفی امام کی آواز ہے یا حنبلی امام کی، اس حالت کو دیکھ کر میرے دل کو سخت تکلیف پہنچی اور میں نے ایک رسالہ موسوم بہ ''اختلاف ائمہ'' لکھا جس میں یہ ثابت کیا کہ ائمہ اربعہ میں اختلاف اس پیمانہ پر نہیں ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، نیز اس میں مَیں نے یہ بھی ثابت کیا کہ اجتہادی اختلاف سے منصوص قرآن وحدیث کی مخالفت پیدا نہیں ہوتی، لہٰذا ان میں سے ایک حق پر ہے اور دوسرا ناحق پر؛ درست نہیں، سب حق پر ہیں۔

اس تمہید کے بعد میں بیان کرتا ہوں کہ مولوی احمد اللہ صاحب المخاطب بہ نواب احمد جنگ بہادر منشی فاضل مولوی عالم سِول سرویس (ریٹائرڈ) کو ہمیشہ سے علمی ذوق ہے، سرکاری اہم خدمات کے باوجود وہ علمی کاموں میں مشغول رہتے ہیں، چناں چہ انھوں نے پہلے فقہِ شافعی میں ایک مختصر مفید کتاب لکھی جس کا نام ''المختصر'' رکھا، اس کے بعد اس سے بڑی کتاب لکھی، جس کا نام انھوں نے ''المتوسط'' رکھا، اب انھوں نے ایک نہایت جامع اور بڑی کتاب لکھی ہے جس کا نام ''المبسوط'' رکھا ہے، یہ کتاب نہایت معتبر فقہاے شافعیہ سے ماخوذ ہے، اس میں دوسرے ائمہ کے مسائل بھی درج ہیں، طرزِ بیان واضح اور سلیس ہے، بعض دفعہ علاوہ مسائلِ فقہیہ کے اور دوسرے مسائل بھی بیان کیے ہیں، جن کے سمجھنے

سے مسائلِ فقہ پر روشنی پڑتی ہے، اوراس کی توضیح وتشریح ہوتی ہے، بہرحال یہ کتاب ایسے اچھے انداز میں لکھی گئی ہے کہ نہ صرف شوافع کو فائدہ ہوگا، بلکہ دوسرے مذاہب والے بھی اس سے مستفید ہوسکیں گے، خدائے تعالیٰ ان کی محنت کومشکور کرے اور آئندہ دوسرے اچھے علمی کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والحمد لله رب العالمين

فقیر

محمد عبدالقدیر صدّیقی

(سابق استاذ دارالعلوم و پروفیسر دینیات جامعہ عثمانیہ)

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خير الخلق وخاتم الانبياء والمرسلين وآله وأحفاده الطاهرين وأصحابه الطيبين صلاة وسلاما إلى قيام يوم الدين.

جس طرح میں نے اپنے پہلے رسالہ ''المختصر'' کی اشاعت کے وقت ذکر کیا ہے، اولاد کی صلاح وفلاح کا خیال بسا اوقات والدین کے لیے موجبِ خیر وبرکت ہوتا ہے، اس کی ایک بیّن دلیل ان رسالہ جاتِ فقہ کی تالیف ہے، فقہِ شافعی میں عربی میں کثرت سے مستند کتابیں موجود ہیں، مختصر ہیں اور طویل بھی، مگر ان کے مطالعہ کے لیے عربی کی خاصی واقفیت کی ضرورت ہے، اب رہی اردو ہندوستان کی مروجہ زبان میں فقہِ شافعی کی تالیفات نہایت ہی محدود ہیں، ان میں بھی بعض دستیاب ہوسکتی ہیں اور بعض ناپید ہوچکی ہیں، میں اپنے زمانۂ طالب علمی سے اس ضرورت کو محسوس کررہا تھا، صاحبِ اولاد ہوا، لڑکوں کی تعلیم کی فکر دامنگیر ہوئی، وقت آیا، اللہ تعالی نے ہدایت کی، شیخ ابوشجاع کے متن ''التقریب'' کا ترجمہ کرکے ۱۳۶۱ ہجری میں ''المختصر'' کے تاریخی نام کے ساتھ شائع کیا، اس کے بعد اس متن کی مختصر شرح ''فتح القدیر المجیب'' مولفہ شیخ امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن قاسم غزّی غرابیلی کا ترجمہ کرکے ''المتوسط'' کی شکل میں ۱۳۶۳ ہجری میں شائع کیا۔

کرم فرما حضرات نے میری اس ناچیز سعی کو قدر کی نظر سے دیکھا، ہمت بڑھی، حوصلہ بلند ہوا، ایک تفصیلی شرح کی تالیف کا شوق پیدا ہوا، بوشجاع کی ''التقریب'' کے متن اور محمد بن قاسم غزّی کی شرح ''فتح القریب المجیب'' پر علامہ شیخ ابراہیم بیجوری کے حاشیہ کی دو جلدیں والدِ مغفور کے کتب خانہ میں دستیاب ہوئی تھیں، اسی پر اپنے تیسرے رسالہ

''المبسوط'' کی بنا رکھی، اور جہاں ضرورت محسوس کی شیخ سلیمان بجیری کے حاشیہ سے مدد لی، ابوشجاع کے متن پر خطیبِ از ہر شربینی نے ''الإقناع'' کے نام سے ایک شرح ۹۷۲ ہجری میں تالیف کی تھی، اس پر شیخ سلیمان بجیری نے ۱۲۰۸ ہجری میں ایک حاشیہ چار جلدوں میں لکھا، شیخ ابراہیم بیجوری نے اس کے بعد ۱۲۵۸ ہجری میں ابن قاسم غزی کی شرح پر دو جلدوں میں ایک حاشیہ تالیف کیا، اس کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ ابراہیم بیجوری نے اپنے حاشیہ کی پہلی جلد حرمِ مکہ میں اور دوسری جلد حرمِ مدینہ میں لکھی تھی، علامہ موصوف کے علمی تبحر اور دینی خدمات کا اظہار ان کی تصنیفات کی اُس فہرست سے ہوتا ہے جو ان کے شاگرد شیخ نصر ابولوفاء نے مرتب کی ہے، اس فہرست سے ظاہر ہے کہ ۱۲۲۲ سے ۱۲۸۵ ہجری تک شیخ ابراہیم نے بیس کتابیں مکمل کیں اور فقہِ شافعی کا حاشیہ ان کی آخری تالیف ہے۔

شیخ ابوشجاع کے متن کے مخطوطے ''برلن گوتھا برٹش میوزیم'' واٹکانہ (محلِ پوپ)، قاہرہ، موصل، مشہد، کتب خانہ آصفیہ رامپور اور جاوا وغیرہ میں ہیں، فارسی، ملائی، جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں، ۱۸۵۹ء میں لائیڈن میں، ۱۲۹۷ ہجری میں بمبئی میں اور ۱۳۱۴ ہجری میں قاہرہ میں چھپی جہاں اس کا نام ''متن الغایۃ والتقریب'' ہے، ۱۸۹۷ء میں ''زاخو'' پروفیسر برلن یونیورسٹی نے برلن سے جرمن زبان میں اس کو شائع کیا، میں نے اس کا ترجمہ پہلی مرتبہ اردو میں بنام ''المختصر'' ۱۳۶۱ ہجری میں شائع کیا، اس متن کے شروح کی تعداد بھی کثیر ہے اور ان شروح کے حاشیے جداگانہ ہیں، متن کی اہمیت کے اظہار کے لیے ان کی تفصیل بھی درج کی جاتی ہے:

۱۔ ''تحفة اللبیب''، مولفہ ابن دقیق العید المتوفی ۷۰۳ ہجری، اس کا مخطوطہ برلن میں ہے۔

۲۔ ''کفایة الأخیار''، مولفہ تقی الدین ابوبکر محمد الحصنی الدمشقی المتوفی ۸۲۹ ہجری، یہ طبع ہو چکی ہے۔

۳۔ ''فتح القریب المجیب'' یا ''القول المختار فی شرح غایة الاختصار'' مولفہ محمد بن القاسم الغزی الغرابیلی المتوفی ۹۱۸ ہجری، یہ شرح کم سے کم پچیس مرتبہ طبع ہو چکی ہے،

سنگاپور میں ملائی زبان کے ترجمہ کے ساتھ طبع ہوئی ہے، فن وان برگ نے اس کا فرانسیسی ترجمہ ۱۸۹۵ء میں شائع کیا، میں نے اسی کا ترجمہ بنام ''المتوسط'' اردو میں ۱۳۶۳ء میں پہلی مرتبہ شائع کیا، اس پر ایک حاشیہ شیخ ابراہیم بیجوری المتوفی ۱۲۷۷ء نے دو جلدوں میں ۱۸۵۸ء میں تکمیل کیا جو کم از کم آٹھ مرتبہ طبع ہوا، میں نے اسی حاشیہ کا ترجمہ اردو میں کیا ہے اور امسال ۱۳۷۱ ہجری میں بنام ''المبسوط'' اس مقدمہ کے ساتھ شائع کر رہا ہوں، دوسرا حاشیہ ابراہیم بن القیلوبی المتوفی ۱۰۶۹ ہجری کا ہے جو برٹش میوزیم اور موصل میں ہے، تیسرا حاشیہ ابراہیم البرمادی المتوفی ۱۱۰۶ ہجری کا ہے جس کا مخطوطہ لائیڈن میں ہے، چوتھا ایک گمنام حاشیہ ہے جو گوتھا اور جاوا میں ہے، پانچواں حاشیہ محمد النووی الجاوی نے لکھا جو دو مرتبہ قاہرہ میں طبع ہوا۔

۴۔ ''الإقناع'' محمد بن محمد الخطیب الشربینی المتوفی ۹۷۷ نے ۹۷۲ ہجری میں الاقناع کی تالیف کی تھی، اس مرتبہ اس کتاب کے طبع ہونے کا پتہ چلتا ہے، اس کا ایک حاشیہ ابراہیم بن محمد البرمادی نے لکھا جو کم سے کم دو مرتبہ طبع ہوا ہے اور اس پر تقریظات کے نام سے محمد بن محمد الانبالی المتوفی ۱۳۱۲ ہجری نے ۱۲۹۲ ہجری میں ایک رسالہ شائع کیا، دوسرا حاشیہ عبد الرحمٰن بن یوسف الاجھوری کا ہے جو تقریباً ۱۰۸۴ ہجری کے مولف ہیں، اس کا مخطوطہ جاوا میں ہے، تیسرا حاشیہ الحسن بن علی المدابغی المتوفی ۱۱۷۰ نے ''کفایة الطلاب'' کے نام سے لکھا جو طبع ہو چکا ہے، چوتھا حاشیہ ''تحفة الحبیب'' کے نام سے شیخ سلیمان بجیری المتوفی ۱۲۲۱ ہجری نے ۱۲۰۸ میں لکھا جو چار جلدوں میں طبع ہوا ہے، میں نے اپنے رسالہ ''المبسوط'' کی تالیف میں شیخ ابراہیم بیجوری کے حاشیہ کے ساتھ ساتھ شیخ سلیمان بجیری کے اسی حاشیہ سے مدد لی ہے، پانچواں حاشیہ ابراہیم المرقونی الازہری نے لکھا ہے جس کا مخطوطہ گوتھا وغیرہ میں ہے، سات اور حواشی برلن میں ہیں جن کی تفصیلی فہرست مرتبہ آلواٹ میں نمبر ۴۲۸۴ کے تحت ملے گی۔

۵۔ ایک گمنام اصل شرح مفقود ہے لیکن اس پر نور الدین علی الشبر المسی المتوفی ۱۰۸۷ ہجری کا حاشیہ کشف القناع کے نام سے ہے، اس کو عبد الرحمٰن المحلی نے مرتب کیا تھا، اس کا مخطوطہ پیرس میں ہے۔

۶۔ ''تصحيح عمدة الأنظار ''مولفہ نجم الدین ابوبکر بن قاضی عجلون ناپید ہے، اس کے ایک چھوٹے جزء کی شرح کا مخطوطہ گوتھا میں ہے۔

۷۔ ''فتح الغفار شرح مخبآت غاية الاختصار ''مولفہ احمد بن قاسم المعبادی القاہری المتوفی ۹۹۴ ہجری، اس کا مخطوطہ قاہرہ میں ہے۔

۸۔ ''فتح العزيز الغفار بالكلام على شرح غاية الاختصار ''مولفہ احمد بن عمر الغینی الدیربی الازہری المتوفی ۱۱۵۱ ہجری، اس کا مخطوطہ قاہرہ میں ہے۔

۹۔ ''جواهر الاطلاع ودرر الإقناع على متن أبي شجاع ''مولفہ یوسف سلام الشاذّی، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۵۰ ہجری۔

۱۰۔ ''النهاية'' مولفہ عبداللہ محمد ولی الدین البصری۔ اس کا مخطوطہ قاہرہ میں ہے۔

۱۱۔ شرح مولفہ محمد النووی مطبوعہ قاہرہ ۱۳۱۰ ہجری، یہ انیسویں صدی کے مولف ہیں، اس کے فارسی ترجمہ کا مخطوطہ ''ایشیاٹک سوسائٹی'' بنگال میں ہے۔

۱۲۔ شرف الدین یحیی بن نورالدین العمریطی المتوفی ۹۷۶ ہجری نے اس متن کو منظوم کیا ہے اور اس کا نام ''التدريب في نظم التقريب ''رکھا ہے، اس کے مخطوطے قاہرہ، بیت المقدس اور جاوا میں ہیں، اس کی شرح احمد بن حجازی الغشنی نے جو دسویں صدی ہجری کے مولف ہیں ''تحفة الحبيب'' کے نام سے لکھی، اس کا مخطوطہ جاوا میں ہے۔

ارتقاءِ علمِ فقہ

چاروں ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کا تقابل مقدمۂ فقہ کی تکمیل کے لیے نہایت ضروری ہے، ذیل میں سرسری تذکرہ قلم بند کیا جاتا ہے:

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ ۸۰ ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئے، ستر سال کی عمر میں ۱۵۰ ہجری (مطابق ۷۶۷ء بروکلن) میں وفات پائی، آپ کا مزار بغداد میں ہے۔

امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ ۹۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور نوّے سال کی عمر میں ۱۷۹ ہجری میں وفات پائی، مدینہ طیبہ میں جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ غزہ میں ربیع الاول ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور چوّن سال کی عمر میں ۲۰۴ ہجری رجب (مطابق ۲۰ جنوری ۸۰۲ء بروکلمن) میں مصر میں وفات پائی۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ربیع الاول ۱۶۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۷۷ سال کی عمر میں ۲۷۱ ہجری میں وفات پائی۔

اندراجاتِ بالا سے ظاہر ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے تلمذ کا موقع نہیں ملا، لیکن امام مالک رضی اللہ عنہ سے ایک مدت تک آپ کو تلمذ رہا اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ آپ کے ہم عصر اور خاص دوست تھے۔

شیخ ابوشجاع نے ۵۹۳ ہجری میں وفات پائی، ان کا متن ''التقریب'' یا ''غایۃ الاختصار'' ہے۔ (ابوالحسن احمد بن احمد البغدادی نے ۴۲۸ ہجری میں وفات پائی، فقہِ حنفی میں ان کا متن قدوری مشہور ہے، علی بن ابی بکر المرغینانی نے ۵۹۶ ہجری میں وفات پائی، فقہِ حنفی میں ان کا متن ہدایہ مشہور ہے)۔

محمد بن قاسم غزی غرابیلی نے ۹۱۸ ہجری میں وفات پائی، ان کی شرح ''فتح القریب المجیب'' ہے۔

محمد بن محمد شربینی خطیب زہری نے ۹۷۷ ہجری میں وفات پائی، ان کی شرح کا نام ''الإقناع'' ہے۔

شیخ سلیمان بجیری نے ۱۲۲۱ ہجری میں وفات پائی، خطیب کی شرح پر ان کا حاشیہ چار جلدوں میں ہے۔

شیخ ابراہیم بیجوری نے ۱۲۷۷ ہجری میں وفات پائی، ان کا حاشیہ ابن قاسم کی شرح پر ۱۲۵۸ ہجری میں تکمیل پایا۔

پہلا دور ائمہ اربعہ کا ۱۰۰ ہجری سے تقریباً ۲۴۱ ہجری تک ڈیڑھ سو سال رہا۔

دوسرا دور تقریباً تین سو سال کے بعد نویں صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک رہا اور اس دور میں ابن قاسم اور خطیب کی شروح تکمیل پائیں۔

چوتھا دور تیرھویں صدی ہجری سے شروع ہوا جس میں بجیری اور بیجوری کے حاشیے تصنیف ہوئے۔

دورِاول میں فقہ کی تصنیف کی گئی، مگر دورِدوم میں بطورِقانون اس کی تدوین ہوئی، دورِسوم میں محض تفہیم مسائل کے لیے ضروری تصریحات کی گئیں اور آخری دورِ چہارم میں پوری چھان بین کے بعد تفصیلی شروح لکھی گئیں، بجیری نے لکھا ہے کہ ہر چہار ائمہ راہِ صواب پر ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے، ایک کی تقلید کی تو ذمے داری سے سبکدوش ہوا، ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف تبدیلی جائز ہے، بلکہ کسی مسئلہ میں بالکلیہ ایک امام کی پیروی بھی جائز ہے، البتہ کسی ایک مسئلہ کی تجزی کر کے ایک جزو میں ایک امام کی تقلید اور دوسرے جزء میں دوسرے امام کی تقلید تلفیق کہلاتی ہے اور جائز نہیں ہے، جیسا کہ طہارت کلبی میں مالکیہ کی تقلید اور مسحِ سر میں شافعیہ کی تقلید۔

طریقۂ تالیف

المبسوط کی تالیف کے وقت شیخ ابراہیم بیجوری کا حاشیہ میرے پیشِ نظر رہا اور وقتاً فوقتاً شیخ سلیمان بجیری کے حاشیہ سے مدد لی اور ان دونوں حاشیوں کا اقتباس باہم اس قدر ملا جلا ہے کہ ان کے حوالہ جات کا درج کرنا نہ صرف تحریر کی طوالت کا باعث تھا بلکہ ناظرین کے تضییع وقت کا بھی موجب تھا، اس لیے عام طور پر میں نے ان کے حوالے نہیں دیے ہیں، البتہ ان دو حاشیوں کے علاوہ اگر کسی دوسری فقہی کتب سے مدد لی ہے تو اس کا حوالہ درج کر دیا ہے، اس لیے میری استدعا ہے کہ اگر کسی مسئلہ کی نسبت تجسس ہو تو محولہ ان دو حاشیوں کی طرف ناظرینِ کرام رجوع کریں۔

سارے اقتباسات خواہ آیاتِ قرآنی سے ہوں یا احادیثِ نبویہ سے، استدلال ائمہ سے تعلق رکھتے ہوں یا اجتہادِ فقہاء سے، میں نے راست اصلِ ماخذ سے اخذ نہیں کیا ہے، بلکہ ان ہی مستند ومتداول کتب سے حاصل کیا ہے، البتہ ترجمہ میرا اپنایا ہوا ہے اور ترتیب اپنی دی ہوئی ہے، صرف کون سا مسئلہ کہاں بیان کرنا چاہیے، نہیں بلکہ کون سا جملہ یا کون سا

فقرہ کس مقام پر آئے تو بہتر ہوگا، میں نے اس کا خیال رکھا ہے، اس میں شک نہیں کہ محض ترتیب بھی ایک حد تک مولف کے رجحان کی تائید کرتی ہے، اور میرے لیے اس سے بچنا دشوار بلکہ ناممکن تھا۔

جہاں ممکن ہوا، مسئلہ کے آغاز میں اُس مسئلہ کے ارتقاء کے مدارج اور تاریخ کی صراحت کرنے کی کوشش کی، جس سے معلوم ہو سکے کہ شریعتِ محمدی کے نفاذ سے قبل دیگر شریعتوں میں کیا حکم تھا اور اس پر کس طرح عمل کیا جاتا رہا اور ان میں شریعتِ اسلام نے کس طرح ترمیم واصلاح کی، اسی ضمن میں متعلقہ آیاتِ قرآنی کے شانِ نزول اور احادیثِ نبوی جن واقعات پر مبنی تھے اس کی صراحت کی ہے۔

چوں کہ ''المختصر'' بطور متن لکھا گیا تھا، اس لیے میں نے اصل مسئلہ کو متن کی عبارت میں بیان کرنے کے بعد اس کے متعلق نصِ قرآنی کی صراحت کی اور پھر متعلقہ احادیث کا ذکر کرتے ہوئے اس کے استدلال سے بحث کی اور کسی مسئلہ میں دیگر ائمہ کے ساتھ کوئی اختلاف پایا تو اس کا ذکر کیا، اس کے علاوہ جہاں تک مناسب اور آسان نظر آیا ''المتوسط'' کی عبارت بھی بعینہ ''المبسوط'' میں شریک کردی اور اس کے بعد محولہ حاشیوں کے اقتباس کا اضافہ کیا، ناظرین کی سہولت کے لیے متن کی عبارت پر خط کھینچا ہے، جس مسئلہ میں ضرورت سمجھیں آگے شرح میں جائیں، ورنہ متن پر اکتفا کریں۔ (موجودہ طباعت میں متن کی عبارت پر خط کھینچا نہیں گیا ہے)

ضمیمہ

کتاب کے اخیر میں امام شافعی اور شیخ ابوشجاع رحمۃ اللہ علیہم کی سوانح حیات بطورِ ضمیمہ درج کی ہے۔

اشاریہ

حسبِ دستور کتاب کے آغاز میں فہرستِ مضامین دی ہے، اس کے علاوہ آخر میں ''اشاریہ''، یعنی انڈکس بھی دیا ہے جس میں مضامین کے عنوانات حروفِ تہجی کے لحاظ سے

ترتیب دے کر ان کے صفحات کا حوالہ درج کیا ہے اور حوالہ جات کے تعدد کی صورت میں امتیاز کے لیے اُس حوالہ پر خط کھینچا ہے جو مفید مطلب ہے، ناظرینِ کرام سے میری استدعا ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے قبل فہرستِ مضامین کے ساتھ اس اشاریہ پر بھی ایک سرسری نظر ڈالیں تو اس کتاب کے محتویات سے بآسانی واقفیت حاصل ہوگی۔

فقہی مسائل عام طور پر ایسے خشک تصور کیے جاتے ہیں جیسے قانونِ تعزیرات اور دیوانی کے دفعات، لیکن اگر واقعات کے ساتھ ان کی توضیح کی جائے تو کافی دلچسپی پیدا کرتے ہیں، چناں چہ ''المبسوط'' میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جو جاذبِ نظر ہو سکتے ہیں، بعض فقہی اصول بنیادی ہیں جن کو ذہن نشین کرنے سے بہت سی دشواریاں حل ہوتی ہیں، بعض امور طبی ہیں اور بعض مواعظ کی تعریف میں داخل ہیں، ان میں سے چند امور صفحات کے حوالہ کے ساتھ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

اصول فقہ:

امورِ طب

مواعظ

سوالات کے جواب

تالیف فقہ کے مشاغل کے اثنا میں بعض ایسے اصحاب سے بھی تبادلہ خیال کے مواقع رہے جو دیگر علوم میں کافی مہارت رکھتے ہیں اور فقہ سے بھی انہیں دلچسپی ہے، لیکن عربی کی ناواقفیت کی وجہ سے اس علم کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکے، میں نے ان میں دو مکاتبِ خیال کے لوگ پائے۔

ایک طبقہ کا خیال ہے کہ فقہ میں فروعات کی بحث کو اس قدر طوالت دی گئی ہے کہ بال کی کھال کھینچ دی گئی، ایسے واقعات اور حالات سے بحث کی گئی ہے جن میں سے اکثر یا تو ناممکن الوقوع تھے یا کم از کم غیر ضروری، ان کے خیال میں ضرورت اس امر کی ہے کہ مسائل کی کانٹ چھانٹ کر کے ان امور کو باقی رکھا جائے جو واجب التعمیل ہیں اور ان کو سہل طریقہ پر بیان کیا جائے۔

دوسرے طبقہ کا خیال ہے کہ فقہ ایک فرسودہ فن ہے، پرانی لکیر کو بار بار پیٹا گیا ہے، زمانے کے بدلے ہوئے حالات کا ساتھ نہیں دیتا، معاشرت، تمدن اور بین الاقوامی قوانین آئے دن بدلتے جارہے ہیں، مگر فقہ کی تالیفات صدیوں پرانی ہیں، روز مرہ زندگی کی ضروریات اس سے حل نہیں ہوسکتیں، جس چیز کی تلاش کیجیے وہ دستیاب نہیں ہوتی اور جو چیز دستیاب ہوتی ہے اس کی ضرورت نہیں، اس لیے ان کا ادّعا ہے کہ غور کر کے اس میں غیر ضروری امور کو حذف کیا جائے اور بعض امور جو ضروری ہیں اور قدیم تصنیفات میں نہیں پائے جاتے ان کا اضافہ کیا جائے۔

اختصار کے ساتھ بیک وقت ان دونوں سوالات کا جواب دیا جاتا ہے۔ فقہاء وعلمائے سلف خواہ متقدمین میں سے ہوں یا متاخرین میں سے، دیگر علوم کے علاوہ اس ایک فن کی تکمیل میں اپنی عمریں صرف کر دیں، صحابہ کرام اور تابعین میں ایسے اشخاص تھے جو فہمِ قرآن کی خاص شہرت رکھتے تھے اور بعض حدیث کی روایت کے لیے قابلِ اعتماد مانے گئے ہیں، فقہاء اور علماء کا ذوقِ علم اس درجہ بڑھا تھا کہ بسا اوقات ایک رمزِ قرآن کے سمجھنے یا ایک

حدیث کی روایت یا راوی کی صداقت کے معلوم کرنے کے لیے حجاز، یمن اور عراق کے طویل سفروں کی صعوبت برداشت کرتے تھے، ایک زبان تھے، زبان کے ماہر تھے اور اس پر بھی زبان کے نکات کی خوبی سمجھنے کے لیے تیار تھے، آیاتِ قرآنی، اخبارِ نبوی اور آثارِ صحابہ کی روشنی میں مسائل کا استنباط کرتے تھے، اس میں شک نہیں کہ ہم میں سے کوئی شخص ان سارے مدارج کو طے کرنے کی قابلیت رکھتا ہو اور وقت وفرصت پائے اور آمادہ ہو تو ''چشمِ ماروشن دلِ ماشاد''، اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اپنی رائے آپ قائم کر سکتے ہیں، لیکن اگر ترجمہ سے کام لے کر کسی آیت کی تفسیر یا کسی حدیث کی تاویل کریں تو ہم کہیں گے:

ترسم کہ بکعبہ نہ رسی اے اعرابی — ایں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

معتبر محدثین کی روایتیں اور مستند ائمہ کی فکر کے نتائج موجود ہیں، اصول بتا دیے گئے ہیں اور ان کے ذیلی شاخ در شاخ فروعات کی توضیح کی گئی ہے، اصل مسئلہ سے استدلال مقصود ہو تو دورِ اول اور دورِ دوم کی تصنیفات سے مدد لیجئے اور اگر کسی واقعہ کے انطباق کی ضرورت ہو تو دورِ سوم اور چہارم کی تالیفات کا مطالعہ کیجئے تو جزوی سے جزوی مسئلہ بآسانی حل ہو جائے گا، منطقی فروعات میں گئے بغیر عقلی دلائل قائم نہیں کیے جا سکتے اور صحیح نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔

فروعات کی نسبت یہ کہنا کہ ناممکن الواقعات پر مبنی ہیں اور ضیاعِ اوقات کے باعث ہیں، اس لیے صحیح نہیں ہے کہ عقلی دلائل کا کذب لازم آتا ہے، ایک فروعی شکل کل نہ تھی اور آج پیش آئی یا آج ناممکن تصور کی گئی اور کل معرضِ وجود میں آئی تو اس کی نسبت ہمارا استدلال ناقص قرار پائے گا، ہم میں سے وہ لوگ جو مالیہ متمدنہ قوانین سے واقف ہیں اور واقعات کے ساتھ ان کی مطابقت کرنے کا تجربہ رکھتے ہیں؛ بتا سکتے ہیں کہ قانون کی شکل میں ایک ایکٹ کو نافذ کرنے کے بعد اُس کے صحیح طریقہ پر تعمیل کرانے کے لیے ذیلی قواعد ترتیب دیے جاتے ہیں اور پھر منفصلہ مقدمات کے نظایر کو شامل کر کے شروحات تالیف کی جاتی ہیں، بالکل یہی حال اسلامی فقہ کا ہے، میری سابقہ تالیفات اور حالیہ تالیفات میں عبادات مکمل ہیں اور معاملات میں سے وہ مسائل لیے گئے ہیں جو فی الوقت ہندوستان میں

رائج ہیں اور اس حد تک میری کوشش رہی ہے کہ عصری ضروریات بھی پوری کی جائیں اور میں فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علمائے سلف کے اقوال و آراء کو میں نے کہیں تشنہ نہیں پایا، جی چاہتا ہے کہ مثالوں کے ساتھ اس بحث کے بعض اجزاء کی توضیح کروں، مگر مقدمہ کی طوالت کا خیال مانع ہے، صرف اصولی بحث پر اس تقریر کو ختم کرتا ہوں۔

یادداشت

گو میں نے اس کتاب کی تالیف میں کافی سے زاید وقت صرف کیا ہے، مگر پھر بھی اپنی کوتاہیوں کا معترف ہوں کہ اہم فریضۂ تالیف کا کما حقہ ادا نہ کر سکا، زبانِ حال کہتی ہے کہ تحریر میں طوالت ہوگئی اور جذبۂ شوق کہتا ہے کہ المبسوط پھر بھی کوتاہ کی کوتاہ رہی، میرا التماس ہے کہ ان کوتاہیوں کو نہ صرف معاف کیجئے بلکہ جیسے جیسے نظر آجائیں بطور یادداشت درج فرماتے جائیے اور بوقتِ فرصت مولف کے پاس بھیج دیجئے، تاکہ دوسری اشاعت میں اس سے استفادہ کیا جائے، اس غرض کے لیے اس مقدمہ کے بعد ایک ورق معرّا رکھا ہے، عمر کی آخری منزل پر ہوں، فردا کا یقین نہیں، مگر پھر بھی ایک طویل اصلاحی تجویز پیش کر رہا ہوں، اس خیال سے کہ ''اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند'' یا ''مردے از غیب بروں آید و کارے بکند''۔

تشکر

میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ان سارے کرم فرما حضرات کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے اس کتاب کی تالیف میں میری مدد کی، استاذی علامہ مولوی عبدالقدیر صاحب صدیقی سابق استاذ دارالعلوم و سابق شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ مستحقِ صد شکر ہیں، جن کی حسنِ تعلیم و نیک رہبری کا نتیجہ یہ تالیف ہے، دارالعلوم کے قدیم رفیقِ درس مولوی سعادت اللہ خان صاحب نے بلا دریغ اپنے صلاح خیر سے استفادہ کا موقع دیا، برادر سول سرویس مولوی مرزا حسین احمد بیگ صاحب نے قانونی اور ادبی مشورے دیے، محمد عباس صاحب خوشنویس کی پابندی لایقِ ستائش ہے، ورنہ اس طویل کتابت کو انجام کو پہنچانا آسان کام نہ تھا، مدیر روزنامہ ''سیاست''

و مالک مطبع انتخاب پریس مولوی عابد علی خان صاحب اور ان کے شریک مولوی سید محبوب حسین صاحب جگر نے خاص سہولت بہم پہنچائی اور اس کتاب کو زیورِ طباعت سے آراستہ کیا، عزیزی مولوی محمد غوث صاحب اور برخوردار مایل احمد سلمہ قراءت وسماعت میں مدد دیتے رہے۔

میں اس موقع پر ان علمائے کرام کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہوں جن کو ہم سے جدا ہوئے مدت گزری، مگر ان کے فیوضات اب تک باقی وجاری ہیں، مولوی حبیب الرحمٰن صاحب بیدلؔ سہارنپوری، مولوی ابوبکر بن شہاب صاحب، مولوی نادر الدین صاحب، مولوی محمد عباس صاحب، مولوی میر موسیٰ حسین صاحب، مولوی سید شاہ مصطفیٰ صاحب، مولوی اشرف حسین شمسی، قاری سلیمان صاحب بھوپالی ومولوی سلیمان اشرف صاحب بہاری؛ یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے اپنی زندگی اشاعتِ علم کے لیے وقف کردی تھی، آخر الذکر علیگڑھ کالج کے دینیات کے استاد تھے اور تفسیر کا درس بھی دیتے تھے، بقیہ حضرات قدیم دار العلوم حیدرآباد کے درخشندہ ستارے بلکہ بدورِ کامل تھے، بحیثیت ایک شاگردِ رشید ان شفیق اساتذہ کی یاد تازہ کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں: رب العزت ان کی مرقدوں کو نور سے روشن کردے اور ان کی ارواحِ پاک کو اپنے جوارِ قرب میں جگہ دے۔

میں اخیر میں اس ذاتِ عزوجل کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بجالاتا ہوں جس نے اس بندۂ ناچیز کو صحت وتندرستی کے ساتھ فراغ بالی عطا فرمائی اور اس کارِ خیر کی انجام دہی کی توفیق عنایت کی، دعا کرتا ہوں:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّکَ أَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِوَالِدَیْنَا وَلِأَسَاتِذِنَا وَلِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلاۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ.

احمد جنگ

سوماجی گوڑا، خیریت آباد، حیدرآباد دکن
یوم جمعہ ۱۰/ جمادی الاخری ۱۳۷۱ ہجری
مطابق ۷ مارچ ۱۹۵۲ میلادی

طبعِ دوم

دو تین سال قبل ہی طبع اول کے نسخے ختم ہو چکے ہیں مگر چونکہ جامع العقاید کی تالیف اور طباعت میں مصروف تھا، اس جانب توجہ نہ کر سکا، جیسے ہی جامع العقاید سے فراغت پایا، المبسوط کی طباعت دوم میں مصروف ہو گیا، اس دوران میں بعض علمائے کرام کے آراء اور تبصرے سے استفادہ کا موقع ملا، وقتاً فوقتاً ضروری اصلاح، ترمیم اور اضافہ کرتا رہا، سلسلۂ مضمون کو جاری رکھنے کے لیے مقدمہ میں اختلاف ائمہ کے عنوان کا اضافہ کر کے بعض اقتباسات اختصار کے ساتھ درج کیے ہیں، اس ضمن میں مَیں خاص طور پر مولوی حبیب اللہ صاحب، مولوی سالم باحطاب صاحب اور مولوی شریف محی الدین صاحب کا شکر ادا کرتا ہوں، جنھوں نے اپنے صلاح و مشورے سے مجھ کو مستفید کیا، محمد عباس صاحب خوشنویس بقول ''دیر آید درست آید'' اس دفعہ بھی کتابت کو انجام کو پہنچا دیا، خدا کرے یہ نقش ثانی بہتر اور مفید تر ثابت ہو۔

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وآله وصحبه

یوم پنجشنبہ ۲۰ ذی القعدہ ۱۳۸۱ ہجری احمد جنگ

مطابق ۲۶/ اپریل ۱۹۶۲ میلادی

طبع سوم

المبسوط کے طبع سوم میں خلاف توقع بعض رکاوٹیں پیش آئیں، خدا بخشے محمد عباس صاحب خوشنویس کو جوڑھائی سو صفحے لکھ کر ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئے، یکے بعد دیگرے جدید کاتب کی تلاش میں کچھ وقت صرف ہوا، بازار میں کاغذ ملنا مشکل ہوگیا اور پریس بجائے ایک کے دو فراہم کرنے پڑے، چھ مہینے کے کام کے لیے دو سال گذر گئے پھر بھی کام میرے حسب دل خواہ نہیں ہوا۔

نقشہ جات

حجاز کا سروے نہیں ہوا تھا، حسنِ اتفاق سے جرمن سیاح برکھارڈ کا سفر نامہ مل گیا، انھوں نے بھیس بدل کر ۱۸۱۵ء میں قدم کے شمار سے بعض نقشے مرتب کیے تھے، البتہ مولوی معین الدین صاحب انجینئر کسرول ضلع مراد آباد یوپی جو اپنی ریاست کی جانب سے بعض تعمیر کے لیے حجاز بھیجے گئے تھے انھوں نے اپنے قیام کے دوران مناسک حج کے تعلق سے بعض عمارات کی پیمائش کی اور نقشے تیار کیے، ان کے خط کی خوبی نقشوں کے عنوان سے ظاہر ہے، ان کے صاحبزادے مولوی مختار الدین صاحب نے ان نقشوں کی کاپیاں مجھے مہیا کیں جو اس کتاب میں شامل ہیں، (ان نقشوں کے ساتھ جدید نقشوں کو بھی کتاب میں شامل کیا گیا ہے) اللہ تعالی پدر بزرگوار اور صاحبزادے ارجمند ہر دو کو جزائے خیر دے۔ آمین

یوم پنجشنبہ ۱۱ رجب ۱۳۹۱ ہجری
مطابق ۲ ستمبر ۱۹۷۱ میلادی

احمد جنگ

طبع چہارم

المبسوط جو پسندِ عام رہی، اس کے نتیجہ میں پوراذخیرہ ہاتھوں ہاتھ ختم ہوگیا،لیکن میری علالت، ۱۹۷۴ء سے بصارت میں مسلسل انحطاط اور طباعتی دشواریوں جیسے کتابت، تصحیح مسودات وغیرہ کے پیشِ نظر سال گذشتہ کچھ عرصہ تعطل کے عالم میں گذر گیا، میرے فرزندانِ باسعادتِ آثار بھی بیرون ملک مصروف بکار ہیں، گوعام اصول تو یہ ہے:

''گر پدر نہ تواند پسر تمام کند''

مگر سوئے اتفاق میں اس سہولت سے حالاتِ ناگزیر کی وجہ سے محروم رہا، اس مسبب الاسباب کا شکر گذار ہوں کہ ایسے وقت میرے ہمشیر زادہ محمد خلیل الرحمٰن سلمہ فرزند برادرم قاضی محمد غوث مرحوم وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوکر حیدرآباد واپس آگئے، ان کی اعانت اور میری اہلیہ منیر بیگم کی جانب سے وسائل کی فراہمی بہت کارآمد ثابت ہوئی، اور الحمدللہ دونوں کے تعاون نے المبسوط کو پھر ایک بار ضرورت مند تشنگانِ علم کے لیے مہیا کردیا، اللہ تعالی انھیں جزائے خیر دے اور آئندہ بھی انھیں دینی خدمات انجام دینے کی ہمت عطا فرمائے۔

یوم شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ ہجری
مطابق ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء

احمد جنگ

طبعِ پنجم

الحمد لله والصلاة والسلام علی حبیب الله محمد ﷺ وعلی آله وصحبه وبارک وسلم، أما بعد!

اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن ۱۳۹۹ ہجری مطابق ۱۹۷۹ء کو شائع ہوا تھا، اس کے بعد سے کسی ایڈیشن کی طباعت کا علم نہیں ہے، چونکہ یہ کتاب بڑی اہم ہے اور فقہِ اسلامی کی اہم معلومات پر مشتمل ہے، اس کا پانچواں ایڈیشن ہم معہد امام حسن البنا شہید بھٹکل کی طرف سے ایڈیٹنگ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں، اس پر جو مزید کام کیا گیا ہے، اس کا تذکرہ آغازِ سخن میں تحریر کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی اشاعتِ جدید کی غرض سے مرحوم کے اہلِ خانہ سے رابطہ کی کوشش کی گئی، حیدر آباد میں سکونت پذیر ہمارے احباب سے خطوط اور فون کے ذریعے اہلِ خانہ کو تلاش کیا گیا اور مرحوم کا قدیم پتہ بھی دیا گیا جو چوتھے ایڈیشن میں مذکور ہے، لیکن کسی بھی طرح رابطہ نہیں ہوسکا، اسی لیے صرف بصرف کتاب کی افادیت کو عام کرنے کی غرض سے شائع کیا جارہا ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کتاب کا نفع عام فرمائے۔

محمد ناصر سعید اکرمی

ناظم معہد امام حسن البنا شہید۔ بھٹکل

رجب المرجب ۱۴۳۴ ہجری

جون ۲۰۱۳ء

اقتباس آراء

فہرست

۱۔مولوی مناظر احسن صاحب گیلانی
۲۔مولانا میاں خالد صاحب انصاری بھوپالی
۳۔مولوی محمد سعادت اللہ خانصاحب مندوزی
۴۔ترجمان القرآن، لاہور
۵۔صدق جدید، لکھنؤ
۶۔مولوی محمد عبد القادر صاحب۔مفتی فرنگی محل
۷۔مولوی سید سلیمان صاحب ندوی
۸۔مولوی سید محمود صاحب سابق مفتی جمعیت نظام محبوب
۹۔مولوی سید محمد باشاہ حسینی صاحب
۱۰۔مولانا ابوالکلام صاحب آزاد
۱۱۔مولوی جمال الدین صاحب فرنگی محل
۱۲۔مولوی عمران خانصاحب۔عمید دارالعلوم ندوہ
۱۳۔مولوی محمد رحیم الدین صاحب (شیخ جامعہ نظامیہ حیدرآباد)
۱۴۔مولانا محمد بن عبدالوہاب صاحب المامون
۱۵۔مولوی ابوالحسن علی صاحب
۱۶۔مولوی مفتی محمد شفیع صاحب دارالعلوم کراچی
۱۷۔مولوی محمد حبیب اللہ صاحب۔قاضی مدراس و مولوی ناصر الدین صاحب و برادر قاضی صاحب

مولوی مناظر احسن صاحب گیلانی۔ ۱۵/مئی ۱۹۵۲ء

واقعہ یہ ہے کہ یوں تو اردو زبان میں فقہ حنفی کی متعدد بڑی وقیع اور غیر وقیع کتابیں پہلے ہی سے موجود ہیں اور آپ کی کتاب کی یہ مرتبت کہ بجائے حنفی فقہ کے شافعی فقہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی صحیح تعریف نہیں ہوگی۔ آپ نے مسائل کی تعبیر، ابواب کی ترتیب میں جس حسنِ سلیقہ سے کام لیا ہے، جاننے والے ہی اس کی صحیح داد دے سکتے ہیں۔ حج کے باب میں مناسک کے مقامات خاص کی جغرافیائی تفصیل اس کتاب کی ایسی خصوصیت ہے کہ شاید فقہ کی کسی دوسری کتاب میں ہم اسے نہیں پاسکتے۔ آپ نے مسئلہ صاع میں مد کی مقدار جو بیان کی ہے اور اپنے جس مشاہدہ کا حوالہ دیا ہے، ضرورت ہے کہ علماء اس کی طرف توجہ کریں۔ یہ نزاعی مسئلہ بآسانی آپ کی تحقیق کی روشنی میں طے ہوسکتا ہے۔

آپ کی کتاب میں حنفی فقہ کی کتابوں کے عام ابواب کے مقابلہ میں بعض نئے ابواب بھی ہیں اور ضروری ہیں، جدید طریقہ تصنیف میں انڈکس جیسی مفید چیز کا اضافہ کرکے آپ نے علماء کو اس کا عملی درس دیا کہ ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' پر عمل کرنے کی واقعی شکل کیا ہے۔ متعلقہ شخصیتوں کے مختصر تاریخی معلومات کا اضافہ بھی آپ کی تصنیف کی مفید جدت ہے۔ بہرحال عبارت، طباعت، ترتیب، ہر اعتبار سے آپ کا یہ کام ایک مثالی تصنیف ہے فجزاكم الله عن الإسلام والمسلمين خير الجزاء۔

جن حالات سے اس وقت دنیا گذر رہی ہے، آپ نے خوب سوچا کہ اپنے دل و دماغ کو اس سے ہٹا کر دین کی طرف پھیر دیا جائے۔ ﴿إنا أخلصناهم بخالصة ذكرى الدار﴾ (ص:۴۶) جن میں ملکوتی افراد کی خصوصیت بیان کی گئی ہے، بس ان ہی کے دامن کے ساتھ آپ اپنے کو باندھ دینا چاہیے۔ فالحمد لله الذي وفقكم لما يحب ويرضى ۔ خدا کرے اور دوسرے کام جو آپ کے پیش نظر ہیں ان کی تکمیل کے مواقع آپ کے لیے آسان کئے جائیں۔

مولانا میاں خالد صاحب انصاری بھوپالی ۱۳/ جون ۱۹۵۲ء

میں نے جناب کی کتاب المبسوط کو من أولہ إلی آخرہ دیکھا۔ فقہ شافعیہ میں بے مثل کتاب ہے اور شافعی حضرات کے لیے مشعل راہ ہے، مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ آج ہندوستان میں شافعی مذہب کے نشر واشاعت میں حصہ لینے والے ممتاز حضرات موجود ہیں۔

مولوی محمد سعادت اللہ خان صاحب منذوری پرنسل دارالعلوم (وظیفہ یاب)

۲۰/ اگست ۱۹۵۲ء

نواب احمد جنگ بہادر شہر حیدرآباد دکن کے ایک معزز گھرانے کے چشم و چراغ ہیں جو علوم شرعیہ ومغربیہ کے تعلیم یافتہ ہونے کا امتیاز خاص رکھتے ہیں۔ دارالعلوم قدیم میں ادب عربی وفارسی، صرف ونحو، عربی وفارسی، معانی وبیان، فلسفہ قدیم، تاریخ ومنطق ومناظرہ وعروض وقوافی، فقہ وعلم الفرائض کی تحصیل کی۔ علم حدیث وتفسیر وسیرت کا گہرا مطالعہ کیا۔ علی گڑھ کالج میں علوم مغربیہ کی تعلیم پانے کے بعد سول سرویس میں داخل ہوئے۔ ملک کی اہم سے اہم خدمتیں مالی وعدالتی وچیف سکریٹری کی انجام دے کر بفضل خدا وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوئے لیکن ذوق علمی آپ کا فطری مشغلہ رہا خصوصاً خدمت دین کے جذبہ نے علم ودین کی خدمت پر آمادہ کیا۔ دین کی ایسی خدمت کی جو ہمیشہ کے لیے آپ کو زندہ رکھے گی یعنی فقہ شافعی پر اردو بولنے والے شوافع کے استفادہ کے لیے تین کتابیں طویل ومسلسل محنت اور تحقیق کے بعد لکھ ڈالیں، پہلے ایک مختصر مفید کتاب لکھی جس کا نام المختصر ہے۔ اس کے بعد ایک اور کتاب تالیف فرمائی جس کا نام المتوسط ہے۔

یہ دونوں کتابیں اس قدر مقبول ہوئیں کہ ایک اور کتاب شرح وبسط کے ساتھ لکھنے کا شوق ہوا جس کا نام المبسوط ہے۔ اس کتاب میں ہر مسئلہ کے تحت معتبر اور مستند کتابوں کے حوالہ سے سیر حاصل بحث کی ہے۔ اردو زبان میں فقہ پر کتابیں تالیف کی گئی ہیں لیکن فقہ شافعی پر ایسی جامع کتاب اردو زبان میں نہیں پائی جاتی۔ مسائل کے ساتھ ساتھ آیات

قرآنی کے حوالہ اور احادیث شریفہ سے استناد کیا گیا ہے اور پھر تاریخی اور جغرافیائی معلومات، بزرگانِ دین کے اقوال اوران کے وہ احوال بھی درج کئے گئے ہیں جن سے ایک مسلمان کا قلب مذہبی اعمال کی طرف راغب اور مائل ہوتا ہے۔

زبان کی سلاست اورطرزِتحریر نے المبسوط کے ناظرین کے لیے دلچسپی کا کافی سرمایہ پیدا کر دیا ہے۔

بعض ایسا علمی مواد بھی ملے گا جو بیسیوں کتابوں کی ورق گردانی کے بعد بھی شاید دستیاب نہ ہوسکے۔ یہ کتاب اگر چہ فقہ شافعی کے عنوان پر تالیف کی گئی ہے لیکن اس میں دیگر ائمہ کے مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں۔ بنابریں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے دیگر ائمہ کے مقلدین بھی مستفید ہوسکتے ہیں۔

نماز جنازہ، نمازعید، حجراسود، غلاف کعبہ، زمزم، اور منبر پر جو تاریخی نوٹس بضمن مسائل دئے گئے ہیں ایک بیش بہا علمی اضافہ ہے۔ باب الحج میں جابجا جغرافیائی نقوش سے ایک صحیح تصوران مناظر کا سامنے آجاتا ہے جو حجاج کے لیے صحیح رہبری کا کام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ کتابت اور طباعت جاذب نظر ہے اور بقدر امکان صحتِ طباعت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ مسلمانوں اور خصوصاً شوافع کے لیے یہ نادر تحفہ ہے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ نواب صاحب کی یہ دینی خدمت عند اللہ ماجور ہو اور مسلمانوں کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا کرے اور اس کی مقبولیت وافادیت روز افزوں رہے۔ آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ترجمان القرآن لاہور۔ بابت رمضان وشوال ۱۳۷۱ھ

اردو زبان میں فقہی لٹریچر زیادہ تر فقہ حنفی سے متعلق ملتا ہے کیوں کہ ہمارے ملک میں فقہ کے اس مکتب خیال کے پیرووں کی غالب اکثریت پائی جاتی ہے۔ جناب احمد اللہ صاحب نے پہلی مرتبہ اردوداں طبقے کے لیے فقہ شافعی میں المختصر، المتوسط اور المبسوط کے نام سے تین کتابیں پیش کی ہیں۔ اس وقت المبسوط ہمارے سامنے ہے۔ یہ ایک اچھی علمی کوشش ہے اور اس سے نہ صرف امام شافعی کے مسلک سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب

فائدہ اٹھا سکتے ہیں، بلکہ دوسرے فقہی مدارسِ فکر کے پیروؤں کے لیے بھی اس کا مطالعہ فقہی امور میں قلب ونظر کی توسیع کا موجب ہوگا۔

صدق جدید لکھنؤ۔۳/اکتوبر۱۹۵۲ء

فقہ حنفی کا سرمایہ اتنی بڑی حد تک اب اردو میں منتقل ہوکر آیا ہے کہ اردو خواں گویا عربی کتابوں سے بے نیاز ہوگیا ہے۔ ہدایہ، شرح وقایہ، قدروی، درمختار و عالمگیری کے تو ترجمے ہی موجود ہیں۔ دوسری مستقل تالیفات اور فتاوی ان کے علاوہ۔ فقہ شافعی کے لحاظ سے البتہ اردو مفلس ہی تھی۔ شکر اور بڑے شکر کی بات ہے کہ حیدر آباد کے ایک باہمت صاحبِ علم کے ہاتھوں یہ افلاس بھی دور ہو چلا ہے۔ مولوی عالم مولانا احمد اللہ احمد جنگ بہادر ریٹائرڈ سویلین نے پہلے تو ایک مستند شافعی امام شیخ ابوشجاع کے ایک متن کا ترجمہ المختصر کے نام سے شائع کیا اور پھر اس کی جو شرح ایک اور شافعی فقیہ غرابیلی کے قلم سے تھی اس کا ترجمہ المتوسط کے نام سے کر دیا۔ یہ دونوں اتنی سلیس وشستہ عبارت میں تھیں کہ بجائے ترجمہ کے اصل اردو ہی میں لکھی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ ان دونوں کا تعارف انھیں دو چار سال کے اندران صفحات میں ہو چکا ہے کہ اب خادم شریعت کے قلم سے ایک مستقل کتاب اچھی خاصی ضخیم ومفصل المبسوط کے نام سے وجود میں آگئی۔ یہ گویا اس متن کی شرح اور اسی کی شرح در شرح ہے۔ زیادہ تر شیخ بیجوری کی مفصل شرح کا ترجمہ مگر جابجا دوسرے حاشیوں سے بھی مدد لیتے ہوئے۔

شیخ ابوشجاع اصفہائی کا سال وفات ۵۹۳ھ ہے۔ یہ مشہور حنفی علامہ مرغینانی (صاحب ہدایہ) کے ہم عصر تھے۔ ان کا شمار مسلک شافعی کے اکابر فقہاء میں ہے اور اس لیے المبسوط جو انھیں کی کتاب سے ماخوذ مستفاد ہے قدرتاً خود بھی مستند ومعتبر ہے۔

کتاب تمام ہی ابواب فقہی پر مشتمل ہے۔ طہارت، صلات، زکاۃ، صیام، حج، ذبیحہ، فرائض، وصیت، نکاح، طلاق وغیرہ اور پھر عنوان کے ذیل میں تحتانی ابواب وفصول اس جامعیت کے ساتھ کہ شاید ہی کوئی مسئلہ چھوٹنے پایا ہو۔ مسائل فقہ شافعی کے ہونا تو ظاہری ہے۔ مؤلف سلمہ نے جابجا دوسرے فقہوں کے احکام کا بھی ذکر کیا ہے اور اس نے کتاب کی

نافعیت اور دلچسپی دونوں بڑھادی ہے۔شروع میں ایک خوب مفصل فہرست مضامین ہے اور آخر میں اشاریہ اس سے بھی مفصل تر۔

آخر میں مختصر سی مگر دلچسپ سوانح عمری امام شافعی اور شیخ ابوشجاع کی ہے اور شروع میں ۱۴ صفحہ کا مقدمہ فاضل مؤلف کے قلم سے ہے وہ خود بڑا خوشگوار ہے، معنی وعبارت دونوں کے لحاظ سے۔ایک مختصر سا اقتباس ملاحظہ کرتے جائیں:

''گومیں نے اس کتاب کی تالیف میں کافی سے زائد وقت صرف کیا ہے مگر پھر بھی اپنی کوتاہیوں کا معترف ہوں کہ اہم فریضہ تالیف کما حقہ ادا نہ ہوسکا۔زبان حال کہتی ہے کہ تحریر میں طوالت ہوگئی اور جذبہ شوق کہتا ہے کہ المبسوط کی بساط پھر بھی کوتاہ کی کوتاہ رہی۔ میری التماس ہے کہ ان کوتاہیوں کو نہ صرف معاف کیجیے بلکہ جیسے جیسے اس سے استفادہ کیا جائے۔اس غرض کے لیے اس مقدمہ کے بعد ایک ورق معرا رکھا ہے۔عمر کی آخری منزل پر ہوں، فردا کا یقین نہیں، مگر پھر بھی ایک طویل اصلاحی تجویز پیش کررہا ہوں''۔

فقہ وقانون کی کتابیں اپنی خشک بیانی کے لیے بدنام ہیں، یہ کتاب اس کلیہ میں ایک خوشگوار، خوش آئند استثناء ہے۔شافعی مسلک والوں کے حق میں تو ایک نعمت ہی ہے۔حنفیہ بھی اسے کام کی چیز پائیں گے بلکہ ہر کوئی بھی شخص اگر ذرا مذہبی خیال کا ہے تو اس سے لطف ونفع دونوں حاصل کرے گا۔

مولوی محمد عبدالقادر صاحب مفتی مدرسہ عالیہ نظامیہ فرنگی محل ۱۵/اکتوبر۱۹۵۲ء

اتنی ضخیم کتاب کے سرسری مطالعہ کے بعد یہ عرض کرتے وقت ایک خاص مسرت محسوس کرتا ہوں کہ فی الواقع آپ نے فقہ شافعی کو بہت مبسوط شگفتہ اردو اور واضح انداز کے ساتھ جمع کیا ہے۔اردو میں فقہ شافعی میں ایسی جامع کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ بہت سے احباب مجھ سے فقہ شافعی کی کسی اردو کتاب کو دریافت کیا کرتے تھے، اب ایسے طلبگاران دین کو میرا مشورہ ہوگا کہ وہ اس کتاب سے مستفید ہوں۔حقیقت میں ہمارے شافعی بھائیوں کو ایسی کتاب کی بہت ضرورت تھی جو عام فہم اردو میں مسلک امام شافعی کی واضح ترجمان ہو۔

لا ریب آپ نے یہ کتاب لکھ کر ان کی اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے اور آپ کی سعی مشکور فرمائے۔ آمین۔ والسلام خیر ختام۔

مولوی سید سلیمان صاحب ندوی ۵/اکتوبر ۱۹۵۲ء

آپ کی کتاب جستہ جستہ دیکھی۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ فقہ شافعی میں ایسی جامع اور مبسوط کتاب آپ کے ذریعہ ہماری زبان میں میسر آئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دیں اور مسلمانوں کو اس سے مستفید فرمائیں۔

خاکسار کی نظر فقہ شافعی پر نہیں، اس لیے میری داد آپ کے لیے تحسین ناشناس ہوگی۔ لیکن آپ کے علم وتلاش پر اعتماد کر کے یہ کہا جاسکتا ہے اور امید ہے کہ کتاب مستند ماخذوں پر مبنی ہوگی۔

بہرحال ہم جیسے لوگوں کے لیے تو آپ کی کتاب بے حد معلومات افزاء اور مفید ہوگی۔

مولوی سید محمود صاحب سابق مفتی جمعیت نظام محبوب ۹/صفر ۱۳۷۲ھ

زمانے کے ہر دور میں حضرت باری عز اسمہ، جو اس دین برحق کا خود محافظ ہے ایسے خادمانِ اسلام کو پیدا فرماتا ہے جو بہ تعمیل ارشاد خداوندی جل شانہ ﴿**فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يرجعون**﴾ (التوبۃ:۱۲۲)۔ مختلف السنہ میں بحسب ضرورت زمانہ فقہ فی الدین کی خدمت بجالا کر برادرانِ اسلام کو ان کی ضروریاتِ دین سے بہرہ ور کرتے رہتے ہیں۔ منجملہ انہی علماء کرام کے ایک فاضل اجل اور عالم بے بدل عصر حاضر کے مولوی احمد اللہ صاحب (المخاطب بہ احمد جنگ بہادر) بھی ہیں جن کو ہمیشہ سے علمی ذوق وشوق رہا ہے جو باوجود کثرتِ مشاغل ومصروفیات کے علم فقہ کی خدمت کو بالالتزام سرانجام دیتے رہتے ہیں۔

صاحب ممدوح اس وقت تک اس فن میں تین بہترین کتب مدون کر کے شائع کر چکے ہیں جن میں سے پہلی کتاب کا نام المختصر ہے جس کو صاحب موصوف نے ابتداءً ایک

مختصر ومفید متن معتبرہ متون کتب فقہ شافعیہ سے مستلقط کر کے شائع فرمایا۔

اس کے بعد انھوں نے فقہ شافعیہ میں اس سے ایک بڑی اور وسیط کتاب مدون وتصنیف فرمائی اوراس کا نام المتوسط رکھ کر شائع فرمایا۔اب مومی الیہ نے فقہ شافعیہ میں ایک بسیط اور جامع فتاوی لکھ کر شائع فرمایا ہے جس کا نام انھوں نے المبسوط تجویز فرمایا ہے۔

المبسوط کا بغور مطالعہ کرنے سے مصنف کے تبحر علمی ، غایر نظری اور وسعت مطالعہ کتب فقہیہ شافعیہ کا بخوبی پتہ چلتا ہے کیوں کہ یہ کتاب کتب معتبرہ فقہ شافعیہ سے ماخوذ اور ان کا لب لباب ہے، اس کے اکثر حصہ کو پڑھ چکا ہوں ۔اس کتاب میں ضمناً دیگر ائمہ کے مسائل اختلافی کا بھی ذکر موجود ہے، طرز بیان نہایت واضح ،سلیس اور دل پذیر ہے ۔اس کتاب سے نہ صرف مقلدین حضرت امام شافعی مستفید و متمتع ہو سکتے ہیں بلکہ دیگر ائمہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقلدین بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔

کتاب نہایت محنت اور غایت جانفشانی سے لکھی گئی ہے، جو نہایت جاذب نظر و مقبول قلب و خاطر ہے ۔ پروردگار عالم مصنف ممدوح کی سعی کو بارآور اوران کی کوشش کو مشکور فرمائے اور اللہ تعالی ان کے ارادوں میں استقامت عطا فرمائے ، تاکہ وہ اسی طرح دینی اور دوسرے اچھے علمی کاموں کی خدمت کرتے رہیں اور ہر حال میں تائید وتوفیق الہی ان کے شامل حال ورفیق کارآل رہے۔

مولوی سید محمد باشاہ حسینی صاحب

اللہ تعالی کسی بندہ پر جب اپنا خاص فضل فرماتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔"ومن یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین "۔مبارک ہیں وہ اہل علم جو حق تعالی کی دی ہوئی اس نعمت سے خود بھی مستفید ہوتے ہیں اور اپنے اسلامی بھائیوں کو بھی مستفیض ہونے کا موقع عطا فرماتے ہیں۔ان اہل علم اصحاب میں قابل قدر ہیں اخی الفاضل مولوی احمد اللہ صاحب مولوی عالم منشی فاضل کثر اللہ امثالہ (المخاطب بہ نواب جنگ بہادر) جنھوں نے اولاً فقہ شافعی میں ایک مختصر و مفید رسالہ لکھا جس کا نام بھی المختصر رکھا پھر فاضل ممدوح نے اپنے اس سلسلہ علمی کو جاری رکھتے

ہوئے طالبانِ علم کے لیے ایک اور کتاب کا تحفہ پیش کیا جس کا نام المتوسط رکھا۔ خدائے تعالی فاضل ممدوح کو بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے کہ آپ نے حال ہی میں ایک اور کتاب تحریر فرمائی جس کا نام المبسوط رکھا۔ اس کتاب کا میں نے متعدد جگہ سے مطالعہ کیا۔ کہنے کو تو یہ شافعی فقہ پر ایک مبسوط کتاب ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اس کا مطالعہ مسلمانوں کے لیے بے حد مفید ہے، چاہے وہ حنفی ہوں کہ حنبلی، شافعی ہوں کہ مالکی۔ یہ کتاب بیش بہا علمی جواہر و درر کا علمی خزانہ ہے یا جواہر علمیہ قرآنیہ کا ایک مرصع۔ فمن شاء اتخذ إلى ربه سبيلاً.

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب ۶/ نومبر ۱۹۵۲ء

ہندوستان میں عام طور پر فقہ حنفی کی کتابیں رائج ہیں۔ اردو میں ابھی تک کوئی کتاب فقہ شافعی پر ایسی نہیں لکھی گئی تھی جو تمام ضروری ابواب پر حاوی ہو۔ آپ نے یہ کتاب لکھ کر یہ کمی پوری کر دی۔

مولوی جمال الدین صاحب فرنگی محل۔ لکھنؤ ۱۸/ نومبر ۱۹۵۲ء

مجھے دلی مسرت ہے کہ دینی انحطاط اور علمی تنزلی کے اس دور میں بھی آپ کے ایسے حضرات موجود ہیں۔ خدا کرے آپ کی یہ کوشش مشکور ہو اور جس مقصد کے لیے کتاب کی تالیف ہوئی ہے وہ حاصل ہو۔

مولوی عمران خان صاحب عمید دار العلوم ندوۃ العلماء ۱۰/ دسمبر ۱۹۵۲ء

ہر زمانہ میں کچھ ایسی مخصوص ہستیاں ہوتی ہیں جو احوال وکوائف سے بے نیاز ہو کر علم وفن کی خدمت انجام دیتی رہتی ہیں۔ انھیں مخصوص افراد میں جناب احمد جنگ بہادر ہیں جنھوں نے حال ہی میں فقہ امام شافعی پر ایک ضخیم کتاب المبسوط کے نام سے اردو زبان میں تصنیف فرما کر شائع کی ہے۔ ایسے زمانہ میں جب کہ زبان اردو پر ہر طرف سے یلغار ہے تقریباً چھ سو صفحات کی کتاب کا شائع کرنا بڑے دل وجگر کی بات ہے، خصوصاً ایسی حالت میں کہ اس ملک میں اس مذہب کے مقلدین کم تعداد میں ہیں اور مالی منفعت حاصل ہونا

مستبعد ہے۔ مصنف صاف اور سیدھی زبان میں مسائل کی وضاحت کرنے میں کامیاب ہیں۔ شایقین علم جو فقہ شافعی کے مسائل مستند طریقہ سے معلوم کرنا چاہیں ان کے لیے یہ ایک قیمتی تحفہ ہے۔ اللہ تعالی مصنف کو جزاء خیر عنایت فرمائے۔

مولوی محمد رحیم الدین صاحب شیخ جامعہ نظامیہ حیدرآباد ۲۶/ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ

المبسوط کا جستہ جستہ مطالعہ کیا۔ فقہ شافعیہ میں، پھر اس دور میں ماشاء اللہ عجیب و غریب تصنیف ہے اور زبان اردو کی بھی بہترین خدمت۔ نہ صرف حضرات شافعیہ کے لیے مفید بلکہ دیگر طبقات اہل اسلام کے لیے بھی قابل دید مسائل دلائل، تحقیق و تدقیق لائق صد شکر ہے۔ اس سے فاضل مصنف کے ذوق علمی اور محبت دینی کا اندازہ ہوتا ہے۔

فقہی مسائل عموماً روکھے پھیکے خیال کئے جاتے ہیں مگر انہی مسائل کے ساتھ دلائل کتاب و سنت، اقوال سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور دیگر تحقیقات کا امتزاج کر کے ایسی چاشنی پیدا کی ہے کہ جس مسئلہ کو لیجیے ختم کئے بغیر چھوڑنے کو طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ دور از کار مسائل و مباحث سے اجتناب کیا گیا ہے۔

سب سے بڑھ کر مسائل کا معتبر و معتمد علیہا ہونا ہے۔ اس کی ضمانت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کا ماخذ (**التقریب للشیخ ابی شجاع الاصبهانی، وشرح فتح القریب للشیخ ابن قاسم الغزی، وحواشی الشیخ ابراهیم البیجوری والشیخ سلیمان بجیرمی وغیرهم**، اعیان فقہ شافعیہ رحمۃ اللہ علیہم کے) معتبراتِ فن ہیں جس کی صراحت خود فاضل مصنف نے فرمائی ہے۔

فقہ شافعی میں اتنی ضخیم کتاب جو تقریباً ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہو اردو زبان کی دیکھنے میں نہیں آئی۔ ابتداء میں بسیط فہرست اور اختتام پر مکمل اشاریہ کا اضافہ کر کے مضامین کو جس طرح سہل الحصول بنا دیا گیا ہے۔ یہ فاضل مصنف کا حصہ اور دیرینہ تجربہ اور کثیر و عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ فلله دره وجزاه الله تعالى عن الاسلام والمسلمين في الدارين خير الجزاء آمين ثم آمين۔

مولانا محمد بن عبدالوہاب صاحب المامون الارزنجانی الدمشقی ۱۵/اپریل ۱۹۵۳ء
پروفیسر شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

اما بعد فيا حضرة المفضال الكريم والفقيه المحقق البارع النبيل النواب الجليل أحمد جنگ بهادر حفظه الله

فقد وصلني كتابكم وحظيت بمطالعة بعض مباحثه القيمة فوجدته كتاباً جديداً بالدرس والمطالعة مملوءا بلباب الفوائد وأصول فقه الإمام الشافعي وخلاصة مذهبه وهو فريد فى بابه فى اللغة الأردية ونسيج وحده من حيث ترتيب مباحثه المفيدة وأسلوبه البديع، ولقد بينتم فيه مسائل الفقه على طراز لم يسبقكم أحد إليه ۔ وأدخلتم فى إيضاح كثير من مسائله الخطيرة أبحاثاً من علم النفس والأدب العالى والتصوف وأيدتموها بدلائل علمية وروحية ونفسية واستشهدتم بالأشعار العربية وضروب الأمثال وغير ذلك من طرائف الأحاديث والنوادر ما عدا ما ذكرتموه من أدلة الكتاب والسنة وأقوال الائمة۔

فمثلاً عندما بحثتم عن سجود السهو ذكرتم بأن السهو يحصل إذا طرأت علينا الغفلة بسبب توجه القلب إلى أمور أخرى أثناء الصلاة وعند ذلك يوصد علينا باب الإدراك والانتباه فى الأمر الذى نحن بصدده مع بقاء الحافظة ملمة به وأما النسيان فيحصل إذا نسيت صورة ذلك العمل من حاستنا المدركة وحافظتنا معا فلذلك نتذكر السهو الذى بدر منا أثناء الصلاة لأن حافظتنا تنبهنا على ذلك ۔

فجزاكم الله عن العلم والدين خير الجزاء ونفع بكتابكم المسلمين والناس أجمعين۔

مولوی ابوالحسن علی صاحب ۵/مئی ۱۹۶۱ء

مولانا احمد اللہ صاحب المخاطب بہ نواب احمد جنگ بہادر اردو داں حضرات کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے المبسوط کے نام سے فقہ شافعی کی ایک مبسوط کتاب مرتب کر دی۔ اس کتاب کا متن شیخ ابوشجاع کی التقریب ہے جو فقہ شافعی کی مقبول و مشہور کتاب ہے اور اس کے بکثرت شروح و حواشی لکھے گئے ہیں۔ کتاب کی بنیاد محمد بن قاسم غزی کی شرح فتح القریب المجیب اور علامہ شیخ ابراہیم بیجوری کے حاشیہ پر ہے جہاں ضرورت محسوس ہوئی مصنف نے شیخ سلیمان بجیرمی کے حاشیہ سے مدد لی ہے۔ یہ سب شروح و حواشی فقہ شافعی کے مستند مآخذ ہیں۔ کتاب اس طرز سے لکھی گئی ہے کہ تین حاشیہ میں کچھ رکاوٹ محسوس نہیں ہوتی بلکہ پڑھنے والا بے تکلفی و روانی کے ساتھ ایک مسلسل کتاب کے طور پر پڑھتا جاتا ہے۔

کتاب نری فقہ کی نہیں ہے بلکہ اس میں آیات و احادیث اور مختلف علمی فوائد و نکات شامل کئے گئے ہیں۔ شانِ نزول کے واقعات اور احادیث پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب شگفتہ زبان اور سلجھے ہوئے انداز میں لکھی گئی ہے اور نہ صرف فقہ شافعی کے آئندہ مصنفین کے لیے بلکہ فقہ حنفی کے مصنفین کے لیے بھی قابل استفادہ اور فقہی کتب کی جدید ترتیب میں قابل اتباع ہے۔

آخر میں انڈکس کا اضافہ کیا گیا ہے جو نہایت مفید اور ضروری اضافہ اور کتب فقہ و فتاوی کے سلسلہ میں ایک خوشگوار اور قابل تقلید ہے۔ اللہ تعالی مصنف کو جزائے خیر دے اور ان کی اس قابل قدر تصنیف کو مقبول فرمائے۔ ایک مشغول شخصیت کا یہ علمی ذوق جو اہم انتظامی ذمہ داریوں پر رہا ہے اور جن کے منصبی اشغال و احوال تصنیف و تالیف سے زیادہ مناسبت نہیں رکھتے بہت سے علماء کے لیے بھی قابل رشک ہے۔

مولوی محمد شفیع صاحب دارالعلوم کراچی۔ ۱۶/ڈسمبر ۱۹۵۴ء

جناب احمد اللہ صاحب احمد جنگ بہادر اور ریٹائرڈ سویلین کی کتاب المبسوط کے مطالعہ

کا شرف حاصل ہوا۔ یہ کتاب فقہ شافعی میں اسم بامسمی ہے کہ تمام احکام فقہیہ پر کافی شرح وبسط سے کلام کیا گیا ہے۔ اول تو اردو زبان اس وقت تک فقہ شافعی کی کتابوں سے مطلقاً ہی خالی تھی حالاں کہ ہندوپاکستان کے بہت سے علاقوں میں حضرات شوافع کی کافی تعداد ہے۔ اس لیے یہ کتاب ہر حال میں ایک مغتنم تصنیف ہوتی لیکن جب اس کی خصوصیات پر نظر ڈالی تو بہت سی حیثیات سے نہایت قابل قدر مجموعہ فقہیہ معلوم ہوا جس سے مسائل فقہیہ کو نہایت سلیس و صاف زبان میں لکھا گیا ہے۔ خصوصاً اس کی کتاب الحج تو بہت ہی قابل قدر معلومات کا ذخیرہ ہے جس میں تمام اہم مقامات کے باقاعدہ نقشے دیئے گئے ہیں۔

میری معلومات چوں کہ فقہ شافعی میں بہت ہی محدود ہیں اس لیے اس کے فنی حقائق پر اظہار رائے تو تحسین ناشناس کے حکم میں ہے۔ البتہ اتنا اندازہ مختلف مقامات کے پڑھنے سے ہوگیا کہ کتاب کے ماخذ مستند و معتبر کتابیں ہیں جن کی حوالے دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالی مصنف علامہ کو جزائے خیر اور تصنیف کو قبول عام نصیب فرمائے۔ آمین

قاضی مولوی محمد حبیب اللہ صاحب

ومولوی ناصر الدین صاحب برادر قاضی مدراس۔ ۱۶/صفر ۱۳۷۶ھ

کتاب المبسوط ملاحظہ کی گئی۔ ایسی جامع کتاب فقہ شافعی میں عام فہم اور ٹھیک بامحاورہ زبان اردو میں ترجمہ کی ہوئی نہیں لکھی گئی۔ علاوہ اس کے دلائل آیات قرآنیہ واحادیث شریفہ برمحل درج کی گئی ہیں۔ دیگر مذاہب کے مسائل ضمناً تحریر فرمائے گئے ہیں۔ باوجود کثرت مصروفیات واقعی آپ نے نہایت محنت و جانفشانی سے اس کتاب کو انصرام پر پہنچایا اور اہل اسلام کو مستفید ہونے کا موقع عطا فرمایا ہے اور اللہ تعالی نے آپ کو "من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین" کے زمرہ میں شامل فرمایا۔ خداوند عالم سے دعا ہے کہ مولف کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

طہارت

پانی کی قسمیں۔ برتن۔ لباس۔ زیورات۔ نجاست۔ ازالۂ نجاست۔ دباغت
استحالہ۔ حدث۔ استنجا۔ وضو۔ موزوں پر مسح۔ غسل۔ تیمّم۔ جبیرہ (پٹی)۔ فاقد الطہورین

اصولاً دینی امور کو دنیوی امور پر ترجیح ہونی چاہیے، اس لحاظ سے عبادات کو روزمرہ کے معاملات پر ترجیح حاصل ہے، اور چوں کہ طہارت کے بغیر عبادت صحیح نہیں ہوسکتی ہے، اس لیے طہارت کا مسئلہ بھی اہمیت رکھتا ہے، اس لیے ''اَلطَّهَارَةُ مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ'' طہارت نماز کی کنجی ہے۔ اور نماز عبادات میں سب سے اہم ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ اَلصَّلَاةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلَاةِ اَلطُّهُوْرُ'' (مسند امام احمد۔ طبع: موسسۃ الرسالۃ ۲۳/ ۲۹، ترمذی کی روایت میں ''الطهور'' کے بجائے ''الوضوء'' آیا ہے: سنن ترمذی، تحقیق: شاکر، ۱/ ۱۰) یعنی نماز جنت کی کنجی اور طہارت نماز کی کنجی ہے۔

طَہارت

طاء کے زبر کے ساتھ غلاظت کو پاک کرنے کو کہتے ہیں۔ بلغم اور ریٹھ بھی غلاظت میں شامل ہیں لیکن پاک ہیں۔

غلاظت کی دو قسمیں:

غلاظت کی دو قسمیں ہیں:

غلاظتِ حسّی اور غلاظتِ معنوی۔

غلاظتِ حسّی میں رنگ، بو یا ذائقہ محسوس کیا جاتا ہے۔

غلاظتِ معنوی محسوسات میں سے نہیں ہے، اس کی مثال ذمیمہ صفات ہیں جیسے کینہ، حسد، کبر وغیرہ۔

طہارتِ شرعی کے بہت سے مفہوم ہیں، منجملہ ان میں سے ایسے فعل کو بھی طہارت کہتے ہیں جس سے نماز صحیح ہوتی ہے مثلاً وضو، غسل، تیمّم اور ازالۂ نجاست۔

طہارت کی قسمیں

طہارت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔طہارتِ عینی: اس مقام کی طہارت کو کہتے ہیں جہاں ظاہری نجاست لگی ہے اور طہارت میں اُسی مقام کا دھونا واجب ہے جہاں نجاست لگی ہے، دوسرے اعضاء کا دھونا واجب نہیں ہے۔

۲۔طہارتِ حکمی: مقامِ نجاست کے علاوہ دوسرے مقررہ اعضا کی طہارت کو طہارتِ حکمی کہتے ہیں جیسا کہ رفعِ حاجت کے بعد ہاتھ دھونا اور وضو کرنا، یہ دونوں واجب ہیں۔

اسباب کے لحاظ سے طہارت کی قسمیں

اسباب کے لحاظ سے طہارت کی دو قسمیں ہیں: واجب اور مندوب۔

طہارتِ واجب کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔طہارتِ قلبی: عجب، ریا اور کبر وغیرہ جیسے ذمیمہ صفات کا دور کرنا واجب ہے، امام غزالی نے لکھا ہے کہ ان ذمیمہ صفات کے حدود، اسباب اور علاج سے واقف ہونا بھی فرضِ عین ہے۔

۲۔طہارتِ بدنی: بدن اور اسی طرح جسم پر استعمال ہونے والی چیزوں کی طہارت پانی یا مٹی سے ہوتی ہے، یا دونوں سے جیسے کتے کی غلاظت، یا بغیر پانی اور مٹی کے جیسے کیمیائی اشیاء سے دباغت، یا خود سے جیسے شراب کی سرکہ میں تبدیلی۔

حدث اور نجاست کی طہارت میں پہلی مرتبہ دھونا واجب ہے۔

طہارتِ مندوب

مسنون غسل اور تجدیدِ وضو میں ایک مرتبہ دھونا اور فرض وضو اور فرض غسل میں پہلی مرتبہ دھونا واجب ہے، دوسری اور تیسری مرتبہ دھونا مندوب ہے، اسی طرح ازالۂ نجاست میں پہلی مرتبہ دھونا واجب ہے، دوسری اور تیسری مرتبہ دھونا مندوب ہے۔

طہارت کے مقاصد

طہارت کے مقاصد چار ہیں:

ازالۂ نجاست، وضو، غسل اور تیمّم۔

طہارت کے وسائل

وہ ذرائع جن سے طہارت حاصل ہوتی ہے چار ہیں:

پانی، مٹی، ڈھیلا اور دابغ یعنی دباغت کرنے والی کیمیائی اشیاء۔

بعض فقہاء نے پانی، برتن، اجتہاد اور نجاست کو وسائل شمار کیا ہے۔

طُہارت؛ طاء کے پیش کے ساتھ اُس پانی کو کہتے ہیں جو طہارت کرنے کے بعد برتن میں باقی رہ جائے۔

پانی

ذرائع کے اعتبار سے پانی کی قسمیں

آٹھ اقسام کے پانی سے طہارت جائز ہے: بارش، سمندر، نہر، کنواں، چشمہ، تالاب، برف اور اولہ کا پانی۔ ممکن ہے کہ آیندہ پانی حاصل کرنے کا کوئی اور ذریعہ بھی معلوم ہو جائے، لطافت اور رقت کی صفات کی وجہ سے پانی سے طہارت کا حکم دیا گیا ہے، جو اس آیت پر مبنی ہے: ''**فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً ا فَتَيَمَّمُوْا**'' (النساء۴۳) پس جب تم کو پانی نہ ملے تو تیمّم کرو۔

صحیحین کی حدیث ہے کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''**صُبُّوْا عَلَيْهِ ذَنُوْبًا** '' اس پر ایک ڈول پانی بہادو۔ (سنن ابوداود۳۸۰، بخاری اور ترمذی کی روایت میں ''أهريقوا'' کے الفاظ ہیں: بخاری۶۱۲۸، ترمذی:۱۴۳) پانی کے علاوہ دوسری پتلی چیزوں میں یہ صفات نہیں ہیں، اس لیے اُن سے طہارت جائز نہیں ہے، البتہ حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔

بارش کا پانی

بارش کا پانی جو آسمان سے اترتا ہے، اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: ''**أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ا فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ** '' (الزمر۲۰) کیا تم نے نظر نہیں کی کہ اللہ تعالی نے آسمان سے پانی برسایا اور پھر اس کو زمین کی سوتوں میں داخل کر دیا۔

دوسری جگہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ''**وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ا لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ**'' (الانفال۱۱) اور آسمان سے تم پر پانی برساتا ہے تا کہ تم کو اس سے پاک کرے۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے: ''**وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ا طَهُوْرًا** '' (الفرقان۴۸) ہم

نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا ہے۔

حدیث میں آیا ہے: ''**مَا مِنْ سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ إِلَّا وَالسَّمَاءُ تُمْطِرُ، إِلَّا إِنَّ اللّٰهَ يَصْرِفُهُ حَيْثُ شَاءَ**''۔ (معرفۃ السنن والآثار ۲۱۰۴۔راوی عبدالمطلب بن حطب ص ۵/۱۹۴) رات اور دن کی کوئی گھڑی ایسی نہیں گزرتی کہ آسمان نہ برسے، مگر اللہ تعالیٰ اس کو جس طرف چاہے پھیر دیتا ہے۔

سمندر کا پانی

سمندر کا کھارا پانی: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ملاّح آیا اور اس نے سوال کیا کہ ہم کشتی میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے ساتھ میٹھا پانی ہوتا ہے، مگر اس سے وضو کریں تو پیاسے رہ جائیں، کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''**هُوَا لطَّهُوْرُ مَاءُ هُ، اَلْحِلُّ مَيْتَتُهُ**'' (ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، احمد، ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے) اس کا پانی پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے اور اس کے مرے ہوئے حیوان حلال ہیں۔

نہر کا پانی

نہر کے پانی میں نالہ، ندّی، دریا اور تمام بہتے ہوئے پانی داخل ہیں، مصر کے دریائے نیل کے متعلق یہ واقعہ مشہور ہے کہ قدیم زمانہ میں اس دریا میں پانی آنے کے لیے یہ قاعدہ تھا کہ ہر سال ایک باندی خرید کر، اچھے کپڑے اور زیورات پہنا کر، ایک خاص مقام پر دریا میں جھونک دیتے اور بھینٹ چڑھاتے، (ان کے گمان کے مطابق) اس کا یہ اثر ہوتا کہ دریا بھرپور بہتا، اسلام کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی، آپ نے ایک پرچہ لکھ دیا اور اس کو دریا میں ڈال دینے کے لیے کہا، پرچہ کا مضمون یہ تھا: ''**أَمَّا بَعْدُ! فَإِنْ كُنْتَ أَيُّهَا النِّيلُ لَا تَمْتَدُّ إِلَّا بِقَتْلِ نَفْسٍ مُحَرَّمَةٍ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِيكَ، وَإِنْ كُنْتَ تَمْتَدُّ بِأَمْرِ اللّٰهِ فَافْعَلْ**'' (حاشیۃ البجیرمی علی الخطیب ۱/۲۳۰) حمد و نعت کے بعد! اے دریائے نیل! اگر تو انسانی نفس کے قتل کے بغیر نہیں بہتی تو ہم کو بھی تیری حاجت نہیں، اگر تو

اللہ تعالی کے حکم سے بہتی ہے تو بہہ۔ یہ پرچہ دریا میں ڈالنا ہی تھا کہ دریا میں پانی آ گیا اور پرانی مذموم رسم کا خاتمہ ہو گیا۔

کنویں کا پانی

اس سے مراد وہ پانی ہے جو زمین کے اندر مستدیر شکل میں بہتا ہے، عربی میں کنویں کو ''**بئر**'' کہتے ہیں، نبی ﷺ سے **بئر بضاعه** اور **بئر رومه** کے پانی کی نسبت سوال کیا گیا، نبی ﷺ خود بئر بضاعہ کے پانی سے وضو کر چکے تھے، آپ نے فرمایا: ''**اَلْمَاءُ لَایُنَجِّسُهُ شَيْئٌ**'' (ترمذی: کتاب الطھارۃ ۶۶، نسائی: کتاب المیاہ ۳۲۶، ابوداود: کتاب الطھارۃ ۶۶، مسند احمد ۳/۸۶ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے: ''إن الماء الطهور لاينجسه شيئ''۔ یہ روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے) پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی یعنی پاک ہے۔

بئر زمزم

بئر زمزم کے پانی سے نبی ﷺ نے وضو کیا تھا، بئر زمزم کے پانی سے طہارت صحیح ہوتی ہے، مگر اس سے ازالۂ نجاست کی نسبت اختلاف ہے، صحیح قول یہ ہے کہ یہ خلافِ اولی ہے، البتہ مکروہ نہیں ہے۔ اس کا پانی منتقل کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ آبِ زمزم مکہ سے مدینہ لے جاتے اور صحابہ کو تحفہ دیتے تھے اور اہلِ مکہ سے بطورِ تحفہ طلب بھی فرماتے تھے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ شیشیوں میں بھر کر زمزم لے گئیں اور کہا: رسول اللہ ﷺ زمزم اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے اور اس کو بیماروں پر انڈیلتے تھے اور ان کو پلاتے تھے۔ ترمذی ۴/۳۷)۔ طبی لحاظ سے اس پانی سے بڑا استنجا کرنے میں بواسیر کا خوف ہے۔

ملکِ ثمود کے کنووں سے طہارت کرنا مکروہ ہے، صرف بئرِ ناقہ (یعنی وہ کنواں جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی) اس حکم سے مستثنی ہے۔

بئرِ زمزم: یہ کنواں مکہ معظّمہ میں مسجدِ حرم میں کعبۃ اللہ کے قریب واقع ہے، اس کی تفصیل حج کے بیان میں درج کی گئی ہے۔

چشمہ کا پانی

وہ پانی جو زمین یا پہاڑ کی سطح سے غیر مستدیر یعنی ٹیڑھی چپٹی حالت میں بہتا ہے۔

تالاب کا پانی

وہ پانی جو کسی نالہ یا ندی کے بہاؤ پر بند تعمیر کر کے روکا جائے۔

برف کا پانی

وہ پانی جو آسمان سے پانی کی شکل میں اترتا ہے اور زمین پر پہنچ کر سردی کی شدت کی وجہ سے جم جاتا ہے۔

اولہ کا پانی

وہ پانی جو آسمان سے منجمد ہو کر گرتا ہے اور زمین پر پہنچنے کے بعد پگھل جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ وہ پانی جو آسمان سے نازل ہوتا ہے یا زمین سے نکلتا ہے خواہ حقیقت کے اعتبار سے اس کی صفت کوئی بھی ہو۔ بارش، برف اور اولہ کا پانی آسمانی پانی، اور سمندر، نہر، کنویں اور جھرّے اور تالاب کا پانی زمینی پانی کہلاتا ہے، اور پانی کے جملہ اقسام کا تعلق درصل آسمان ہی سے ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ’’أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ا فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ‘‘ (الزمر۲۱) کیا تم نہیں دیکھتے کہ بے شک اللہ نے آسمان سے پانی اتارا اور اس کو چشموں کی شکل میں زمین میں بہایا۔

سب سے افضل پانی

سب سے افضل وہ پانی تھا جو جنگِ حدیبیہ (معجزہ: جنگِ حدیبیہ میں جب صحابہ پیاس کی شدت سے بے چین ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھاگل مانگا، چھاگل پیش کیا گیا، جس میں تھوڑا سا پانی تھا، نبی کریم نے اپنا دستِ مبارک اس میں رکھا تو انگلیوں کے درمیان سے پانی بہنے لگا) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے بہا تھا، اس کے بعد آبِ زمزم، پھر آبِ کوثر، پھر آبِ نیل اور اس کے بعد دیگر نہروں؛ سیحون،

جیحون، دجلہ اور فرات کا پانی ہے۔ جس طرح آسمان کو زمین پر فضیلت ہے، آسمان کے پانی کو بھی زمین کے پانی پر فضیلت ہے، زمین کی مفضولیت سے وہ سرزمین مستثنیٰ ہے جس میں نبی ﷺ آرام فرمارہے ہیں۔

صفات کے اعتبار سے پانی کی قسمیں

صفت کے لحاظ سے پانی ایسا ہے کہ اس سے طہارت ہوسکتی ہے یا نہیں ہوسکتی، اور طہارت ہوسکتی ہے تو کراہت کے ساتھ یا بغیر کراہت کے، یا یہ کہ اس سے طہارت مطلقاً حرام ہے، دوسرے طریقے سے اس کلیہ کی تقسیم صرف تین اجزاء میں ہوتی ہے، وہ پانی جو پاک ہے اور پاک کرسکتا ہے، وہ پانی جو صرف پاک ہے اور پاک نہیں کرسکتا، اور نجس پانی جو نہ پاک ہے اور نہ پاک کرسکتا ہے۔

صفت کے لحاظ سے پانی کی پانچ قسمیں ہیں:

۱۔ مطلق پانی

۲۔ مشمّس پانی (دھوپ کی وجہ سے گرم ہونے والا پانی)

۳۔ مستعمل اور متغیر پانی

۴۔ نجس پانی

۵۔ مغصوب ومسبل پانی (غصب کیا ہوا پانی اور پینے کے لیے سبیل کے طور پر رکھا ہوا پانی)

ابوشجاع نے چار اقسام بیان کیے تھے، ابن قاسم غزی اور بیجوری نے ان میں آخری قسم کا اضافہ کیا ہے۔

۱۔ مطلق پانی

وہ پانی جو اصل میں پاک ہے اور دوسری چیز کو پاک کرسکتا ہے اور اس کا استعمال مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ مطلق پانی میں کوئی خاص صفت نہ ہو، پانی اصل میں مکروہ ہی نہیں ہوسکتا،

صرف صفات کے لحاظ سے احکام بدلتے ہیں، دوسری چیز کو پاک کرنے کی قید میں رفعِ حدث، ازالۂ نجاست اور مندوب طہارت شامل ہیں، مطلق پانی سے مراد وہ پانی ہے جس کے ساتھ کوئی قید لازم نہ ہو، قیدِ منفک (علاحدہ ہونے والی قید) پائی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ کنویں کا پانی۔

۲۔ مشمس پانی

وہ پانی جو پاک ہے اور پاک کرسکتا ہے، لیکن اس کا استعمال بدن کی طہارت کے لیے مکروہ ہے، بدن کے علاوہ دوسری غرض کے لیے اس کا استعمال مکروہ نہیں ہے، اس کی مثال مشمس پانی ہے یعنی وہ پانی جو سورج کی تمازت (گرمی) سے گرم ہوا ہو، نقدین یعنی سونے اور چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کے برتن میں، گرم ممالک میں، گرم ہونے سے شرعی کراہت پیدا ہوتی ہے، اگر یہ پانی ٹھنڈا ہو جائے تو کراہت زایل ہو جائے گی۔ نووی نے مطلقاً مکروہ نہ ہونے کی رائے ظاہر کی ہے، زیادہ گرم اور زیادہ ٹھنڈا پانی بھی مکروہ ہے۔

کراہت کی وجہ

کراہت کی وجہ یہ ہے کہ سورج کی شعاعوں کی تاثیر سے لوہے، تانبے وغیرہ کے برتن سے زہومت یعنی چکنا پن پیدا ہوتا ہے، جو پانی کے تمام اجزاء میں مل کر پانی کی سطح پر بھی نظر آتا ہے، یہ زہومت بدن کو علیل اور خون کے سیلان میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے، جس کی وجہ سے برص کی بیماری کا خطرہ رہتا ہے۔ کراہت کی نسبت یہ حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پانی کے برتن کو دھوپ میں گرم کر رہی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ''**لَا تَفْعَلِي يَا حُمَيْرَاءُ**''۔ (السنن الکبری؛ کتاب الطھارۃ، باب کراھۃ التطھیر بالماء المشمس، بیہقی۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے اور امام ابن جوزی نے اس روایت کو موضوعات میں شمار کیا ہے) بعض محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور امام نووی نے اسی لیے مطلقاً مکروہ نہ ہونے کی رائے ظاہر کی ہے، لیکن معتمد قول یہ ہے کہ مکروہ ہے، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو طبیب بھی تھے

مشمس پانی سے کراہت کرتے تھے، کراہت میں پانی کی مقدار کی کمی اور زیادتی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

شریعت اور طب کا تعلق

امورِ شریعت اور امورِ طب کا تعلق چار طرح سے ہوسکتا ہے:

پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی امر شریعت اور طب دونوں اعتبار سے مکروہ ہے جیسا کہ مشمس پانی، اس کی دوسری مثال کھڑے رہ کر پانی پینا ہے، جو طب اور شریعت دونوں لحاظ سے مکروہ ہے۔

دوسری صورت یہ کہ کوئی امر شرع میں مستحب ہے اور طب میں مکروہ، جیسے قیام اللیل یعنی عبادت کی غرض سے شب بیداری۔

تیسری صورت یہ کہ کوئی امر طب میں مستحب ہے اور شریعت میں مکروہ، جیسا کہ عشاء کی نماز سے پہلے نیند۔

چوتھی صورت یہ کہ کوئی امر طب اور شریعت دونوں میں مستحب ہے جیسا کہ کھجور سے روزے کا افطار کرنا، روزے کی وجہ سے بصارت میں جو کمی ہوتی ہے کھجور اس کی تلافی کرتا ہے۔

کراہت کی شرطیں:

کراہت کے لیے سات شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے، اگر ایک شرط بھی مفقود ہو تو کراہت کا حکم برخاست ہوجاتا ہے:

۱۔ مشمس پانی کا استعمال بدن کے لیے مکروہ ہے، بدن میں ظاہری اور باطنی دونوں حصے شریک ہیں، اس لیے بدن پر پانی کا استعمال مکروہ ہونے کے علاوہ اس کا پینا بھی مکروہ ہے، بدن کے علاوہ دوسرے اغراض میں اس کا استعمال مکروہ نہیں ہے، کپڑے یا برتن وغیرہ کے دھونے میں اس کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ گرم ممالک میں موسمِ گرما میں مشمس پانی مکروہ ہے، ان ممالک کی آب وہوا کو گرم

کہا جاتا ہے جو منطقۂ حارہ میں واقع ہیں، اس قید سے وہ ممالک خارج ہیں جن کی آب وہوا معتدل یا سرد ہوتی ہے، موسمِ سرما کی قید سے سال کے دوسرے موسم خارج ہوجاتے ہیں، موسمِ گرما کے علاوہ کسی دوسرے موسم میں گرم ممالک میں بھی مشمس پانی کا استعمال مکروہ نہیں ہے۔

۳۔ چاندی اور سونے کے علاوہ لوہے وغیرہ دھات کے برتن میں جو پانی گرم ہوجائے اس کا استعمال مکروہ ہے، لوہا، تانبا، سیسہ وغیرہ کے برتن کا پانی مکروہ ہے، مٹّی، لکڑی یا چرمی ظرف میں پانی گرم ہوجائے تو مکروہ نہیں ہے، سونے اور چاندی کے جوہر کی صفائی کی وجہ سے ان سے بنائے ہوئے برتنوں میں سورج کی شعاعوں سے کوئی زہومت (چکنا پن) خارج نہیں ہوتی اور نہ پانی میں مضر اثر پیدا کرتی ہے، یہ بات اور ہے کہ سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال ایک دوسرے حکم کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے۔

۴۔ مشمس پانی گرم ہونے کی حالت میں مکروہ ہے، اگر ٹھنڈا ہوجائے تو کراہت زایل ہوجاتی ہے۔

۵۔ دوسرا پانی مل سکتا ہو تو مشمس پانی کا استعمال مکروہ ہے، اگر نہ مل سکتا ہو تو مشمس پانی کا استعمال مکروہ نہیں ہے۔

۶۔ نماز کا وقت تنگ ہورہا ہو اور دوسرا پانی نہیں ہے تو مشمس پانی کا استعمال واجب ہے۔

۷۔ نقصان کا خوف نہ ہو تو مشمس پانی کا استعمال مکروہ ہے، مگر مشمس پانی کے استعمال سے نقصان پہنچنے کا غالب گمان ہو تو اس کا استعمال ہی حرام ہے۔

اختلاف: ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم) کے نزدیک مشمس پانی کا استعمال طہارت میں بھی مکروہ نہیں ہے۔

مکروہ پانی

آٹھ اقسام کے پانی مکروہ ہیں:

(۱) مشمس پانی کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔

(۲) زیادہ گرم اور (۳) زیادہ ٹھنڈا پانی بھی بدن کی طہارت کے لیے مکروہ ہے،

کراہت کی وجوہات میں اختلاف ہے، لیکن مقصود یہ ہے کہ نقصان کے خوف کی وجہ سے مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

(۴) ملکِ قومِ ثمود کا پانی بھی مکروہ ہے، لیکن اس میں سے صرف بئر ناقہ کا پانی جس میں حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی مستثنیٰ ہے۔

(۵) ملکِ قوم لوط کا پانی

(۶) سرزمینِ بابل کا پانی؛ کہا جاتا ہے کہ یہ عراق میں ایک مسحور شہر ہے۔

(۷) بئر ذُروان کا پانی؛ بیان کیا گیا ہے کہ لبید بن اعصم یہودی نے اس میں سحر کیا تھا۔

(۸) بئر برہوت کا پانی۔

جن مقامات کا پانی مغضوب ہے (یعنی جن مقامات کی قوموں پر اللہ کا غضب نازل ہوا ہے) وہاں کی مٹی اور ڈھیلے کا استعمال بھی مکروہ ہے اور ابنِ حجر کی رائے ہے کہ ان کے درخت کا پھل یا ان سے مسواک کا استعمال بھی مکروہ ہے۔

۳۔ مستعمل اور متغیر پانی

وہ پانی جو اصل میں پاک ہے، لیکن کسی دوسری چیز کو پاک نہیں کرسکتا، اصل میں پاک ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال کراہت کے ساتھ ایسی ضروریات میں ہوسکتا ہے جن کی نسبت صرف پانی کے پاک ہونے کی قید ہے، جیسا کہ پینے یا پکانے میں، اس کی دو قسمیں ہیں: مستعمل اور متغیر۔

مستعمل پانی

وہ قلیل اور قلتین سے کم پانی ہے جس کا استعمال عبادت یا غیر عبادت کی ایسی ضرورت کو دور کرنے کے لیے کیا گیا ہے جو لابدی اور ضروری ہے (یعنی وضو یا غسل میں اس کو استعمال کیا گیا ہو)، اس پانی کے پاک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بزرگانِ سلف نے اس پانی کے چھینٹوں سے احتراز نہیں کیا تھا، صحیحین کی حدیث ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیماری میں نبی

صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور وضو کیا اور وضو کے بعد وضو کیا ہوا مستعمل پانی جابر پر چھڑکا۔ (بخاری ۱۹۱، مسلم ۱۶۱۶)

ایسے پانی کے پاک نہ کرسکنے کی دلیل یہ ہے کہ بزرگانِ سلف نے عرب میں پانی کی قلت کے باوجود سفر وغیرہ میں مستعمل پانی کو جمع نہیں کیا اور نہ اس کو دوبارہ کبھی استعمال کیا، بلکہ اس کے بجائے جب ضرورت ہوئی اور پانی نہ مل سکا تو تیمّم کیا۔

مستعمل پانی کی دو قسمیں ہیں:

رفعِ حدث کے لیے استعمال کیا ہوا پانی، یا ازالۂ نجاست کے لیے استعمال کردہ۔

أ۔ رفعِ حدث میں: حدث عام ہے؛ حدثِ اکبر ہو یا حدثِ اصغر؛ یعنی وضو اور غسل میں استعمال کیے ہوئے پانی کا حکم مساوی ہے۔ رفعِ حدث میں وہی پانی مستعمل قرار پائے گا جو وضو اور غسل میں پہلی مرتبہ استعمال کیا گیا ہے، دوسری اور تیسری مرتبہ دھونے کا پانی مستعمل نہیں ہے، اس لیے کہ دوسری اور تیسری مرتبہ کا دھونا سنت ہے، فرض نہیں۔ مستعمل ہونے کے لیے پانی کے قلیل اور قلتین سے کم ہونے کی قید ہے؛ پانی اگر قلتین یا اس سے زیادہ ہے تو وہ پانی استعمال کے باوجود مستعمل نہیں کہلاتا۔

ب۔ ازالۂ نجاست میں جو پانی استعمال کیا جائے وہ پاک ہے، مگر دوسری چیز کو پاک نہیں کرسکتا، نجاست کی قید میں خفیف اور معفو عنہا نجاست بھی شامل ہے، خفیف نجاست جس کا دھونا واجب نہیں ہے اس کے دھونے میں بھی جو پانی استعمال کیا جائے مستعمل ہے، عام نجاستوں کے ازالہ میں پہلی مرتبہ کے دھونے میں جو پانی مستعمل ہوا وہ مستعمل کہلائے گا، دوسری اور تیسری دفعہ دھونا مندوب ہے اور اس کا پانی مستعمل نہیں کہلائے گا، کتے جیسے جانور کی نجاست کی صورت میں ساتویں دفعہ دھونے کا پانی مستعمل ہے، ازالۂ نجاست کے مستعمل پانی کے پاک ہونے اور دوسری چیز کو پاک کرنے والا نہ ہونے کے چند شرائط ہیں: اگر تھوڑا بھی تغیر ہو جائے تو وہ پانی نجس ہو جائے گا، اسی طرح مستعمل پانی کا وزن زیادہ نہ ہوا ہو۔

متغیر پانی

وہ پانی ہے جس کا مزا، رنگ یا بو پاک چیزوں کی آمیزش کی وجہ سے ایسے تبدیل ہوگئے ہوں کہ اس پر پانی کا لفظ صادق نہ آسکے، یہ پانی بھی مستعمل پانی کی طرح پاک ہے، مگر کسی دوسری چیز کو پاک نہیں کرسکتا، اگر پانی میں تغیر پاک چیزوں کی آمیزش سے خفیف طور پر پیدا ہو یا ایسی چیزوں کی آمیزش ہوئی ہو جو اکثر صفات میں پانی کے موافق ہوں اور خفیف اختلاف ہو تو وہ پانی پاک ہے اور پاک کرسکتا ہے۔

پانی میں تغیر ہونے کی شرطیں

پانی کے تغیر کے لیے مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

۱۔آمیزش ایسی ہو کہ اس کو الگ نہ کیا جاسکتا ہو، آمیزش کسی چیز کے پانی میں حل ہوجانے یا گھل جانے کو کہتے ہیں، آمیزش کی قید لگانے سے وہ پانی خارج ہوجاتا ہے جو محض بند اور رکا رہنے سے متغیر ہوجائے، آمیزش کی قید سے وہ چیزیں بھی خارج ہوجاتی ہیں جو صرف مجاور رہتی ہیں یعنی صرف پانی کے ساتھ ہوتی ہیں اور پانی میں تحلیل نہیں ہوسکتیں۔

مجاور ان چیزوں کی نسبت کہا جاتا ہے جو دکھائی دیتی ہیں اور ان کا جدا کرنا ممکن ہوتا ہے جیسا کہ تیل۔ان چیزوں کی شرکت سے پانی کی طہوریت (پاک کرنے کی صلاحیت) میں فرق نہیں آتا، اگرچہ کہ پانی کے رنگ، بو اور مزے میں تغیر ہوگیا ہو۔

۲۔وہ عین چیزیں جن کے ساتھ ملی ہوئی ہوں پاک ہوں، عین چیزوں کی قید سے بُو اور دھواں جو عوارضات میں سے ہیں خارج ہوجاتے ہیں۔

۳۔تغیر اتنا زیادہ ہو کہ اس پر پانی کا اطلاق نہ ہوسکے، اگر تغیر کم ہو اور اس کو پانی کا نام دینے میں کوئی مانع اور رکاوٹ نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۴۔جن چیزوں کی آمیزش ہوئی ہے پانی ان سے بے نیاز ہو، یعنی پانی میں ان اشیاء کا پایا جانا ضروری اور لازمی نہ ہو، مٹی، پتھر، ٹھیکری، ساگ پات ایسی چیزیں ہیں جن سے

پانی محفوظ نہیں رہ سکتا، اس لیے ان کو غیر مستغنی عنہ کہا جاتا ہے، اگر پانی میں ان چیزوں کی موجودگی کی وجہ سے کوئی تغیر ہو تو وہ پاک اور پاک کرنے والا ہے، جو پانی زیادہ وقت تک ٹھہرنے اور رکا رہنے سے متغیر ہو جائے تو وہ پاک ہے اور پاک کر سکتا ہے۔

۴۔ نجس پانی

وہ پانی جس میں نجس کرنے والی نجاست ملی ہوئی ہو، چاہے وہ گاڑھی ہو یا پتلی، پانی میں تغیر پیدا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اس تعریف سے نجس نہ کرنے والی نجاست خارج ہو جاتی ہے، اس کی مثال مرا ہوا وہ جانور ہے جس میں خون کا وجود نہ ہو۔ اس پانی کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ پانی جو قلتین سے کم ہے اور دوسرا وہ پانی جو قلتین ہے، مگر متغیر ہو چکا ہے۔

قلتین سے کم

وہ پانی جو یقینی طور پر قلتین سے کم ہے اور اس میں نجاست ملی ہوئی ہے؛ نجس ہے، نجاست کی وجہ سے پانی میں تغیر ہونے کی کوئی قید نہیں ہے، تغیر کے بغیر بھی نجس ہے، قلتین سے کم کا حکم دو حدیثوں سے اخذ کیا گیا ہے:

ترمذی کی حدیث میں ہے: ''**إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ** '' جب پانی قلتین کی مقدار میں ہو تو نجس نہیں ہوگا۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، احمد، ابوداود ٦٥، اس روایت میں ''إذا كان الماء'' کے الفاظ ہیں) اس کا مفہومِ مخالف یہ ہے کہ جب پانی قلتین کی مقدار میں نہ ہو تو نجس ہوگا۔ (دو قلے پانی ١٩٢،٨٥٧ کلوگرام ہوتا ہے)

مسلم کی روایت میں ہے: ''**إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ** '' (مسلم ٢٧٨، یہ روایت حضرت ابو ہریرہ سے ہے) اگر تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو تین مرتبہ ہاتھ دھوئے بغیر پانی کے برتن میں ہاتھ نہ ڈبوئے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ رات میں اس کا ہاتھ کہاں رہا تھا۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ پانی میں تغیر کی قید نہیں ہے، اور پانی میں نجاست کی

تحلیل ضروری نہیں ہے، بغیر تحلیل کے بھی پانی نجس ہوجاتا ہے۔

نجاست کا شامل ہونا کافی ہے، نجاست نجس کرنے والی ہو، خفیف اور معفو عنہا (جس کو معاف کیا گیا ہو) نہ ہو۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قلتین سے کم پانی بھی تغیر کے بغیر نجس نہیں ہوتا۔ آپ کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ ''اَلْمَاءُ لَا یُنَجِّسُهُ شَیْءٌ'' (ترمذی: کتاب الطھارۃ ٦٦، نسائی: کتاب المیاہ ٣٢٦، ابوداود: کتاب الطھارۃ ٦٦، مسند احمد ٣/ ٨٦ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے: ''إن الماء الطھور لاینجسه شیئ''۔ یہ روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے) پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرسکتی۔

سہولت اور آسانی کے لحاظ سے اکثر شوافع نے اس پر عمل کیا ہے۔

یقینی طور پر قلتین سے کمی کی قید اثباتی ہے، اگر کمی یقینی نہ ہو تو پانی نجس نہیں ہوگا۔

۵۔ جاری پانی

جاری پانی میں اجزاء کو ماننا اس قیاس پر مبنی ہے کہ وہ بہتا ہے، اُس کا ایک حصہ آگے دوڑتا ہے اور دوسرا حصہ اس کے پیچھے دوڑتا ہے اور اسی طرح پانی بہتا جاتا ہے، اس لیے اگرچہ کہ بہتا ہوا پانی دیکھنے اور محسوس کرنے میں متصل ہے، مگر حکم کے اعتبار سے منفصل ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ پانی کے بہاؤ میں بلندی اور پستی کا فرق کافی ہو، نجاست کی جگہ پہنچنے سے پہلے پانی نجس نہیں ہوتا، البتہ نجاست سے گزرنے کے بعد گزرا ہوا پانی نجس ہوجاتا ہے، نجاست پر سے گزرنے کے بعد بہتا پانی ایک گڑھے میں جمع ہوجائے اور قلتین یا اس سے زیادہ ہوجائے اور متغیر نہ ہو تو وہ پانی نجس نہیں ہے۔

نجاست پر سے یا نجاست کے ساتھ بہتا ہوا پانی اگر قلتین سے کم مقدار میں ہو اور بہت دور تک قلیل مقدار میں بہتا جائے اور اس کی جملہ مقدار قلتین سے بہت زیادہ بھی ہوجائے تو وہ نجس ہی ہے، اسی لیے ''محمد البحر آبادی'' نے لکھا ہے کہ قلتین اور قلتین سے کم پانی کی نسبت جو احکام ہیں وہی احکام جاری پانی کی نسبت ہیں، جاری پانی اور ٹھہرے ہوئے پانی

میں اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اس حکم سے مستثنیٰ امور

قلتین سے کم پانی بھی ذیل کے خاص حالات میں نجس نہیں قرار دیا گیا ہے:

وہ مُردہ جانور جن میں خون نہ پایا جاتا ہو:

ایسے جانور مستثنیٰ ہیں جن کو قتل کرنے یا جن کی زندگی میں ہی ان کے کسی عضو کو کاٹنے پر خون نہ بہتا ہو، جیسے مکھی، بچھو، کھٹمل اور جوں؛ اگر یہ جانور پانی یا پتلی چیز میں گر کر مر جائیں تو اس کو نجس نہیں کرتے، اس لیے کہ روزمرہ کی زندگی میں ان سے بچنا دشوار ہے۔ بخاری کی حدیث میں ہے: ''إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي شَرَابِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهُ ثُمَّ لِيَنْزِعْهُ فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ دَاءً ا وَفِي الْآخَرِ شِفَاءً ا'' (بخاری ۵۴۴۵) جب مکھی تمھارے کھانے پینے کی چیزوں میں گر جائے تو اس کو پورے طور پر ڈبو کر نکالو، اس لیے کہ اس کے ایک پر (بائیں) میں بیماری ہے تو دوسرے میں اس کا علاج ہے۔

مکھی اسی طرف سے گرتی ہے جس میں بیماری ہے۔

اگر پانی وغیرہ میں تھوڑا بھی تغیر ہوگیا تو نجس ہے۔تغیر آنے کے بعد پھر یہ تغیر ختم ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہے، جب پانی کی مقدار قلیل ہو۔ (یعنی جب کم پانی میں تغیر آجائے اور اس کو اسی طرح چھوڑنے کی وجہ سے وہ آئی ہوئی تبدیلی ختم ہو جائے اور پانی اپنی اصل حالت میں لوٹ آئے تو اس کا اعتبار نہیں ہے، یعنی وہ پاک نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ ناپاک ہی رہتا ہے، اگر زیادہ پانی ہے اور تغیر ختم ہو جائے تو وہ پانی پاک ہو جاتا ہے)

نظر نہ آنے والی نجاست

ایسی نجاست جو نظر نہ آسکے مستثنیٰ ہے، اس لیے کہ اس سے بچنا دشوار ہے، اس میں غیر مغلظہ (اس کی تفصیلات آرہی ہیں) کی قید نہیں ہے، صرف کم ہونے کی شرط ہے، مغلظہ نجاست بھی اتنی کم مقدار میں ہو کہ نظر نہ آسکے تو معاف ہے، نظر کا معیار عمومی بینائی کی قوت

ہے، اس کی مثال وہ نجاست ہے جو مکھی وغیرہ کے پاؤں سے منتقل ہو یا جانور کی دم یا بالوں کے ہلانے سے آ لگے۔

دھواں

جو نجاست کے جلنے سے پیدا ہو مستثنیٰ ہے، دھویں کی شرط سے نجاست کے بخارات خارج ہو جاتے ہیں، جو آگ کی وساطت کے بغیر اٹھتے ہیں اور پاک ہیں، گوز بھی نجاست میں داخل ہے۔

بال

قلیل مقدار میں غیر ماکول جانور کے بال پاک ہیں، البتہ شرط یہ ہے کہ وہ جانور مغلظہ نہ ہو، سواری کے جانور کے بال کثیر مقدار میں بھی مستثنیٰ ہیں۔

گوبر، مینگنی اور جگالی جو جانور سے سواری، دودھ دوہنے اور دیگر کام لینے میں لاحق ہو معاف ہے، عام حکم یہ ہے کہ جس نجاست سے بچنا دشوار ہے وہ معاف ہے۔

قلتین

پانی کثیر مقدار میں یعنی قلتین یا اس سے زیادہ ہو، اور نجاست ملنے، ساتھ رہنے یا آمیزش کی وجہ سے اس میں تغیر پیدا ہو گیا ہو تو نجس ہے، تغیر کی کمی یا زیادتی برابر ہے، مگر شرط یہ ہے کہ محض پانی ہو، اگرچہ کہ مستعمل ہو، پانی کے علاوہ دوسری پتلی چیزیں اس حکم سے خارج ہیں، اس لیے کہ یہ چیزیں باوجود قلتین کی مقدار میں ہونے اور باوجود تغیر پیدا نہ ہونے کے بھی اس میں نجاست کے گرنے سے ہی نجس ہو جاتی ہیں، اور غیر طاہر اور غیر مطہر ہیں، قلتین کے حکم کی دلیل ترمذی کی روایت ہے: ''إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ '' (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، احمد، ابوداود ۶۵، اس میں ''إذا بلغ الماء'' کے الفاظ ہیں) جب پانی قلتین ہو تو نجس نہیں ہوتا یعنی نجاست کا اثر زائل کر دیتا ہے۔

دوسری حدیث جس کی روایت ترمذی اور دیگر محدثین نے کی ہے یہ ہے: ''اَلْمَاءُ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْئٌ '' (ترمذی: کتاب الطھارۃ ۶۶، نسائی: کتاب المیاہ ۳۲۶، ابوداود: کتاب الطھارۃ ۶۶،

مسند احمد ۳/ ٨٦ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے: ''إن الماء الطهور لاينجسه شيئ ''۔ یہ روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے) پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرسکتی۔

تغیر کی قید کی وجہ سے وہ پانی پاک ہے جس میں تغیر نہیں ہوا ہے، اس لیے کہ کثیر مقدار کا پانی محض نجاست کے ملنے سے نجس نہیں ہوتا۔

پانی کی مقدار کے بارے میں شبہ ہو کہ قلتین ہے یا قلتین سے کم تو صحیح رائے یہ ہے کہ پانی نجس نہیں ہے، اگر تغیر اس طرح زائل ہو جائے کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں، مثلاً دیر تک رہنے یا دوسرے پانی کے ملانے یا نجاست نکال دینے سے تغیر ختم ہو جائے اور وہ پانی قلتین ہو تو پاک ہے۔

قلہ کیا ہے؟

قلتین تثنیہ کا صیغہ ہے، جس کے معنی دو قلہ کے ہیں، قلہ ایک ایسے بڑے گھڑے کو کہتے ہیں جس کو قوی آدمی اٹھا سکتا ہو، قلتین پانچ سو رطل بغدادی، ٤٤٦ اور ۳/۷ رطل مصری، اور ١٠٧ و ١/۷ رطل دمشقی کے مساوی ہے۔ نووی کا کہنا ہے کہ رطل بغدادی ١٢٨ درہم، رطل مصری ١٤٤ درہم کے برابر ہے، ہندوستان کے حساب سے قلتین کا وزن دو سو تین (٢٠٣) سیر اور دس تولے ہے، پیمائش میں سوا ہاتھ مکعب یعنی طول، عرض اور عمق ہر ایک میں سوا ہاتھ، مدور شکل میں قطر میں ایک ہاتھ اور عمق میں ڈھائی ہاتھ اور مثلّث شکل میں دیڑھ ہاتھ عرض میں اور دو ہاتھ عمق میں ہوگا۔ سوا ہاتھ مکعب کا حساب یہ ہے۔ سوا ہاتھ کے ساڑھے بائیس انچ ہوتے ہیں، اور ساڑھے بائیس انچ مکعب کا رقبہ ٦٢ ء١١٣٩٠، اور اس کے مکعب فٹ ٥ء٦ ہوتے ہیں، اور ایک مکعب فٹ پانی کا وزن ٥ء٦٢ پونڈ ہوتا ہے اور ٦٥ مکعب فٹ کا وزن ٢٥ء٤٠٦ پونڈ یعنی ٢٠٣ سیر اور دس تولے ہوتا ہے۔ (دو قلے پانی ١٩٢ء٨٥٧ کلوگرام ہوتا ہے۔ الفقہ المنھجی ج ١ ص ٣٤)

٥۔ چھینا ہوا پانی اور پینے کے لیے سبیل کے طور پر رکھا ہوا پانی:

وہ پانی جو پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے، لیکن اس کا استعمال حرام ہے، جیسا کہ چھینا ہوا پانی اور مسبل پانی، وہ پانی جو بطورِ سبیل پینے کے لیے رکھا گیا ہے، یہ دونوں پانی

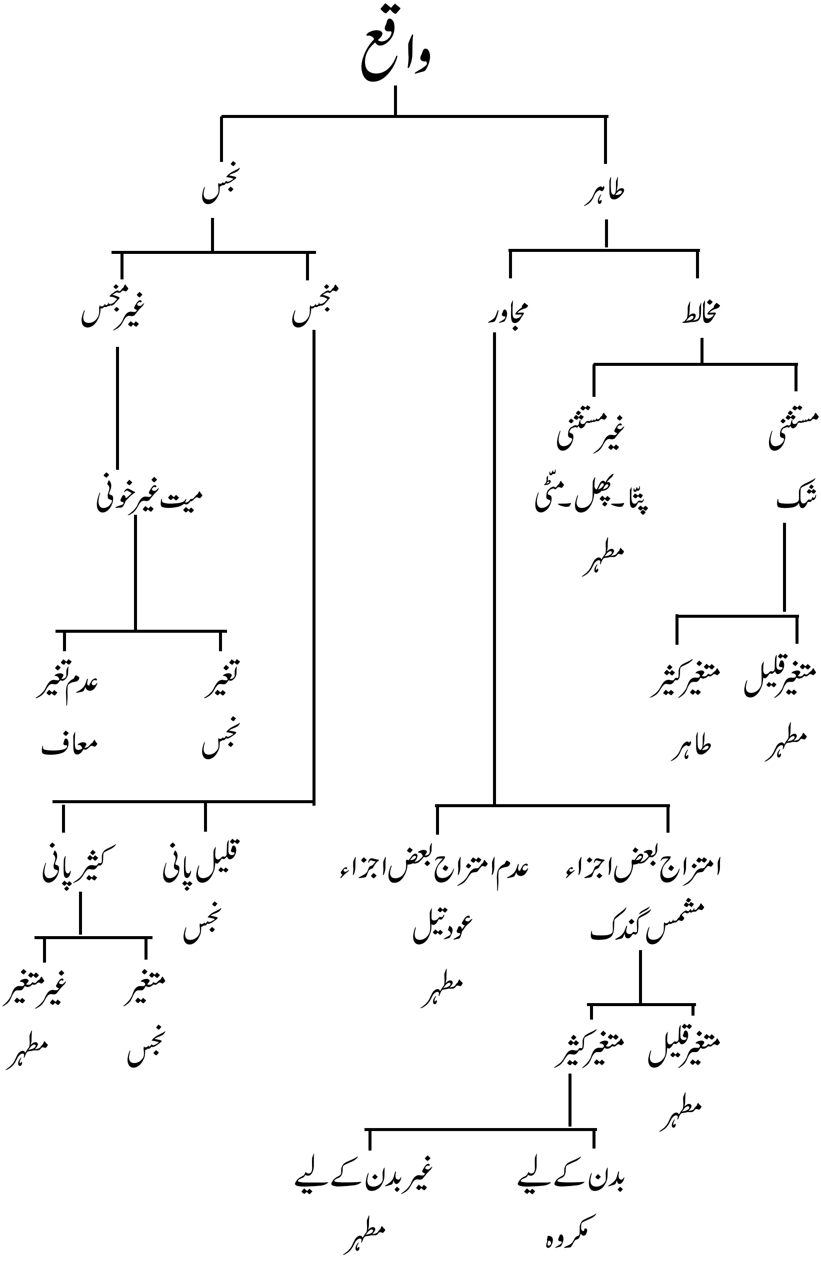
طاہراور مطہر ہیں، مگر ان کا استعمال حرام ہے۔

خلاصہ ۱

پانی کا استعمال فرض میں واجب ہے، نفل میں مندوب ہے، مغصوب اور مسبّل ہوتو حرام ہے، مشمس ہوتو مکروہ ہے، آبِ زمزم ہوتو ازالۂ نجاست میں خلافِ اولی ہے، اور جس پانی کا استعمال یا ترکِ استعمال مطلوب ہو اس کا استعمال مباح ہے۔

خلاصہ ۲

جو چیزیں پانی میں گرتی ہیں، وہ دو قسم کی ہوسکتی ہیں: طاہر ہوں گی یا نجس؛ طاہر چیزیں مخالط ہوں گی یا مجاور، پھر طاہر چیزوں کی دو قسمیں ہیں، ان سے پانی مستغنی ہوگا یا نہیں ہوگا، مستغنی ہونے کی صورت میں تغیر کم ہوا ہوگا یا زیادہ، تغیر میں کمی کا کوئی مضائقہ نہیں اور تغیر میں زیادتی نجس ہے، غیر مستغنی ہونے کی صورت میں تغیر کی زیادتی بھی معاف ہے۔
مجاور اشیاء کی دو قسمیں ہیں: اس کے اجزاء پانی میں شریک ہوئے ہوں جیسا کہ مشمس، اگر ان اجزاء کی شرکت سے کم تغیر ہوا ہو تو مضائقہ نہیں اور تغیر کثیر ہوا ہو تو جائز نہیں، اگر مجاور کے کوئی اجزاء پانی میں شریک نہ ہوئے ہوں جیسا کہ عود اور تیل تو مضائقہ نہیں۔
نجس کی دو قسمیں ہیں: منجّس یعنی نجس کرنے والی ہوں گی یا غیر منجّس یعنی نجس کرنے والی نہیں ہوں گی، غیر منجس کی مثال وہ جانور ہے جس میں خون نہیں ہوتا یا وہ نجاست جو نظر نہ آسکے یا جس سے بچنا دشوار ہے۔ اس کے بعد نجس منجس ہوتو پانی کی مقدار دیکھی جائے گی۔ اگر پانی قلیل ہو تو محض نجاست کے ملتے ہی نجس ہو جائے گا، چاہے بہتا پانی ہو، چاہے اس میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہو۔ اگر پانی کی مقدار زیادہ ہو تو نجس نہیں ہوگا، جب تک کہ اس میں تغیر نہ ہو۔
سہولت کے لیے شجرہ کی شکل میں بھی اس کو درج کیا جاتا ہے:


واقع
طاہر
نجس
مخالط
مجاور
مستثنی
شک
متغیر قلیل
مطہر
متغیر کثیر
طاہر
غیر مستثنی
پتّا۔پھل۔مٹّی
مطہر
امتزاج بعض اجزاء
مشمس گندک
متغیر قلیل
مطہر
متغیر کثیر
بدن کے لیے
مکروہ
غیر بدن کے لیے
مطہر
عدم امتزاج بعض اجزاء
عود تیل
مطہر
منجس
قلیل پانی
نجس
کثیر پانی
متغیر
نجس
غیر متغیر
مطہر
غیر منجس
میت غیر خونی
تغیر
نجس
عدم تغیر
معاف

ظروف (برتن)

ظروف: ظرف کی جمع ہے، اور ظرف برتن کو کہتے ہیں اور ظروف سے کھانے پینے کے برتن مراد ہیں۔

سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال جائز نہیں ہے، حدیث میں آیا ہے: ''لَا تَشْرَبُوْا فِیْ آنِیَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَأْكُلُوْا فِیْ صِحَافِهَا'' (بخاری ۵۱۱۰، مسلم ۲۰۶۷) سونے اور چاندی کے برتنوں میں مت پیو اور نہ کھاؤ۔

سونے اور چاندی کے برتن اور دوسری چیزیں، ضرورت اور حاجت کے بغیر عورت یا مرد کے لیے کھانے پینے میں یا کسی طرح استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اس حکم میں جواز کی نفی کی گئی ہے، چوں کہ جواز میں کراہت بھی داخل ہے، اس لیے متاخرین نے جواز مع الکراہت کی نفی کی تعبیر حرمت سے کی ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال صرف ناجائز نہیں بلکہ حرام ہے، بلقینی اور دمیری نے اس حکم کی خلاف ورزی کو گناہ کبیرہ میں داخل کیا ہے اور اوزاعی نے گناہ صغیرہ سے تعبیر کیا ہے، قول آخر معتمد ہے، داود ظاہری نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قولِ قدیم پر اعتماد کرتے ہوئے کراہتِ تنزیہی میں شمار کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حرمت کھانے پینے کے استعمال میں ہے، نہ کہ اس کے علاوہ میں۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ کھانے اور پینے کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ برتنوں کے استعمال کی ایک عام صورت ہے، ورنہ کھانے پینے میں کوئی تخصص نہیں، چاندی اور سونے کے برتن کا استعمال کسی صورت بھی جائز نہیں ہے۔

حرمت کی وجوہات

حرمت کی دو وجوہات ہیں: اسراف سے روکا جائے اور امیروں کو غریبوں پر تفاخر

کے اظہار کا موقع نہ دیا جائے۔

حرام سے مراد استعمال کی ممانعت ہے، نہ کہ اصل کھانے اور پینے کا فعل، اسی اصول کی بنیاد پر ایسے برتنوں سے ماکول چیزوں کو نکال کر استعمال کرنا حلال ہے۔ سونے اور چاندی سے استعمال کی چیزوں کا بنانا، رکھنا، کرایہ پر دینا اور مال تجارت کی طرح رکھنا بھی حرام ہے، اس کے خلاف حنفیہ کا قول یہ ہے کہ استعمال کو حرام قرار دیا گیا ہے، نہ کہ بنانے اور رکھنے کو۔ برتن کے بڑے یا چھوٹے ہونے سے اس کی حرمت میں کوئی فرق نہیں آتا، سونے چاندی کے دانت خلال، عود دان اور گلاب پاش کا بھی استعمال حرام ہے، حنفیہ میں قہوے کے برتنوں کی حد تک جواز کی رائے دی گئی ہے۔

''حاجت کے بغیر'' کی قید سے وہ صورت خارج ہو جاتی ہے جب کہ ضرورت ہو اور طبیب نے اس کے استعمال کی ضرورت ظاہر کی ہو، اس اصول کے مطابق آنکھوں کی روشنی کے حصول کے لیے سونے اور چاندی کی کاڑی سے سرمہ لگانے کی اجازت ہے۔

عورتوں کے لیے بھی حرام

حرمت کا حکم عورتوں کے حق میں بھی ہے، اس لیے کہ ان چیزوں سے عورتوں کی زینت نہیں ہو سکتی، زیورات کی زینت سے متعلق علیحدہ حکم ہے۔

سونے چاندی کا استعمال بطورِ دوا

سونے اور چاندی کے مفرد یا مرکّب اجزاء کا بطورِ دوا اور علاج استعمال کرنا جائز ہے، صراحت کے ساتھ موتی کے کھانے کی اجازت دی گئی ہے، حالاں کہ وہ بعض صورتوں میں سونے سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔

سونے چاندی سے گھروں کی زینت کا حکم

چھت، فرش اور دیوار کی سونے اور چاندی سے آراستگی حرام ہے، کعبہ اور مسجد کو بھی سونے اور چاندی سے زینت دینا حرام ہے، غلافِ کعبہ میں بھی سونے اور چاندی کے تار لگانا

اور منقش کرنا حرام ہے، بلقینی نے شعائرِ اسلام کی عظمت کے لیے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

جوڑ کے لیے سونے چاندی کے استعمال کا حکم

برتنوں کے گوشوں کے جوڑ، بند، کناروں اور پیندے وغیرہ میں سونے کا استعمال قطعاً حرام ہے، برتنوں کے جوڑ میں کثیر چاندی زینت کے لیے دی جائے تو حرام ہے اور اگر ضرورت کی وجہ سے دی جائے تو کراہت کے ساتھ جائز ہے، قلیل مقدار میں زینت کے لیے دی جائے تو مکروہ ہے اور اگر ضرورت پر ہو تو اس میں کراہت نہیں، بلکہ مباح ہے، چاندی کے سکّوں سے برتنوں کو جوڑنے کا بھی یہی حکم ہے۔

بخاری نے اعصم احول سے روایت کیا ہے کہ اعصم احول نے انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک پیالہ دیکھا تھا جس میں نبی ﷺ پانی نوش فرماتے تھے، یہ پیالہ خوشبودار لکڑی سے بنا ہوا اور بڑا تھا، جس کے طول سے عمق زیادہ تھا، تڑک جانے کی وجہ سے اس کو چاندی کے تار سے باندھا گیا تھا، انس نے بیان کیا ہے کہ انھوں نے اس پیالہ سے کئی مرتبہ نبی ﷺ کو پانی پلایا تھا۔ (بخاری ۵۳۱۵) یہ پیالہ نضر بن انس کی میراث سے آٹھ لاکھ درہم میں خریدا گیا۔ بخاری نے اس پیالہ کو بغداد میں دیکھا اور اس میں پانی پیا تھا۔

دیگر دھاتوں کا حکم

سونے اور چاندی کے علاوہ دیگر طاہر دھاتوں: لوہے، تانبے، پیتل وغیرہ اور حجری چیزوں: یاقوت، زبرجد، مرجان، عقیق اور بلّور وغیرہ کے برتنوں کا استعمال جائز ہے۔

طاہر کی قید لگانے سے نجس چیزیں خارج ہو جاتی ہیں اور ان کا استعمال ایسے کام میں حرام ہے جن سے رکھی جانے والی چیز نجس ہو جاتی ہے، جیسا کہ مردار کے چمڑے میں تھوڑا پانی یا رقیق چیز رکھی جائے تو نجس ہو جائے گی، رکھی جانے والی چیز خشک ہو تو صرف کراہت ہے، یہاں نجس سے مراد غیر مغلظہ ہے، اس لیے کہ نجس مغلظہ کا استعمال مطلقاً حرام ہے۔

غیر مسلموں کے برتنوں کا حکم

ایسے مشرکین کے برتنوں کا استعمال جائز ہے جو نجاست کو بطورِ عبادت استعمال نہیں کرتے، ان کے برتن مسلمانوں کے برتن کا حکم رکھتے ہیں، اس کی مثال اہلِ کتاب ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرکہ عورت کے مشک سے وضو کیا تھا (بخاری میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک عورت سے پانی لیا تھا اور صحابہ کو پلایا تھا، اس روایت میں وضو کرنے کا تذکرہ نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ آپ نے اس سے وضو بھی کیا ہو: کتاب التیمم، باب الصعید الطیب وضوء المسلم ۔ا، حافظ ابن حجر نے ''بلوغ المرام'' میں مشرکہ عورت کے مشک سے وضو کرنے کا تذکرہ کیا ہے اور اس کو ''متفق علیہ'' کہا ہے ۱/ ۴۵)، ایسے مشرکوں کے برتن کے استعمال کے سلسلے میں جو بطورِ عبادت نجاست کا استعمال کرتے ہیں، اختلاف ہے، لیکن راجح قول یہ ہے کہ اس کے استعمال میں صرف کراہت ہے، اور پھر پانی کے برتن کے استعمال میں یہ کراہت اور خفیف ہو جاتی ہے، اس شخص کے برتن کا بھی یہی حکم ہے جو شراب پینے کا عادی ہو، اصل کے اعتبار سے برتنوں کے استعمال کے سلسلے میں سب سے صحیح رائے جواز کی ہے، اور کراہت عادتوں کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

لباس

مرد کے لیے ریشمی لباس حرام اور عورت کے لیے جائز ہے، حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حریر اور دیباج کے پہننے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ حریر اور دیباج ریشم کی اقسام ہیں، حدیث یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ میں ریشمی کپڑے کا ٹکڑا اور بائیں ہاتھ میں سونے کا ٹکڑا لیا اور فرمایا: ''هٰذَانِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ أُمَّتِىْ وَحِلٌّ لِإنَاثِهِمْ'' (ابوداود: کتاب اللباس، باب فی الحریر للنساء ۴۰۵۷، ابن ماجہ: کتاب اللباس، باب لبس الحریر والذھب للنساء ۳۵۹۵ وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم لیا اور اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں لیا اور سونا لے کر بائیں ہاتھ میں رکھا، پھر فرمایا: ''إن هذين حرام على ذكور أمتى''۔ ترمذی نے حسن صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حرّم لباس الحرير والذهب على ذكور أمتي، وأحل لإناثهم''۔ باب ماجاء فی الحریر والذھب ۱۷۲۰) یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں، اور عورتوں کے لیے جائز ہیں۔

ریشم حرام ہونے کی حکمت

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ریشم کی حرمت کی یہ حکمت ظاہر کی ہے کہ اس کی ملائمت اور نزاکت میں ایک قسم کا زنانہ پن ہے، جو مردانہ صفات کے خلاف ہے، حرمت کے درجے کی نسبت اختلاف ہے، اس حکم کی خلاف ورزی گناہِ صغیرہ میں داخل ہے، بعض کے نزدیک گناہِ کبیرہ ہے۔

لباس کی تخصیص نہیں ہے، ریشمی کپڑے کے استعمال سے عام طور پر مردوں کو منع کیا گیا ہے، اس کا فرش اور تکیہ بھی حرام ہے۔

ریشمی کپڑے کے اوپر اگر کوئی دوسرا کپڑا ڈالا جائے تو حرمت باقی نہیں رہتی ہے، ریشمی کپڑے کی چھت، خیمہ اور شامیانہ بھی ممنوع ہے، ریشمی مچھر دان کے اندر سونا بھی حرام ہے، عورت کے ساتھ بھی مرد ریشمی کپڑے کا استعمال نہیں کر سکتا، ریشمی کپڑے سے دیوار کو زینت دینا یا اس کو چوپایہ پر ڈالنا بھی ممنوع ہے، ریشمی کپڑے پر کتابت بھی حرام ہے۔

ریشم کی قید کی وجہ سے روئی، اُون اور بال اس سے خارج ہیں، اور ان سے بنا ہوا کپڑا کتنا ہی گراں قیمت نہ ہو حرام نہیں ہے۔

رنگ کی کوئی قید نہیں ہے، سرخ، زرد، سبز اور سیاہ رنگ کے کپڑے اور ان رنگوں کے دھاری دار کپڑے استعمال کیے جا سکتے ہیں، ان میں نہ حرمت ہے، نہ کراہت۔

ضرورت کی صورت میں ریشم کا جواز

اختیار کی قید ہے جب کہ ریشمی کپڑے کے پہننے کے لیے کوئی خاص ضرورت یا حاجت نہ ہو، ضرورت اور حاجت کی حالت میں استعمال جائز ہے، جنگ کی ضرورت بھی اس میں شامل ہے، جب کہ دوسری کوئی چیز اس کے قائم مقام نہ مل سکے، نبی ﷺ نے عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت دی تھی۔ (بخاری اور مسلم کی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر میں عبد الرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام کو کھجلی یا کسی دوسری تکلیف کی وجہ سے ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دی۔ بخاری: کتاب اللباس، باب ما یرخص للرجال من الحریر للحکة ۵۵۰۱، مسلم: کتاب اللباس، باب إباحة لبس الحریر للرجل إذا کان به حکة أو غیرها ۲۰۷۶)

ریشمی کپڑے کا غلاف کعبے کے لیے استعمال کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس میں سونا چاندی نہ ہو، قرآن مجید کو ریشمی تھیلی میں رکھنا جائز ہے، لیکن اس تھیلی کی ڈوری اور پیش قبض یا ترازو اور کنجیوں اور تسبیح کی ڈوری کی نسبت اختلاف ہے۔

عورت کے لیے ریشم کا استعمال

عورت کے لیے ریشمی کپڑے کا استعمال جائز ہے، وہ پہن سکتی ہے، اوڑھ سکتی ہے

اور بچھا سکتی ہے، سونے اور چاندی کے تاروں اور کلابتو کے ساتھ بنے ہوئے کپڑے یا کار چوب کا کام کیئے ہوئے کپڑے کا لباس اپنی زینت کے لیے عورت پہن سکتی ہے، مگر فرش میں یا اوڑھنے میں استعمال نہیں کر سکتی۔

نابالغ لڑکے کے لیے ریشم کا استعمال

ولی کے لیے جائز ہے کہ کمسن لڑکے کو سن بلوغ تک ریشم کا لباس پہنائے، رملی کا قول ہے کہ جو چیز عورت کے لیے جائز ہے بچے اور مجنون کے لیے جائز ہے، ورنہ رافعی نے صرف عید کے دن کی حد تک اس کے استعمال کو جائز قرار دیا ہے۔

ریشم اور اون ملا ہوا کپڑا

کپڑے میں ریشم کے ساتھ سوت یا اُون ملا ہوا ہو اور ریشم کی مقدار غالب نہ ہو تو جائز ہے، ریشم غالب ہو تو حرام ہے، اگر ریشم کی زیادتی کے بارے میں شک ہو تو رملی کا قول ہے کہ حرام ہے، جب کہ ابن حجر نے کہا ہے کہ اگر ریشم کم ہو اور غیر ریشم زیادہ ہو، یا دونوں مساوی ہوں تو جائز ہے، زیادتی اور کمی کا معیار وزن ہے، نہ کہ ظاہری نمائش، اس میں بظاہر ریشم زیادہ نظر آتا ہے، مگر اس میں سوت کی مقدار زیادہ ہے، اس لئے جائز ہے۔

زیورات

مرد کے لیے سونے کی انگھوٹی پہننا حرام ہے، سونے کی مقدار کی کمی اور زیادتی حرمت میں یکساں ہے، ناک، دانت اور انگلی سونے کی لگانا جائز ہے، جنگ کلاب میں عرفجہ بن سعد کی ناک کٹ گئی تھی اور انھوں نے چاندی کی ناک بنا کر لگائی، نبی ﷺ نے سونے کی ناک بنا کر لگانے کا حکم دیا (ترمذی نے عرفجہ بن اسد سے یہ روایت حسن غریب سند سے کی ہے: أبواب اللباس، باب ماجاء فی شد الأسنان بالذھب ۱۷۷۰، ابوداود: کتاب الخاتم، باب ربط الأسنان بالذھب ۴۲۳۲)۔

ناک پر قیاس کرتے ہوئے انگلی اور دانت کی نسبت جواز کا حکم دیا گیا ہے، سونے کی قید کی وجہ سے چاندی خارج ہے، چاندی کی انگھوٹی مرد کے لیے جائز ہے، بلکہ مسنون ہے، لیکن چاندی کی مقدار ایک مثقال یعنی چار ماشے چار رتی سے زیادہ نہ ہو ()۔

افضل یہ ہے کہ انگھوٹی داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنی جائے، سونے اور چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کی انگھوٹی وغیرہ پہننا مرد کے لیے مطلقاً بغیر مقدار کی قید کے جائز ہے، مرد کے لیے تلوار وغیرہ ہتھیاروں کو چاندی سے آراستہ کرنا اس حد تک جو اسراف نہ ہو جائز ہے اور زین اور لگام کو چاندی لگانا جائز نہیں ہے۔

عورت کے لیے سونے اور چاندی کے زیورات پہننا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اسراف نہ ہو، مثال کے طور پر پازیب کا وزن دو مثقال یعنی پچھتر تولہ () سے زیادہ نہ ہو، سونے اور چاندی کے تاروں سے تیار کی ہوئی چیزیں بھی عورت اپنی زینت کے لیے استعمال کرسکتی ہے۔

قرآن مجید کو چاندی کے ورق سے زینت دینا مرد اور عورت دونوں کے لیے جائز ہے اور سونے کے ورق سے زینت دینا صرف عورت کے لیے جائز ہے، مرد اور عورت دونوں سونے سے قرآن مجید لکھ سکتے ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

نجاست

نجاست کے ازالہ کے طریقوں کو سمجھنے سے پیشتر نجاست کی اہمیت سے واقف ہونے کی ضرورت ہے، اس کے بعد اس کے ازالہ کے طریقے جو شریعت میں مقرر کیے گئے ہیں آسانی سے سمجھ میں آسکیں گے، نجاست کا زائل کرنا واجب ہے، جس کی تفصیل آئندہ آئے گی، یہاں صرف اس قدر ظاہر کرنا مقصود ہے کہ پانی کے ذریعے نجاست کا ازالہ امت محمدی اور اسلام کی خصوصیات میں سے ہے، ورنہ بعثتِ اسلام سے قبل یہ عمل تھا کہ جسمِ حیوانی کے علاوہ دوسری صورتوں میں نجاست کا ازالہ اسی صورت میں ہوسکتا تھا جب کہ اس مقام کو کاٹ دیا جائے جہاں نجاست لگی ہو، اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: ''رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَيۡنَآ إِصۡرٗا كَمَا حَمَلۡتَهُۥ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِنَا'' (البقرۃ ۲۸۶) اے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا کہ تو نے ہم سے قبل دوسرے لوگوں پر ڈالا تھا۔

خازن نے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں دوسرے لوگوں سے مراد یہود ہیں، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم پر ایسی سختی نہ عائد کر جیسی کہ یہود پر عائد تھی، وہ سخت احکام جو یہود پر عائد کیے گئے اور جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یہ ہیں کہ اللہ تعالی نے انھیں یہ حکم دیا تھا کہ ''مال کا چوتھائی حصہ دیا جائے، جس کے کپڑے کو نجاست لگے اس کو کاٹ دیا جائے، اور جس نے گناہ کیا اور صبح ہوئی تو اس کا گناہ اس کے دروازے پر لکھا ہوا پایا گیا''۔ (تفسیر خازن المسمی ''لباب التأویل فی معانی التنزیل''، تفسیر آیت ۲۸۶ سورہ بقرہ)

اسی طرح دوسری شریعتوں میں بھی سخت اور شدید احکام نافذ کیے گئے تھے، اور ان کے اٹھانے کے لیے مسلمانوں نے اللہ تعالی سے دعا کی اور اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے ان کی دعا قبول کی اور رعایت اور آسانی رکھتے ہوئے احکام میں ترمیم کی، جس کی

طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے: ''وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ''
(الحج ۷۸) تم پر دین میں کوئی مشکل نہیں رکھی۔

نجاست کے معنی

نجاست کے معنی شے مستقذر یعنی مکروہ اور غلیظ چیز کے ہیں اور اس معنی میں بلغم، ریٹھ اور منی بھی داخل ہیں۔

اور شریعت میں ہر اس عین چیز کو نجاست کہتے ہیں جس کا کھانا پینا مطلقاً اختیار کی حالت میں، امتیاز کرنے کی سہولت کے ساتھ حرام قرار دیا گیا ہے،، اس کے احترام یا استقذ ار یعنی غلیظ سمجھے جانے کی وجہ سے نہیں اور نہ اس وجہ سے کہ وہ بدن یا عقل کو ضرر پہنچاتی ہے، اس شرعی تعریف سے بلغم، ریٹھ اور مٹی جیسی طاہر چیزیں خارج ہو جاتی ہیں جو لغوی معنی میں شامل تھیں۔

عین چیز کی قید کی وجہ سے بد بو، بخارات اور گوز (ریح) جیسے عوارضات جو نجاست سے پیدا ہوتے ہیں نجاست سے خارج ہیں، کھانے اور پینے کی قید نہیں ہے، دوسری ضروریات کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

نجاست تھوڑی ہو یا بہت؛ دونوں صورتوں میں حرام ہے، البتہ وہ چیزیں خارج ہو جاتی ہیں جن کی قلیل مقدار مباح ہے جیسے نباتات سمیّہ؛ بھنگ، افیون، حشیش (گانجہ) وغیرہ، اختیار کی قید سے مجبوری کی صورت خارج ہو جاتی ہے، مجبوری میں نجاست کو کھانا اور اس کو استعمال کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

امتیاز کرنے کی سہولت کی قید سے میوے اور پنیر وغیرہ کے مرے ہوئے کیڑے خارج ہو جاتے ہیں، میوے اور پنیر کا ان کے کیڑوں کے ساتھ کھانا مباح ہے۔

احترام سے مراد اخلاقی احترام اور تعظیم ہے، نہ کہ تحریم شرعی، اور اس قید سے آدمی کی میت نجاست سے خارج ہو جاتی ہے، میت میں کافر اور مرتد کی میت بھی داخل ہے۔

استقذار کی قید سے بلغم اور ریٹھ اور منی نجاست سے خارج ہیں، لیکن ان کا کھانا حرام ہے، منی کے حکم میں جملہ حیوانات کی منی بھی شامل ہے، سوائے کتّے اور خنزیر کے۔

ضرر کی قید سے جمادات اور نباتات جو بدن یا عقل کو ضرر پہنچاتے ہیں خارج ہیں جیسا کہ پتھر، مٹی، جڑی بوٹی، ساگ پات کے مختلف اور زہریلے اقسام جو بدن اور عقل کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

پیشاب اور پاخانہ کے راستے سے نکلنے والی مائع یعنی پتلی چیز

جو مائع دونوں راستوں سے خارج ہو نجس ہے، سوائے منی کے، مائع سے مراد ہر وہ ملائم یا پتلی چیز جو عام طور پر خارج ہوتی ہو جیسا کہ پیشاب یا پاخانہ، یا بعض مرتبہ خارج ہو جیسا کہ مذی اور ودی، اور کبھی کبھار نکلتی ہو جیسا کہ خون اور پیپ، یہ سب نجس ہیں۔

منی میں آدمی اور حیوان کی منی شامل ہے اور یہ طاہر ہے، مگر سوّر وغیرہ کی منی نجاست کے حکم سے مستثنی نہیں ہے، بلکہ یہ نجس ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ استنجا کرنے کے لیے نبی ﷺ کے پاس دو ڈھیلے اور گدھے کی لید کا ایک ٹکڑا لایا گیا، آپ نے ڈھیلے تو لیے اور لید کی نسبت کہا: ''هٰذَا رِكْسٌ '' (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ استنجا کرنے گئے تو مجھے تین پتھر لانے کا حکم دیا، مجھے صرف دو پتھر ملے، تیسرا میں نے تلاش کیا تو مجھے نہیں ملا، میں لید لے کر آپ کے پاس آیا تو آپ نے دو پتھر لیے اور لید کو پھینک دیا اور کہا: یہ نجس ہے۔ بخاری ۱۵۵) یہ نجس ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک اعرابی (بدّو) نے مسجد میں پیشاب کیا تو آپ نے فرمایا: ''صُبُّوا عَلَيْهِ ذَنُوبًا '' (بخاری ۲۱۷، مسلم ۲۸۴) اس پر ایک ڈول پانی ڈال دو۔ یعنی عین چیز کے زائل ہونے کے بعد۔

ان احادیث کی بنا پر بول و براز کو نجس قرار دیا گیا ہے۔

علاج کے لیے نجس چیز کا استعمال

علاج کے لیے اگر طاہر چیز نہ مل سکے تو نجس چیز کا استعمال بھی جائز ہے: ''لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ شِفَاءَ أُمَّتِي فِيمَا مُحَرَّمٌ عَلَيْهَا '' (صحیح ابن حبان میں ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے، جب کہ بخاری نے

تعلیقاً حدیث روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''إن اللـه لم يجعل شفاء كم فيما حرم عليكم ''فتح الباری ج ۱۰ص ۷۸)اللہ تعالی نے اس چیز میں جو حرام کی گئی ہے میری امت کے لیے شفا نہیں رکھی ہے۔

اس حدیث میں شراب کی طرف اشارہ ہے اور وہ (شیخ سلیمان بجیری تحفہ، جلد اص ۲۹۶) بھی جب کہ خالص ہو، لیکن اس میں آمیزش کر کے دوا کے طور پر استعمال کی جائے تو جائز ہے۔

مائع کی قید سے ریح (گوز) اور کرم (کیڑے جو پچھلی شرمگاہ سے نکلتے ہیں) خارج ہیں، وہ نجس نہیں ہیں اور دھونے سے پاک ہو جاتے ہیں، انڈا جو زندہ یا ذبح شدہ مرغی سے نکلے پاک ہے، اگر چہ کہ اس کا چھلکا سخت نہ ہوا ہو، پاخانہ، لید اور مینگنی وغیرہ نجس ہیں۔

پیشاب اور پاخانہ کے راستے کی قید سے وہ چیزیں جو کسی دوسرے راستے سے نکلیں پاک ہیں، سوائے قئے کے، جو معدے میں پہنچنے کے بعد نکلے، اگر چہ کہ اس میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہو، نجس ہے، شہد اس سے مستثنی ہے، یہ پاک ہے۔

سوئے ہوئے آدمی کے منھ سے جو لعاب نکلے وہ بھی پاک ہے، لیکن صفراء (پت کی بیماری) جو معدے سے نکلے وہ نجس ہے، سوائے اس کے کہ کوئی شخص صفرے میں مبتلا ہو تو ایسی صورت میں معاف ہے۔

بول و براز (پیشاب اور پاخانہ) عام طور پر نجس ہیں، انسان کے ہوں یا حیوان کے، اور حیوانِ ماکول (جو جانور کھانا جائز ہو) کے ہوں یا غیر ماکول (جو جانور کھانا جائز نہ ہو) کے۔

مذی اور ودی

مذی سفید اور رقیق مادہ ہے، جو شہوت کے ہیجان ہونے پر، شدتِ شہوت اور لذت کے بغیر خارج ہوتا ہے، مردوں کے مقابلے میں عورتوں میں اس کا عمل زیادہ ہوتا ہے۔

صحیحین کی حدیث ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کو مذی کثرت سے خارج ہوتی تھی، مقداد بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں سوال کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''**مُرْهُ فَلْيَغْسِلْ ذَكَرَهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأْ**'' ان کو حکم دو کہ ذکر (اگلی شرمگاہ) کو دھوئیں اور پھر وضو کریں۔(بخاری ۱۷۶، اس میں الفاظ یہ ہیں: ''فيه الوضوء''، مسلم میں یہ الفاظ ہیں: ''يغسل ذكره ويتوضأ'' ۳۰۳)

ودی سفید گدلا گاڑھا مادہ ہے جو پیشاب کے بعد یا غیر معمولی وزنی چیز اٹھانے پر خارج ہوتا ہے۔ (اس کا حکم بھی ودی کی طرح ہی ہے)

عورت اور مرد کی شرمگاہیں متنجس ہوں اور استنجا ڈھیلے سے کیا گیا ہو تو دھوئے بغیر جماع حرام ہے اور اس عذر کی بنا پر عورت انکار کر سکتی ہے۔

ائمہ کے نزدیک منی کا حکم

منی کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے نجاست میں شامل کیا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پاک بتایا ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ہر ایک پاک جانور کی منی بھی پاک ہے، منی تازہ ہو یا خشک؛ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو دھونے کا حکم دیا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تازہ ہو تو دھونے اور خشک ہو تو رگڑ کر جھاڑنے کی رائے دی ہے۔

منی اگرچہ پاک ہے، لیکن احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وقت منی کو دھویا تھا اور بعض وقت جھاڑا تھا، (بخاری: کتاب الوضوء، باب غسل المنی وفرکہ وغسل ما یصیب من المرأۃ، یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے ہے جس میں منی کے دھونے کا تذکرہ ہے، اور مسلم ودیگر سنن کی کتابوں میں حضرت عائشہ ہی سے روایت ہے جس میں منی کو جھاڑنے کا تذکرہ ہے۔ مسلم: کتاب الطھارۃ، باب حکم بول الطفل الرضیع وکیفیۃ غسلہ) اور بعض ائمہ نے اس کو دھونے کا حکم دیا ہے، اس لحاظ سے منی کا دھونا مستحب ہے۔

عورت کی منی بھی پاک ہے، منی میں وہ خون بھی شامل ہے جو منی کے مقررہ طریقہ پر خارج ہو، منی کی طرح علقہ (جنین کی ابتدائی حالت) اور مضغہ (جنین کی علقہ کے بعد والی حالت جس میں انسان کے اعضاء کی ابتدائی شکل بننی شروع ہوتی ہے) بھی نجس نہیں ہیں۔

دودھ کے احکام

دودھ طاہر ہے، غیر ماکول یعنی گدھی وغیرہ کا دودھ اس کے خون کی طرح نجس ہے، غیر

ماکول کے حکم سے آدمی کا دودھ مستثنیٰ ہے، یہ پاک ہے، ماکول جانوروں کا دودھ پاک ہے:
''لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِيْنَ''(النحل ٦٦) دودھ خالص اور لذیذ پینے والوں کے لیے۔
شروع آیت میں صراحت ہے: ''مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ'' یعنی دودھ فضلہ اور خون کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔
سُبکی کا قول ہے کہ دودھ شہد سے بہتر ہے اور رملی کا قول ہے کہ گوشت دودھ سے بہتر ہے، حدیث میں آیا ہے: ''سَيِّدُ أُدُمِ أَهْلِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اَللَّحْمُ ''(ابن ماجہ نے یہ روایت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کی ہے جس کو البانی نے ضعیف کہا ہے) دنیا اور آخرت کے لوگوں کے سالنوں میں سب کا سردار گوشت ہے۔
''وَأَفْضَلُ طَعَامِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اَللَّحْمُ '' دنیا وآخرت کی غذاؤں میں سب سے افضل گوشت ہے۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ گوشت کی غذا میں دل کے لیے فرحت ہے۔ غزالی کا قول ہے کہ چالیس دن گوشت کی مداومت دل کو سخت کرتا ہے اور چالیس دن مسلسل گوشت چھوڑنا بداخلاقی پیدا کرتا ہے۔

کم سن بچے کا پیشاب

کم سن بچے کا پیشاب جو غذا کے طور پر کھاتا پیتا نہ ہو مستثنیٰ ہے۔ اور خطیب شربینی کا قول ہے کہ نجاستِ مخففہ (ہلکی نجاست) ہے، اس کے مستثنیٰ ہونے کی چار مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

صرف پیشاب کی قید ہے، خون، پاخانہ، پیپ اور قے اس سے خارج ہے۔
پیشاب لڑکے کا ہو، لڑکی کا نہ ہو۔ لڑکی خارج ہے اور لڑکی کا پیشاب معاف نہیں۔
لڑکا بطور غذا کھانا نہ کھاتا ہو، اگر کوئی چیز یوں ہی خالی کھالیا ہو۔ جیسا کہ کھجور یا کوئی سفوف یا دوا تو یہ غذا کی تعریف میں داخل نہیں ہوں گے۔ کھانا بطور غذا کے ایک مرتبہ بھی کھالے تو استثناء سے خارج ہوگا۔ چناں چہ روضہ (امام نووی کی کتاب روضۃ الطالبین) میں لکھا ہے کہ سوائے دودھ کے نہ کھایا ہو اور نہ پیا ہو۔ دودھ عام ہے ماں کا ہو یا دایہ کا۔

عمر دو سال قمری سے کم ہو، زیادہ نہ ہو۔ شیخ سلطان کا قول ہے کہ بچے کے پیشاب پر پانی چھڑکنا جس کو "رش" کہتے ہیں ایک رخصت ہے اور رخصت حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ یقین نہ ہو۔

خون اور پیپ کے احکام

کوئی نجاست تھوڑے سے خون اور پیپ کے سوائے معاف نہیں ہے۔ نجاست کی نسبت عام حکم یہ ہے کہ معاف نہیں ہے اور اگر نجاست بدن یا لباس پر ہو تو نماز صحیح نہیں ہوسکتی۔ قلیل مقدار میں خون اور پیپ جو بدن یا لباس پر ہو اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور معاف ہے، اس کے ساتھ نماز ہوسکتی ہے۔ نجاست سے مراد نجاستِ متوسط ہے۔ نجاست مغلظہ: کتے، خنزیر وغیرہ کی نجاست اس سے خارج ہے اور معاف نہیں ہے۔ نجاست سے مراد مرئی یعنی نظر آنے والی نجاست ہے، غیر مرئی یعنی نظر نہ آنے والی نجاست اس حکم سے خارج ہے، خون اور پیپ تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر قسم کی ریزش جو پھوڑے، پھنسی، دمبل اور زخم وغیرہ سے برآمد ہو داخل ہے، اجنبی کا خون یا پیپ وغیرہ صرف خفیف مقدار میں معاف ہے، مچھر، پسو اور کھٹمل وغیرہ کا خون معاف ہے۔

بال کے احکام

بال قلیل مقدار میں غیر ماکول جانور کے پاک ہیں، بشرطیکہ وہ جانور مغلظہ نہ ہو۔ مرکوب یعنی سواری کے جانوروں کے بال کثیر مقدار میں بھی مستثنیٰ ہیں۔

گوبر، مینگنی اور جگالی کے احکام

گوبر، مینگنی اور جگالی بھی جو جانور سے، سواری، دودھ دوہنے اور دیگر کام لینے میں لگ جائیں معاف ہیں۔ عام حکم یہ ہے کہ جس نجاست سے احتراز دشوار ہو وہ معاف ہے۔

نظر نہ آنے والی نجاست

غیر مرئی نجاست یعنی ایسی نجاست جو نظر نہ آسکے مستثنیٰ ہے۔ اس لیے کہ اس سے احتراز

دشوار ہے۔ غیر مرئی نجاست میں غیر مغلظہ کی قید نہیں ہے، صرف قلت کی شرط ہے۔ مغلظہ نجاست بھی اتنی قلیل مقدار میں کہ نظر نہ آسکے معاف ہے۔ نظر کا معیار عمومی بینائی کی قوت ہے، وہ نجاست جو مکھی وغیرہ کے پاؤں سے منتقل ہو یا جانور کے دم ہلانے سے آ لگے معاف ہے۔

بغیر خون والے حیوان

وہ حیوان جس میں خون نہ ہو برتن میں گر کر مر جائے تو برتن نجس نہیں ہوتا۔ حیوان سے مراد ایسا حیوان ہے جس کے قتل کرنے یا جس کے کسی عضو کے زندگی کی حالت میں کاٹنے پر خون نہ بہے جیسے مکھی، مچھر، پسو، کھٹمل اور جوں۔ اس لیے کہ ان سے روزمرہ زندگی میں احتراز دشوار ہے۔ سانپ، مینڈک اور چوہا اس سے خارج ہیں۔ اگر ایسے بے خونی جانور کثیر مقدار میں کسی چیز میں پائے جائیں اور ان کی وجہ سے تغیر پیدا ہو گیا ہو تو معاف نہیں ہے۔

جمادات اور نباتات

جماد جیسے پتھر، مٹی، اور نبات جیسے درخت، پھل اور پتا سب پاک ہیں۔ اس لیے کہ یہ چیزیں انسان کے کسی نہ کسی فائدے اور استعمال کے لیے پیدا کی گئی ہیں جو زمین میں ہیں، یہ سب کے سب پاک ہیں، سوائے اس کے کہ شریعت نے اس کو صاف طور پر نجس کہا ہو، شراب کی تحریم کی نسبت حدیث ہے ''کُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ '' (مسلم ۲۰۰۳، یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے) ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر ایک خمر حرام ہے۔

ہر قسم کی شراب حرام ہے

خمر انگور سے کھینچی ہوئی شراب کو کہتے ہیں، مگر یہاں ہر ایک پتلی مسکر (نشہ پیدا کرنے والی چیز) مراد ہے، خواہ کھجور، شکر یا شہد وغیرہ سے بنائی جائے۔ مسکر کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے عقل ختم ہو جاتی ہے، یہ نجس ہے، چاہے جامد ہو، حشیش (بھنگ) مخدر ہے، مسکر نہیں، اور پاک ہے، چاہے مائع (سیّال چیز) ہو۔ مسکر میں مائع کی قید نہیں ہے، جامد کا بھی یہی حکم ہے۔ حدیث مذکور شراب کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اور آیت (المائدۃ ۹۰) ''يَا أَيُّهَا

الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا إِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَالۡمَيۡسِرُ وَالۡأَنۡصَابُ وَالۡأَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِنۡ عَمَلِ الشَّيۡطَانِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ''۔(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی)۔

یہ شراب کی نجاست کی دلیل ہے۔ مسکر ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے استعمال سے شدتِ طرب (خوشی و مسرت) پیدا ہو، شدتِ طرب کی صفت میں وہ چیز بھی شامل ہے جس کے استعمال سے عقل پوشیدہ ہو جائے یعنی مغلوب و زایل ہو جائے۔

پہلی صفت جامد اور مائع مسکرات کے لیے عام ہے اور دوسری صفت شراب کے لیے خاص ہے۔ سلیمان بجیرمی نے لکھا ہے: ہر وہ چیز جس میں شدتِ طرب ہو خواہ وہ مائع ہو یا جامد؛ نجس ہے اور جس میں شدتِ طرب نہ ہو خواہ وہ جامد ہو یا مائع؛ پاک ہے۔

جاندار کے پاک یا نجس ہونے کی تفصیلات

زندہ جانور پورا پاک ہے، کتے، سوّر اور ان جانوروں کے علاوہ جو ان کے ملاپ سے پیدا ہوں، یا ان میں سے کسی ایک اور کسی پاک حیوان کے ملاپ سے پیدا ہوں، حیوان سے مراد ہر ذی روح جاندار ہے، اور جو حیوان پاک ہے اس کی منی، علقہ اور مضغہ بھی پاک ہے اور نجس حیوان کی منی، علقہ اور مضغہ بھی نجس ہے۔ حمل ٹھہرنے سے رحم میں خون گاڑھا ہو جاتا ہے اس کو علقہ اور جب علقہ گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے اس کو مضغہ کہتے ہیں۔

نجس حیوان کا فضلہ بھی مطلق نجس ہے۔ پاک حیوان کے صرف پسینے اور تھوک وغیرہ کے چھینٹے پاک ہیں۔ معدے وغیرہ کے اندرونی عمل سے جو چیز تبدیل ہو جاتی ہے وہ نجس ہے، جیسا کہ بول و براز، جو چیز تبدیل نہیں ہوتی ہے، وہ پاک ہے جیسا کہ لعاب اور آنسو۔ اور پھر جو چیز تبدیل ہو جاتی ہے؛ اگر وہ بھی کسی صلاح اور فائدے کے لیے ہو تو طاہر ہے۔ اس کی مثال ماکول جانور اور انسان کا دودھ، ہرن کا مشک اور مرغی کا انڈا ہے۔

تمام جانور پاک ہیں، البتہ وہ جانور مستثنیٰ ہیں جن کے بارے میں شارع نے کوئی

دوسرا حکم دیا ہو۔ حیوان کی طہارت کا عام حکم اس کے زندہ رہنے تک ہے۔

کتّا جانور کی جنس سے مستثنیٰ ہے

مسلم کی حدیث ہے: ''طَهُورُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ إِذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ أَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ أُولَاهُنَّ بِالتُّرَابِ ''۔ (مسلم ۲۷۹) تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پانی پیے تو اس کو سات مرتبہ دھوکر پاک کرو، جس میں ایک مرتبہ مٹی استعمال کرو۔

سور بھی مستثنیٰ ہے

عام جانوروں کی طہارت کے حکم سے کتے کو حدیث کے صاف حکم کی بناء پر مستثنیٰ کیا گیا ہے، چوں کہ سوّر کتے سے زیادہ رزیل جانور ہے۔ اس لیے کتے پر قیاس کرتے ہوئے اس کو بھی نجس قرار دیا گیا۔ اسی طرح وہ تمام جانور جو کتے اور سور کے باہمی ملاپ یا ان میں سے کسی کے ساتھ دوسرے طاہر جانور کے ملاپ سے پیدا ہوں، وہ بھی نجس ہیں۔ نووی کے خیال میں سوّر کے نجس ہونے کے بارے میں کوئی دلیل واضح نہیں ہے اور اعتراض کیا ہے کہ سوّر کا گوشت حرام قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ گوشت نجس ہے۔ اور گوشت کے نجس ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سور بحالتِ زندگی بھی نجس ہو۔ ابن منذر نے کہا ہے کہ سور کے نجس ہونے کی نسبت اجماع ہے۔ اگر سوّر سے کسی نقصان کا اندیشہ بھی نہ ہو تو بھی اس کا قتل مندوب ہے۔ اس کے برخلاف حشرات یعنی زمینی کیڑوں میں صرف موذی جانور کا قتل مندوب ہے۔

جاندار کے اجزاء کا حکم

جو حصہ زندہ جانور سے کاٹ دیا جائے، وہ مردار کے حکم میں ہے، اس سے ماکول جانور کے بال مستثنیٰ ہیں جو اس کی زندگی میں کاٹے جائیں اور جن کو فرش، لباس اور دیگر کاموں میں استعمال کیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "مَا قُطِعَ مِنْ حَيٍّ فَهُوَ مَيِّتٌ" (حاکم کی روایت میں ہے: ''ما قطع من بهيمة فهو ميتة '' حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے) زندہ سے جو چیز کاٹی جائے وہ میت ہے۔ یعنی طہارت اور نجاست میں جزء کا حکم وہی ہے جو اس کے مردار کا ہے۔

جس حیوان کی میت نجس ہے، اس کے اجزاء بھی جو زندگی میں کاٹے جائیں نجس ہیں اور جس حیوان کی میت طاہر ہے اس کے اجزاء بھی جو زندگی میں کاٹے جائیں طاہر ہیں۔ مچھلی، ٹڈی، آدمی کا جزء طاہر ہے اور گدھے اور بکری کا نجس ہے۔

ماکول کی قید سے گدھا اور بلی خارج ہیں، اس لیے ان کے بال نجس ہیں۔ لیکن تھوڑے بال معاف ہیں۔ بالوں میں صوف، وبر اور ریش بھی داخل ہیں۔ اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: ''وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا مَتَاعاً إِلٰى حِينٍ'' (النحل ۸۰) ان کے اون، بیریوں اور بالوں سے اسباب اور سامان ایک وقت تک۔

یعنی وہ سب بال جو فرش، لباس اور دوسرے کاموں میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

شیخ سلیمان نے سانپ کی کچلی کو اس کا ایک حصہ شمار کیا ہے اور اس کو نجس کہا ہے۔

مردہ جانوروں کا حکم

مردار پورا نجس ہے، سوائے مچھلی، ٹڈی اور آدمی کے، یہ سب مرنے کے بعد بھی طاہر ہیں۔ اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ (المائدہ ۳) مری ہوئی چیز تم پر حرام کی گئی۔

میتۃ مرے ہوئے جانور کو کہتے ہیں اور میتۃ میں وہ جانور بھی داخل ہے جو ماکول ہو مگر ذبح نہ کیا گیا ہو، یا ذبح تو کیا گیا ہو مگر شرعی طور پر نہیں جیسا کہ ہڈی سے ذبح کیا گیا ہو، یا بت پرست نے ذبح کیا ہو، یا یہ کہ غیر ماکول جانور کو ذبح کیا گیا ہو۔ غیر ماکول کا ذبح بھی حرام ہے۔

مردار کے نجس ہونے سے اس کے تمام اجزاء؛ ہڈی، بال، سینگ اور ناخن جو اس کی زندگی میں طاہر تھے، اس کے مرنے پر نجس قرار پاتے ہیں۔

اس سے مستثنی چیزیں

سرکہ، پنیر اور میوے کے کیڑے بھی اسی تعریف میں داخل ہیں اور نجس ہیں۔ لیکن ان سے احتراز دشوار ہونے کی وجہ سے ان کو نجس نہیں ٹھرایا گیا اور ان کا امتیاز دشوار ہونے کی وجہ

سے اصل چیز کے ساتھ ان کا کھانا جائز قرار دیا گیا۔

بالوں کے سلسلہ میں شک ہوجائے کہ ماکول کا ہے یا یا غیر ماکول کا

شیخ سلیمان بجیرمی نے لکھا ہے کہ ایسے بال جن کی نسبت یقین نہ ہو کہ ماکول حیوان کی زندگی میں نکالے گئے یا نہیں؟ اور حیوان ماکول تھا یا نہیں؟ تو اس صورت میں اصل کا لحاظ کرتے ہوئے طاہر ہیں۔ پوستین (فر)، بال، چمڑے اور ہڈی کی نسبت شک ہو کہ ماکول کا ہے یا غیر ماکول کا اور آیا ذبیحہ کا ہے یا غیر ذبیحہ کا؟ اسی طرح دودھ ماکول کا ہے یا غیر ماکول کا؟ تو یہ سب طاہر ہیں۔

مری ہوئی مچھلی اور ٹڈی کا حکم

مری ہوئی مچھلی اور ٹڈی اجماع کی بناء پر طاہر ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ: اَلسَّمَكُ وَالْجَرَادُ، وَ اَلْكَبِدُ وَالطِّحَالُ " (ابن ماجہ) حلال کیے گئے ہیں ہمارے لیے دو قسم کے مرے ہوئے حیوان اور دو قسم کے خون؛ مچھلی، ٹڈی، جگر اور تلی۔

دوسری روایت میں ہے: "اَلطَّهُوْرُ مَاءُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ" (ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، احمد، ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے) اس (سمندر) کا پانی پاک ہے اور اس کے مرے ہوئے حیوان حلال ہیں۔

مچھلی سے ہر وہ حیوان مراد ہے جو پانی کے باہر زندہ نہیں رہ سکتا۔ خشکی پر اس کی زندگی ذبح کیے ہوئے حیوان کی طرح ہوگی جو تھوڑی دیر میں مرجاتا ہے۔ پانی کا ہر ایک جانور مچھلی میں داخل ہے خواہ کتے کی شکل میں ہو۔ بعض کا قول ہے کہ کھارے پانی کی مچھلی کا پیٹ صاف کیے بغیر کھانا جائز نہیں ہے۔ شیخان نے ''باب الصید'' میں لکھا ہے: چھوٹی مچھلی کے پیٹ کی صفائی دشوار ہے، اس لیے اس کو پیٹ صاف کیے بغیر کھایا جاسکتا ہے۔ یہ حکم مری ہوئی مچھلی کی نسبت ہے اور زندہ مچھلی دوسرے جانوروں کی طرح پاک ہے۔

مری ہوئی ٹڈی: جس کو عربی میں ''جراد'' اور فارسی میں ''ملخ'' کہتے ہیں نجس نہیں ہے اور حلال ہے۔ روضہ میں لکھا ہے کہ مچھلی کی طرح ٹڈی کا پیٹ صاف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹڈی کے طاہر ہونے کا یہ صریح حکم مری ہوئی ٹڈی کی نسبت ہے۔ ورنہ زندہ ٹڈی دوسرے جانور کی طرح پاک ہے۔

آدمی کی میت کا حکم

آدمی کی میت پاک ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ'' (بنی اسرائیل ۷۰) اور بیشک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی ہے۔

جب انسان کو دیگر مخلوقات پر فضیلت ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان موت کی وجہ سے یا غیر مسلم ہونے کی وجہ سے نجس نہیں ہوسکتا۔ بعض نے کہا ہے کہ عقل کی وجہ سے انسان کو امتیاز ہے۔ بعض نے نطق (گویائی)، تمیز اور فہم کو طرۂ امتیاز بتایا ہے اور بعض نے راست قامتی کو، بعض نے حسنِ صورت کو اور بعض نے یہ وجہ ظاہر کی ہے کہ آدمی کو دیگر مخلوقات پر قابو حاصل ہے اور بعض نے امور زندگی میں انسان کو جو حسنِ تدبیر حاصل ہے، اس کو وجہ قرار دیا ہے۔

محلی نے کہا ہے کہ قول اظہر یہ ہے کہ انسان کی میت طاہر ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ (التوبۃ ۲۸) بیشک مشرکین پلید ہیں۔ یہاں اعتقاد کی نجاست مراد ہے، نہ کہ بدن کی۔ مشرکین کا اعتقاد نجس ہونے کی وجہ سے ان سے اجتناب کرنا واجب ہے۔ اعتقاد کی نجاست سے ان کے بدن کی طہارت کی نفی لازم نہیں آتی۔ چناں چہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے قیدیوں کو مسجد میں باندھا تھا۔

یہ تعبیر بھی کی گئی ہے کہ فاسد کے عوض نجس کا لفظ استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور فاسد کو نجس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حدیث میں ہے: ''لَا تُنَجِّسُوا مَوْتَاكُمْ فَإِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ حَيًّا وَلَا مَيِّتًا''۔ (بخاری ۲۷۹ کی روایت میں ہے: ''سبحان الله إن المسلم لا ينجس''۔ البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے: ''المسلم لا ينجس حيا ولا ميتا''۔

امام بخاری نے اس کو تعلیقاً روایت کیا ہے: الجنائز: باب غسل المیت ووضوءہ) تم اپنے مرے ہوئے لوگوں کو نجس نہ سمجھو، اس لیے کہ مسلم نہ زندگی میں نجس ہوتا ہے اور نہ مرنے کے بعد۔

اس حدیث کے مخاطب مسلمان ہیں ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یہ تھا کہ احکام صادر کرتے وقت مسلمانوں سے خطاب فرماتے اور مسلمانوں کو حکم دیتے تھے، کافر بھی اس حکم میں مسلمانوں کے ساتھ شریک رہتے تھے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر انسان کی میت، دوسرے جانوروں کی میت کی طرح نجس ہوتی تو دوسرے اعیان کی طرح نجس العین بھی ہوتی اور جب نجس العین ہو تو غسل کی وجہ سے پاک نہیں ہوسکتی، جب پاک نہیں ہوسکتی تو اس کو غسل دینے کے کوئی معنی نہ ہوتے۔ لیکن چوں کہ انسان کی میت کو غسل دینے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے انسان کی میت نجس العین نہیں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے؛ جب انسان کی میت طاہر ہے تو پھر اس کو غسل دینے کا حکم کیوں دیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ میت کو غسل دینے کا حکم نجس العین ہونے کی وجہ سے نہیں دیا گیا بلکہ موت کے باعث حالت بدل جانے کی وجہ سے غسل دینے کے لیے بالکل اسی طرح حکم دیا گیا جیسے موجباتِ غسل کے واقع ہونے کی صورت میں غسل کے لیے حکم دیا گیا ہے۔

دوسرا استدلال یہ ہے کہ صفات کی دو قسمیں ہیں: ذاتی صفات اور عارضی صفات۔ صفات ذاتی وہ ہیں جو ایک ہی جنس کے ہر ایک فرد میں پائی جاتی ہیں ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ آدَمَ﴾ (بنی اسرائیل ۷۰) میں باعث تکریم انسان کی جنسیت ہے جو بنی آدم کے ہر ایک فرد میں پائی جاتی ہے اور اس لحاظ سے یہ تکریم جو انسان کو دی گئی ہے کافر حربی بھی اس میں شامل ہے اور کافر حربی زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں طاہر ہے۔

عارضی صفات کی مثال ایمان، کفر اور ارتداد ہے جو بعض افراد کے لیے مخصوص ہیں۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ میت نجس ہے اور اس حکم سے انھوں نے انبیاء اور شہداء کی میتوں کو مستثنیٰ کیا ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ عام میت نجس ہے اور غسل سے پاک ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ آدمی کی ذات کو روحانی اور جسمانی دونوں پہلوؤں سے

شرف حاصل ہے اور امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ فقط روح کو شرف حاصل ہے۔بعض کا خیال ہے کہ یہ حدیث امام ابو حنیفہ کو پہنچی ہی نہیں یا پہنچی مگر آپ کے پاس اس کی تصحیح نہیں ہوئی: "إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ حَيًّا وَلَا مَيِّتًا" بے شک مومن نجس نہیں ہوتا، نہ زندگی میں اور نہ موت کے بعد۔

دباغت

مردار کا چمڑا دباغت سے پاک ہوتا ہے، البتہ اس سے کتا، سور اور ان کے ملاپ سے پیدا شدہ جانور کا چمڑا مستثنیٰ ہے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ طَهُرَ" (مسلم کی روایت میں ہے:"إذا دبغ الإهاب فقد طهر"۳٦٦) ہر ایک چمڑا دباغت سے پاک ہوتا ہے۔

اہاب کچے اور غیر دباغت شدہ چمڑے کو کہتے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:"هَلَّا أَخَذْتُمْ إِهَابَهَا فَدَبَغْتُمُوهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهِ" (مسلم: کتاب الحیض، باب طھارۃ جلود المیتۃ بالدباغ ۵۴۲، یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے) تم نے اس کا چمڑا لے کر دباغت کیوں نہیں کیا کہ اس سے فائدہ اٹھا لیتے۔

حدیث میں مردہ جانور کی قید عام ہے؛ ماکول ہو یا غیر ماکول۔دباغت سے چمڑے کے ظاہری اور باطنی دونوں حصے پاک ہو جائیں گے۔چمڑے کا ظاہری حصہ وہ ہے جو دابغ سے ملے اور باطنی حصہ وہ ہے جسکو دابغ نہ لگے۔دابغ دباغت کرنے والی کیمیائی چیزوں کو کہتے ہیں۔

دباغت کے مسئلہ میں اختلاف

امام مالک کے پاس دباغت سے چمڑے کا ظاہری حصہ پاک ہوتا ہے، اندرونی حصہ نہیں۔اور نماز ظاہری حصہ پر جائز ہوتی ہے، اندرونی حصہ پر نہیں۔امام مالک کا یہ بھی قول ہے: مردہ جانور کا چمڑا پاک ہی نہیں ہو سکتا۔امام احمد کی بھی ایک روایت یہی ہے۔

امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ سوّر کے علاوہ بقیہ دوسرے تمام جانوروں کے چمڑے دباغت سے پاک ہوتے ہیں۔

زہری کا قول ہے کہ مردہ جانور کا چمڑا دباغت کے بغیر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ دباغت کے متعلق جو احادیث ہیں ان سے دباغت کا استحباب ظاہر ہوتا ہے نہ کہ وجوب، دباغت کے لیے نیت، ارادہ یا فعل کی شرط نہیں ہے۔

مولد جانور

مولد جانور وہ ہے جو مختلف نوع کے جانوروں کے ملاپ سے پیدا ہوا ہو، اس کا حکم وہی ہوگا جو حکم دونوں اصل (نر اور مادہ) میں سے رزیل اور گھٹیا جانور کی نسبت ہوگا۔ ماکول اور غیر ماکول جانوروں کے ملاپ سے جو مولد پیدا ہو، وہ غیر ماکول ہوگا۔

جو جانور زندگی کی حالت میں نجس ہے اس کا چمڑا دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتا۔ جو جانور زندگی کی حالت میں پاک ہے۔ لیکن اس کی موت غیر شرعی طریقہ پر واقع ہونے سے نجس ہو گیا ہے۔ اس کی جلد دباغت سے پاک ہوگی۔

کتے، سور کا استثناء

کتے، سور اور ان کے مولد کا چمڑا دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جو جانور بحالتِ حیات نجس ہے اس کے مرنے کے بعد اس کے چمڑے کو دباغت بھی پاک نہیں کر سکتی۔ طہارت کے لیے جانور کی زندگی دباغت سے بہتر شکل ہے اور جب زندگی ہی میں طہارت حاصل نہیں ہے تو دباغت سے طہارت کیسے حاصل ہوگی؟ یہی حکم اس مولد کے لیے ہے جو کتے اور سور کے ملاپ سے ہوا ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے دوسرے طاہر جانور کے ملاپ سے پیدا ہو۔

بال کے احکام

چمڑے کی قید سے بال خارج ہو جاتے ہیں۔ نووی کا قول ہے کہ بالوں میں دباغت کا اثر نہیں ہوتا، اس لیے بال نجس ہیں۔ لیکن بال نجس ہونے کے باوجود قلیل مقدار میں معاف ہیں اور قول معتمد یہی ہے۔

سبکی اور شوافع کی ایک جماعت نے نصِّ حدیث کی بنیاد پر یہ رائے دی ہے کہ بال چمڑے کے تابع ہیں، چمڑا پاک ہوا تو بال پاک ہوئے، اگر چہ کہ دباغت کا اثر بالوں میں نہیں ہوتا، صرف چمڑے میں ہوتا ہے۔ انھوں نے کثیر بالوں کی بھی طہارت کی رائے دی ہے۔

شیخ بجیرمی کہتے ہیں کہ فتوی بھی اسی پر ہے اور امام ابوحنیفہ کا قول بھی یہی ہے۔ اس میں شراب کے حکم سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ شراب کے سرکہ بننے اور پاک ہونے کے بعد اگر شراب کا برتن پاک نہ ہوجاتا تو شراب جو سرکہ بن کر پاک ہوگئی بیکار ہوجاتی اور نجس برتن کی وجہ سے سرکہ بھی نجس ہوجاتا۔ یہ ایک ضرورت تھی جس نے برتن کو پاک بنایا۔ ایسی کوئی ضرورت چمڑے اور اس کے بالوں کے بارے میں نہیں پائی جاتی۔ اس لیے کہ چمڑے کی دباغت میں بال نکالے جاسکتے ہیں۔

دباغت کا طریقہ

دباغت کا طریقہ یہ ہے کہ چمڑے کا فضول حصہ، خون اور گوشت کے چھتڑے نکال دیے جائیں جن کے وجہ سے چمڑے میں سڑن اور بدبو پیدا ہوتی ہے۔ کیمیائی ادویہ اور بعض درختوں کی کھال اور پھل وغیرہ ایسے ہیں جن سے دباغت ہوسکتی ہے۔ جیسے کیکر، ماجو اور انار کے چھلکے، چمڑے کو صرف مٹی یا نمک لگا دینا یا دھوپ میں ڈال دینا کافی نہیں ہے۔ چاہے اس کی وجہ سے چمڑا خشک ہوجائے اور بدبو ختم ہوجائے۔ اس لیے کہ فاضل گوشت جو چمڑے کو چمٹا ہوا ہے پانی میں ڈالتے ہی عفونت پیدا کرے گا اور چمڑا نجس ہوجائے گا۔ نجس چیز سے دباغت دی جائے تو دباغت کے بعد چمڑے کو ایک مرتبہ دھویا جائے۔

دباغت سے بدبو ختم ہونے کا معیار یہ ہے کہ چمڑا پانی میں ڈالیں تو بدبو پیدا نہ ہو۔ دابغ کا اثر راست چمڑے کے اندرونی حصہ تک نہیں پہنچتا۔ لیکن چمڑے کی ظاہری سطح کے ساتھ باطنی حصہ بھی پاک ہوجاتا ہے۔ دابغ نجاست کا ازالہ نہیں کرتا بلکہ اس کا استحالہ کرتا ہے۔ استحالہ کا مطلب ایک چیز کی ایک صفت کو دوسری صفت میں تبدیل کردینا ہے، چمڑا جو نجس تھا اس کو طاہر بنا دیتا ہے۔

مرے ہوئے جانور کی ہڈی اور بال نجس ہیں، اس سے انسان مستثنیٰ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾ (المائدة ۳) تم پر حرام کیا گیا ہے مرا ہوا جانور اور خون۔

جس چیز میں حرمت نہ ہو اور نہ نقصان ہو اس کی تحریم اس کے نجس ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

میتہ یعنی مرا ہوا جانور

میتہ یعنی مرا ہوا جانور اس کو کہتے ہیں جس کی جان، شرعی طور پر خون بہائے بغیر چلی جائے۔ میتہ میں وہ غیر ماکول جانور بھی داخل ہے جو ذبح کیا گیا ہو۔ میتہ کے نجس ہونے کا حکم صرف اس کی ہڈی اور بالوں تک محدود نہیں ہے بلکہ میتہ کے سارے اجزاء نجس ہیں۔ ہڈی، بال، سینگ، دانت، سم، کھر، چونچ، ناخن؛ یہ سب نجس ہیں۔

ہڈی یا بال وغیرہ کی نسبت شک ہو کہ ذبیحہ کے ہیں یا غیر ذبیحہ کے تو طاہر ہیں۔ اس لیے کہ اصل طہارت ہے اور یہ شک کی وجہ سے نجس نہیں ہو سکتے، ماکول کے بال وغیرہ اس کی زندگی میں یا ذبح کے بعد حاصل کیے گئے ہیں تو طاہر ہیں، ورنہ نجس۔

مشک کا حکم

مسلم کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''اَلْمِسْكُ أَطْيَبُ الطِّيْبِ'' (مسلم: کتاب الألفاظ من الأدب وغیرھا، باب استعمال المسک وأنہ أطیب الطیب ......۲۲۵۲، یہ روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے) مشک خوشبو کی چیزوں میں سب سے بہتر ہے۔

اس حدیث کی بناء پر یہ طاہر ہے۔

اختلاف: امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا قول ہے کہ ہر قسم کے بال طاہر ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے سینگ، دانت، ہڈی، ریش (پَر) کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اس وجہ سے کہ ان میں جان نہیں ہے۔ امام مالک نے بال، صوف اور وبر کو مطلقاً طاہر بتایا ہے، چاہے ماکول کے

ہوں یا غیر ماکول کے، جیسا کہ کتے اور گدھے کے۔

نجاست کی قسمیں

خلاصہ یہ کہ نجاست کی شرعی اقسام تین ہیں: نجاست مغلظہ، نجاست متوسطہ، اور نجاست مخففہ یا معفو عنہا۔

نجاست مغلظہ : کتے، سور اور ان کے ملاپ سے پیدا شدہ جانوروں کی نجاست رطوبت کے ساتھ۔

نجاست متوسطہ : نجاست متوسطہ کی پھر دو قسمیں ہیں: نجاست عینی اور نجاست حکمی۔

نجاست عینی : وہ نجاست جو آنکھ سے دیکھی جائے یا جس میں جسامت، ذائقہ، رنگ یا بو ہو۔

نجاست حکمی: وہ نجاست جو آنکھ سے نہ دیکھی جائے یا جس میں جسامت، ذائقہ، رنگ یا بو نہ ہو۔

نجاست مخففہ یا معفو عنہا: تھوڑا سا خون اور پیپ جو بدن یا لباس پر ہو اور بے خونی کیڑے جو میوے میں ہوں یا مائع یعنی پتلی چیز میں گر جائیں۔

نجاست دور کرنے کا طریقہ

نجاست دور کرنے کے طریقے

وہ چیزیں جن کی اصلیت نجس نہیں ہے اور پاک ہیں مگر نجاست کے لاحق ہونے سے نجس ہوگئی ہیں، متنجس کہلاتی ہیں اور دھونے سے پاک ہوجاتی ہیں۔

جو چیز نجس العین ہے، نہ دھونے سے پاک ہوسکتی ہے اور نہ استحالہ سے، اس سے دو چیزیں مستثنیٰ ہیں؛ ایک تو چمڑا جو دباغت سے پاک ہوتا ہے اور دوسری چیز شراب جو بذات خود سرکہ بن جائے تو پاک ہوجاتی ہے۔

طہارت کی ضرورت

طہارت کی ضرورت تین صورتوں میں ہوسکتی ہے:

۱۔ حدث کی وجہ سے، جب کہ وضو ٹوٹ جائے، یا غسل کی ضرورت پیش آئے۔

۲۔ خبث یعنی نجاست ظاہری کے لاحق ہونے کی وجہ سے۔

۳۔ تعظیماً جیسا کہ میت کا غسل۔

انسانی جسم کو ان تین صورتوں میں طہارت کی ضرورت ہوسکتی ہے۔ لیکن لباس یا برتنوں کی طہارت صرف نجاست کے لاحق ہونے پر ہوگی۔ لباس اور برتنوں کے دھونے میں حدث اور تعظیم کے وجوہ نہیں پائے جاتے۔ ازالۂ نجاست کے لیے پانی کے علاوہ کسی اور چیز سے مدد لینا واجب نہیں ہے۔ البتہ نجاست صابون، ریٹھے وغیرہ جیسے اشیاء کے استعمال کے بغیر زائل نہ ہوسکے، تو ان اشیاء کا حصول ممکن ہو تو ان کا استعمال بھی واجب ہے۔

پانی کم ہو تو پانی کو متنجس چیز پر ڈالنے کی شرط ہے، اگر متنجس کو قلیل پانی میں ڈالا جائے

تو پانی خود نجس ہو جائے گا۔ پانی زیادہ ہو تو یہ شرط نہیں ہے۔ متنجس پر پانی ڈالا جائے یا پانی میں متنجس ڈالا جائے تو دونوں صورتوں میں متنجس پاک ہو جائے گا۔

نجاست کے دھونے کے بعد اس چیز کو نچوڑنے کی شرط نہیں ہے۔ اس لیے کہ دھوئی ہوئی چیز میں پانی کے قطرے رہ جاتے ہیں۔ پانی کے یہ قطرے پاک ہیں، لیکن ممکن ہو تو نچوڑنا سنت ہے تاکہ دیگر ائمہ کے خلاف نہ ہو۔ ابوحنیفہ کا قول نچوڑنے کا ہے۔

نجاست زائل کرنے کی نیت

نجاست کے ازالہ کے لیے نیت کی شرط نہیں ہے۔

طہارتِ حدث دوسری عبادتوں کی طرح ایک عبادت ہے جیسا کہ نواقض وضو کے پیش آنے پر وضو کرنا اور غسل واجب ہونے کی صورت میں غسل کرنا، اس کے برخلاف ازالۂ نجاست میں صرف نجاست زائل کرنا مقصود ہوتا ہے۔

پہلی فرصت میں نجاست زائل کرنا

نجاست کا دھونا واجب ہے۔ لیکن پہلی فرصت میں نجاست زائل کرنے کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر معصیت کے طور پر نجاست اپنے بدن پر لگائی گئی ہو جیسا کہ بعض لوگ قربانی یا صدقے کے جانور کا خون جسم کو لگا لیتے ہیں۔ خون نجس ہے اور جسم کو خون عمداً بغیر حاجت کے لگانا حرام ہے، اس لیے معصیت سے جلد سے جلد سبکدوش ہونے کے لیے ایسے خون کا فوراً دھونا بھی واجب ہے۔

اگر نجاست معصیت کے بغیر لگی ہوئی ہے تو اس کا فوراً دھونا واجب نہیں ہے۔ نماز کے وقت یا نماز کا ارادہ کرنے کے وقت اس کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ اختیاری وقت نماز کے وقت کی تنگی کے لحاظ سے تنگ ہوتا جائے گا۔ اگر کسی شخص کا منہ نجس ہو گیا ہو تو اس کو غرغرہ کرنے میں مبالغہ کرنا واجب ہے۔

نجاستِ مغلظہ سے پاکی حاصل کرنے کا طریقہ

برتن جو کتے وغیرہ کی رطوبت سے نجس ہو جائے اس کو سات دفعہ دھونا واجب ہے، جس میں ایک مرتبہ مٹی استعمال کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''طَهُورُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ إِذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ أَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ أُولَاهُنَّ بِالتُّرَابِ'' (مسلم ۲۷۹) تم میں سے کسی کے برتن میں کتے نے پانی پیا تو اس برتن کو پاک کرنے کے لیے تم کو چاہیے کہ اس کو سات مرتبہ دھوڈالو جس میں سے پہلی مرتبہ مٹی استعمال کرو۔

ہر جانور کا منہ اس کے جسم کے سارے اعضاء کے مقابلہ میں اطیب اور زیادہ بہتر ہوتا ہے اور کتے کا منہ، زبان نکال کر شدت سے سانس لینے کی عادت کی وجہ سے، اس کے جسم کے دوسرے اعضاء کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر ہے۔ اور جب اس کے منہ کے لعاب کو نجس قرار دیا گیا تو اس کے جسم کے دیگر اعضاء، پسینہ، بول اور براز کی نسبت بدرجۂ اولی یہ حکم ہے۔

یہ حکم صرف برتن کے سلسلہ میں ہی نہیں ہے، بلکہ بدن، لباس اور ہر ایک جامد چیز کے سلسلہ میں ہے۔ جامد کی قید سے پتلی چیزیں خارج ہو جاتی ہیں۔ دودھ وغیرہ میں نجاست سے گرنے کے بعد پاک نہیں ہوسکتا۔ پانی صرف زیادہ مقدار میں اضافہ کیے جانے کے بعد پاک ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ پانی میں مٹی کے استعمال کی قید نہیں ہے۔ جامد میں وہ مقام بھی داخل ہے جس کو شکاری کتے یا غیر شکاری مغلظہ جانور نے کاٹا ہو۔

نجاست مغلظہ کی عام شکل یہ ہے کہ کتا زبان سے پانی پیے جس کو عربی میں ''ولوغ'' کہتے ہیں۔ ولوغ پر ہی موقوف نہیں بلکہ مغلظہ جانوروں کا کوئی حصہ رطوبت کے توسط سے چھو جائے تو نجاست کے لیے کافی ہے۔ رطوبت کے توسط کی قید ہے۔ اگر رطوبت اور گیلے پن کے بغیر مغلظ جانور سے کپڑا یا بدن چھو جائے تو نجس نہیں ہوتا ہے۔

نجاست دور کرنے کا طریقہ

دھونے میں سات کی تعداد، جس میں سے ایک مرتبہ مٹی کا استعمال امرِ تعبدی ہے، جس

کے بارے میں بیجوری کی رائے یہ ہے کہ اس کی کوئی عقلی دلیل نہیں ہے۔سات مرتبہ پانی کا بہانا یا پانی میں سات مرتبہ عضو کو حرکت دینا کافی ہے۔پانی میں عضو کو حرکت دینے میں عضو کو پانی میں لے جانے اور پھر پانی سے نکالنے میں جو دو حرکتیں ہوں کی ان کو دو مرتبہ شمار کیا جائے گا۔

اگر جگہ پر نجاست کا ظاہری اثر ہو تو پہلے پانی ڈالا جائے اور نجاست کو دور کیا جائے، پھر مٹی استعمال کی جائے۔مٹی میں ہر قسم کی مٹی؛ گارا اور باریک ریت جس میں غبار ہو اور جس سے پانی گدلا ہو سکے، شامل ہے۔گدلا پانی مٹی کے عوض استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اگر گدلے اور جاری پانی میں متنجس چیز کو رکھا جائے تو اس پر پانی سات دفعہ گزر جانا کافی ہے، پھر مٹی لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔مٹی کی قید سے صابن، بیسن اور ریٹھا وغیرہ خارج ہو جاتے ہیں۔اگر لباس نجس ہو تو بھی ان ہی دونوں پاک کرنے والی چیزوں؛ پانی اور مٹی سے دھونا ہوگا۔قیاس کی گنجائش نہ ہونے سے صابن وغیرہ کا استعمال بے سود ہوگا۔

سنت یہ ہے کہ مٹی کا استعمال پہلے یا آخری دھونے کے بجائے دوسری دفعوں میں کیا جائے تو بہتر ہے تاکہ چھینٹوں کے اڑنے سے جو نجاست لاحق ہو اس میں مٹی استعمال کرنے کی ضرورت نہ ہو۔مٹی کی زمین نجاست مغلظہ سے نجس ہو جائے تو اس کو صرف سات مرتبہ پانی ڈالنے کی ضرورت ہوگی، کیوں کہ یہ خود مٹی ہے۔

پانی کے برتن میں کتا منھ ڈالے اور تحقیق نہ ہو کہ اس کا منھ پانی تک پہنچا تھا، پھر سر باہر نکالنے پر منھ خشک نظر آئے تو برتن اور پانی نجس نہ ہوں گے۔اگر کتے کا منھ گیلا بھی نظر آئے تو صحیح رائے یہ ہے کہ نجس نہ ہوگا۔اس لیے کہ کتے کے منھ کا گیلا پن اس کے لعاب سے بھی ہو سکتا ہے۔اصل پاک ہونا ہے، اس لیے شک کی وجہ سے پانی اور برتن نجس نہیں ہوگا۔

نجاستِ متوسطہ دور کرنے کا طریقہ

دوسری نجاستوں کو ایک مرتبہ دھونا واجب ہے، لیکن تین مرتبہ دھونا افضل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "كَانَتِ الصَّلَاةُ خَمْسِيْنَ صَلَاةً وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَالْبَوْلِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يَسْأَلُ اللّٰهَ حَتّٰى جُعِلَتِ الصَّلَاةُ خَمْسًا وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ مَرَّةً وَغُسْلُ الْبَوْلِ مَرَّةً "۔(یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہے، بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، جس کو امام نووی نے المجموع شرح المهذب میں نقل کیا ہے: کتاب الطھارۃ، باب إزالۃ النجاسۃ ص۶۰۱) نمازیں پچاس تھیں اور جنابت اور بول سے سات مرتبہ دھونے کا حکم تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی سے سوال (دعا) کرتے رہے، یہاں تک کہ نمازیں پانچ کر دی گئیں اور غسل جنابت ایک دفعہ اور پیشاب کا دھونا ایک مرتبہ کر دیا گیا۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ ایک اعرابی ذوالخریصۃ تمیمی نے مسجد میں پیشاب کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: ’’صُبُّوا عَلَيْهِ ذَنُوبًا‘‘ (بخاری: کتاب الوضوء، باب صب الماء علی البول فی المسجد ۲۱۷، مسلم ۲۸۴، یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) ایک ڈول پانی ڈال دو۔

یہ حکم ایک مرتبہ کے دھونے میں داخل ہے اور یہی دھونے کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔نجاست متوسط کی دو قسمیں ہیں؛ نجاست عینی اور نجاست حکمی۔

نجاست عینی زائل کرنے کا طریقہ

نجاست عینی سے مراد وہ نجاست ہے جو دکھائی دیتی ہو اور جس میں جسامت، ذائقہ، رنگ یا بو ہو۔اس کے دھونے میں اثر زائل کرنے کے بعد ذائقہ کا زائل کرنا واجب ہے۔ اگر باوجود کوشش کے ذائقہ باقی رہے تو مقام نجس ہی رہے گا مگر معفو عنہا ہوگا۔اور نماز ادا ہو جائے گی۔اور نماز کا اعادہ بھی نہ ہوگا۔باوجود کوشش کے رنگ یا بو باقی رہ جائے تو مقام پاک ہو جائے گا اور قدرت ہونے پر اس کے ازالہ پر مجبور نہ ہوگا۔

اگر ایک ہی نجاست کی یہ دونوں صفات ایک ہی مقام پر پائی جائیں تو جو حکم ذائقہ کی صفت کا ہے ان کا بھی وہی ہوگا۔

ایک مرتبہ دھونے سے مراد یہ ہے کہ نجاست کا ظاہری اثر اور اوصاف؛ ذائقہ، رنگ اور بو زائل ہو جائیں۔اگر ایک مرتبہ کے دھونے میں ظاہری اثر اور اوصاف زائل نہ ہوں تو جتنے مرتبہ کے دھونے میں زائل ہوں گے ان سب کو ایک مرتبہ میں شمار کیا جائے گا جیسا کہ

کتے کی نجاست میں ہے۔

لیکن ظاہری اثر اور نجاست کی صفات کے زائل کرنے میں اگر متعدد مرتبہ دھونے کی نوبت آئے تو پھر اس کے بعد افضلیت کے لیے مزید دو مرتبہ دھونا اس لیے مندوب نہیں ہے کہ ''لِأَنَّ الْمُكَبَّرَ لَا يُكَبَّرُ كَمَا أَنَّ الْمُصَغَّرَ لَا يُصَغَّرُ'' جو چیز پہلے سے بڑھائی گئی ہے دوبارہ بڑھائی نہیں جاسکتی اور جو چیز پہلے سے ہی چھوٹائی گئی ہے دوبارہ چھوٹائی نہیں جاسکتی۔

ازالۂ نجاست کے حکم کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جہاں نجاست کا شک ہو وہاں بھی ایک مرتبہ کا دھونا مندوب کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ'' (مسلم: باب کراهة غمس المتوضئ ۶۶۵، یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) میں محض شک کی بناء پر ایک مرتبہ دھونا مندوب کیا گیا ہے تو اس محل پر جہاں نجاست کی تحقیق ہو بدرجۂ اولی یہ حکم واجب ہوگا۔

نجاست کا ذائقہ، رنگ اور بو؛ باقی رہ جائیں تو طہارت صحیح نہ ہوگی، البتہ اگر کوشش کے باوجود باقی رہ جائیں تو مضائقہ نہیں۔ دو مرتبہ کا دھونا مندوب اس دھونے کے بعد ہے جس سے عینِ نجاست اور صفاتِ نجاست ختم ہو گئے ہوں۔

فروعات:

جملہ آٹھ فروعات ہیں، جن کی طہارت کی نسبت احکام بھی مختلف ہیں:

۱۔ مصبوغ متنجس کی تطہیر یعنی اس کپڑے کو پاک کرنا جس کو نجس چیز سے رنگا گیا ہو

۲۔ زمین نجس کی تطہیر یعنی اس زمین کی پاکی جس پر نجاست لگی ہو

۳۔ متنجس اینٹ کی تطہیر

۴۔ نجس مصبوغ لکڑی

۵۔ متنجس گوشت کی تطہیر

۶۔ پارہ کی تطہیر

۷۔ لباس متنجس کی تطہیر

۸۔ متنجس تیل کو پاک کرنے کی دشواری
۹۔ متنجس منہ کی تطہیر

مصبوغ متنجس کی تطہیر

مصبوغ متنجس اس کپڑے کو کہتے ہیں جو نجس چیز کے ذریعہ رنگے جانے کی وجہ سے نجس ہوجائے۔ نجس چیز سے رنگا ہوا کپڑا دھونے سے پاک ہوجائے گا، رنگ باقی رہے تو مضائقہ نہیں۔ اگر رنگا ہوا کپڑا خشک ہوجائے تو اس پر پانی ڈالنا کافی ہے۔

نجس زمین پانی کے بہانے سے پاک ہوجاتی ہے۔

کچی اینٹ میں جامد نجاست ملی ہوئی ہو تو پاک نہ ہوگی، چاہے جلائی گئی ہو۔ شیخ سلیمان نے لکھا ہے کہ معاف ہے۔ مسجد کی تعمیر میں بھی اس کا استعمال ہوسکتا ہے۔ مٹی کے برتنوں کے بنانے میں اگر گوبر استعمال کیا گیا ہو تو طاہر ہے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ ''إِذَا ضَاقَ الْأَمْرُ اِتَّسَعَ'' جب کسی امر میں تنگی پیش آئے تو وسیع ہوجاتا ہے یعنی دشواری مسئلہ میں گنجائش پیدا کرتی ہے۔

چھری آگ پر گرم کرنے کے بعد نجس مائع میں بجھائی گئی ہو اور گوشت نجس پانی میں پکایا گیا ہو تو دھونے سے ظاہر اور باطن پاک ہوجائیں گے، چھری کو دوبارہ گرم کرکے پاک پانی میں بجھانے اور گوشت کو پاک پانی میں ابالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

نجس پارہ ظاہری حصہ کے دھونے سے پاک ہوجاتا ہے۔

کپڑے میں مقام نجاست کا دھونا کافی ہے۔

متنجس تیل کو پاک کرنے کی دشواری

دہن یعنی پتلی چکنی چیز نجس ہوجائے تو اس کا پاک کرنا دشوار ہے۔ اس لیے کہ پانی اس کے جملہ اجزاء تک نہیں پہنچ سکتا۔ شیخ سلیمان نے لکھا ہے کہ چکنی چیز بھی دھونے سے اس طرح پاک ہوسکتی ہے کہ اس پر خوب پانی ڈال کر لکڑی وغیرہ سے ہلائیں تاکہ پانی اس کے جملہ اجزاء تک پہنچ

سکے۔ اس کے بعد جمنے دیا جائے اور پانی اور چکنی چیز کو جدا کر لیا جائے۔ یہ عمل اس وقت ہوگا جب کہ غیر دہنی نجاست سے نجس ہوا ہو۔

نجاستِ حکمی کو زائل کرنے کا طریقہ

وہ نجاست جو دکھائی نہ دیتی ہو اور جس میں جسامت، ذائقہ، رنگ یا بو نہ ہو لیکن جس کے وجود کا یقین ہو جیسا کہ پیشاب خشک ہو جائے اور پیشاب کی کوئی علامت باقی نہ رہے تو اس پر پانی کا ایک دفعہ بہا دینا کافی ہے، پانی خود اس پر بہہ جائے جیسا کہ بارش کا پانی تو بھی درست ہے۔ خشک ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگر نچوڑا جائے تو کوئی قطرہ نہ نکلے۔

کمسن بچے کے پیشاب کا حکم

لڑکے کا پیشاب جو نجاست سے مستثنیٰ ہے، اس پر پانی چھڑکنا کافی ہے۔ پانی کے چھڑکنے سے مراد اتنا پانی پہنچانا ہے جو پورے مقام پر حاوی ہو جائے اور گیلا کر دے، پانی کے بہانے کی قید نہیں ہے۔ اس عمل کو عربی میں '**نضح**' اور '**رش**' کہتے ہیں۔ پانی کے چھڑکنے سے قبل ذائقہ، رنگ اور بو کے اوصاف زائل کر دیے جائیں اور یہ نچوڑنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر خشک ہو گیا ہو یا نچوڑنے پر کوئی قطرہ نہ نکلے تو پھر نچوڑنے کی قید نہ ہوگی۔

اختلاف:

امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے لڑکے اور لڑکی میں کوئی فرق نہیں کیا اور دونوں کا پیشاب دھونے کا حکم دیا ہے۔

غسالہ:

'غسالہ' نجاست دھوئے ہوئے پانی کو کہتے ہیں۔ غسالہ جو منفصل، قلیل اور غیر متغیر ہو اور اس کا وزن پاک میل کچیل کی وجہ سے زیادہ نہ ہوا ہو اور محل نجاست پاک ہو گیا ہو تو پاک ہے، لیکن مستعمل اور غیر مطہر ہے۔

عام حکم تو یہ ہے کہ پانی قلیل اور قلتین سے کم ہو تو اس کو متنجس پڑ ڈالنے کی شرط ہے، اگر

پانی قلتین یا اس سے زیادہ ہو تو صرف عدمِ تغیر کی قید ہے۔ دوسرے شرائط باقی نہیں رہتے۔ غسالہ نے چوں کہ نجاست کو زائل کیا ہے اس لیے وہ خود تو پاک ہے مگر دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکتا۔ نجاست کے معفو عنہا ہونے سے اس حکم میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔

استحالہ:

شراب بنفسہ سرکہ بن جائے تو پاک ہے، اور اگر کسی دوسری چیز کے شریک کرنے سے بنے تو پاک نہیں، برتن بھی شراب کے تابع ہے۔

استحالہ کسی چیز کے ایک صفت سے دوسری صفت میں تبدیل ہونے کو کہتے ہیں۔

شراب سے مراد ہر ایک پتلی مسکر چیز ہے خواہ کھجور، شکر یا شہد وغیرہ سے بنے۔ اگر شراب دھوپ سے سائے میں یا سائے سے دھوپ میں منتقل کرنے سے سرکہ بنے تو راجح رائے یہ ہے کہ مکروہ ہے۔ شراب کے سرکہ بننے کے بعد طاہر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شراب کی نجاست کی علت 'اِسکار' (نشہ لے آنا) ہے اور جب زائل ہوگئی تو نجاست بھی باقی نہیں رہی۔

دوسری چیز کے ڈالنے کی وجہ سے سرکہ بن جائے تو وہ چیز نجس ہو جائے گی اور شراب کے سرکہ بننے کے بعد بھی وہ چیز نجس رہے گی اور اس نجس چیز کی موجودگی کی وجہ سے سرکہ بھی نجس ہو جائے گا اور اگر نجس چیز ڈالی گئی ہو تو شراب میں ایک دوسری وجہ سے نجاست پیدا ہوگی۔ جو سرکہ بننے سے زائل نہ ہوگی۔

شیرہ خمیر آئے بغیر بھی تین طرح سرکہ ہو سکتا ہے۔ سرکے کے پرانے برتن میں شیرہ ڈالا جائے تو سرکہ ہو جائے گا۔ سرکہ شیرے کے مساوی مقدار میں یا اس سے زیادہ ڈالا جائے تو کل کا کل سرکہ ہو جائے گا، انگور کے دانوں سے کسی ظرف کو بھر کر اس کے سر کو مید دیا جائے تو بھی سرکہ ہو جائے گا، شراب کے سرکہ بن جانے اور پاک ہو جانے سے اس کا برتن بھی پاک ہو جاتا ہے۔

حدث

(حیض، نفاس، طہر اور ان کی مدت، استحاضہ، جنابت، بے وضو کی حالت اور ان کے احکام)

حدث اس حالت کو کہتے ہیں جس کے واقع ہونے سے غسل یا وضو واجب ہوتا ہے۔
حدث کی تین قسمیں ہیں۔ حدثِ اکبر۔ حدثِ اوسط۔ حدثِ اصغر۔

حدث اکبر

حدث اکبر سے مراد حیض اور نفاس ہے۔
حدث اکبر اس لیے کہتے ہیں کہ عورت پر حیض اور نفاس کی حالت میں بہت سی چیزیں حرام کی گئی ہیں۔

حدثِ اوسط

حدث اوسط سے مراد جنابت ہے۔
اس کو حدثِ اوسط اس لیے کہتے ہیں کہ آدمی پر جنابت کی حالت میں جو چیزیں حرام کی گئی ہیں وہ حیض اور نفاس کی حالت کے مقابلہ میں کم اور حدثِ اصغر کے مقابلہ میں زیادہ ہیں۔

حدثِ اصغر

حدثِ اصغر سے مراد نواقض وضو اور استحاضہ ہیں۔
حدث اصغر اس لیے کہتے ہیں کہ وضو ٹوٹنے کی حالت میں آدمی پر سب سے کم چیزیں حرام ہوتی ہیں۔
بعض نے جنابت کو حدث اکبر میں داخل کر کے حدث کو دو قسموں؛ حدث اکبر اور حدث اصغر میں تقسیم کیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حدثِ اکبر کو پھر دو قسموں حیض و نفاس

اور جنابت میں تقسیم کرنا پڑتا ہے، اس لیے کہ ان کے احکام مختلف ہیں۔

حیض کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے:﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ أَذًى﴾(البقرۃ ۲۲۲) لوگ حیض کے بارے میں تم سے پوچھتے ہیں؟ کہہ دو کہ وہ ایک گندی چیز ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہودی حیض کے زمانے میں اپنی عورتوں کو اپنے سے جدا کر دیتے، ساتھ نہیں رکھتے اور ساتھ کھانا نہیں کھلاتے تھے اور سوسائٹی میں انھیں بے کار بنا رکھا تھا۔ اس کے خلاف نصاریٰ کے نزدیک حیض کی حالت اور غیر حیض کی حالت میں کوئی امتیاز نہیں تھا۔ حیض کی حالت میں عورت کے ساتھ جماع کرتے تھے۔

اسید بن حضیر اور عباد بن بشیر اور بعض کہتے کہ دحداح رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ امت محمدی کو درمیانی راستے کی طرف رہنمائی کی، جس کی رو سے عورت کو یہودیوں کی طرح جدا نہیں کیا گیا اور نہ نصاریٰ کی طرح ان کے ساتھ مجامعت کو روا رکھا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''إِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْئٍ إِلَّا النِّكَاحَ'' (مسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجھا وترجیلہ ۳۰۲) تم ان کے ساتھ سب کچھ کر سکتے ہو سوائے جماع کے۔

صحیحین کی روایت میں ہے: ''هٰذَا شَيْئٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ وَحَاضَتْ حَوَّاءُ يَوْمَ الثُّلَثَاءِ'' (پہلا ٹکڑا صحیحین میں ہے: بخاری ۲۹۰، مسلم ۱۲۱۱، اس میں ''حاضت حواء یوم الثلثاء'' کا تذکرہ نہیں ہے) یہ بات اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر مقرر کی ہے اور حوا کو پیر کے دن حیض آیا تھا۔

اس حدیث میں بنات آدم سے عورتیں مراد ہیں۔

عورت کے طبعی موانعات کا اثر

عورت کے ان طبعی موانعات؛ حیض، حمل، ولادت اور نفاس کا تقاضہ تھا کہ شوہر کے فوت ہونے یا طلاق دینے کے بعد ان کے لیے عدت مقرر کی جائے۔ جہاد جیسے سخت وشدید

فعل سے ان کو سبکدوش کیا جائے۔ جمعہ، عید اور جنازہ کی نمازوں کو ان پر واجب نہ کیا جائے۔
اسی طرح وہ قضاءت اور نکاح میں ولی بننے کے لیے نا قابل قرار دی گئیں۔ محرم یا شوہر کی ہمراہی کے بغیر حج بھی ان پر فرض نہیں کیا گیا۔ میراث میں ان کا حصہ کم کر کے مرد کا نصف رکھا گیا۔

عورت پر ان موانعات کا علم فرض ہے

عورت پر حیض، نفاس اور استحاضہ کے احکام سے واقف ہونا واجب ہے۔ اگر شوہر واقف ہے تو اس پر واجب ہے کہ بیوی کو واقف کرائے۔ شوہر کی ناواقفیت کی وجہ سے شوہر کی رضامندی کے بغیر علماء سے سیکھنے کے لیے بیوی باہر جاسکتی ہے۔ لیکن مجلس ذکر میں شرکت یا کارِ خیر کے سیکھنے کے لیے بیوی اپنے شوہر کی رضامندی کے بغیر نہیں جاسکتی۔

حیض، نفاس اور استحاضہ

عورت کی شرمگاہ سے تین قسم کا خون خارج ہوتا ہے: حیض، نفاس اور استحاضہ۔
حیض وہ خون ہے جو عورت کی شرمگاہ سے، صحت کی حالت میں بغیر زچگی کے سبب خارج ہوتا ہے۔ اس کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے اور اس میں سوزش ہوتی ہے۔
حیض کے معنی سیلان اور بہنے کے ہیں۔ اور شرع میں اس خون کو کہتے ہیں جو طبعی طور پر عورت کے رحم سے خارج ہوتا ہے۔ یہ خون رحم کے اندرونی آخری حصہ میں ایک رگ سے خارج ہوتا ہے جس کو عربی میں '**عاذل**' کہتے ہیں۔
اس کی تین شرطیں ہیں:
۱۔ صحت کی حالت میں نکلے، استحاضہ کا خون اس سے خارج ہوجاتا ہے جو مرض کی وجہ سے نکلتا ہے۔
۲۔ زچگی کے سبب نہ نکلے، اس سے نفاس کا خون خارج ہوجاتا ہے جو بچے کے تولد کے بعد نکلتا ہے۔
۳۔ مقررہ اوقات میں نکلے۔ یعنی عورت کی عمر سنِ حیض کو پہنچی ہو، اور سنِ حیض کی اکثر

مدت سے متجاوز نہ ہو۔حیض کی اقل مدت سے کم نہ ہو۔

حیض کی ابتداء

عورت کو کم سے کم نو سال کی عمر میں حیض آ سکتا ہے۔حمل کے زمانہ میں بھی عورت کو حیض آ سکتا ہے۔حمل کے باوجود حیض آنا بچے کی کمزوری پر دلالت کرتا ہے اور یہ عموماً جفت یعنی جوڑ کے مہینوں چوتھے، چھٹے اور آٹھویں مہینوں میں ہوتا ہے۔طاق کے یعنی ساتویں، اور نویں مہینوں میں بچہ قوی ہوتا ہے اور ماں کو حیض نہیں آتا۔یہی وجہ ہے کہ جو بچہ سات مہینوں میں پیدا ہوتا ہے۔زندہ رہتا ہے اور جو آٹھ مہینوں میں پیدا ہوتا ہے زندہ نہیں رہتا۔

مجاہد نے لکھا ہے کہ کسی عورت کو حمل کے زمانے میں حیض آئے تو سمجھا جائے گا کہ اس کے بچہ میں نقص پیدا ہوا ہے۔حمل نو مہینوں کے اوپر رہے تو اس نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔عمر کی کمی کی حد نو سال ہلالی ہے اور اس سے زیادہ عمر میں بھی حیض آ سکتا ہے۔

حیض کے خون کا رنگ

حیض کے پانچ رنگ ہوتے ہیں۔سب سے قوی سیاہی مائل، پھر سرخ، پھر ہلکا سرخ، پھر زرد اور پھر گدلا۔جس ترتیب سے رنگ بیان کیے گئے ہیں ان کی قوت اور ضعف کے مدارج بھی اسی ترتیب سے ہیں۔مثلاً نمبر۲ نمبر ا سے ضعیف اور نمبر۳ سے قوی ہے۔

حیض کے خون کی صفات

رنگوں کے علاوہ حیض کے دوسرے صفات بھی چار ہیں:

ا۔گاڑھا ۲۔بدبودار

۳۔گاڑھا اور بدبودار ۴۔نہ گاڑھا نہ بدبودار

نفاس کا خون

نفاس وہ خون ہے جو زچگی کے بعد خارج ہوتا ہے۔نفاس کی شرعی تعریف یہ ہے،

ورنہ نفاس کے لغوی معنی زچگی کے ہیں۔

''زچگی کے بعد'' میں قید یہ ہے کہ پندرہ روز کے اندر ہو۔ زچگی کے بعد سے مراد یہ بھی ہے کہ رحم خالی ہو چکا ہو۔ جڑواں بچوں کی ولادت کے درمیان جو خون خارج ہوتا ہے وہ بھی نفاس نہیں کہلاتا۔ آخری بچے کی ولادت کے بعد جو خون خارج ہوتا ہے وہی نفاس ہے۔ زچگی کے ساتھ یا زچگی سے پہلے جو خون خارج ہوتا ہے وہ بھی نفاس نہیں ہے۔

علقہ حمل کی ابتدائی اور مضغہ حمل کی دوسری حالت کو کہتے ہیں۔ اور علقہ اور مضغہ کے خارج ہونے کو گو زچگی نہیں کہتے مگر زچگی کے احکام ان پر عائد ہوتے ہیں۔ علقہ کے بعد جو خون نکلتا ہے وہ نفاس ہے۔ اس کے بعد غسل واجب ہے اور روزہ افطار کیا جائے گا۔ مضغہ کے خارج ہونے پر اور دو باتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ عدت ختم ہو جاتی ہے اور باندی ام ولد قرار پاتی ہے۔ (یعنی اپنے آقا کے اولاد کی ماں، اس صورت میں وہ اپنے آقا کے انتقال پر خود بخود آزاد ہو جاتی ہے، پھر وہ کسی کی وراثت میں منتقل نہیں ہوتی ہے)

استحاضہ کا خون

استحاضہ وہ خون ہے جو حیض و نفاس کے علاوہ دوسرے دنوں میں بیماری کی وجہ سے نکلتا ہے۔ غیر ایام حیض سے مراد یہ ہے کہ ایک دن اور ایک رات سے کم ہو یا پندرہ دنوں سے زیادہ ہو۔ غیر ایام نفاس سے مراد یہ ہے کہ سات دنوں سے زیادہ ہو۔

سلیمان بجیرمی کا قول ہے کہ استحاضہ فاسد خون ہے۔ استحاضہ دائمی حدث ہے، اس لیے استحاضہ کی حالت میں نماز، روزہ اور جماع وغیرہ ممنوع نہیں ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ نماز کا وقت داخل ہونے پر عورت اپنی شرمگاہ کو دھوئے، کپڑا یا روئی رکھ کر دھاٹہ باندھے اور وضو کرے یا تیمّم کرے۔ اور بغیر تاخیر کے نماز پڑھے۔ ہر فرض نماز کے لیے تیمّم کے مانند جداگانہ وضو کرنا واجب ہے اور وضو کے ساتھ وہ سب امور واجب ہیں جو اوپر بیان کیے گئے ہیں۔ وضو کرنے اور نماز پڑھنے میں تاخیر، نماز کے متعلقہ امور کی ادائیگی کے ضمن میں ہو سکتی ہے ورنہ دوبارہ طہارت کرنا ہوگا۔

حیض کی مدت

حیض کی مدت کم سے کم ایک دن اور ایک رات اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن اور عام طور پر چھ یا سات دن ہے۔ایک دن اور ایک رات سے مراد چوبیس گھنٹے مسلسل ہیں۔اگر دن یا رات کے کسی اثناء میں حیض شروع ہوتو دوسرے دن یا دوسری رات کے اسی اثناء میں اقل حیض کی مدت ختم ہوگی۔

اقل حیض کے لیے یہ بھی قید ہے کہ حیض کا سلسلہ اس طرح رہا ہو کہ روئی یا پارچہ رکھا جائے تو اس کو دھبہ لگے اور یہ سلسلہ اتصال کے ساتھ چوبیس گھنٹے جاری رہے۔اگر اس سلسلہ میں اتصال نہ ہو اور خون کا آنا بعض وقت بند ہو تو اکثر حیض کی مدت پندرہ روز کا لحاظ کرنا ہوگا۔اکثر حیض میں اتصال کی قید نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ پندرہ دنوں سے زیادہ نہ ہو اور حیض کے خون کی مقدار اقل حیض کی مقدار سے کم نہ ہو۔

قول معتمد یہ ہے کہ یہ پوری مدت حیض میں شمار ہوگی، اس کو ''قولِ سحب'' کہتے ہیں۔ اس مدت میں عورت پر نماز اور روزہ واجب نہیں ہے۔دوسرا ''قول لقط'' کہلاتا ہے: جس طرح خون کے آنے کے زمانہ کو حیض کہا گیا اس طرح خون کے بند رہنے کے زمانہ کو 'نقاء' یعنی پاکی کہا جائے تو پاکی کے زمانے میں عورت پر نماز اور روزہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔ جو خون پندرہ روز سے زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے اور عورت مستحاضہ کہلاتی ہے۔

مستحاضہ کی صورتیں

مستحاضہ کی سات صورتیں ہیں: مبتدیہ، ممیّزہ، غیر ممیّزہ، معتادہ ممیّزہ، معتادہ غیر ممیّزہ؛ جس کو مدت اور وقت یاد ہو، معتادہ غیر ممیّزہ؛ جس کو مدت اور وقت دونوں یاد نہ ہوں۔ چھٹی اور ساتویں صورت میں عورت کو متحیرہ کہتے ہیں۔

۱۔مبتدیہ ممیّزہ:

مبتدیہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کو حیض پہلی مرتبہ آیا ہو، اور ممیّزہ اس عورت کو کہتے

ہیں جو حیض کی صفت میں امتیاز کر سکتی ہو۔ حیض کا خون کبھی قوی اور کبھی ضعیف ہوتا ہے اور خون کی قوت اور اس کا ضعف اس کے رنگ پر موقوف ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ گہرا اور ہلکا ہوسکتا ہے اور گہرے رنگ کا خون ہلکے رنگ کے خون سے قوی اور ہلکے رنگ کا خون گہرے رنگ کے خون سے ضعیف ہوگا۔

رنگوں کی ترتیب یہ ہے:

سیاہی مائل، سرخ، ہلکا سرخ، زرد اور گدلا۔

یہاں سرخ رنگ سیاہی مائل رنگ کے مقابلہ میں ہلکا اور ہلکے سرخ رنگ کے مقابلہ میں گہرا سمجھا جائے گا اور اس لحاظ سے آخری درجہ کا ہلکے رنگ کا خون استحاضہ اور اس کے پہلے کے اوپر کے سارے رنگ گہرے اور حیض کے شمار کیے جائیں۔

ہلکے رنگ کے خون کی مدت اگر چہ کہ طویل ہوا استحاضہ ہے اور گہرے رنگ کا خون حیض ہے۔ بشرطیکہ اس کی مدت اقلِ حیض سے کم نہ ہو، اور اکثر حیض سے زیادہ نہ ہو اور ہلکے رنگ کے خون کی مدت اقل طہر سے کم نہ ہو، اور اکثر حیض سے زیادہ نہ ہو اور ہلکے رنگ کے خون کی مدت اقل طہر سے کم نہ ہو یعنی پندرہ روز یا اس سے زیادہ مسلسل جاری ہو۔ ہلکے رنگ کے خون کی مدت طویل بھی ہوسکتی ہے۔ اس لیے کہ طہر کی اکثر مدت کی کوئی حد نہیں ہے۔ پس اگر گہرے رنگ کا خون اقلِ حیض سے کم ہو یا اکثر حیض سے زیادہ ہو یا ہلکے رنگ کا خون اقل طہر سے کم نہ ہو جیسا کہ ایک دن سیاہی مائل اور دوسرے دن سرخ، اس طرح تمیز کی شرطوں میں سے ایک شرط مفقود ہوگی۔ اس کا حکم آگے آئے گا۔

۲۔ مبتدیہ غیر ممیّزہ:

غیر ممیّزہ اس کو کہتے ہیں جس کے حیض کا خون ایک ہی صفت میں ہو اور اس میں کوئی امتیاز نہ ہوسکے، یا تمیز کے شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔ اس کا حیض ایک دن اور ایک رات ہے اور طہر انتیس دن، بشرطیکہ اس کو حیض کے آغاز ہونے کے وقت کا علم ہو۔ اگر علم نہ ہو تو عورت متحیرہ ہوگی۔ اس کا حکم آگے آئے گا۔

۳۔معتادہ ممیّزہ:

معتادہ وہ عورت ہے جس کو پہلے حیض آچکا ہو اور حیض کے بعد طہر بھی رہا ہو۔اس کی نسبت تمیز کے لحاظ سے حکم ہوگا، نہ کہ عادات کے لحاظ سے۔

فرض کیا جائے کہ ایک عورت کو مہینے کے آغاز میں پانچ دن حیض آتا تھا۔اور بقیہ دن طہر کے تھے، اگر اس عورت کو کبھی حیض آئے اور اس طور پر جاری رہے کہ مہینے کے آغاز میں دس دن سیاہی مائل اور بقیہ سرخ رنگ میں، تو اس کے اس حیض کی مدت دس دن ہوگی، نہ کہ پانچ دن، اس لیے کہ تمیز عادت سے زیادہ قوی ہے۔

اگر تمیز اور عادت میں اتفاق ہو جیسا کہ ایک عورت کو مہینے کے آغاز میں پانچ دن حیض آتا ہو، اگر ان پانچ دنوں میں تمیز بھی قائم رہے تو حکم ان دونوں کے ساتھ معاً ہوگا، چاہے ان دونوں کے درمیان اقلِ طہر واقع ہو جیسا کہ اوپر کی مثال میں پانچ دنوں کے بعد بیس دن ہلکے رنگ کا خون آئے، پھر پانچ دن گہرے رنگ کا اور پھر ہلکے رنگ کا تو عادت کی مدت کے مطابق، عادت کی بناء پر، پہلے پانچ دن حیض کے ہیں۔اور تمیز کی مدت کے مطابق تمیز کے لحاظ سے دوسرے پانچ روز بھی حیض کے ہیں۔

۴۔معتادہ غیر ممیّزہ:

جس کو مدت اور وقت دونوں یاد ہوں اور اس کو مہینے کے آغاز میں پانچ دن حیض آتا ہو اور اس کے بعد استحاضہ ہوتا ہو تو مہینے کے پہلے پانچ دن حیض کے اور مہینے کے بقیہ دن طہر کے ہوں گے، اس کی عادت کے لحاظ سے۔عادت کے لیے تکرار کی قید نہیں ہے، ایک مرتبہ کے تجربہ کے بعد ہی عادت کا اطلاق ہوگا۔بشرطیکہ اس کے بعد کوئی اختلاف نہ رہا ہو۔

۵۔معتادہ غیر ممیّزہ:

جس کو مدت اور وقت دونوں یاد نہ ہوں۔حیض اور طہر دونوں گزر چکے ہوں، مگر مدت اور وقت کا علم نہ ہو، اس پر احتیاطاً حائضہ کے بعض احکام عائد ہوتے ہیں جیسا کہ جماع اور تمتع کی حرمت اور غیر نماز میں قرآن کی تلاوت۔تمتع عورت کے گھٹنے اور ناف کے درمیان

کے حصے سے لطف اندوز ہونے کو کہتے ہیں۔اس لیے کہ اس کو ہر وقت حیض آنے کا احتمال رہتا ہے۔بعض احکام طاہر کے بھی اس پر احتیاطاً قائم ہوتے ہیں جیسا کہ نماز اور روزہ، اس لیے کہ ہر وقت اس کی طہارت کا بھی احتمال رہتا ہے۔

۶۔معتادہ غیر ممیّزہ:

جس کو مدت یاد ہو، وقت یاد نہ ہو۔جیسا کہ ایک عورت کو یاد ہو کہ مہینے کی پہلی دہائی میں اس کو پانچ دن حیض آتا ہے، مگر ابتداء کب ہوتی ہے یاد نہیں ہے، لیکن یقینی طور پر اتنا ضرور یاد ہے کہ پہلی تاریخ طہر رہتا ہے تو چھٹا دن یقینی طور پر حیض کا ہوگا۔اور پہلا دن یقینی طور پر طہر کا ہوگا جیسا کہ آخری دودہائی ۔دوسری سے پانچویں تک حیض اور طہر دونوں کا احتمال بغیر انقطاع کے ہوگا اور ساتویں سے دسویں تک بھی حیض اور طہر اور انقطاع کا احتمال ہوگا۔جس زمانے میں انقطاع کا احتمال ہو اس کو طہرِ مشکوک کہا جائے گا اور جس زمانے میں انقطاع کا احتمال نہ ہو حیض مشکوک کہا جائے گا۔

۷۔معتادہ غیر ممیّزہ:

جس کو وقت یاد ہو اور مدت یاد نہ ہو جیسا کہ یہ یاد ہو کہ حیض مہینے کے آغاز میں شروع ہوتا ہے، لیکن مدت یاد نہیں ہے، اس صورت میں ایک دن اور ایک رات یقینی طور پر حیض کے ہوں گے، اور نصف ثانی یقینی طور پر طہر کے ہوں گے۔اور ان دونوں کے درمیان کے زمانے کی نسبت حیض، طہر اور انقطاع کا احتمال ہوگا۔

غالب مدتِ حیض:

حیض کی غالب مدت؛ چھ یا سات دن ابوداود وغیرہ کی حدیث پر مبنی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حمنہ بنت جحش سے فرمایا: ''تَحِيْضِيْنَ فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ سِتَّةَ أَيَّامٍ أَوْ سَبْعَةِ أَيَّامٍ كَمَا تَحِيْضُ النِّسَاءُ وَيَطْهُرْنَ مِيْقَاتَ حَيْضِهِنَّ وَطُهْرِهِنَّ'' (احمد، ابوداود اور ترمذی وغیرہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''تحيضی ستة أيام أو سبعة أيام فی علم الله، ثم اغتسلی وصلی أربعا وعشرين ليلة بأيامها أو ثلاثا وعشرين ليلة كما يحيض النساء ويطهرن لميقات حيضهن

وطھرھن ''۔ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے) پابندی کرو حیض اور اس کے احکام کی عورتوں کے چھ یا سات دن کی عادت کے بارے میں جس کی نسبت اللہ تعالی نے تم کو علم دیا ہے۔

غالب اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام عورتوں کا ایک عادت پر اتفاق دشوار ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی عورت کو ایک دن اور ایک رات سے کم حیض آئے اور دوسری عورت کو پندرہ دنوں سے زیادہ آئے، مگر ان کی اتباع نہیں کی جا سکتی، اس لیے کہ اولین یعنی امام شافعی اور ان کے متبعین کی بحث اپنی جگہ مکمل ہوئی تھی۔خلافِ عادت صورت کو خونِ فاسد کہنا زیادہ آسان ہے، بہ نسبت اس کے کہ خرقِ عادت قرار دیا جائے۔

حمنہ: حضرت زینب زوجہ مطہرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھیں، مصباح میں لکھا ہے کہ حمنہ معتادہ غیر ممیّزہ تھیں اور ان کی عادت مختلف تھی، کبھی چھ دن کبھی سات دن حیض آتا تھا اور مستحاضہ تھیں۔

مہینہ شرع میں مطلق کہا گیا تو ہلالی مہینہ متصور ہوگا، اس سے تین صورتیں مستثنیٰ ہیں:

۱۔معتادہ ممیّزہ میں جس میں ایک شرط مفقود ہو

۲۔متحیرہ میں

۳۔حمل میں مہینے کے تیس دن شمار کیے جائیں گے۔

استقراء:

حیض کی اقل، اکثر اور غالب مدت جو بیان کی گئی ہے امام شافعی کی اس دریافت پر مبنی ہے جو انھوں نے عرب کی عورتوں کی نسبت کی تھی۔فن منطق میں اس دریافت کو استقراء (سروے) ناقص کہتے ہیں جو ظن یعنی گمان پر دلالت کرتا ہے اور دلیل ظنی کی حیثیت رکھتا ہے۔ استقراء تام اس دریافت کو کہتے ہیں جو جملہ افراد کی نسبت دریافت کر کے حکم لگایا جائے جیسا کہ ''ہر حیوان مرنے والا ہے'' کا حکم دلیل قطعی کی تاثیر رکھتا ہے۔اعتماد اس پر ہے کہ ہر ملک کے لیے علحدہ استقراء کیا جائے۔

اختلاف:

امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے کہ حمل کے زمانہ میں بھی حیض آسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا قول ہے کہ حمل کے زمانہ میں حیض نہیں آتا بلکہ جو خون آتا ہے وہ فاسد ہے۔ پہلے قول کے مطابق عورت روزہ نہیں رکھتی اور نہ نماز پڑھتی ہے اور دوسرے قول کے مطابق روزہ رکھتی اور نماز پڑھتی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے پاس حیض کی اکثر مدت دس دن ہے۔

نفاس کی مدت

نفاس کی مدت کم سے کم ایک لحظہ اور زیادہ سے زیادہ ساٹھ دن اور غالب چالیس دن ہے۔ نفاس کی مدت کا آغاز بچے کے الگ ہونے کے بعد ہوتا ہے اور وہ خون نفاس کہلاتا ہے جو بچے کے الگ ہونے کے بعد پندرہ روز کے اندر خارج ہوتا ہے۔ پندرہ روز کے بعد جو خون خارج ہو وہ حیض ہوگا، نہ کہ نفاس۔

اکثر مدت نفاس کی نسبت امام شافعی کا قول ہے کہ ساٹھ دن ہے اور امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ چالیس دن۔

ولادت کے ساتھ نفاس کا خون نکلے تو کوئی بات غور طلب نہ ہوگی۔ اگر ولادت کے زمانہ میں اور نفاس کا خون نکلنے کے زمانہ میں کوئی فصل ہو تو تین اقوال ہیں:

۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ ولادت کے وقت سے نفاس کی مدت شمار ہوگی اور نفاس کے احکام نافذ ہوں گے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ولادت کے وقت کو چھوڑ کر نفاس کے آغاز ہونے کے وقت سے نفاس کی مدت شمار کی جائے گی اور نفاس کے احکام نافذ کیے جائیں گے۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ولادت کے وقت سے نفاس کی مدت شمار کی جائے گی اور نفاس کے احکام نفاس کے آغاز ہونے پر ہوں گے اور یہی قول معتمد ہے جس کی صراحت بلقینی نے کی ہے۔

ولادت اور نفاس کے درمیان جو خالی زمانہ ہوگا اس میں پہلے قول کے مطابق تمتع حرام ہوگا، نماز معاف ہوگی اور قضا کی ضرورت نہ ہوگی، مگر دوسرے قول کے لحاظ سے تمتع جائز ہوگا اور جو نماز فوت ہو اس کی قضا کرنی ہوگی اور یہی حکم تیسرے قول میں بھی ہے۔ معتمد یہ ہے کہ ہر ملک اور ہر سرزمین کی آب وہوا اور حالات کے لحاظ سے استقراء (سروے) کیا جائے۔

طہر کی مدت

طھـــر کی مدت کم سے کم پندرہ دن ہے اور زیادہ سے زیادہ کے لیے کوئی حد نہیں ہے۔ دو حیضوں کے درمیان پاکی کے زمانہ کو طہر کہتے ہیں۔

طہر کی اقل مدت پندرہ دن اس لیے ہے کہ حیض کی اکثر مدت پندرہ دن ہے اور اغلب یہ ہے کہ ایک مہینے میں حیض اور طہر دونوں واقع ہوں، مہینے کے تیس دنوں میں سے حیض کی اکثر مدت کے پندرہ دن وضع کیے جائیں تو پندرہ دن جو باقی رہتے ہیں وہ طہر کی اقل مدت قرار پاتے ہیں۔

حیض اور نفاس کے درمیان طہر کا زمانہ نہیں بھی ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ اصح رائے یہ ہے کہ حمل میں بھی حیض آسکتا ہے اور حیض کے دوران میں ولادت ہوسکتی ہے اور اس صورت میں حیض اور نفاس کے درمیان کوئی طہر نہ ہوگا۔ بہرحال حیض اور نفاس کے درمیان طہر کی مدت پندرہ روز سے کم بھی ہوسکتی ہے۔

طہر کی اکثر مدت کے لیے کوئی حد نہیں ہے۔ اور اسی پر اجماع ہے۔ کسی عورت کو عمر بھر حیض نہیں بھی آسکتا۔ حضرت فاطمۃ الزہراء کو کبھی حیض نہیں آیا، (خطیب بغدادی نے اپنی سند سے یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی ہے ۱۲/ ۳۳۱، سیوطی نے اپنی کتاب ''اللآلی'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے ۱/ ۴۰۰، لیکن ابن جوزی اور جلال الدین سیوطی وغیرہ محدثین نے داود بن سلیمان غازی کی وجہ سے اس روایت کو موضوع کہا ہے) اسی وجہ سے آپ کا لقب ''زہراء'' ہوا۔ حضرت فاطمۃ الزہراء کی نسبت یہ بھی روایت ہے کہ غروب کے وقت آپ کو ایک ولادت ہوئی اور آپ نے نماز عشاء اندرون وقت ادا کی۔ (اس طرح کی کوئی روایت نہیں ملی، البتہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہ کی ایک

روایت ہے کہ انھوں نے حضور ﷺ سے کہا: ''میں نے فاطمہ میں کبھی حیض اور نفاس کا خون نہیں دیکھا......'' ابن جوزی اور جلال الدین سیوطی وغیرہ محدثین نے اس روایت کو بھی موضوع کہا ہے)

حیض کی غالب مدت کے لحاظ سے طہر کی غالب مدت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر حیض کے دن چھ ہوں تو طہر کے چوبیس دن اور حیض کے سات دن ہوں تو طہر کے تیئیس دن ہوں گے۔ یہ اس صورت میں ہے جب مہینے کے تیس دن ہوں۔ اگر انتیس دن ہوں تو طہر کے دنوں میں کمی ہوگی۔

حیض آنے کی کم سے کم عمر

اقل عمر جس میں عورت کو حیض آ سکتا ہے نو سال ہے۔ نو سال قمری اور ہلالی ہیں، نہ کہ شمسی۔ نو سال کی تعداد تقریبی ہے، اس لیے کہ اس میں اتنے دنوں کی کمی بھی ہو سکتی ہے، جس میں ایک حیض اور ایک طہر کی گنجائش نہ رہے۔

حیض کی اقل مدت ایک دن ایک رات اور طہر کی اقلِ مدت پندرہ دن، اس طرح جملہ سولہ دن ہوتے ہیں۔ اور نو سال کی عمر میں سولہ دنوں سے کسی قدر کمی ہو تو حیض میں شمار ہوگا، ورنہ استحاضہ۔

بہر حال سولہ دن کے اندر جو خون ہوگا وہ حیض کہلائے گا اور سولہ دن کے پہلے جن دنوں میں خون آیا ہوگا وہ استحاضہ کہلائے گا۔ اکثر عمر کی کوئی حد نہیں ہے، اس لیے کہ بعض عورت کو حیض نہیں بھی آ سکتا ہے۔

حمل کی مدت

حمل کی اقل مدت چھ مہینے اور اکثر چار سال اور غالب نو مہینے ہے۔

اعتماد اس پر ہے کہ ہر ملک کی عورتوں کی اقل اور اکثر اور غالب مدتِ حمل کے متعلق استقراء (سروے) کیا جائے۔ اقل مدت حمل میں چھ مہینے اور غالب میں نو مہینے عددی مراد ہیں۔ عددی مہینے کے تیس دن اور عددی سال کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں۔

اکثر مدت چار سال کی نسبت امام شافعی اور امام مالک دونوں کو اتفاق ہے، امام شافعی

خود چار سال میں پیدا ہوئے تھے، امام مالک دو سال میں اور بعض کا قول ہے تین سال میں، ضحاک بن ابراہیم تابعی دو سال میں۔

مدارجِ حمل

حمل قائم ہونے کے بعد پہلے علقہ بنتا ہے جو صرف گاڑھے خون کی شکل میں ہوتا ہے۔ دوسرے درجہ میں مضغہ بنتا ہے جو گوشت کی شکل میں ہوتا ہے۔ چار مہینوں کی مدت میں جنین کے سارے اعضاء کی تکمیل ہو جاتی ہے اور صورت بنتی ہے۔ چار مہینوں کے بعد جنین میں جان آتی ہے اور اس کو غذا ناف کے ذریعے پہنچتی ہے۔

احکام حدث

حیض اور نفاس کی وجہ سے دس چیزیں حرام ہیں:

۱۔نماز

۲۔مس وحمل مصحف

۳۔طواف

۴۔قراءت قرآن

۵۔دخول مسجد

۶۔روزہ

۷۔جماع

۸۔استمتاع؛عورت کے بدن سے جوناف اور گھٹنے کے درمیان ہے

۹۔طلاق

۱۰۔طہارت

طہارت اور طلاق کو ابوشجاع نے شریک نہیں کیا تھا۔ابن قاسم،خطیب شربینی، شیخ بیجوری اور شیخ سلیمان نے اضافہ کیا ہے۔

حیض اور نفاس میں فرق اس قدر ہے کہ حیض سے عورت سن بلوغ کو پہنچتی ہے اور عدت شمار ہوتی ہے اور اقل حیض سے نماز ساقط ہوتی ہے،اس کے برخلاف نفاس کو بلوغ سے تعلق نہیں، بلوغ سے پہلے بھی نفاس آسکتا ہے اور نفاس میں ولادت کے ساتھ ہی عدت باقی نہیں رہتی۔

حیض اور نفاس کے بند ہونے کے ساتھ ہی روزہ، طلاق اور طہارت جائز ہوجاتے ہیں جو اس کے پہلے حرام تھے۔

طہارت کی نسبت یہ حکم ہے کہ انقطاع سے پہلے عبادت کے طور پر حرام ہے، نہ کہ صفائی کے ارادے سے۔

نماز میں فرض اور نفل نمازیں، سجدہ تلاوت اور سجدۂ شکر داخل ہیں۔

حالت حیض اور جنابت میں عمداً نماز کا پڑھنا گناہِ کبیرہ ہے۔ جو نماز حیض یا نفاس کی حالت میں ترک ہو اس کی قضا نہیں ہے، بلکہ قضا کرنا مکروہ ہے اور جو نماز قضا پڑھی جائے گی وہ بغیر ثواب کے مطلق نفل ہو جائے گی۔ حضرت عائشہ کا قول ہے کہ ہم کو حیض کی حالت میں روزے قضا کرنے کا حکم دیا گیا اور نماز کے قضا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ (بخاری ۳۱۵، مسلم ۳۳۵)

تنبیہ:

نووی نے مجموع میں لکھا ہے کہ معتقدین اور مریدین جو اپنے شیخ اور مرشد کے سامنے سجدہ کرتے ہیں اجماع سے حرام ہے، اس کو تواضع، تقرب اور کسر نفس نہیں کہا جا سکتا، اس لیے کہ کسی ناجائز فعل کے ذریعہ تقرب اِلی اللہ حاصل نہیں ہوتا، اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: ﴿وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا﴾ (یوسف ۱۰۰) (اور اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا اور سب کے سب یوسف کے آگے سجدہ میں گر گئے) منسوخ ہے۔

ابن صلاح کا قول ہے کہ ایسے سجدے بڑے گناہ میں داخل ہیں اور خوف ہے کہ کفر تک پہنچیں، امراء کے سامنے رکوع تک جھکنا بھی اسی طرح ہے۔

مس وحمل مصحف:

مس چھونے، حمل اٹھانے اور مصحف قرآن کو کہتے ہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾ (الواقعۃ ۷۹) نہیں ہاتھ لگاتے اس کو مگر پاک لوگ۔

قرآن میں اس کی جلد، تھیلی اور صندوق بھی داخل ہیں۔ چھونے میں ہاتھ کی قید نہیں ہے۔ بدن کا ہر ایک عضو داخل ہے۔ مصنوعی ہاتھ سے قرآن چھونا جائز ہے۔ ظرفِ قرآن کا چھونا دو شرطوں پر حرام ہے، قرآن اس میں ہو اور وہ خاص طور پر قرآن کے لیے بنایا گیا

ہو، کرسی جو خاص قرآن کے لیے بنائی گئی ہو اور بیٹھنے کی کرسی ہو اس پر قرآن ہو تو رملی اور ابن قاسم کا قول ہے کہ اس کرسی کا چھونا حرام نہیں ہے، ابن حجر کا قول ہے کہ حرام ہے۔ اور حلبی اور قلیوبی کی رائے ہے کہ کرسی کے اس حصہ کا چھونا جو قرآن کے قریب ہے حرام ہے۔

قرآن میں ہر وہ چیز داخل ہے جو قرآن کے طور پر پڑھنے کے لیے لکھی جائے، بچوں کی تعلیم دینے والے مدرس کی طہارت اگر دیر تک قائم نہ رہ سکتی ہو تو بار بار وضو کی مشقت اٹھائے بغیر تختی کو جس پر قرآن لکھا ہوا ہے چھو سکتا ہے، لیکن تیمّم سہل ہے، اس لیے تیمّم کرے تو بہتر ہے۔

کافر کے لیے قرآن چھونا ممنوع ہے، سننا ممنوع نہیں ہے۔ اگر کافر سے دشمنی ہو تو اس کو تعلیم دینا بھی حرام ہے، اگر دشمنی نہ ہو اور اسلام قبول کرنے کی توقع ہو تو اس کی تعلیم جائز ہے۔

جس بچے میں ابھی تمیز نہ ہو اس کے قبضے میں قرآن کا دینا حرام ہے۔ قرآن کا اٹھانا اس کے چھونے سے بڑھ کر ہے، اس لیے جو حکم چھونے سے متعلق ہے، اٹھانے سے بدرجۂ اولی متعلق ہوتا ہے۔

سامان کے ساتھ قرآن اٹھانے کے ارادہ کے بغیر ہو تو جائز ہے، سامان کی مقدار کی قید نہیں ہے۔ اگر سامان کے ساتھ قرآن اٹھانے کی بھی نیت شامل ہو تو رملی نے اس کو جائز کہا ہے۔ ابن حجر اور خطیب نے حرام قرار دیا ہے۔

تفسیر کی مقدار یقینی طور پر قرآن سے زیادہ ہو تو اس کا اٹھانا اور چھونا جائز ہے۔ تفسیر کے مساوی مقدار ہونے کی صورت میں جائز نہیں ہے۔ احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ تفسیر جلالین کو نہ چھوا جائے، اس لیے کہ اس قدر جچی تلی ہوئی مختصر تفسیر ہے کہ کاتب کی سہو سے چند حروف اور الفاظ ترک ہو گئے ہوں تو تفسیر کی مقدار قرآن کے مساوی ہو جائے گی۔ استاد مکتب کو بچوں کی تعلیم کے لیے قرآن لے جا سکتا ہے۔

تعویذ:

درہم، دینار اور کپڑے پر قرآن کا کچھ حصہ نقش کیا گیا ہو تو اس کا اٹھانا اور پہننا جائز ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل شاہ روم کو ایک خط لکھا اور اس میں

یہ آیت لکھی ﴿یَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ (آل عمران ۶۴) اے اہل کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاصد کو طہارت قائم رکھنے کا کوئی حکم نہیں دیا۔

مختلف چیزوں پر قرآنی آیات لکھنے کے احکام

چھتوں اور دیواروں پر، اگر چہ کہ مسجد کی ہوں اور کھانے کی چیزوں پر قرآن کا لکھنا مکروہ ہے۔اس دیوار کو گرایا جاسکتا ہے جس پر قرآن لکھا ہوا ہے۔اس کاغذ کو نگلنا حرام ہے جس پر قرآن لکھا ہوا ہے، اس لیے کہ معدہ میں استحالہ اور غلاظت ہے اور اس غلاظت سے اللہ کا نام ملوث ہوتا ہے۔

قرآن کا کسی برتن پر لکھ کر پانی سے دھو کر شفا کے لیے پینا جائز ہے۔قرآن کے کسی حصہ کو تبرک کے طور پر لکھ کر تعویذ کی طرح پہننا مقصود ہو تو اس پر موم چڑھانا چاہیے، بغیر موم کے پہننا مکروہ ہے۔

اس لکڑی کا جلانا مکروہ ہے جس پر قرآن لکھا ہوا ہے، البتہ اس سے حفاظت مقصود ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

ایسے فرش یا کپڑے پر چلنا یا روندنا حرام ہے جس پر قرآن لکھا ہوا ہو۔جس کاغذ پر قرآن لکھا ہوا ہے اس کا پھاڑنا بھی جائز نہیں ہے۔فاقد الطہورین جس نے طہارت نہ پانی سے کی ہو اور نہ مٹی سے، قرآن کو چھو نہیں سکتا، اسی طرح نہ حایضہ اور نفساء کے ساتھ خون بند ہونے پر جماع کرسکتا ہے۔

قرآن کے ڈوبنے، جلنے یا چوری جانے کا خوف ہو تو اس کا اٹھالینا جائز ہے بلکہ واجب ہے اور ممکن ہو تو تیمّم کیا جائے۔

قرآن کے اوپر راست کسی چیز کا رکھنا حرام ہے۔البتہ الماری کے ایک خانہ میں قرآن رکھا ہوا ہے اور اوپر کے خانہ میں کوئی دوسری چیز ہو تو مضائقہ نہیں۔بہر حال ایسا عمل ممنوع ہے جس میں قرآن کی توہین ہو۔

بوسہ دینے کے احکام

سبکی کا قول ہے کہ حجر اسود، عالم، صالح اور باپ کے ہاتھ کو بوسہ دینا افضل ہے اور اسی قیاس پر قرآن کو بھی بوسہ دینا جائز ہے۔شوافع میں قرآن سے فال لینا مکروہ ہے۔

کتابت

قرآن کی کتابت یعنی لکھنا عربی رسم الخط کے علاوہ میں جائز ہے، عربی کے علاوہ دوسرے انداز میں پڑھنا ممنوع ہے۔فائدہ یہ ہے کہ جو شخص عربی میں پڑھے گا اچھا پڑھے گا۔شیخ سلیمان کا قول ہے کہ قرآن کی کتابت ہندی قلم میں اور ترکی میں جائز ہے۔اس لیے کہ ہندی میں لکھنے کے باوجود پڑھنے میں عربی کا تلفظ ادا ہوسکتا ہے۔

طواف

طواف میں فرض، واجب اور نفل تینوں طواف داخل ہیں۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اَلطَّوَافُ بِالْبَيْتِ صَلَاةٌ إِلَّا أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ أَحَلَّ فِيهِ الْكَلَامَ فَمَنْ تَكَلَّمَ فَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا بِخَيْرٍ '' (حاکم نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے ۱/ ۴۵۹)طواف نماز کی طرح ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالی نے اس میں بات جائز کیا ہے۔پس جو شخص بات کرے، سوائے خیر کے بات نہ کرے۔

پہلے نماز میں بھی بات کرنے کی اجازت تھی اور بعدازاں بات کرنے کو حرام کیا گیا۔طواف میں صرف بات کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ کھانے پینے کی بھی ہے۔طواف میں نماز کی طرح ستر اور طہارت ضروری ہے،اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ نماز کے مبطلات طواف کو بھی باطل کرتے ہیں۔کھانا پینا اور پے در پے حرکات نماز کو باطل کرتے ہیں، جب کہ طواف میں یہ ممنوع نہیں ہیں۔

تلاوت قرآن

قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے: ترمذی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لَا يَقْرَأِ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ '' (ترمذی۱۳۱) جو جنابت سے ہو اور جو حیض کی حالت میں ہو اس کو قرآن سے کچھ بھی نہ پڑھنا چاہیے۔

تلفظ سے قرآنی آیات ادا ہو اور خود سن سکے تو حرام ہے، اگر دل میں قرآن پڑھے یا قرآن پر نظر کرے، یا زبان کو صرف حرکت دے یا اس طرح آہستہ پڑھے کہ خود نہ سن سکے تو یہ تلاوت میں داخل نہیں ہے اور نہ حرام ہے۔ بہرحال ارادے کے ساتھ قرآن پڑھنا حرام ہے، بغیر ارادے کے زبان سے نکل جائے تو مضائقہ نہیں۔

فرق یہ ہے کہ چھونے سے زیادہ ٹھہرنے اور تلاوت میں وسعت ہے۔ قرآن سے مراد وہ حصہ ہے جس کی تلاوت منسوخ نہیں کی گئی ہے، چاہے حکم منسوخ کیا گیا ہو جیسا کہ یہ آیت ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ (البقرۃ۲۴۰) اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جاتے ہیں اور وصیت کر کے بیبیوں کو چھوڑ جاتے ہیں اپنی بیبیوں کے واسطے ایک سال تک فائدہ اٹھانے کی، گھر سے نکالے بغیر۔

برخلاف قرآن کے اس حصہ کے جس کی تلاوت منسوخ کی گئی اور حکم باقی رکھا گیا: ﴿الشیخ والشیخۃ إذا زنیا فارجموھما البتۃ﴾ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو سنگسار ہی کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۸۷۲۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۵۳، ابن عباس نے روایت کی ہے کہ انھوں نے عمر رضی اللہ عنہم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، مصنف عبدالرزاق: کتاب الطلاق، باب الرجم والإحصان، اس میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے)

قرآن کی قید سے انجیل اور توریت خارج ہو جاتے ہیں۔

فاقد الطہورین اس شخص کو کہتے ہیں جس نے طہارت نہ کی ہو؛ نہ پانی سے اور نہ مٹی سے، البتہ جس کو سفر میں یا حضر میں پانی نہ ملا ہو تو تیمّم کر کے قرآن بیرونِ نماز میں بھی پڑھ سکتا ہے۔ حضر میں جو شخص تیمّم کرتا ہے اس کا حکم فاقد الطہورین کا ہے، لیکن تیمّم کے بعد وہ طاہر ہو جاتا ہے۔

ایسے ذکر میں جس میں آواز اپنے کان کو نہ پہنچے کوئی ثواب نہیں ہے (دل میں ذکر سے بھی ثواب ملتا ہے، مصنف نے یہ بات کیوں کہی ہے پتہ نہیں) برخلاف اس کے کہ مستحاضہ جو حدث دوام کی وجہ سے معذور ہے اور دل میں قرآن پڑھے تو اس کو ثواب ملے گا۔

ارادہ کے ساتھ قرآن پڑھنے کی چار صورتیں ہیں:

۱۔قرآن، قرآن کے ارادے سے پڑھنا۔

۲۔ذکر کے ارادے سے قرآن پڑھنا۔

۳۔قرآن، قرآن اور ذکر دونوں کے ارادے سے پڑھنا۔

۴۔یا بغیر کسی ارادے کے پڑھنا۔

حیض کی حالت میں پہلی اور تیسری صورتیں حرام ہیں، دوسری اور چوتھی صورتیں حرام نہیں ہیں، یہ صورتیں ذکر کی ہیں اور جائز ہیں۔ مثلاً پند و نصیحت کرنا اور احکام کو بیان کرنا اور سوار ہوتے وقت یہ آیت پڑھنا جائز ہے: ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ﴾ (الزخرف ۱۳) پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں کو ہمارے تابع کیا حالاں کہ ہم میں اس کو تابع کرنے کی طاقت نہ تھی۔

اسی طرح مصیبت کے وقت یہ آیت پڑھنا جائز ہے: ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ (البقرۃ ۱۵۶) بیشک ہم اللہ تعالی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

تلاوتِ قرآن عام ذکر سے افضل ہے، البتہ وہ ذکر جو کسی موقع یا وقت پر مخصوص ہو اور شرع میں حکم ہو تو قرآن کی تلاوت کے مقابلہ میں یہ ذکر افضل ہے۔ مثلاً شبِ جمعہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم ہے۔ اس میں درود پڑھنا قرآن پڑھنے سے افضل ہے۔ شبِ عید اور شبِ جمعہ ایک ہی رات میں آئے تو تکبیر کو فضیلت حاصل ہے، اس لیے کہ عید سال میں صرف دو مرتبہ ہوتی ہے۔

آدابِ قراءت

قاری کے لیے سنت ہے کہ قراءت سے پہلے بلند آواز سے أعوذ بالله پڑھے، قبلہ

کی طرف رخ کرے، تلاوت میں انقطاع نہ ہوتو پہلی مرتبہ تعوذ پڑھنا کافی ہے، اگر تلاوت میں فصل ہو جائے تو دوبارہ تعوذ پڑھے۔ دو رکعتوں کے درمیان کے فصل کو فصل طویل کہتے ہیں۔ جماعت میں تعوذ پڑھنا تلاوت میں ہر شخص کے لیے مندوب ہے۔ البتہ کھانا کھاتے وقت جماعت میں سے ایک شخص کا بسم اللہ کہنا کافی ہے۔

تلاوت میں قیام افضل ہے اور لیٹ کر پڑھنے سے بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے۔ قرآن پڑھتے اور سنتے وقت توجہ کرے اور غور کرے اور خشوع کے ساتھ سنے، ترتیل (علحدہ اور صاف) کے ساتھ پڑھے، اور قلب کو متاثر کرے۔

تہدید، وعید، مواثیق اور عہود کی آیتوں پر توجہ کرے اور اپنی کوتاہیوں پر غور کرے، اگر اس کا اثر نہ پائے تو اس کے فقدان پر روئے کہ یہ بھی ایک مصیبت ہے۔ اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: ﴿وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا﴾ (بنی اسرائیل ۱۰۹) (اپنی تھوڑیوں کے بل گرتے ہیں، روتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے خشوع کو زیادہ کرتا ہے)

قرآن پر غور کر کے پڑھنا افضل ہے۔ قرآن کو اول روز، یا رات میں یا جمعہ کے دن اور رات میں ختم کیا جائے۔ ختم کے بعد دعا کرنا اور دوسرا دور شروع کرنا مسنون ہے۔ شیخان نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن سنانے کی فرمائش کی تو انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں اور آپ کو قرآن سناؤں جن پر کہ قرآن نازل ہوا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِیْ'' میں چاہتا ہوں کہ دوسرے کی زبان سے سنوں۔ ابن مسعود نے سورۃ النساء پڑھا اور اس آیت تک پہنچے ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا﴾ (النساء ۴۱) (پس کیسا ہوگا کہ جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور تم کو ان پر گواہ بنائیں گے۔) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حَسْبُكَ الْآنَ''۔ اب بس ہے۔ ابن مسعود نے قراءت ختم کی اور نظر کی تو دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھیں بہہ رہی تھیں۔ (بخاری: کتاب فضائل القرآن، باب قول المقرئ للقاری حسبک ۴۷۶۳)

آدابِ تلاوت

امام غزالی نے تلاوت کے مندرجہ ذیل آداب لکھے ہیں:

۱۔کلام اللہ اور متکلم (اللہ) کی عظمت کا خیال ملحوظ رکھے۔

۲۔حضور قلب کے ساتھ پڑھے۔

۳۔معانی کی نسبت غور وفکر کرے۔

۴۔فہمِ قرآن کی رکاوٹوں کو دور کرے۔

۵۔یہ خیال کرے کہ قرآن کا ہر ایک خطاب وعدہ ہو یا وعید میرے لیے ہی ہے۔

۶۔اس سے عبرت حاصل کرے۔

۷۔معانی ومفہوم کے لحاظ سے اپنے دل پر اثر ڈالے۔

۸۔اس طرح پڑھے کہ گویا اللہ تعالی کو سنا رہا ہے یا اللہ تعالی اس کو دیکھ رہا ہے حتی کہ کلام میں متکلم کو اور کلمات میں متکلم کی صفات کو دیکھے۔

۹۔توجہ کو اپنی ذات سے علیحدہ کر کے رضا اور تزکیہ کی طرف مائل کرے۔

قراءت سبعہ

سات قسم اور طرز کی قراءت ہیں، ان میں سے جس طرز میں شروع کرے اسی میں ختم کرے، مختلف آیتیں مختلف قراءت میں نہ پڑھے۔

قراءت سبعہ ان مندرجہ ذیل حضرات کی قراءت کو کہتے ہیں: نافع (نافع کی قراءت جنت میں اہل جنت کی قراءت ہے) ابو عمر۔عبداللہ بن کثیر۔عبداللہ بن عامر۔ عاصم۔ حمزہ۔علی کسائی۔

قرآن حفظ کرنا فرضِ کفایہ ہے۔

فائدہ: قرآن میں چھ ہزار پانچ سو آیتیں ہیں اور بعض کا قول ہے چھ ہزار دوسو چار۔قرآن کے جملہ حروف کی تعداد تین لاکھ تیئیس ہزار چھ سو اکہتر ہے۔

اختلاف: امام مالک کا قول ہے کہ قرآن پڑھنا جائز ہے اور طحاوی نے لکھا ہے کہ ایک آیت سے کم حصہ پڑھنا مباح ہے، جیسا کہ شرح کنز میں لکھا ہے۔ کنز فقہ حنفی کی کتاب ہے۔

مسجد میں داخل ہونا

مسجد میں داخل ہونا جب کہ مسجد کی تلویث یعنی گندگی لگنے کا خوف ہو تو حرام ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾ (النساء۴۳)

ابن عباس وغیرہ کا قول ہے کہ یہاں صلاۃ سے مراد مواقع صلاۃ اور مساجد ہیں اور اس کے معنی ہیں: مساجد میں مت جاؤ جب کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم جان سکو کہ کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں سوائے اس کے کہ راستہ سے گذر رہے ہو جب تک کہ غسل نہ کرو۔

ابوداؤد نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے: ''لَا يَحِلُّ الْمَسْجِدُ لِلْحَائِضِ وَلَا الْجُنُبِ'' (ابوداود کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''لا أحل المسجد لحائض ولا لجنب'' ۲۳۲) مسجد حلال نہیں ہے حائضہ کے لیے اور نہ جنابت کی صورت میں۔

حائضہ کے لیے مسجد سے گزرنا بھی حرام ہے، البتہ جنابت کی حالت میں مسجد سے گزرنا حرام نہیں ہے، خلافِ اولی ہے۔ البتہ ٹھہرنا اور پھرتے رہنا، حیض اور جنابت دونوں صورتوں میں حرام ہے۔

مسجد کی قید سے رباط، مدارس، خانقاہ اور عیدگاہ خارج ہیں۔

مسجد کے لیے منبر اور منارے وغیرہ کی علامت لازمی نہیں ہے۔ ہر وہ جگہ مسجد کہلائے گی جو نماز کے لیے وقف کردی جائے۔

روزہ

روزہ فرض ہو یا نفل، حیض کی حالت میں حرام ہے اور اس پر اجماع ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَلنِّسَاءُ نَاقِصَاتُ عَقْلٍ وَدِيْنٍ'' (بخاری ۲۹۸ و مسلم ۸۰ نے ابوسعید خدری

رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے) عورتیں عقل اور دین میں ناقص ہیں۔ 'عقل' سے دیت مراد ہے اور عورت کی دیت مرد کی نصف ہے۔ دیت مقتول کی جان کے معاوضہ کو کہتے ہیں۔ بعض نے عقل سے مراد عقل بھی لیا ہے۔ اس پر کسی عورت نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ '' (بخاری ۲۹۸، مسلم ۸۰، یہ روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے) کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت کو حیض آئے تو نماز نہ پڑھے اور روزہ نہ رکھے۔

یہ استفہام تقریری ہے یعنی جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔

خون کا سیلان بدن کو کمزور کرتا ہے اور روزہ بھی بدن کو کمزور کرتا ہے، اس لیے دو کمزور کرنے والے امور ایک جگہ جمع نہیں کیے جا سکتے، اس لیے کہ شارع کے ذمہ یہ بھی ہے کہ بدن کی صحت کی حفاظت کرے۔

حایضہ پر روزے کی قضا واجب ہے۔

خون بند ہونے کے بعد اور غسل سے پہلے روزہ رکھنا حرام نہیں ہے۔

جماع کی حرمت

حیض کی حالت میں جماع کرنا حرام ہے۔ اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ (البقرۃ ۲۲۲) ان کے نزدیک نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔

حیض کا خون بند ہونے کے بعد سے غسل کرنے تک بھی یہی حکم ہے یعنی غسل کرنے سے پہلے جماع کرنا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''وَالْوَطْءُ بَعْدَ انْقِطَاعِ الدَّمِ إِلَى الطُّهْرِ كَالْوَطْءِ فِي آخِرِ الدَّمِ '' (اس معنی کی روایت بیہقی نے ''السنن الکبری'' میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی ہے: کتاب الحیض، باب الحائض لا توطأ حتی تطہر وتغتسل ۱۳۸۸) خون کے بند ہونے کے بعد، طہارت تک، جماع کرنا خون کے آخری حصہ میں جماع کرنے کے مانند ہے۔

جملہ امور جو حیض کے زمانہ میں ممنوع کیے گئے ہیں وہ غسل کرنے تک ممنوع ہیں، سوائے روزے، طلاق اور طہارت کے۔ امام غزالی نے لکھا ہے کہ غسل سے پہلے جماع

کرنے سے مرد اور بچے کو جذام کا خطرہ رہتا ہے، غسل کے بعد بھی احتیاط اس میں ہے کہ تھوڑا توقف کیا جائے۔

حیض میں جماع اس شرط پر حرام ہے کہ مرد کو زنا کا خوف نہ ہو، اگر زنا کا خوف ہو تو حیض کی حالت میں بھی جماع حرام نہیں ہے۔

اس حکم سے واقف شخص کی خلاف ورزی گناہ کبیرہ ہے، اگر کوئی ناواقف ہو تو گناہِ کبیرہ نہیں ہے۔ بیہقی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِنَّ اللّٰهَ يُجَاوِزُ عَنْ أُمَّتِي: اَلْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ'' (ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے ۲۰۴۵، حاکم ۲/ ۱۹۸) اللہ تعالیٰ معاف کرے گا میری امت کے ان برے کاموں کو جو غلطی سے یا بھولے چوکے یا مجبوراً کئے۔

عورت کے لیے اس زمانہ میں کھانا پکانے اور گھر کے دوسرے کاروبار انجام دینے سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ جو حکم حیض کا ہے وہی حکم نفاس کا ہے۔

اختلاف: امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ حیض کی اکثر مدت دس دن ہے اور ان کا قول ہے کہ جماع حیض کے بند ہونے تک حرام ہے، حیض کے بند ہونے کے بعد اور غسل کے پہلے جائز ہے۔

کفارہ: جو شخص خون کی زیادتی کے زمانہ میں جماع کرے، اس کے لیے سنت ہے کہ ایک دینار صدقہ دے اور خون کی کمی کے زمانہ میں جماع کرے تو نصف دینار۔ دینار اسلامی طلائی سکے کو کہتے ہیں جو ایک مثقال یعنی بہتر دانوں اور ہندوستانی پچیس رتی کے مساوی ہے () ابوداؤد اور حاکم نے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِذَا وَقَعَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ وَهِيَ حَائِضٌ إِنْ كَانَ دَمًا أَحْمَرَ فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِيْنَارٍ وَإِنْ كَانَ أَصْفَرَ فَلْيَتَصَدَّقْ بِنِصْفِ دِيْنَارٍ" (مسلم نے ابن عباس سے اس معنی کی روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی رجل جامع إمرأته وهي حائض فقال إن كان دما عبيطا فليتصدق بدينار، وإن كان فيه صفرة فنصف دينار'' ۲۴۳۲) اگر شوہر زوجہ کے ساتھ حیض کے

زمانہ میں جماع کرے جب کہ خون سرخ ہوتو ایک دینار صدقہ دے اور زرد ہوتو نصف دینار۔
عورت متحیرہ ہوتو دینار کی شرط نہیں ہے۔
ہر معصیت کے لیے ایک دینار یا نصف دینار صدقہ دینا سنت ہے۔

حالتِ حیض ونفاس میں استمتاع کے احکام

عورت کے بدن کے اس حصہ سے لذت حاصل کرنا جو ناف اور گھٹنے کے درمیان ہے حرام ہے۔ بیجوری اور بجیرمی نے بجائے استمتاع کے مباشرت کے لفظ کو ترجیح دی ہے۔ اس لیے کہ اس حکم کی رو سے شہوت اور خواہش کی قید نہیں ہے، اور محض دو جسموں کا اتصال کافی ہے اور یہی معنی مباشرت کے ہیں۔

شرح مہذب میں لکھا ہے کہ گھٹنا اور ناف اس حکم سے خارج ہیں اور قولِ معتمد یہی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ حیض کے زمانہ میں عورت کی کونسی چیز مرد پر حلال ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''فَوْقَ الْإِزَارِ'' وہ حصہ جو ازار کے اوپر ہے۔ (ابوداود ۲۱۲، یہ روایت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے ہے)

ازار سے مراد بدن کا وہ حصہ ہے جو گھٹنے اور ناف کے درمیان ہے، مسلم کی حدیث ہے: ''اِصْنَعُوا كُلَّ شِيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ'' جو چاہے ہو کرو سوائے جماع کے۔ (مسلم: الحیض ۳۰۲، ترمذی: تفسیر القرآن ۲۹۷۷، نسائی: الحیض والاستحاضۃ ۳۶۹، ابوداود: النکاح ۲۱۶۵، ابن ماجہ: الطھارۃ وسننھا ۶۴۴ وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے)

حیض میں عورت کے بدن کے ایک خاص حصہ سے مباشرت حرام ہے، مرد کے بدن کی نسبت کوئی قید نہیں ہے۔ مرد کا سارا بدن، عورت کے بدن کے ناف اور گھٹنے کے درمیان کے حصے کو چھوڑ کر، بقیہ سارے بدن کے ساتھ مباشرت کر سکتا ہے۔ عورت کے بدن کے اس حصہ کے ساتھ مباشرت جو ناف اور گھٹنے کے درمیان ہے اس لیے ممنوع قرار دی گئی ہے کہ اس کے ساتھ مباشرت کا موقع ملے اور جماع سے باز رہے، دشوار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''مَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ أَنْ يَّقَعَ فِيْهِ''۔ جو

شخص ممنوع چیز کے اطراف گھومے، قریب ہے کہ اس میں جا گرے۔ (مسلم نے نعمان بن بشیر سے یہ روایت کی ہے: باب اخذ الحلال وترک الحرام ۴۱۸۱) البتہ نظر سے لذت حاصل کرنا ممنوع نہیں ہے۔

حیض ونفاس کی حالت میں طلاق دینے کے احکام

حیض ونفاس کے زمانہ میں طلاق دینا حرام ہے۔ خون کے بند ہونے کے بعد اور غسل کرنے سے پیشتر طلاق دینا حرام نہیں ہے۔

طہارت:

حیض ونفاس کے زمانے میں خون کے بند ہونے سے قبل، عبادت کے طور پر طہارت کرنا حرام ہے۔ عبادت کے ارادے کے بغیر صفائی کے خیال سے نہانا دھونا جائز ہے۔

جنابت کی حالت میں حرام امور

جنابت کی حالت میں پانچ چیزیں حرام ہیں: نماز، قرآن شریف کو چھونا اور اٹھانا، طواف، تلاوت قرآن اور مسجد میں ٹھہرنا۔

جنابت اس حالت کو کہتے ہیں جس میں غسل کی ضرورت ہوتی ہے اور غسل کے بغیر طہارت حاصل نہیں ہوتی، اس حکم میں عورت اور مرد دونوں شریک ہیں۔ نماز میں ہر وہ عبادت شامل ہے جو نماز کے معنی میں داخل ہے جیسا کہ جمعہ کا خطبہ، سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر۔

قرآن کو چھونا اور اٹھانا: چھونے کی نسبت جو حکم ہے، اٹھانے کی نسبت بدرجۂ اولی ہے۔ طواف میں طوافِ افاضہ، طوافِ وداع، اور طوافِ قدوم داخل ہیں۔ قراءت قرآن میں اس قدر آواز سے پڑھنا داخل ہے جس کو خود سن سکے، البتہ بغیر آواز کے، یا دل میں پڑھنا ممنوع نہیں ہے۔ ان چاروں امور کو تفصیل کے ساتھ حیض کے احکام کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔

مسجد میں ٹھہرنا: مسجد میں ٹھہرنا مسلم کے لیے جو جنابت کی حالت میں ہو، سوائے کسی ضرورت کے حرام ہے۔ جنابت کی حالت میں مسجد میں چلنا پھرنا، مسجد میں ٹھہرنے کے مساوی ہے۔ مسجد کی قید سے مدارس، رباط، خانقاہ اور عیدگاہ خارج ہیں۔

مسلم کی قید سے کافر خارج ہے، کافر جنابت کی حالت میں مسجد میں ٹھہر سکتا ہے، اس لیے کہ اس کو مسجد کی حرمت کا اعتقاد ہی نہیں ہوتا۔ البتہ کافر کے لیے جنابت کی حالت ہو یا نہ ہو، مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ کسی بالغ مسلم نے اجازت دی ہو اور ضرورت بھی ہو۔

اسلام لانا، قرآن کا سننا، یا مسجد میں قاضی یا مفتی کا موجود رہنا ضرورت میں داخل ہے، مسجد کی قید سے انبیاء کی قبور خارج ہیں اور بغیر اجازت کے بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ خواہ مسجد میں ہوں یا باہر۔ ہمارے لیے بھی کافروں کی عبادت گاہوں میں داخل ہونے کی نسبت یہی حکم ہے۔

کسی شخص کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دینے کے لیے بلوغ کی قید نہیں ہے، بچہ بھی اجازت دے تو کافی ہے۔ مسجد کی اہمیت کے لحاظ سے اجازت دینے والے کے بلوغ کی قید ہے۔ ضرورت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو مسجد میں احتلام ہو گیا، اور اس کو باہر جانے میں جان جانے یا مال کے نقصان کا خطرہ ہے تو وہ مسجد میں ٹھہر سکتا ہے، لیکن اس پر واجب ہے کہ جس قدر بدن کے حصہ کا دھونا آسانی سے ممکن ہو دھوئے، کیوں کہ یہ اصول اور قاعدہ ہے کہ: لِأَنَّ الْمَيْسُوْرَ لَا يَسْقُطُ بِالْمَعْسُوْرِ۔ اس لیے کہ آسان چیز مشکل چیز کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ بدن کا جو حصہ دھل نہ سکے تو اس کے عوض تیمّم کرے۔ تیمّم کے لیے شرط یہ ہے کہ مسجد کی مٹی سے تیمّم نہ کرے۔ مسجد کی مٹی اس حصۂ زمین کی مٹی کو کہیں گے جو مسجد کے وقف میں داخل ہے، جو مٹی ہوا سے گرد و غبار کی شکل میں مسجد میں جمع ہو گئی ہو اس کا استعمال حرام نہیں ہے۔

مسجد میں ٹھہرے بغیر گزرنا حرام نہیں ہے اور نہ مکروہ ہے بلکہ خلافِ اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ اور نہ جنابت کی حالت میں سوائے اس کے راستہ سے گزر رہے ہوں۔

گزرنے میں جلدی کرنے یا بھاگنے کی قید نہیں ہے۔ سہولتِ رفتار کے ساتھ گزر سکتا ہے۔ مسجد میں سونے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ مصلیوں کو جگہ کی تنگی نہ ہو یا ان کے لیے پریشانی کا باعث نہ ہو، ان دونوں صورتوں میں مسجد میں سونا حرام ہے۔

اصحابِ صفہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ میں اصحاب صفہ کی ایک جماعت تھی جوزاہد، متقی اور فقیر تھے۔ مسجد نبوی میں رہا کرتے تھے۔ ان کے گھر دار نہیں تھے اور کوئی کاروبار انجام نہیں دیتے تھے۔ ابوہریرہ ان کے سردار اور عریف کہلاتے تھے۔ فقر کی وجہ سے لوگ ان کے ساتھ دادودہش کا برتاؤ کرتے اور خبرگیری کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں سے کسی کے ساتھ تین کو اور کسی کے ساتھ چار کو بھیج دیتے تھے۔ اور سعد بن معاذ اپنے گھر اسّی (۸۰) تک لے گئے ہیں۔ ان کی تعداد کم سے کم ستّر (۷۰) اور کبھی زیادہ سے زیادہ چارسو (۴۰۰) تک پہنچی تھی۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت منقول ہے کہ ان میں سے تقریباً ستر ایسے تھے جنھیں تہ بند کے سوائے کوئی کپڑا نہ تھا اور وہ بھی ایسا مختصر کہ نماز میں رکوع کے لیے جھکتے تو سترِ عورت کے لیے ہاتھ سے سنبھالتے تو ان کے بدن اور زمین کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوتی اور کہتے کہ اسی سے ہم پیدا کیے گئے ہیں اور آخر میں اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ ان میں سے چند ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور شکایت کی: اللہ کے رسول! کھجوروں نے ہمارے پیٹ کو جلادیا ہے۔ آپ نے فرمایا: کھجور اہل مدینہ کی غذا ہے۔ ہم نے اس کو اپنی غذا بنائی اور تم کو بھی دیا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! دو مہینے ہوئے ہیں کہ خود اللہ کے رسول کے گھر سے دھواں نہیں اٹھا اور روٹی نہیں پکی اور اہل بیت کے لیے صرف کھجور اور پانی ہے۔ (بخاری ۲۳۹۲، یہ روایت عائشہ بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ سنن کی دیگر کتابوں میں بھی یہ روایت ان ہی سے ہے)

منافقین کو ان کی ظاہری حالت سے نفرت اور کراہت ہوئی، انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک دن ان کو مسجد میں رہنے کی اجازت دی جائے اور ایک دن ان اصحاب صفہ کو۔ منافقین کا مقصد یہ تھا کہ اس حیلہ سے ان کو مسجد سے نکلوا دیں۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ

عَلَيۡهِمۡ مِنۡ شَيۡءٍ فَتَطۡرُدَهُمۡ فَتَكُوۡنَ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ﴾ (الانعام۵۲) ان لوگوں کو نہ نکالو جو صبح وشام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔ تم پر ان کی کسی بات کی ذمہ داری نہیں ہے اور نہ تمہاری کوئی ذمہ داری ان پر ہے کہ تم ان کو نکال باہر کرو۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو حق کی خلاف ورزی کرو گے۔

امام سہروردی نے لکھا ہے کہ ان ہی میں سے ایک فرد ابن ام مکتوم تھے، جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰى اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰى﴾ (عبس۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے آخری حصہ میں کچھ جگہ متعین فرمادی اور اس پر سایہ بھی کرادیا اور گزر بسر کے لیے کچھ جائداد بھی آپ نے وقف کردی تھی۔

آپ نے ان کی شان میں فرمایا ہے: ''أَبۡشِرُوا يَا أَهۡلَ الصُّفَّةِ مَنۡ كَانَ مِنۡ أُمَّتِيۡ عَلٰى نَعۡتِكُمۡ كَانَ مِنۡ رُفَقَائِيۡ فِي الۡجَنَّةِ'' (الجامع الکبیر۱/۴۳۰، دیلمی:۱/۱/۲۴، یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے۔ اور محدثین نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے) خوشخبری سنو اے اہل صفہ! میری امت میں سے جو لوگ تمہاری طرح ہوں گے جنت میں میرے ساتھی ہوں گے۔

گداگری: بیجوری نے لکھا ہے کہ مسجد میں سوال کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ لیکن سائل کو دینا مندوب ہے۔ بجیرمی نے کہا ہے کہ مسجد میں خیرات نہ دیں اور اگر کوئی مانگے تو انکار کریں اور ممکن ہو تو مانگنے سے روکیں۔ مسجد میں سوال کرنے میں کراہت ہے اور اگر مصلیوں کے لیے باعثِ تشویش ہو تو حرام ہے۔

متفرق: مسجد میں ریح خارج کرنا حرام نہیں ہے۔ مگر شافعیہ میں خلافِ اولی اور مالکیہ میں حرام ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِنَّ الۡمَلَائِكَةَ تَتَأَذّٰى بِمَا يَتَأَذّٰى مِنۡهُ بَنُوۡ آدَمَ'' (یہ الفاظ مسلم کے ہیں: ۱/۳۹۶ حد ۵۶۷، بخاری: ۱/۵۱۲ حد ۴۱۶) ملائکہ تکلیف محسوس کرتے ہیں ان باتوں سے جن سے آدمی تکلیف محسوس کرتے ہیں۔

''إِنَّ الۡمَلَائِكَةَ لَا تَدۡخُلُ بَيۡتًا فِيۡهِ صُوۡرَةٌ وَلَا جُنُبٌ وَلَا كَلۡبٌ'' (''جنب'' کے تذکرہ کے بغیر یہ روایت بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے: بخاری: کتاب

اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیامۃ ۶۵۰۶، مسلم: کتاب اللباس والزینۃ، باب لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب أوصورۃ ۲۱۰۹) فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں صورت ہو، اور نہ اس گھر میں جہاں جنوبی ہو اور نہ اس گھر میں جہاں کتا ہو۔

یہاں فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں، اس لیے کہ حفاظت کے فرشتے ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔

اختلاف: امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ جنابت کی حالت میں بغیر ضرورت کے بھی مسجد میں ٹھہرا جا سکتا ہے، بشرطیکہ وضو کیا ہو، غسل کا امکان ہونے کے باوجود، غسل کی قید نہیں ہے۔

حدث اصغر میں حرام امور

حدثِ اصغر میں تین چیزیں حرام ہیں: نماز، مس وحمل مصحف اور طواف۔ حدث اصغر اس حالت کو کہتے ہیں جس میں وضو کی ضرورت ہوتی ہے۔ نماز کے معنی میں خطبہ، جمعہ کے ارکان، سجدۂ شکر اور سجدۂ تلاوت بھی داخل ہیں۔ لڑکا یا لڑکی جو تمیز کی عمر کو پہنچے ہوں، ان کے لیے پڑھنے یا سیکھنے کے لیے قرآن اور قرآنی آیات لکھی ہوئی تختی کا چھونا حرام نہیں ہے، مگر بالغ کے لیے حرام ہے۔

استحاضہ: بھی حدث اصغر میں داخل ہے، استحاضہ اس خون کو کہتے ہیں جو عورت کی شرمگاہ سے بطورِ عارضہ اور بیماری خارج ہوتا ہے، استحاضہ کی حالت میں عورت پر وہی چیزیں حرام ہیں جو حدثِ اصغر میں حرام ہیں۔

متفرق: عبداللہ بافضل نے لکھا ہے کہ حیض ونفاس کی وجہ سے جو روزہ ادا نہ ہو اس کی قضا واجب ہے، لیکن نماز کی قضا واجب نہیں۔

جنابت کی حالت میں، شرمگاہ دھوئے بغیر اور وضو کئے بغیر کھانا پینا، سونا، جماع کرنا مکروہ ہے، حیض ونفاس کے بند ہونے کے بعد اور غسل سے قبل بھی یہی حکم ہے جو جنابت

کی حالت میں ہے۔

بجیرمی نے باب موجباتِ غسل کے اخیر میں لکھا ہے کہ فاقد الطہو رین، حائض اور نفساء کے ساتھ وطی جائز نہیں ہے۔ جنابت کے بعد کھانے پینے، سونے، جماع کرنے کے لیے شرمگاہ کو دھونا اور وضو کرنا سنت ہے۔ حیض اور نفاس کا خون بند ہونے کے بعد بھی شرمگاہ کا دھونا اور وضو کرنا سنت ہے۔

فاقد الطھورین: وہ شخص ہے جو جنابت کی حالت میں ہو اور غسل نہ کرسکے اور نہ تیمّم۔ فاقد الطہو رین پر فقط فرض نماز واجب ہے، سنت نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

اذکار قرآن: جنابت، حیض یا نفاس کی حالت میں بیرون نماز قرآن کا کوئی حصہ، قرآن کے ارادے سے پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ قرآن کے اذکار، مواعظ، اخبار اور احکام کا بیان کرنا قرآن کے ارادے کے بغیر جائز ہے۔ قرآن کے مضامین نو قسموں پر تقسیم کیے گئے ہیں۔ علامہ سیوطی نے اس کو ایک شعر میں منظوم کیا ہے۔

حَلَالٌ حَرَامٌ مُحكَمٌ مُتَشَابِهٌ بَشِيرٌ نَذِيرٌ قِصَّةٌ عِظَةٌ مَثَلُ

نووی وغیرہ کا قول ہے کہ بغیر ارادے کے قرآن ہی نہیں ہوسکتا۔

اذکار کی مثالیں یہ ہیں: سواری کے وقت کہنا ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ﴾ (الزخرف ۱۳۔۱۴) پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے تابع کیا حالاں کہ ہم میں اس کو قابو میں رکھنے کی طاقت نہ تھی۔

مصیبت کے وقت کہنا ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ (البقرۃ ۱۵۶) ہم اللہ تعالی ہی کے لیے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

ذکر کے ساتھ قرآن کا ارداہ بھی شریک ہو تو حرام ہے۔

استنجا: شرائط، افضلیت، آداب ودعا

استنجاء کے معنی تکلیف دور کرنے کے ہیں اور شرع میں شرمگاہ کی نجاست کو پانی یا ڈھیلے سے صاف کرنے کو کہتے ہیں، شرمگاہ کا لفظ اگلی اور پچھلی دونوں شرمگاہوں پر حاوی ہے اور لفظِ استنجا کے معنی میں پیشاب اور پاخانہ دونوں داخل ہیں۔

اردو زبان میں جو پیشاب کو استنجا کہا جاتا ہے وہ لغوی یا شرعی مفہوم میں نہیں ہے۔

اسلام سے پہلے، دوسری شریعتوں میں شرمگاہ کی صفائی پانی سے کی جاتی تھی اور ڈھیلے کے ذریعہ صفائی کا طریقہ اسلام میں رائج کیا گیا اور یہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی ذات کے لیے ڈھیلا استعمال کیا تھا۔

استنجا اور وضو دونوں کا حکم معراج کی رات میں نازل ہوا اور بعض نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے آغاز میں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ مِثْلَ الْوَالِدِ أُعَلِّمُكُمْ: إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا يَسْتَقْبِلْ أَحَدُكُمُ الْقِبْلَةَ وَلَا يَسْتَدْبِرْهَا وَيَسْتَنْجِ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ لَيْسَ فِيهَا رَوْثٌ وَلَا رِمَّةٌ"۔ (اس معنی کی حدیث مسلم، ابوداود اور ترمذی میں ہے؛ ترمذی: کتاب الطھارۃ عن رسول اللہ ﷺ، باب الاستنجاء بالحجارۃ ۱۶، مسلم: کتاب الطھارۃ، باب الاستطابۃ، یہ روایت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ہے) **بیشک میں تمہارے** لیے باپ کے مانند ہوں اور تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں جائے تو قبلہ کی طرف منھ نہ کرے اور نہ پیٹھ کرے اور تین ڈھیلوں سے صاف کرے جس میں فضلہ (لید، گوبر وغیرہ) اور ہڈی نہ ہو۔

یعنی فضلہ اور ہڈی سے استنجا نہ کرے۔

استنجا کے تعلق سے وضو اور تیمّم میں یہ فرق ہے کہ وضو کے بعد بھی استنجا ہوسکتا ہے بشرطیکہ شرمگاہ کو چھوئے نہیں یا حایل کے ذریعہ ہو۔ وضو کی تکمیل کے لیے نجاست کا ازالہ لازم نہیں ہے، نجاست کی موجودگی میں بھی وضو ہوسکتا ہے۔ البتہ نماز جیسی عبادت کے لیے نجاست کے ازالہ کی بھی ضرورت ہے، اس لیے نماز سے قبل استنجا لازم ہے۔

اس کے برخلاف تیمّم ایسا فعل ہے جو عبادت کو مباح کرتا ہے اور کسی مائع کی موجودگی میں عبادت کی اباحت نہیں ہوتی، اس لیے تیمّم سے پہلے استنجا کرنا چاہیے۔ اسی طرح صاحبِ ضرورت کے وضو میں بھی استنجا میں تاخیر نہیں ہوسکتی۔

استنجا کے ارکان

ارکانِ استنجا چار ہیں:

۱۔ مستنجی فیہ یعنی شرمگاہیں اگلی اور پچھلی جس کو صاف کیا جاتا ہے۔

۲۔ استنجا کرنے والا۔

۳۔ مستنجی بہ یعنی پانی اور ڈھیلہ جس سے شرمگاہ صاف کی جاتی ہے۔

۴۔ ملوث (نجس کرنے والی) نجاست جو خارج ہو۔

بیجوری کا قول ہے کہ استنجا مستقل طہارت ہے، ازالۂ نجاست نہیں ہے۔

استنجا واجب ہے۔ استنجا کے معنیٰ تکلیف کو دور کرنے کی خواہش کے ہیں اور شرع میں شرمگاہ سے ملوث (نجس کرنے والی) ملائم نجاست کے نکلنے پر شرمگاہ کو پانی یا ڈھیلے سے صاف کرنے کو استنجا کہتے ہیں۔

شرمگاہ کی قید سے وہ نجاست خارج ہوجاتی ہے جو شرمگاہ سے نہ نکلے بلکہ کسی اور طرح نکلے، ایسی نجاست کا ازالہ استنجا نہیں کہلاتا۔

شرمگاہ کا لفظ اگلی اور پچھلی دونوں شرمگاہوں کو شامل ہے اور لفظ استنجا کے مفہوم میں پیشاب اور پاخانہ دونوں داخل ہیں۔

ملوث؛ ایسی ملائم نجاست کو کہتے ہیں جو خشک نہ ہو اور جس میں رطوبت ہو۔ ملوث کی

قید سے سخت نجاست جس میں رطوبت نہیں، خارج ہو جاتی ہے، اس لیے کہ سخت نجاست کے خارج ہونے سے شرمگاہ پر کوئی نجاست نہیں لگتی اور اس کا استنجا واجب نہیں ہے۔ لیکن اولی یہ ہے کہ اس کے لیے بھی استنجا کیا جائے۔

خون اور ودی ملوث میں داخل ہیں اور منی ملوث کے حکم سے مستثنی ہے۔ شرمگاہ کی قید سے وہ مقام خارج ہے جو شرمگاہ نہیں ہے۔ غیر شرمگاہ کا دھونا استنجا نہیں کہلاتا۔ پانی اور ڈھیلے دونوں میں سے ہر ایک تنہا، دوسرے کے میسر ہونے کے باوجود کافی اور صحیح ہے۔ دونوں ایک ساتھ استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

پانی کا اثر

پانی نجاست کی جسامت اور اس کے اثر کو زائل کرتا ہے۔ پانی اس مقدار میں استعمال کیا جائے کہ نجاست کے زوال کا گمان ہو جائے۔ نجاست کے زوال کی علامت یہ ہے کہ مرد کی شرمگاہ میں چکنے پن کے بعد کھردرا پن اور عورت میں اس کے برعکس ظاہر ہو۔ پہلے پیشاب کی جگہ دھوئی جائے اور اس کے بعد پاخانے کی جگہ، تاکہ پاخانے کے دھوتے وقت ہاتھ کو پیشاب نہ لگے۔

ڈھیلے کا اثر

ڈھیلا نجاست کی جسامت کو زائل کرتا ہے اور اس کے اثر کو باقی رکھتا ہے۔ نجاست کے اس اثر کو معفو عنہا اور رخصت کہتے ہیں۔ رخصت کے لغوی معنی سہولت اور آسانی کے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں کسی اصل دلیل کے خلاف جو حکم لگایا جاتا ہے اس کو رخصت کہتے ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ کسی عذر کی بناء پر سختی سے آسانی کی طرف منتقلی کو رخصت کہتے ہیں اس کے باوجود اصل حکم اپنی جگہ قائم ہے۔ رخصت کا ترجمہ اردو میں اجازت سے ہو سکتا ہے۔

ڈھیلے کی شرطیں

وہ شرائط جو ڈھیلے کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں چار ہیں:

ا۔ جامد ہو: جامد سے مراد ہر وہ چیز ہے جس میں رطوبت نہ ہو۔ جامد کی قید سے مائع

اور پتلی چیزیں خارج ہوجاتی ہیں۔

۲۔طاہر: طاہر کی قید سے حیوانات کا فضلہ، لید، گوبر اور نجس ڈھیلا خارج ہوجاتا ہے۔

۳۔قالع: قالع کے معنی نکالنے اور دور کرنے کے ہیں۔اس سے نرم کویلہ، گیلی مٹی، منتشر مٹی اور ملائم لکڑی خارج ہوجاتی ہے۔

۴۔اور غیر محترم: محترم، قابل تحریم چیز کو کہتے ہیں۔اور غیر محترم سے محترم چیزیں آدمیوں کی غذا اور روٹی وغیرہ خارج ہوجاتی ہیں۔

حرم کی کنکریوں اور ڈھیلوں میں کوئی کراہت نہیں ہے۔البتہ مسجد حرم کی کنکری اور ڈھیلے سے استنجا حرام ہے۔

وہ سرزمین جس پر غضب الٰہی نازل ہوا تھا ارض مغضوب کہلاتی ہے، اس کے پانی اور ڈھیلے کا استعمال مکروہ ہے۔

ڈھیلا استعمال کرنے کی شرطیں

ایسے شرائط جن کو ڈھیلے سے تعلق نہیں ہے تین ہیں:

۱۔محل نجاست خشک نہ ہوا ہو۔اگر استنجاء کرنے سے قبل محل نجاست خشک ہوگیا تو اس کی صفائی ڈھیلے سے نہیں ہوسکتی، اس صورت میں پانی سے دھونا واجب ہے۔

۲۔نجاست منتقل نہ ہوئی ہو۔اگر نجاست مخرج کے اطراف پھیلی ہو اور مخرج یعنی شرمگاہ اور متجاوز یعنی اطراف میں پھیلی ہوئی نجاست میں اتصال ہو تو ڈھیلے سے اس کی صفائی نہیں ہوسکتی، اس صورت میں بھی پانی کا استعمال واجب ہے۔بہر حال اصول ہے کہ پیشاب اور پاخانہ کے مخرج کے لیے ڈھیلے کا استعمال کیا جاتا ہے، کسی اور مقام پر نجاست ہو تو اس کے لیے ڈھیلا استعمال نہیں کیا جاسکتا۔کھڑے رہنے میں چوتڑ کا وہ حصہ جو آپس میں ملتا ہے وہاں عمومی طور پر گندگی لگتی ہے اور اس کے باہر جو حصہ ہے وہ متجاوز کہلاتا ہے۔

۳۔باہر کی نجاست نہ لگی ہو۔اجنبی نجاست ڈھیلے کے ذریعہ صاف نہیں کی جاسکتی، اس کو پانی سے دھونا واجب ہے۔

ان تینوں شرائط میں سے ایک بھی نہ پائی جائے تو پانی کا استعمال واجب ہے۔

استنجا کرنا واجب ہے

استنجا کرنا سب کے لیے واجب ہے، استنجا کی طہارت فوری واجب نہیں ہے، نماز کے ارادے کے وقت واجب ہے، ریح اور ہوا کے خارج ہونے پر استنجا کرنا مکروہ ہے۔

پانی اور ڈھیلا دونوں کا ایک ساتھ استعمال

افضل یہ ہے کہ نجاست پہلے ڈھیلوں سے پوچھی جائے اور پھر پانی سے دھوئی جائے۔ افضلیت ان دونوں کے جمع کرنے میں ہے اور اعتماد اس پر ہے کہ یہ افضلیت دونوں شرمگاہوں کے لیے عام ہے۔ ڈھیلے سے پوچھنے کو عربی میں مسح کہتے ہیں۔ اور مسح میں پورے محلِ نجاست کا مسح واجب ہے۔

جمع کی صورت میں تین ڈھیلوں کی تعداد کی پابندی نہیں ہے، صفائی حاصل ہو جائے تو تین ڈھیلوں سے کم بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں، لیکن اکمل یہ ہے کہ ڈھیلوں کی شرائط پوری ہوں۔

ڈھیلہ عین نجاست کو دور کرتا ہے اور اگر نجاست کا اثر باقی رہ جائے اور پھر پانی سے دھویا جائے تو یہ اثر بھی زائل ہو جاتا ہے اور اس کو افضلیت ہے۔

دو میں سے ایک پر اکتفا

پانی پر یا صرف تین ڈھیلوں پر جب بدن صاف ہو جائے تو اکتفا کرنا جائز ہے۔ ڈھیلے سے استنجا کرنے کی نسبت بخاری نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے اس کو جائز قرار دیا۔ (یہ روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے۔ بخاری ١٥٥)

اور امام شافعی کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول سے بھی اس بارے میں حکم دیا تھا: ''وَلْيَسْتَنْجِ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ ''۔ (بخاری ١٢٠، اور مسلم ٢٣٧ کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ومن استجمر فليوتر'' جو پتھروں سے استنجا کرے تو وتر عدد میں کرے) استنجا تین ڈھیلوں سے کرنا چاہیے۔

اس بارے میں مسلم نے سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ڈھیلوں سے کم سے استنجا کرنے سے منع کیا تھا۔ (مسلم ۲۶۲۲ نے سلیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا یستنجی أحدکم بدون ثلاثة أحجار '') پہلی حدیث جواز پر، دوسری وجوب پر اور تیسری تین سے کم ڈھیلوں کی تعداد کے عدمِ جواز پر دلالت کرتی ہے۔ جائز سے مراد یہاں جواز اور حلت ہے۔ پانی کی اجازت اس لیے ہے کہ ازالۂ نجاست میں اصل چیز پانی ہے۔

سلمان فارسی سے کسی نے پوچھا: مَنْ أَبُوکَ یَا سَلْمَانُ؟ سلمان تمہارے باپ کون؟ جواب دیا: أَبِیَ الْإِسْلَامُ۔ اسلام میرا باپ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی نسبت کہا ہے ''إِنَّ الْجَنَّةَ تَشْتَاقُ إِلٰی سَلْمَانَ ''۔ (ہیثمی کی کتاب ''مجمع الزوائد'' (۹/۱۱۸) میں حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إن الجنه تشتاق إلی ثلاثة '' سلمان رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک کہا ہے) بیشک جنت سلمان کی مشتاق ہے۔ سَلْمَانُ مِنْ أَهْلِ الْبَیْتِ. سلمان اہل بیت سے ہے۔ (مستدرک حاکم ۳/ ۵۹۸، طبرانی ۶/ ۲۶۱)

پتھر سے استنجا کی شرطیں:

ڈھیلے سے استنجا کرنے کی دو شرطیں ہیں:

۱۔ ڈھیلوں کی تعداد تین ہو۔ ڈھیلوں کی تعداد میں ایک ڈھیلے کے تین کنارے بھی شامل ہیں۔ اگر کسی موقع پر تین سے کم پر بھی صفائی ہو جائے تو بھی اس تعداد کی تکمیل واجب ہے، جب صرف ڈھیلوں پر اکتفا کیا جائے۔ اگر دوسرے مسح میں ڈھیلے کو کوئی نجاست نہ لگے تو اسی ڈھیلے سے یا ڈھیلے کے اسی رخ سے تیسری بار بھی مسح ہو سکتا ہے۔

۲۔ محل نجاست کی صفائی اس طرح ہو جائے کہ عین نجاست باقی نہ رہے۔ اثرِ نجاست کی رخصت اس وجہ سے دی گئی ہے کہ بعض صورتوں میں اثر، پانی کے بغیر زائل نہیں ہو سکتا۔ اگر تین ڈھیلوں سے بھی نجاست دور نہ ہو سکے تو زیادہ ڈھیلوں کا لینا واجب ہے۔ اگر صفائی چار ڈھیلوں میں ہو جائے تو پانچویں ڈھیلے کا لینا سنت ہے۔ اگر طاق تعداد سے

صفائی حاصل ہوتو پھراس کے بعد کوئی سنت نہیں ہے۔

شیخان نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔"إِذَا اسْتَجْمَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَجْمِرْ وِتْرًا" جس نے ڈھیلا لیا اس کو چاہیے کہ طاق مرتبہ ڈھیلا لے۔(بخاری ۱۶۰، اور مسلم ۲۳۷ میں ''من استجمر فلیوتر'' کے الفاظ ہیں)

عدم وجوب کی تائید اس دوسری حدیث سے ہوتی ہے "مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ" جوڈھیلا لے تو طاق مرتبہ لے اور جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو مضائقہ نہیں۔(ابن ماجہ ۳۳۲، یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے)

پانی کے استعمال کی افضلیت:

دونوں میں سے ایک پر اکتفا کرنا چاہے تو پانی افضل ہے، ورنہ ڈھیلے اور پانی دونوں کا جمع کرنا افضل ہے۔منفرد ہونے کی صورت میں پانی کو اس لیے افضلیت حاصل ہے کہ پانی عین نجاست اور اس کے اثر کو زائل کرتا ہے۔

آدابِ استنجا

رفع حاجت کے آداب میں دو امور واجب ہیں اور بقیہ مندوب۔

واجب آداب

امورِ واجب یہ ہیں:

کھلی جگہ میں، قبلہ کی طرف منھ یا پشت کر کے نہ بیٹھنا واجب ہے، پیشاب کرتے وقت اگلی شرمگاہ کا رخ قبلہ کی طرف نہ ہو اور پاخانہ کرتے وقت پچھلی شرمگاہ کا رخ قبلہ کی طرف نہ ہو۔ اگر کوئی شخص قبلہ کی طرف پشت کر کے پیشاب کرے یا قبلہ کی طرف سینہ کر کے پاخانہ کرے تو کوئی حرمت نہیں ہے۔

صحیحین کی حدیث ہے: ''إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا بِبَوْلٍ وَلَا غَائِطٍ وَلٰكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا'' ۔(بخاری ۳۸۱، مسلم ۲۶۴، یہ روایت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ہے) جب رفع حاجت کے لیے بیٹھو تو قبلہ کی طرف رخ نہ کرو اور نہ پشت کرو، پیشاب کرنے میں یا پاخانہ کرنے میں، البتہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرو۔

یہ حدیث کھلی جگہ حرام ہونے کی نسبت ہے۔

جابر نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کے رخ میں پیشاب کرنے سے منع کیا تھا۔

اجتناب ضروری ہونے کی شرطیں

اجتناب ضروری ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں:

ا۔ساتر نہ ہو، ساتر ہو مگر دو تہائی ہاتھ یعنی ایک فٹ بلند نہ ہو یا ساتر ہو اور دو تہائی ہاتھ بلند بھی ہو مگر بیٹھنے والے سے تین ہاتھ سے زیادہ فاصلہ پر ہو۔ان تین صورتوں میں استقبال اور استدبار دونوں حرام ہیں۔

ساتر پردے اور چھپانے والی چیز کو کہتے ہیں جس کی بلندی دو تہائی ہاتھ یعنی ایک فٹ یا اس سے زیادہ ہو۔اس بلندی کی قید اس لیے ہے کہ رفعِ حاجت کو بیٹھتے وقت پاؤں اور ناف کے درمیان کا حصہ ساتر کی وجہ سے چھپا رہے، اس لیے اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر پیشاب کر رہا ہے تو اس کے لیے ساتر اس قدر بلند ہونا چاہیے جو اس کے قدموں سے ناف تک کے حصہ کو چھپا سکے۔ساتر میں اتنی چوڑائی کی بھی ضرورت ہے کہ بدن کو چھپا سکے۔

یہ احکام اس مقام کی نسبت ہیں جو رفع حاجت کے لیے مقرر نہیں ہیں۔ بیت الخلاء میں استقبال اور استبدار میں حرمت نہیں ہے، اور نہ کراہیت ہے اور نہ خلافِ اولی ہے۔ابن حجر کا قول ہے کہ اگر مشقت کے بغیر قبلہ کے رخ سے ذرا بھی کجی ہو سکتی ہو تو کجی نہ کر کے استقبال اور استدبار افضلیت کے خلاف ہے۔اگر کسی موقع پر استقبال یا استدبار دونوں سے چارہ نہ ہو تو استدبار ہو سکتا ہے۔

بیت المقدس کی طرف، رفع حاجت کے وقت استقبال اور استدبار مکروہ ہے۔انہی شرطوں کے ساتھ جو کعبہ کی نسبت ہیں۔ابن قاسم نے ابن حجر کی شرح میں لکھا ہے کہ مزار نبوی کی طرف استقبال اور استدبار کا وہی حکم ہے جو قبلہ کی نسبت ہے۔

مستحب آداب:

آداب استنجا میں یہ امور مندوب ہیں:

ٹھہرے ہوئے پانی میں، پھلدار درخت کے نیچے، راستے میں، سائے میں اور سوراخ میں پیشاب اور پاخانہ کرنے سے باز رہنا چاہیے، یہ جملہ امور مندوب ہیں اور ان پر عمل کرنا مستحب ہے۔

ٹھہرا ہوا پانی زیادہ ہو یا کم؛ اس میں رفع حاجت نہ کرنا مندوب ہے۔ ریٹھ اور بلغم

بھی ٹھہرے ہوئے پانی میں نہ ڈالا جائے۔ جاری پانی؛ سمندر یا بڑی دریاؤں میں رفع حاجت کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

جاری پانی کم ہو اور اسی سے طہارت بھی کرنا ہو تو اس میں پیشاب کرنا حرام ہے اور اگر اس سے طہارت کرنا نہ ہو تو صرف مکروہ ہے۔ جاری پانی زیادہ ہو تو مکروہ نہیں ہے مگر اجتناب اولی ہے۔ نووی کا قول ہے کہ قلیل پانی میں، جاری ہو یا ٹھیرا ہوا، پیشاب پاخانہ کرنا مطلقاً حرام ہے، لیکن بجیرمی نے اس قول کو ضعیف ظاہر کیا ہے۔ جس پانی میں رفع حاجت کرنا مکروہ ہے اس پانی کے قریب بھی رفع حاجت کرنا مکروہ ہے۔

پھل دار درخت: پھلدار درخت کے نیچے سے مراد وہ جگہ ہے جہاں اس کا پھل گرتا ہے۔ یہ حکم پھول اور ایسے پھل اور چھال والے درختوں کے لیے بھی عام ہے جو استعمال کیے جاتے ہیں۔ مملوکہ یا مباح زمین پر یہ درخت واقع ہوں تو ان کے نیچے بول و براز کرنا مکروہ ہے۔

راستہ پر: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِتَّقُوا اللَّعَّانِيْنَ ''بچو لعانین سے۔ لوگوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! لعانین کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اَلَّذِیْ يَتَخَلّٰى فِیْ طَرِيْقِ النَّاسِ أَوْ فِیْ ظِلِّهِمْ'' ۔ وہ شخص جو لوگوں کے راستے میں یا ان کے سائے میں رفع حاجت کرتا ہے۔ ابوداؤد نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ (مسلم ۲۶۹)

''اِتَّقُوْا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَ : اَلْبَرَازَ فِی الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَالظِّلِّ''

تین لعنت کے مقامات سے بچتے رہو۔ پانی کے بہاؤ، چلتے ہوئے راستہ اور سائے میں پیشاب کرنے سے۔ (سنن ابن ماجہ: کتاب الطھارۃ وسننھا، باب النھی عن الخلاء علی قارعۃ الطریق، یہ روایت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ہے)

براز کو مٹی سے نہ ڈھانپنا چاہیے تاکہ دکھائی دے اور اس سے بچنا ممکن ہو۔

سایہ کی جگہ گرما میں اور دھوپ کی جگہ سرما میں بول و براز نہ کرنا اس لیے مندوب ہے کہ ان مقامات پر لوگ جمع ہوتے اور بیٹھتے ہیں۔

سوارخ اور دراز میں بول و براز نہ کرنا اس لیے مندوب ہے کہ ان مقامات پر کیڑے مکوڑے ہوتے ہیں اور ان کو اذیت پہنچنے کا احتمال ہوتا ہے۔ اگر سوراخ یا دراز بول و براز ہی کی غرض سے بنائے گئے ہوں تو کراہت نہیں ہے، کراہت کی وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ ان مقامات پر جنات رہتے ہیں، چناں چہ شامل وغیرہ میں لکھا ہے کہ سعد بن عبادہ نے ایسے مقام پر پیشاب کیا اور جناتوں نے ان کو قتل کیا۔ (سیر أعلام النبلاء ۱/ ۲۷۸، منہاج السنۃ النبویۃ ۵/ ۵۸۱)

رفع حاجت کے وقت بات نہ کریں اور نہ سورج اور چاند کی طرف منھ اور پشت کریں۔ ان امور سے اجتناب مندوب ہے۔

کلام: بغیر ضرورت بات کرنا مکروہ ہے اور ضرورت پر مکروہ نہیں۔ یہ حکم رفع حاجت کے وقت مخصوص نہیں ہے بلکہ بیت الخلا کے لیے عام ہے، جو شخص بیت الخلا میں ہو خواہ کسی غرض سے، چراغ رکھنے، پانی رکھنے یا صاف کرنے کے لیے؛ اس کو بات نہ کرنا چاہیے۔ اگر مصلحت ایسی ہے کہ بات کو سکوت پر ترجیح ہے تو بات کرنا مندوب ہے۔

اگر چھینک آئے تو دل میں خدا کی تعریف کرے۔ چھینک کی وجہ سے دماغ کے بخارات خارج ہوتے ہیں اور اس راحت کے شکریہ میں خدا کی تعریف کا حکم ہے۔ دریافت کے لیے بیت الخلا میں داخل ہونے والے کا کھنکارنا اور بیت الخلا میں بیٹھے ہوئے شخص کا جواب میں کھنکارنا ضرورت میں داخل ہے، اور مکروہ نہیں ہے۔

سورج اور چاند کی طرف منھ اور پشت نہ کرنا مندوب ہے جب کہ مقابل میں ہوں، طلوع یا غروب کر رہے ہوں اور ساتر نہ ہو۔

نظر: بغیر ضرورت شرمگاہ، بول و براز اور آسمان کی طرف نہ دیکھنا، دائیں اور بائیں جانب متوجہ نہ ہونا مندوب ہے۔

دوری: رفع حاجت کے وقت لوگوں سے دور رہنا بھی مندوب ہے۔ اگر یہ شخص دور نہ جا سکے تو دوسروں کو اس مقام سے ہٹ جانا چاہیے۔ لوگوں کی نظر بچانا بھی مندوب ہے۔

ہوا کے خلاف رخ اور سخت زمین پر بھی پیشاب نہ کرنا چاہیے۔

قیام: بغیر عذر کھڑے رہ کر بول و براز کرنا مکروہ ہے۔ حضرت عائشہ کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے رہ کر پیشاب نہیں کرتے تھے۔ (امام احمد اور اصحاب سنن ابوداود کے علاوہ سبھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے۔ نسائی: کتاب الطھارۃ، باب البول فی البیت جالسا۔ ترمذی نے کہا ہے کہ اس باب میں یہ سب سے صحیح حدیث ہے۔ البتہ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا ہے۔ بخاری: کتاب الوضوء، باب البول قائما وقاعدا۔ اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ جہاں آپ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا وہ گندگیاں پھینکنے کی جگہ تھی، وہاں بیٹھنے کی صورت میں بدن اور کپڑے پر نجاست لگنے کا اندیشہ تھا، جب کہ حضرت عائشہ اپنی معلومات کی حد تک یہ بات بتارہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ کوئی یہ بتائے کہ آپ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا ہے تو اس کی بات نہ مانو) حضرت عمر نے اسلام لانے کے بعد کبھی کھڑے رہ کر پیشاب نہیں کیا۔ وجع صلب (کمر کے درد میں) کھڑے رہ کر پیشاب کرنا مفید ہے جیسا کہ امام شافعی اور اہل عرب کا قول ہے۔

اخیار میں اطباء کی رائے لکھی ہے کہ "إِنَّ بَولَةً فِي الحَمَّامِ فِي الشِّتَاءِ قَائِمًا خَيرٌ مِنْ شُرْبَةِ دَوَاءٍ" ۔ ایک مرتبہ کا پیشاب حمام میں جاڑے میں (بلکہ گرما میں بھی) کھڑے رہ کر بہتر ہے دوا کے پینے سے۔

مقام: جس مقام پر بول و براز کیا جائے، اسی مقام پر پانی سے طہارت نہ کی جائے بلکہ جگہ تبدیل کی جائے۔

پیشاب کے وقت سر ننگے رہیں، پاؤں ننگے نہ رہیں۔

حمام میں پیشاب نہ کیا جائے۔ استنجا کا ڈھیلہ سکھانے میں لوگوں کی نظر بچانا اور نمائش سے احتراز کرنا مستحسن ہے۔

قبر: کسی محترم قبر کے پاس پیشاب نہ کیا جائے۔

دعا: بیت الخلا میں داخل ہوتے وقت یا رفعِ حاجت کے لیے بیٹھتے وقت، اس دعا کا پڑھنا سنت ہے: ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ''۔ (بخاری ۱۴۲، مسلم ۳۷۵) اللہ تعالی کے نام سے (میں حفاظت کرتا ہوں شیطان سے) اے اللہ

بے شک میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے شیطانوں کے مردوں اور عورتوں کے شر سے۔

خبث خبیث کی جمع ہے جو مذکر ہے اور خبائث خبیثہ کی جمع ہے جو مؤنث ہے اور ان سے مراد شیاطین کے مرد اور عورتیں ہیں۔

نسائی نے روایت کی ہے کہ فراغت پانے کے بعد نکلتے وقت اس دعا کا پڑھنا بھی سنت ہے: ''غُفْرَانَکَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ أَذْهَبَ عَنِّیْ الْأَذٰی وَعَافَانِیْ ''۔ تیری بخشش ہے، تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے میری تکلیف دور کی اور مجھ کو عافیت دی۔ (ابوداود ۳۰، ترمذی ۷، ابن ماجہ ۳۰۱)

مسواک

مسواک؛ سواک سے اسم آلہ ہے، اور سواک کے معنی دلک اور رگڑنے کے ہیں اور مسواک رگڑنے کے آلہ کو کہتے ہیں۔

شرع میں مسواک، لکڑی وغیرہ جیسی سخت چیز سے دانتوں اور اس کے اطراف نیت کے ساتھ رگڑنے کو کہتے ہیں تا کہ منہ کی بدبو کو دور کیا جائے۔

مسواک کا استعمال قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ حدیث میں مروی ہے: ''هذا سواكي وسواك الأنبياء من قبلي ''() یہ میری مسواک ہے اور مجھ سے قبل گزرے ہوئے انبیاء کی بھی۔ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پہلے نبی ہیں جنھوں نے زیتون کی لکڑی سے مسواک کی تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ مسواک اس وقت کی خصوصیات میں سے نہیں ہے بلکہ قدیم شریعتوں میں بھی اس کا رواج تھا۔

گو بعض کا خیال ہے کہ پہلے انبیاء اس کو استعمال کرتے تھے اور ان کی امتوں میں اس پر عمل نہیں تھا۔

دانتوں پر موقوف نہیں، مسوڑوں اور تالو پر بھی مسواک پھیرنا مندوب ہے۔ اس کا نتیجہ یہ کہ دانت نہ ہونے کی صورت میں بھی مسواک کی جائے گی۔

مسواک عموماً اِراک کے درخت سے بنائی جاتی ہے۔ اس درخت کو اردو میں پیلو کہتے ہیں۔ بیجوری نے لکھا ہے کہ مسواک کے لیے پیلو یا کسی اور لکڑی کی قسم سے ہونا ضروری نہیں ہے۔ مسواک کے معنی میں ہر ایک سخت اور طاہر چیز داخل ہے جس سے دانتوں کا میل اور زردی دور کی جا سکے۔

روایت ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو مسواک

کرتے دیکھ کر فی البدیہہ یہ دو شعر کہے تھے۔ الفاظ اِراک، اَراک، سواک اور سواک میں تجنیس لفظی کس قدر بھلی معلوم ہوتی ہے:

حَظَيْتِ يَا عُوْدَ الْاِرَاكِ بِثَغْرِهَا مَا خِفْتِ يَا عُوْدَ الْاِرَاكِ أَرَاكِ

اے اراک کی لکڑی! تو اس کے دانتوں سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔ اے اراک کی لکڑی! کیا تجھ کو اس کا بھی خوف نہیں کہ میں دیکھ رہا ہوں۔

لَوْكُنْتِ مِنْ أَهْلِ الْقِتَالِ قَتَلْتُكِ مَا فَازَ مِنِّى يَا سِوَاكُ سِوَاكِ

اگر تو اہل قتال ہوتی تو میں تجھ کو فوراً قتل کر دیتا آج تک تیرے سوائے کسی کو مجھ پر کامیابی نہیں ہوئی

مسواک کی فضیلت

مسواک کے لیے پیلو کی لکڑی افضل ہے، پھر کھجور کی، پھر زیتون کی، پھر کسی خوشبودار درخت کی اور اس کے بعد دوسرے درختوں کی لکڑی۔ ان میں سے ہر ایک کی فضیلت کے مزید پانچ مراتب ہیں۔ سب سے افضل پانی سے گیلی کی ہوئی مسواک، پھر گلاب سے، پھر تھوک سے گیلی کی ہوئی پھر خشک اور پھر سبز۔

مسواک کرنے کے اوقات:

رملی کا قول ہے کہ مسواک کا موقع وضو میں ہاتھ دھونے سے قبل ہے اور اس قول کی بنا پر بعض نے اس کو سننِ وضو میں شمار کیا ہے اور چوں کہ سنت وضو کی نیت سے پہلے مسواک کا استعمال ہے، اس لیے مسواک کرنے کے وقت نیت کی بھی ضرورت ہے اور قول معتمد یہی ہے۔

ابن حجر نے مسواک کو وضو میں داخل کر کے اس کے استعمال کا موقع وضو میں ہاتھ دھونے کے بعد معین کیا ہے اور چوں کہ یہ موقع وضو کی نیت کے بعد واقع ہوا ہے، اس لیے مسواک کے لیے علحیدہ نیت کی ضروت نہیں ہے۔

مسواک کے ارکان

مسواک کے ارکان پانچ ہیں:

۱۔مستاک یعنی مسواک کرنے والا
۲۔مستاک بہ یعنی مسواک
۳۔مستاک فیہ یعنی منہ جس میں مسواک کی جاتی ہے
۴۔مستاک منہ یعنی منہ میں تغیر وغیرہ ہو جس کی وجہ سے مسواک کی جاتی ہے۔
۵۔اور نیت، مستقل ہو یا وضو کے تابع۔

باجوری نے تین ارکان بیان کئے تھے، بجیرمی نے آخری دو کا اضافہ کیا ہے۔

مسواک کرنا ہر حال میں مستحب ہے، اور یہ حکم ہمارے لیے ہے، ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کے نازل ہونے کے وقت مسواک کرنا واجب تھا۔

مسواک مستحب ہے

مسواک کرنا مستحب ہے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پابندی فرمائی تھی۔ صحیحین کی حدیث ہے: ''لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰی أُمَّتِیْ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ'' اگر میری امت پر یہ بات شاق نہ ہوتی تو میں ہر نماز کے وقت ان کو مسواک کرنے کے لیے حکم دیتا یعنی واجب قرار دیتا۔ (صحیحین کی روایت میں ''مع کل وضوء'' کے الفاظ ہیں۔ بخاری ۸۴۷، مسلم ۲۵۲، یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) اس سے ظاہر ہے کہ گو مسواک کرنا مستحب ہے، لیکن اس میں تاکید ضرور ہے۔

مقدار مسواک کم سے کم ایک مرتبہ اور اکمل یہ ہے کہ تین مرتبہ اور منہ میں بدبو ہونے کی صورت میں اس کے زائل ہونے تک کرنا چاہیے۔

اوقات و حالات: کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے، لیٹے ہوئے اور ہر حالت میں مسواک کی جاسکتی ہے۔

روزہ دار کے لیے مسواک

لیکن روزہ دار کے لیے زوال کے بعد مکروہ ہے۔ روزہ کی حالت میں، سورج کے زوال

کے بعد سے غروب تک، مسواک کرنا مستحب نہیں ہے، بلکہ مکروہ تنزیہی ہے۔نووی نے مطلق عدم کراہت کی رائے دی ہے۔ زوال سے مراد یہ ہے کہ سورج وسط آسمان سے یا سر پر سے ڈھل جائے اور مغرب کی طرف اس کا میلان ہو جائے۔

روزہ دار کو صبح سے زوال تک مسواک کرنے کی اجازت اس لیے دی گئی ہے کہ سحری کھانے کے بعد غذا کا اثر منہ میں باقی رہتا ہے اور تغیر پیدا کرتا ہے۔اس تغیر کو مسواک کے ذریعہ دور کرنے کی ضرورت ہے۔حدیث میں آیا ہے: ''لَخَلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَاللّٰهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ '' (بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے، مسند احمد ۴۰۷۵۸) روزہ دار کے منہ کی بد بو اللہ کے پاس مشک کی خوشبو سے زیادہ بہتر ہے۔

خلوف روزہ دار کے منہ کی بو کو کہتے ہیں۔

مسواک کے اوقات

مسواک کرنا تین مواقع پر نہایت مستحب ہے؛

۱۔ جب کہ منہ میں تغیر پیدا ہو جائے زیادہ دیر تک نہ کھانے یا کسی اور وجہ سے۔

۲۔نیند سے بیدار ہونے پر

۴۔اور نماز سے قبل

اوقات کا لفظ حالات پر بھی شامل ہے اور مواقع میں مکان اور زمان دونوں داخل ہیں۔تغیر سے منہ میں بو پیدا ہونا مراد ہے۔اس شخص کے لیے بھی مسواک کرنا سنت ہے جس کے منہ میں دانت نہ ہوں۔تغیر زیادہ دیر بات نہ کرنے یا بھوکے اور پیاسے رہنے کی وجہ سے بھی پیدا ہو سکتا ہے، بد بو والی اشیاء کھانے کے بعد مسواک کی تاکید ہے تاکہ دوسروں کو بد بو سے ایذا نہ پہنچے۔

نیند سے بیدار ہونے کے بعد مسواک کرنا اس لیے مستحب قرار دیا گیا ہے کہ نیند کی حالت میں سکوت رہتا ہے اور سانس لینے میں تیزی نہیں ہوتی۔

یہ حکم روزہ دار کے لیے بھی ہے کہ سو کر اٹھے تو مسواک کرے۔

صحیحین نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوتے تو مسواک

کرتے تھے۔(مسلم نے ابن عباس سے یہ روایت کی ہے: باب الدعاء فی صلاۃ اللیل ۱۸۳۵) یہاں صاف کرنے میں پانی سے دھونا بھی شامل ہے۔

نماز کی نیت کرنے کے بعد، مسواک نہ کرنے کی نسبت علامہ خطیب کی رائے ہے اور رملی کا قول ہے کہ نماز کی نیت کے باوجود ہلکا مسواک کرنا سنت ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ ''رَكْعَتَانِ بِسِوَاكٍ خَيْرٌ مِنْ سَبْعِيْنَ رَكْعَةً بِلَا سِوَاكٍ'' دو رکعتیں مسواک کے ساتھ ستر رکعتوں سے بغیر مسواک کے بہتر ہیں۔(احمد وغیرہ نے یہ روایت حضرت عائشہ سے کی ہے۔حافظ ابن حجر نے ''التلخیص'' میں اس کو ضعیف کہا ہے ۱/ ۱۱۱۔۱۱۲، اسی طرح امام نووی نے الخلاصۃ میں ضعیف کہا ہے ۱/ ۸)

مزید اوقات

مندرجہ ذیل موقعوں پر مسواک کرنا مستحب ہے:

سونے کے ارادے کے وقت۔

وضو کے وقت۔

قرآن اور حدیث اور علم دین کے پڑھنے کے وقت۔

ذکر کے وقت۔

درس کے وقت۔

کعبہ میں داخل ہوتے وقت۔

اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت۔

لوگوں سے ملاقات کے وقت۔

بھوک اور پیاس کے وقت۔

سحری کرتے وقت۔

کھانے کے وقت۔

سفر پر روانہ ہونے اور سفر سے واپس ہونے کے وقت۔

یہ سب نہ ہوسکے تو کم سے کم دن میں ایک مرتبہ مسواک کی جائے۔

فضائل مسواک:

مسواک اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی کا باعث ہے، منھ کو صاف اور پاک کرتی ہے۔ خلقت کو درست کرتی ہے اور ذہانت اور فصاحت کو جلا دیتی ہے۔ رطوبت کو کاٹتی ہے اور نظر کو تیز کرتی ہے۔ دانتوں کے امراض کو زائل اور مسوڑوں کو مضبوط کرتی ہے۔ کھانے کو ہضم کرتی ہے، موت کے وقت کلمہ شہادت کو یاد دلاتی ہے، بعضوں نے اس کے فضائل کی تعداد ستر کے اوپر گنائی ہے۔

خلال کے احکام

دانتوں کے درمیان جو غذا وغیرہ رہ جاتی ہے اس کے نکالنے کو خلال کہتے ہیں۔ خلال کرنا سنت ہے۔ خلال کی لکڑی بھی وہی ہے جو مسواک کی ہے۔ لوہے وغیرہ جیسی دھاتوں سے بنائی ہوئی خلال مکروہ ہے۔ خلال کھانے کے بعد اور مسواک سے پہلے کرنا چاہیے۔ عرب کا ایک مقولہ ہے: ''مَنْ وَاظَبَ عَلَى الْخَشَبَتَيْنِ آمَنَ مِنَ الْكَلْبَتَيْنِ'' جس شخص نے دو لکڑیوں (خلال اور مسواک) کی پابندی کی وہ دو کتوں سے امن پایا۔

نیت: مسواک کرنے میں نیت سنت ہے۔ اگر نیت کے بغیر مسواک کی جائے تو سنت کی تکمیل نہ ہوگی اور نہ ثواب حاصل ہوگا۔

مسواک کا طریقہ

مسواک کو داہنے ہاتھ میں اس طرح پکڑے کہ کن انگلی مسواک کے نیچے، اس کے بعد کی انگلی، بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی اوپر، اور انگوٹھے کا سر نیچے ہو۔ مسواک کو مٹھی میں نہ پکڑے۔ مسواک کو دانتوں کے بیرونی اور اندرونی جانب پھیرے، داڑھوں میں طولاً اور عرضاً دونوں طرح اور بقیہ دانتوں میں صرف عرض میں، اور زبان پر طول میں، اور تارک پر آہستہ پھیرے، روایت میں ہے: ''إِذَا اسْتَكْتُمْ فَاسْتَكُوا عَرْضًا'' جب تم مسواک کرو تو عرض میں مسواک کرو۔ (ابوداود فی مراسیلہ عن عطاء بن ابی رباح)

طول میں بھی مسواک کرنے کی اجازت ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ زبان میں مسواک طول میں پھیرے۔ مسواک منہ کی داہنی طرف سے شروع کر کے دانتوں کے بیرونی اوراندرونی حصہ پر پھیرتے ہوئے سامنے اور بیچ میں لائے اور پھر بائیں جانب سے شروع کر کے اسی طرح بیچ میں لائے۔ مسواک کا دانتوں کے عرض میں اور منہ کے طول میں پھیرنا ایک ہی بات ہے۔ مسواک میں میل یا بو ہو تو مسواک کرنے سے پہلے مسواک کا دھونا بھی سنت ہے۔ مسواک ایک بالشت سے زیادہ لمبی نہ ہو۔

دعا: مسواک کرتے وقت یہ دعا پڑھے: ''اَللّٰهُمَّ بَيِّضْ بِهِ اَسْنَانِيْ وَشَدِّدْ بِهِ لَثَّاتِيْ وَثَبِّتْ بِهِ لَمَّاتِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْهِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ'' اے اللہ! اس مسواک سے میرے دانتوں کو سفید کر اور میرے مسوڑھوں کو مضبوط کر اور ثابت رکھ میرے کوے (پڑ جیب) کو اور برکت دے اس میں میرے لیے، اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

وضو
(فرائض، سنن اور نواقص)

وضوواؤ کے پیش کے ساتھ، وضائت سے ہے، جس کے معنی عمدگی، پاکیزگی اور گناہ کی تاریکی سے نجات پانے کے ہیں۔ گناہ سے مراد صغیرہ گناہ ہے جس کا کفارہ وضو سے ہوتا ہے۔ شرع میں خاص اعضاء کو نیت کے ساتھ پانی سے دھونے کو وضو کہتے ہیں۔

وضوواؤ کے زبر کے ساتھ اس پانی کو کہتے ہیں جو وضو کے لیے مہیا کیا جاتا ہے۔

وضو نماز کے ساتھ معراج کی رات ہجرت سے ایک سال یا سولہ مہینے پہلے فرض کیا گیا۔ ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ پہلے ہر ایک فرض نماز کے لیے وضو واجب تھا۔ جنگ خندق میں اس حکم میں ترمیم ہوئی۔ اور وضو کو صرف حدث کے واقع ہونے پر فرض کیا گیا۔ (سنن ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں: ''كان رسول الله ﷺ يتوضأ لكل صلاته، فلما كان يوم فتح مكة صلى الصلاة كلها بوضوء واحد ''۔ یہ روایت سلمان بن بریدۃ عن أبیہ سے ہے۔۵۱۰۔ جنگِ خندق میں اس حکم میں ترمیم والی روایت نہیں ملی۔)

وضو کے فرض کئے جانے سے مراد یہ ہے کہ وضو کا عمل شرع میں اس کے پہلے سے موجود تھا۔ اس لیے کہ ابتدائے بعثت میں جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ کو وضو سکھایا اور آپ نے جبرئیل کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی۔

سابقہ شریعتوں میں وضو کا حکم

وضو کا رواج سابقہ شریعتوں میں بھی تھا۔ حدیث میں آیا ہے: ''هٰذَا وُضُوئِىْ وَوُضُوْءُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِىْ '' یہ میرا وضو ہے اور ان انبیاء کا جو مجھ سے قبل گزرے ہیں۔ (السنن الکبری

للبیھقی: باب فضل التکرار فی الوضوء۳۸۴، یہ روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ابی بن کعب سے اسی طرح کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں: ''ھذا وضوئی ووضوء المرسلین قبلی ''۔ کتاب الطھارۃ ۴۲۰)

البتہ جس کیفیت کے ساتھ ہم وضو کرتے ہیں وہ ہمارے لیے مخصوص ہے۔ اور غـــرۃ وتحجیل اس امت کے لیے مخصوص ہے۔ حدیث میں ہے: ''أَنْتُمُ الْغُرُّ الْمُحَجَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَن يُّطِيْلَ غُرَّتَهُ فَلْيَعْمَلْ ''(بخاری ۱۳۔ مسلم ۲۴۶) تمہاری پیشانی، ہاتھ اور پاؤں سفید ہوں گے اور چمکیں گے اور روشن ہوں گے قیامت کے دن وضو کی نشانیوں کی وجہ سے، تم میں سے جو کوئی اس سفیدی کو بڑھانا چاہے بڑھا سکتا ہے۔

وضو کا بیان غسل سے پہلے اس لیے ہے کہ وضو غسل کا بھی جزء ہے۔ تیمّم ان دونوں کے بعد اس لیے ہے کہ تیمّم ان دونوں کا بدل ہے۔ آیت ۱۔۶/۶، وضو، غسل اور تیمّم تینوں کے لیے عام ہے، اس لیے ایک جگہ درج کی جاتی ہے، اس کے مختلف اجزاء سے اپنے اپنے مقام پر استدلال کیا جائے گا۔ ''يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُوْسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلٰى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰكِن يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ''(المائدۃ ۶)

اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت۔ اور تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجا سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو، پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک زمین سے تیمّم کیا کرو۔ یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو اس زمین سے۔ اللہ تعالی کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی دشواری ڈالے لیکن

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک صاف رکھے اور تم پر اپنا انعام پورا کرے تا کہ تم شکر گذار رہو۔

امورِ وضو:

وضو کے باب میں مندرجہ ذیل آٹھ امور بیان کئے جاتے ہیں:

حقیقتِ وضو، وقتِ وجوب وضو، موجب وضو، شرائط وضو، فرائض، سنن وضو، مکروہاتِ وضو اور نواقضِ وضو۔

وضو کی حقیقت:

خاص اعضاء کو نیت کے ساتھ پانی سے دھونے کو وضو کہتے ہیں۔

نیت صرف آغاز میں ہوگی، کسی فعل کے ذریعہ دھونا لازم نہیں ہے، بغیر کسی فعل کے ان اعضاء کو پانی پہنچ جائے تو کافی ہے۔ شرعی اور لغوی معنی میں یہ فرق ہے کہ شرعی اصطلاح میں نیت شریک ہے۔ وضو کی نسبت فقہا کا قول ہے کہ یہ امر معقول ہے، محض تعبدی نہیں ہے۔

امر معقول: جس حکم کی غرض، غایت اور علت ظاہر ہوتی ہے، اس کو امر معقول المعنی کہتے ہیں۔ جس حکم کی غرض وغایت اور علت ظاہر نہیں ہوتی اس کو تعبدی کہتے ہیں، اس لیے اس میں افضلیت ہے اور اس میں حکم کی بجا آوری کی شدت ہے اور بغیر کسی غرض وغایت کے محض تعمیلِ حکم کے طور پر کیا جاتا ہے۔ ابن حجر کا قول ہے کہ افضلیت محض اطاعت کی وجہ سے ہے۔

وضو واجب ہونے کا وقت:

ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ پانچوں نمازوں کے وقت وضو واجب تھا اور اس کے بعد اس حکم میں اس طرح ترمیم کی گئی کہ حدث واقع ہونے پر نماز کے لیے وضو کو واجب کیا گیا۔ (سنن ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں: ''كان رسول الله ﷺ يتوضأ لكل صلاته، فلما كان يوم فتح مكة صلى الصلاة كلها بوضوء واحد''۔ یہ روایت سلمان بن بریدۃ عن أبیہ سے ہے۔ ۵۱۰)

وضو واجب کرنے والے اسباب

وضو واجب کرنے کے تین اسباب ہیں:

۱۔حدث کے بعد

۲۔اورنماز وغیرہ کے وقت

۳۔یاان دونوں کے وقت۔

وضو کی شرطیں

وضو کے شرائط بارہ ہیں:

۱۔طہارتِ اعضاءیعنی اعضائے وضو کا دھونا۔مقررہ اعضاء کے ساتھ اس کے متصل اعضاء کا کچھ حصہ بھی دھویا جائے۔

۲۔نقاءیعنی جنابت وغیرہ سے پاکی کا علم۔

۳۔کیفیت وضو: وضو میں فرائض اور سنن اور ان کے محل سے واقفیت اور ان میں امتیاز،اس بارے میں اعتقاد ہو کہ وضو میں بعض چیزیں فرض اور بعض چیزیں سنت ہیں،اگر چہ تفصیلی علم نہ ہو،عالم کے لیے تفصیلی علم بھی لازم ہے۔

۴۔حیض ونفاس کے موانعات موجود نہ ہوں۔

۵۔نیت تبدیل نہ ہوئی ہو۔

۶۔وضو کرنے والا مسلمان ہو۔

۷۔وضو کرنے والا ممیّز ہو۔

۸۔اعضائے وضواور پانی کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

۹۔عضو پر پانی بہایا جائے۔

۱۰۔انگلیوں میں خلال کیا جائے۔

۱۱۔مطلق پانی اور پانی کی حقیقت سے واقف ہو۔

۱۲۔وضو کرنے کا تقاضا ہو۔

صاحبِ ضرورت کے لیے مزید شرطیں

صاحب ضرورت اس شخص کو کہتے ہیں جس کے حدث کا سلسلہ جاری ہو یا حدث کے منقطع ہونے کا کوئی وقت معین نہ ہو، جیسا کہ استحاضہ یا پیشاب کے قطرے گرنے کا سلسلہ جس کو سلسل البول کہتے ہیں۔ صاحب ضرورت کے وضو میں مزید تین شرائط ہیں:

۱۔ نماز کا وقت شروع ہو گیا ہو۔

۲۔ وضو سے پیشتر استنجا کیا جائے، اور حالات کا لحاظ کرتے ہوئے حدث سے حفاظت کے لیے جن تدابیر پر عمل کرنا ممکن ہو عمل کیا جائے۔

۳۔ موالات یعنی پے در پے؛ ان دونوں امور بالا اور وضو کے درمیان، اسی طرح وضو اور نماز کے درمیان موالات۔

مذی کا سلسلہ بھی پیشاب کے قطرے گرنے کی طرح ہے، لیکن سلسلہ ریح (ہوا) کسی قدر جداگانہ ہے۔ سلسلۂ ریح میں استنجا اور تحفظ کی شرط نہیں ہے۔ افعالِ وضو اور نماز کے درمیان موالات واجب ہے۔ موالات بغیر فصل کے مسلسل عمل کرنے کو کہتے ہیں۔

فرائض وضو:

فرض اور واجب معنی میں مترادف ہیں، البتہ احکام حج میں ان میں فرق ہے۔ فرائض جو فرض وضو میں ہیں وہی فرائض مندوب وضو میں بھی ہیں۔

فرض اور رکن بھی مترادف ہیں، البتہ فرق یہ ہے کہ جس عبادت کے افعال میں تفریق جائز ہے اس میں فرض، اور جس میں عبادت کے افعال میں تفریق جائز نہیں اور ہیئت مرکبہ ایک ہے اس میں رکن کہا جاتا ہے۔ وضو میں چوں کہ ہر ایک فعل علحدہ ہے اس لیے اس میں فرائض اور نماز کے جملہ افعال کی ہیئت ترکیبی ایک ہے اس لیے نماز میں ارکان کہتے ہیں۔

وضو کے فرائض چھ ہیں:

۱۔ چہرہ دھوتے وقت نیت کرنا

۲۔ چہرے کا دھونا

٣۔دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا
٤۔سر کے بعض حصہ کا مسح کرنا
٥۔دونوں پاؤں کو ٹخنے سمیت دھونا
٦۔اور مذکورہ بالا ترتیب سے وضو کرنا۔

ان چھ فرائض میں سے چار نص قرآن سے اور دو نیت اور ترتیب حدیث سے ثابت ہیں۔حنفیہ اور مالکیہ میں نیت اور ترتیب فرائض وضو میں نہیں ہیں۔

١-نیت:

چہرے کو دھوتے وقت نیت کرنا واجب ہے۔

صحیحین میں ہے:''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ''۔(بخاری١۔مسلم١٩٠٧۔یہ روایت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے) شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ اعمال مضاف الیہ ہے اور اس کا مضاف صحت محذوف ہے اور حدیث کے یہ معنی ہیں: بیشک اعمال کی صحت نیتوں کے ساتھ ہے۔

حنفیہ کی رائے میں اس کا مضاف کمال محذوف ہے اور اس لحاظ سے حدیث کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اعمال کا کمال نیتوں کے ساتھ ہے۔

شافعیہ کے نزدیک صحت کی نفی سے عمل غیر شرعی ہو جاتا ہے۔اور حنفیہ کے نزدیک کمال کی نفی سے عمل غیر شرعی نہیں ہوتا۔نیت کا چوں کہ عمل سے تعلق ہے اس لیے اس کی توضیح کی جاتی ہے

فعل،عمل اور صنع میں فرق

فعل کے مفہوم میں ارادہ شریک نہیں ہے،اس لیے فعل انسان اور حیوان دونوں کے لیے عام ہے۔عمل کے مفہوم میں ارادہ شریک ہے،اس لیے عمل انسان کے لیے خاص ہے۔ ''صنع''،عمل سے بھی خاص ہے،اس لیے اس میں ارادے کے ساتھ اختیار بھی شامل ہے۔

امور نیت

نیت کے بارے میں مندرجہ ذیل چھ امور یہاں بیان کیے جا سکتے ہیں:

احکام نیت۔ اشکال نیت۔ اشتراک نیت۔ دوام نیت۔ تجزی نیت اور اقتران نیت۔

ا۔ احکام نیت:

نیت سے سات احکام متعلق ہیں: حقیقت نیت۔ حکم نیت۔ محلِ نیت۔ وقتِ نیت۔ کیفیتِ نیت۔ شرطِ نیت اور مقصودِ نیت۔

نیت کی حقیقت: حقیقت سے مراد نیت کی حقیقت من حیث النیۃ وضو کے تعلق کے بغیر ہے۔

نیت کے معنی لغت میں مطلق ارادے کے ہیں اور شرع میں: ''قَصْدُ الشَّیْءِ مُقَرِّنًا بِفِعْلِهِ'' ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کا ارادہ عین اس چیز کے کرنے کے وقت کیا جائے۔

فعل اور نیت دونوں کا ایک ساتھ ہونا واجب ہے، البتہ اس سے روزہ مستثنیٰ ہے۔ روزے میں نیت کا ساتھ ہونا واجب نہیں ہے۔ اگر ساتھ ہو تو روزہ صحیح نہ ہوگا۔ اس لیے کہ روزے میں رات ہی کو نیت کرنا واجب ہے۔ اگر نیت عمل سے پہلے ہو تو اس کو عزم کہا جاتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ روزے میں نیت بمنزلۂ عزم وارادے کے ہے، جو نیت کے قائم مقام ہے۔

نیت کا حکم: عام طور پر نیت واجب ہے، صرف بعض صورتوں میں مندوب ہے جیسا کہ غسلِ میت میں ہے۔

محل نیت: نیت کا محل دل ہے، لیکن زبان سے بولنا سنت ہے تا کہ دل اور زبان میں مطابقت ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض ائمہ کے نزدیک زبان سے بولنا واجب ہے اور ان سے اختلاف نہ کرنے کے لیے شافعیہ نے زبان سے بولنے کو مندوب ٹھہرایا ہے۔

نیت کا وقت: نیت ہر ایک عبادت کی شروعات میں ہے، سوائے روزے کے۔ روزے میں رات کو نیت کرنا واجب ہے۔

نیت کی کیفیت عبادت کی کیفیت کے لحاظ سے تبدیل ہوتی ہے جیسا کہ نماز اور روزہ وغیرہ۔

نیت کی شرطیں: نیت کی چار شرطیں ہیں:

ا۔ مسلمان ہو۔

۲۔۔تمیز پایا جائے۔

۳۔اس عبادت کا علم ہو جس کے لیے نیت کی جاتی ہے۔

۴۔جزم یعنی مستقل ارادہ، اگر یہ کہا جائے کہ میں وضو کی نیت کرتا ہوں، اگر اللہ تعالی چاہے۔اس سے مقصد تعلیق ہو تو صحیح نہیں ہے۔اگر اس سے مقصد تبرک ہو تو صحیح ہے۔

مقصودِ نیت: نیت سے مقصود یہ ہے کہ عادت اور عبادت میں تمیز کیا جائے۔ غسل صفائی کے لیے ہوسکتا ہے اور رفعِ جنابت کے لیے بھی، اور دوسری صورت میں نیت میں اپنے مقصود کا تعین کرنا ضروری ہے۔اسی طرح مسجد میں ٹھہرنا اعتکاف کے لیے بھی ہوسکتا ہے اور آرام لینے کے لیے بھی۔نماز سے مقصود فرض نماز بھی ہوسکتی ہے اور سنت بھی۔

۲۔نیت کی شکلیں:

نیت کی مندرجہ ذیل سات صورتیں ہیں:

رفع کی نیت۔استباحت کی نیت۔حدث سے طہارت کی نیت۔فرض وضو کی نیت۔ فقط وضو کی نیت۔ادائے فرضِ وضو کی نیت اور ادائے وضو کی نیت۔

حدث دور کرنے کی نیت: ''نَوَيْتُ رَفْعَ الْحَدَثِ ''میں حدث کے رفع کرنے کی نیت کرتا ہوں۔ یہاں رفع سے مراد حدث کا حکم رفع کرنا ہے۔حدث جو واقع ہو چکا ہے وہ رفع نہیں ہوسکتا، البتہ حدث کی وجہ سے جو حکم عائد ہوا اس کو رفع کرنا مقصود ہے۔

رفع حدث کی نیت سے وضو کیا جائے تو اس وضو سے جملہ عبادتیں ادا کی جاسکتی ہیں۔ان امور میں اجمالی اور تفصیلی دونوں طرح کی تصریح ضروری ہے اور ایسی تصریح میں غلطی کی جائے تو صحیح نہیں، جیسا کہ روزے اور نماز میں ان امور میں جن میں اجمالی طور پر تصریح کی ضرورت ہے غلطی کی جائے تو صحیح نہیں ہے، جیسا کہ جماعت کی نماز میں امام کا تعین نام کے ساتھ کیا جائے اور غلطی کی جائے۔

ان امور میں جن میں اجمال یا تفصیل میں سے کسی طرح کی تصریح ضروری نہیں ہے، اگر کوئی تصریح کی جائے اور غلطی ہو جائے تو صحیح ہے اور یہ آخری صورت وضو کی ہے۔ وضو

میں نوعیتِ حدث کا تعین کیا جائے اور غلطی کی جائے جیسا کہ پیشاب کی وجہ سے حدث واقع ہوا ہو اور نیت میں نیند کی وجہ سے ہونے والے حدث دور کرنے کی نیت کی جائے تو وہ وضو صحیح ہے۔ بیجوری کا قول ہے کہ اگر تصریح میں عمداً غلطی کی جائے تو وضو صحیح نہ ہوگا۔

نیت استباحت :

"نَوَیْتُ اِسْتِبَاحَةً مُفْتَقِرًا إِلٰی وُضُوءٍ". میں نیت کرتا ہوں ایسے فعل کے مباح ہونے کی جو وضو کا محتاج ہے۔

''نَوَیْتُ اِسْتِبَاحَةَ الصَّلَاةِ'' میں نماز کے مباح ہونے کی نیت کرتا ہوں۔

''نَوَیْتُ اِسْتِبَاحَةَ مَسِّ الْمُصْحَفِ'' میں نیت کرتا ہوں مصحف کے چھونے کے مباح ہونے کی۔

ایسی چیز کے ارادے سے وضو کی نیت کی جائے جو وضو پر موقوف ہے تو وضو صحیح ہے۔ ایسی چیز کے ارادے سے نیت کی جائے جس کے لیے وضو صرف مندوب ہے تو وضو صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن اور حدیث کی قراءت کے لیے۔

حدث دائم :

حدث کے اس عذر کو کہتے ہیں جو ہمیشہ قائم رہتا ہے اور منقطع نہیں ہوتا یا اتنی مہلت نہیں ملتی جس میں طہارت کر کے عبادت ادا کی جائے۔ اس کی مثال استحاضہ، سلسل البول (پیشاب) سلسلۂ ریح (ہوا) ہے۔ حدث دائم میں رفع حدث کی نیت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ حدث جاری ہے اور رفع نہیں ہو سکتا۔ فقط استباحت یعنی حلال ہونے کی نیت صحیح ہوگی۔

دائم الحدث استباحت کی نیت سے وضو کرے تو اس کے لیے وہ سب باتیں مباح ہیں جو تیمّم والے کے لیے مباح ہیں۔ فرض کی استباحت کے لیے وضو کیا جائے تو فرض نماز پڑھی جا سکتی ہے لیکن مطلق نماز کی استباحت کے لیے وضو کیا جائے تو صرف نفل پڑھی جائے گی۔

مس مصحف مباح ہونے کے لیے نیت کی جائے تو نماز کے سوا دوسرے امور مباح ہیں۔ خطیب اور بجیرمی کا قول ہے کہ رفع اور مباح ہونے دونوں کی نیت کرنا مندوب ہے۔

رفع کی نیت کا تعلق گزرے ہوئے حدث سے ہوگا اور مباح کا تعلق جاری حدث سے۔

نیت طہارت حدث: ''نَوَيْتُ الطَّهَارَةَ عَنِ الْحَدَثِ'' میں نیت کرتا ہوں حدث سے طہارت کی۔

اس کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں: طہارت واجبہ، حدث کے لیے طہارت، حدث کی وجہ سے طہارت، ادائے فرض طہارت۔ طہارت بغرض نماز۔

طہارت کے ساتھ حدث کا لفظ نہ کہہ کر فقط طہارت کہا جائے تو کافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ حدث اور نجاست دونوں سے طہارت ہوسکتی ہے اور ان میں امتیاز لازمی ہے۔

فرض وضو کی نیت: ''نَوَيْتُ فَرْضَ الْوُضُوءِ'' میں فرض وضو کی نیت کرتا ہوں۔

وضو کی نیت: ''نویت الوضوء'' میں وضو کی نیت کرتا ہوں۔

ادائے فرض وضو کی نیت: ''نَوَيْتُ أَدَاءَ فَرْضِ الْوُضُوءِ'' میں نیت کرتا ہوں فرض وضو کے ادا کی۔

ادائے وضو کی نیت: ''نَوَيْتُ أَدَاءَ الْوُضُوءِ'' میں نیت کرتا ہوں وضو کے ادا کرنے کی۔

فقط وضو اور فقط ادائے وضو کی نیت اس لیے کافی ہے کہ اس سے مقصود حاصل ہوتا ہے۔ بخلاف غسل کے۔ جنابت کے لیے اور بغیر جنابت کے بھی غسل ہوسکتا ہے، لیکن وضو میں غیر وضو کا امکان نہیں ہے۔ آخری چاروں نیتیں وضو کی تجدید کرنے والے کے لیے صحیح ہیں۔

تجدید وضو: اس وضو کو کہتے ہیں جو حدث واقع ہوئے بغیر کیا جائے۔ تجدیدِ وضو کرنے والے کے لیے رفعِ حدث یا مباح ہونے کی نیت کافی نہیں ہے۔ تجدیدِ وضو کی طرح اس شخص کا وضو ہے جس کو جنابت ہوئی ہو اور حدث اصغر نہ ہوا ہو یعنی وضو نہ ٹوٹا ہو۔

۳۔ اشتراک نیت:

فرض وضو وغیرہ کی نیت کے ساتھ پاکی اور صفائی کی نیت شریک کی جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ امام غزالی کا قول ہے کہ عبادت کی نیت میں اگر دنیاوی نیت شریک ہو تو صرف اس صورت میں عبادت کا ثواب حاصل ہوگا جب کہ عبادت کی نیت دنیاوی نیت پر غالب

ہو۔اگر دونوں مساوی ہوں یا دنیاوی نیت غالب ہو تو کوئی ثواب نہ ملے گا۔

دنیاوی سے مراد وہ امور ہیں جو 'ریا' کے علاوہ ہیں، اس لیے کہ ریا کی صورت میں ثواب مطلقاً ختم ہو جاتا ہے۔حدیث قدسی میں ہے: ''أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ '' (مسلم میں اس حدیثِ قدسی کے الفاظ یہ ہیں: ''من عمل عملا أشرک فیه معی غیری ترکته وشرکه ''۔باب من أشرک فی عمله ۷٦٦٦، یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) کسی نے کوئی عمل کیا اور اس میں میرے غیر کو شریک کیا تو میں بری ہوں اور اس کی ذمہ داری اس پر ہے جس نے شریک کیا۔

۴۔دوامِ نیت:

ظاہر یہ ہے کہ وضو کے ختم تک نیت کا ساتھ ہونا واجب نہیں ہے، نیت کا خیال دل میں قائم رہے تو کافی ہے۔نیت کا دل میں حکمی طور پر قائم رہنا اس کو کہتے ہیں جب کہ نیت توڑنے کا ارادہ نہ کیا جائے اور کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جو نیت کے منافی ہو۔

۵۔تجزی نیت یعنی الگ الگ رکن کے لیے الگ الگ نیت

بجیرمی کا قول ہے کہ وضو کے اعضاء میں سے ہر ایک عضو کے دھونے کے ساتھ علحدہ نیت کی جائے تو صحیح ہے۔حدث پورے بدن کو لاحق نہیں ہوتا بلکہ فقط وضو کے اعضاء کو لاحق ہوتا ہے، اس لیے ہر عضو کا حدث اس کے دھونے کیساتھ ہی دور ہو جاتا ہے۔اس کے باوجود مکمل وضو کے بغیر دھوئے ہوئے عضو سے مصحف کو چھونا اس لیے جائز نہیں ہے کہ مصحف میں طہارت کاملہ شرط ہے، اس کے برخلاف نماز میں نیت کی تجزی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ نماز کے افعال متحد ہیں اور ان میں تفریق نہیں ہے۔

٦۔اقترانِ نیت یعنی نیت کا ملا ہوا ہونا

نیت کا اقتران چہرے کے دھونے کے ساتھ اس طرح ہو کہ چہرے کا وہ حصہ جو پہلے دھویا جا رہا ہو اس کے ساتھ نیت کی جائے۔اگر کوئی حصہ نیت سے پہلے دھویا گیا ہو تو اس کو پھر دہرایا جائے۔پورے چہرے کے دھونے تک نیت باقی رہنا ضروری نہیں ہے۔وہ نیت

بھی بے نتیجہ ہے جو چہرے کے دھونے کے قبل کی جائے یا بعد۔

وضو میں نیت کا وقت

چہرہ دھوتے وقت نیت کرنا: چہرے کا دھونا پہلا فرض ہے، اگر چہرے پر جبیرہ (پٹی) ہو تو چہرے کے مسح کے وقت نیت کی جائے۔ اگر چہرے کا کوئی حصہ نہ دھویا جا سکتا ہو اور نہ مسح کیا جا سکتا ہو تو دوسرے قریبی فرض یعنی ہاتھ دھونے کے وقت نیت کا اقتران ہونا چاہیے۔

چہرہ دھونا

ورے چہرے کا دھونا وضو کا دوسرا فرض ہے، آیت ﴿فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ﴾ پس دھولو اپنے چہروں کو۔

چہرے کا دھونا ضروری نہیں، دھل جائے یا ڈبو یا جائے تو بھی کافی ہے۔ دھونا بھی اپنے فعل سے ہو یا بغیر اپنے فعل کے۔ پانی کا بہنا ضروری ہے، پانی کا چھونا کافی نہیں، اس لیے کہ فقط پانی کا چھونا غسل نہیں کہلاتا، یہی حکم وضو کے دوسرے اعضاء کی نسبت بھی ہے، البتہ چہرے کے اندرونی حصہ کا دھونا واجب نہیں ہے۔ اندرونی حصہ جیسے منھ، ناک اور آنکھ ہیں۔

لمبائی میں چہرے کے دھونے کی حد؛ اوپر کے بالوں کے اگنے کے مقام سے نیچے داڑھی کے آخری حصہ تک ہے، داڑھی کا آخری حصہ بھی اس میں داخل ہے، داڑھی نچلے جبڑے پر ہوتی ہے اور جبڑے کا اگلا حصہ ٹھوڑی پر اور پچھلا حصہ کانوں کے پاس ختم ہوتا ہے۔

چوڑائی میں چہرے کے دھونے کی حد؛ دونوں کانوں کے درمیان ہے، کان کا چھوٹا سا تکونی حصہ جو رخسار سے لگا ہوا ہے اس حد میں داخل ہے۔

مرد کی داڑھی ایسی گھنی ہو کہ بالوں کے درمیان سے اندر کی جلد نظر نہ آتی ہو تو داڑھی کے بیرونی حصہ کا دھونا کافی ہے۔ داڑھی ایسی چھدری ہو کہ بالوں کے درمیان سے اندر کی جلد نظر آتی ہو تو جلد کا دھونا بھی واجب ہے۔

چہرے کو دھوتے وقت سر، گردن اور ٹھوڑی کے نیچے کا کچھ حصہ دھونا ایک عام اصول

کے تحت ضروری ہے۔ ''مَالَا یَتِمُّ الْوَاجِبُ إِلَّا بِهِ فَهُوَ وَاجِبٌ ''جس کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہوتی ہو وہ بھی واجب ہے۔

۳- ہاتھ دھونا

دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا واجب ہے۔ آیت: ''وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ '' یہاں ''اِلٰی'' کے معنی ''مع'' اور ساتھ کے ہیں اور اس آیت کے معنی ''تمہارے ہاتھ کہنیوں سمیت'' کے ہیں۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے اور اجماع بھی اسی پر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو چہرہ دھوتے، پھر سیدھا ہاتھ دنڈ کے شروع تک دھوتے پھر بایاں ہاتھ دنڈ کے شروع تک اور اسی طرح آخر تک دھوتے۔ (مسلم ۶۰۲: باب استحباب اطالۃ الغرۃ)

ہاتھ کے دھونے میں کہنی کا دھونا بھی داخل ہے۔

ناخن میں اتنا میل ہو کہ پانی نہ پہنچتا ہو تو اس کا نکالنا واجب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ قلیل مقدار میں معاف ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مطلق معاف ہے۔

۴- مسح

سر کے بعض حصہ کا مسح کرنا واجب ہے، آیت ﴿وَامْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ﴾ مسح کرو اپنے سروں کا۔

مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیشانی اور عمامہ پر ایک ساتھ مسح کیا تھا اور سر کے بعض حصہ پر اکتفا کیا تھا۔ (مسلم ۴۷ ۲)

سر کے بعض حصہ سے مراد سر کا کم سے کم حصہ ہے، سر کا وہ حصہ جو چہرے کے دھونے کے وقت دھویا جاتا ہے اس کو مسح کرنا کافی ہے۔ سر کے بعض حصہ میں سر کا کوئی بھی حصہ آسکتا ہے۔ پیشانی کے اوپر کے حصہ کا ہونا لازم نہیں ہے۔

مسح کا حکم مرد، عورت وغیرہ سب کے لیے ہے۔ سر کے حدود میں جو بال داخل ہیں ان میں سے بعض بالوں کا مسح بھی کافی ہے۔ مگر سر کے اس حصہ کے بالوں پر مسح کیا

جائے جو سر کے حدود کے اندر ہوں۔ بالوں کا وہ حصہ جو لٹک کر سر کے حدود سے خارج ہو جائے جیسے چوٹی وغیرہ، اس کا مسح کافی نہیں ہے۔

مسح سر کی جلد اور سر کے بال دونوں پر ہو سکتا ہے، مسح ہاتھ کے ذریعہ کرنا لازم نہیں ہے، کپڑے وغیرہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ مسح کے عوض سر کے بعض حصہ کو دھونا بھی کافی ہے لیکن افضلیت مسح میں ہے، گیلا ہاتھ بغیر حرکت کے سر پر رکھنا بھی کافی ہے، ہاتھ کو حرکت دینا لازم نہیں ہے، مسح سے مقصود نمی کا پہنچنا ہے، اس لیے اگر گرتے ہوئے مینھ کے نیچے سر آجائے تو بھی بغیر مسح کی نیت کے مسح ہو جائے گا۔

اختلاف: امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ سر کے چوتھائی حصہ کا مسح کرنا چاہیے۔ امام مالک کی رائے ہے کہ پورے سر کا مسح کرنا چاہیے، اور امام حنبل کی رائے ہے کہ سر کے چوتھائی حصہ سے زیادہ مسح کرنا چاہیے۔ حنبلیہ کے پاس مسح فرض ہے، واجب نہیں ہے، ان کے پاس فرض اور واجب میں یہ فرق ہے کہ فرض عمداً یا سہواً یا ناواقفیت کی صورت میں ساقط نہیں ہو سکتا اور واجب سہو اور ناواقفیت کی صورت میں ساقط ہو جاتا ہے۔

۵- پاؤں دھونا

دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا پانچواں فرض ہے۔ آیت ﴿وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدۃ ۶) اور تمہارے دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت۔

یہاں بھی ''اِلیٰ'' کے معنیٰ ''مع'' اور سمیت کے ہیں۔

دھونا ہی ضروری نہیں ہے، دھل جانا کافی ہے۔

بسا اوقات وضو ایک مقام پر کیا جاتا ہے اور دوسرے مقام پر پاؤں دھوئے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں نیت سے غفلت نہ کی جائے۔ اگر پاؤں کی صفائی کے خیال سے جگہ تبدیل کی گئی اور نیت سے غفلت کی گئی تو وضو کی نیت کے ساتھ پاؤں کو دوبارہ دھونا واجب ہے۔

موزوں کی موجودگی میں مسح پر اکتفا ہو سکتا ہے، لیکن پاؤں کا دھونا افضل ہے۔

وضو سے فارغ ہونے سے پہلے، اگر کسی عضو کے دھونے کی نسبت شک ہو تو اس عضو

کو اور اس کے بعد کے اعضاء کو بھی دھویا جائے۔ البتہ وضو سے فارغ ہونے کے بعد کسی عضو کے دھونے کی نسبت شک ہو تو اس شک کا کوئی اثر نہیں ہے، لیکن نیت کی نسبت شک ہو تو وضو سے فارغ ہونے کے بعد بھی اس کا اثر باقی رہے گا۔

٦- ترتیب

وضو کے اعضا کو اسی ترتیب سے دھویا جائے جس ترتیب سے کہ اوپر بیان کئے گئے ہیں، وضو کا چھٹا فرض ترتیب ہے۔

مسلم وغیرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی روایت کی ہے کہ آپ ہمیشہ ترتیب کے ساتھ وضو کرتے تھے۔ (مسلم ٢٤٦، یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے)

نسائی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حجۃ الوداع میں آپ سے سوال کیا گیا: ''أَنَبْدَأُ بِالصَّفَا أَمْ بِالْمَرْوَةِ ''؟ کیا ہم صفا سے شروع کریں یا مروہ سے۔ آپ نے فرمایا: اِبْدَؤُوا بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ۔ (مسند احمد: ١٥٢٨١۔ مسلم کی روایت میں ہے: ''أبدأ بما بدأ اللہ بہ''۔ باب حجۃ النبی ﷺ ٣٠٠٩، ابوداود میں 'نبدأ' ہے: باب صفۃ حجۃ النبی ١٩٠٧۔ یہ روایت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے) شروع کرو اس چیز سے جس سے کہ اللہ تعالی نے شروع کیا۔ یعنی تم اسی طرح اور اسی سلسلہ سے عمل کرو جس طرح کہ اللہ تعالی نے کلام مجید میں بیان فرمایا ہے۔ گو یہ حدیث حج کے بارے میں مروی ہے مگر اس کا مفہوم عام ہے۔

بعض فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ وضو کی عملی حدیث ابتدا کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور وہ چہرے کا دھونا ہے۔ لیکن اس کے بعد کے اعضا کے دھونے کی نسبت اس میں کوئی حکم نہیں ہے۔ علماء مالکیہ اور حنفیہ کی بحث یہ ہے کہ وضو کے افعال کے بیان کرنے میں آیت کلام مجید میں واو عطف استعمال کیا گیا ہے اور واؤ کے معنی میں ترتیب کا مفہوم نہیں ہے، اس لیے عدم ترتیب کی رائے انھوں نے ظاہر کی ہے۔

شافعیہ کی تاویل یہ ہے کہ حدیث شریف میں ''ابدؤا'' کے معنی ابتدا کرنے کے ہیں اور ابتداء، ابتدائے حقیقی اور ابتدائے اضافی دو طرح ہوسکتی ہے۔ وضو میں چہرے کے دھونے میں ابتدائے حقیقی ہے اور مسح سے پہلے ہاتھوں کے دھونے اور پاؤں کے دھونے

سے پہلے سر کا مسح کرنے میں ابتدائے اضافی ہے۔عرب کا دستور یہ ہے کہ ایک نوع کی چیزیں ایک سلسلہ سے بیان کی جاتی ہیں اوران کے درمیان دوسرے نوع کی چیزیں نہیں لائی جاتیں جب تک کہ اس میں کوئی خاص غرض نہ ہو۔

آیت زیر بحث میں ہاتھوں کے دھونے اور پاؤں کے دھونے کے درمیان سر کے مسح کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ترتیب واجب ہے۔ترتیب کے وجوب کے لیے یہ بھی قرینہ ہے کہ حدیث میں امر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ اس آیت میں وضو کے واجبات بیان کئے گئے ہیں اور ایک خاص ترتیب سے بیان کیے گئے ہیں، اس لیے جو ترتیب کہ اس آیت سے معلوم ہوگی وہ بھی واجب ہی ہوگی۔دوسرا نتیجہ یہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وضوئے مندوب میں ترتیب واجب نہیں ہے۔

کب ترتیب واجب ہے؟

اعضائے وضو کے دھونے میں ترتیب اسی صورت میں واجب ہے جب کہ حدث اکبر نہ ہو۔حدث اکبر ہو تو ترتیب کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے، اس لیے کہ حدث اکبر میں حدث اصغر شامل ہے۔بدن کے بعض حصہ کے دھونے سے پورے بدن کا دھونا قوی تر ہے۔

حدثِ اصغر اور جنابت دونوں ہوں اور غسل جنابت کیا جائے اور حدث اصغر دور کرنے کی نیت نہ بھی کی جائے تو حدثِ اصغر اور جنابت دونوں ختم ہو جائیں گے۔اگر جنابت دور کرنے کے لیے غسل کیا جائے تو اس میں وضو کے اعضاء میں ترتیب کا لحاظ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص رفعِ جنابت کے لیے غسل کرے اور پورے بدن کے دھونے اور فقط پاؤں کے باقی رہنے پر اس کو حدث ہو جائے اور وہ وضو کرے تو پاؤں کو پہلے یا آخر یا درمیان میں دھو سکتا ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ غسل جنابت میں پاؤں دھوئے گئے ہوں اور پھر وضو کیا جائے تو پاؤں کا دھونا واجب نہیں ہے۔

جس شخص کو حدث ہوا ہو اور وضو کی نیت سے پانی میں ڈوبے تو وضو ہو جائے گا، اگرچہ کہ پانی

کے اندر اتنی دیر ٹھہرا نہ جائے جس میں ترتیب کے حاصل ہونے کا امکان ہو۔لیکن یہ ضروری ہے کہ چہرہ گیلا ہوتے وقت نیت ساتھ ہو۔اس لیے کہ نیت چہرہ دھوتے وقت واجب ہے۔

رافعی نے یہ شرط لگائی ہے کہ پانی میں اتنی دیر ٹھہرا جائے کہ حقیقی ترتیب کا تصور ہو سکے۔لیکن نووی نے ایسی شرط نہیں لگائی ہے،اس لیے کہ حقیقی ترتیب کا محض اندازہ کرنا بے فائدہ عمل ہے۔

یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ کتے کی نجاست رفع کرنے کے لیے نجس شدہ چیز کو ٹھہرے ہوئے پانی میں محض ڈبو دینا کیوں کافی نہیں ہے اور کیوں اس کو سات مرتبہ پانی میں حرکت دینے کی ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وضو میں ترتیب صفتِ تابعہ ہے جو معاف ہو سکتی ہے اور کتے کی نجاست دھونے میں دھونے کی تعداد مقصود اصلی ہے اور مقصود اصلی چھوٹ جانے پر طہارت حاصل نہیں ہو سکتی۔

اگر ترتیب بھول جائے تو وضو نہ ہوگا،چاروں اعضائے وضو ایک ہی وقت میں دھوئے جائیں یا نیت کے ساتھ وضو کے پانی میں ڈوبے تو صرف چہرے کے دھونے کا فرض ادا ہوگا۔ اگر چاروں اعضائے وضو ایک ہی وقت میں چار مرتبہ دھوئے جائیں یا چار مرتبہ پانی میں ڈوبے تو ہر ایک مرتبہ میں ایک عضو کے دھونے کے حساب سے چاروں اعضائے وضو کا یکے بعد دیگرے دھل جانا متصور ہوگا اور وضو ہو جائے گا،سر دھونے سے سر کا مسح ہو جائے گا۔

شک : اگر وضو کے دوران یا وضو مکمل ہونے کے بعد یا نماز کی حالت میں وضو کی نیت کے بارے میں شک ہو،،تو شک کا اثر ہوگا،اگر نماز مکمل ہونے کے بعد شک پیدا ہو تو اس کا کوئی اثر نہ ہوگا،اس لیے کہ نماز کی ادائیگی کے بعد نماز کی کسی شرط کی نسبت شک کا کوئی اثر نہیں ہے،البتہ ایسے وضو سے کوئی دوسری نماز نہ پڑھی جائے گی۔

اگر وضو کے دوران کسی عضو کے دھونے کی نسبت شک ہو تو اس عضو کو دھویا جائے گا اور اس کے بعد کے اعضاء کو بھی دھویا جائے گا۔اگر وضو سے فارغ ہونے کے بعد شک ہو تو وہ شک اثر انداز نہ ہوگا۔

وضو کی سنتیں

وضو کی مندرجہ ذیل دس سنتیں ہیں:
۱۔تسمیہ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا
۲۔دونوں ہاتھ گٹھوں تک دھونا
۳۔مضمضہ یعنی کلی کرنا
۴۔استنشاق یعنی ناک میں پانی لے کر جھاڑنا
۵۔پورے سر کا مسح
۶۔کانوں کا مسح
۷۔داڑھی اور انگلیوں میں خلال کرنا
۸۔داہنے عضو کو بائیں سے پہلے دھونا
۹۔ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا
۱۰۔اور پے در پے دھونا
یہ سنتیں عام ہیں، وضو فرض ہو یا مندوب۔

سنتوں کی تعداد بعض نے پچاس تک گنائی ہے۔ابو شجاع نے اپنے متن میں دس سنتوں کا ذکر کیا ہے۔ان کو قلمبند کرنے کے بعد مزید سنتیں بیان کی جائیں گی۔

۱۔تسمیہ: یعنی نیت کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنا

نسائی نے حضرت انس سے اس حدیث کی روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تَوَضَّؤُوا بِسمِ اللّٰہِ''۔یعنی وضو کرو بسم اللہ کہہ کر۔(نسائی: باب التسمیۃ عند الوضوء ۷۸)

اس حدیث کا واقعہ یہ ہے کہ جنگ حدیبیہ کے موقع پر پانی نایاب تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

صحابہ سے فرمایا کہ کسی کے پاس تھوڑا بھی پانی ہو تو لائے، ایک صحابی نے تھوڑے سے پانی کی ایک چھاگل لائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا ہاتھ ڈبویا اور فرمایا: "تَوَضَّؤُوا بِسْمِ اللّٰہِ" آپ کی انگلیوں سے پانی اس افراط سے بہا کہ لوگوں نے وضو کیا۔ خود پانی پیئے اور جانوروں کو پلایا۔ (نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جید سند سے یہ روایت کی ہے ۱/۶۱)

تسمیہ واجب اس لیے نہیں ہے کہ وضو کے فرائض والی آیت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ دوسری روایت میں ہے: "لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ یُسَمِّ اللّٰہَ" اس شخص کا وضو نہ ہوگا جس نے خدا کا نام نہ لیا ہو۔ (ابوداود کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ"۔ باب التسمیۃ علی الوضوء ۱۰۲)

یہ حدیث ضعیف ہے یا اس سے مقصود کامل وضو کی نفی ہے، جیسا کہ ایک دوسری حدیث: "لَا صَلَاۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِی الْمَسْجِدِ" (مسجد کے ہم سائے کی نماز نہیں ہوتی سوائے مسجد کے) سے مراد کامل نماز ہے۔ (سنن الدارقطنی ج۲/۲۹۲، یہ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ السنن الکبری للبیہقی میں یہ روایت علی رضی اللہ عنہ سے ہے: باب ما جاء من التشدید فی ......۱۳۹)

تسمیہ سے پہلے تعوذ بھی سنت ہے۔ تعوذ یہ ہے: "أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے حضور شیطان رجیم سے۔

تسمیہ کے بعد اس دعا کا اضافہ بھی سنت ہے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَنِعْمَتِہٖ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ الْمَاءَ طَھُوْرًا وَالْإِسْلَامَ نُوْرًا۔ رَبِّ أَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَأَعُوْذُ بِكَ رَبِّ أَن يَّحْضُرُوْنِ" اسلام پر اللہ کا شکر ہے اور اس کی نعمت پر۔ شکر ہے اللہ کا جس نے پانی کو پاک اور اسلام کو نور بنایا۔ پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں شیاطین کی لغزشوں (وسواس) سے اور میں پناہ مانگتا ہوں پروردگار! تجھ سے کہ وہ میرے پاس پہنچیں۔

تسمیہ آہستہ آواز سے کہنا بھی سنت ہے۔ تسمیہ وضو میں سنت عین (سنت عین سے مراد یہ ہے کہ جو بھی وضو کرے تو اس کے لیے بسم اللہ کہنا مسنون ہے) ہے۔ کھانے میں سنت کفایہ (اس سے

مراد یہ ہے کہ کھاتے وقت اگر جماعت میں سے ایک آدمی بسم اللہ کہے تو کافی ہے، سنت ادا ہو جائے گی)۔

شیطان کے وسوسوں کو دور کرنے کی دعا

امام شافعی سے روایت ہے کہ وضو کرتے وقت یا دیگر حالات میں شیطان کے وسوسوں کو دور کرنے کے لیے اپنے سیدھے ہاتھ کو سینے کے بائیں جانب جہاں دل ہے رکھے اور ''سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْخَلَّاقِ الْفَعَّالِ ''۔سات مرتبہ کہے اور پھر کہے۔''إِن يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ''(فاطر۱۶۔۱۷) پاک ہے وہ بادشاہ جو بڑا ابزرگ ہے اور بڑا پیدا کرنے والا اور بڑا کام کرنے والا ہے، اگر وہ چاہے تو تم کو نکال دے اور نئی مخلوق کو لائے اور یہ اللہ تعالی کے لیے دشوار نہیں ہے۔

تسمیہ کہنے کا وقت

تسمیہ کہنے کا موقع وضو میں دونوں ہاتھ دھوتے وقت ہے، تسمیہ کہتے وقت دل میں سنن وضو کی نیت کرنا بھی سنت ہے، تا کہ دل، زبان اور عضاء میں اتحاد عمل ہو۔ دل نیت میں، زبان تسمیہ میں اور اعضاء دھونے کے عمل میں بیک وقت مصروف ہوں۔ پھر اس کے بعد زبان سے نیت کے الفاظ کہنا چاہیے: ''نَوَيْتُ سُنَنَ الْوُضُوْءِ ''میں وضو کی سنتوں کی نیت کرتا ہوں۔ ابتدائی نیت کی حالت میں یہ الفاظ زبان سے اس لیے نہیں کہے جا سکتے کہ زبان تسمیہ میں مشغول رہتی ہے۔

تسمیہ وضو کی قولی اور داخلی سنت ہے اور دعا قولی اور خارجی سنت ہے جو وضو کے ختم ہونے کے بعد کہی جاتی ہے...... وضو میں فعلی اور خارجی سنت اس قول کے مطابق مسواک ہے جس کی رو سے مسواک کا موقع ہاتھ دھونے سے قبل ہے۔ فعلی داخلی سنت ہاتھوں کا دھونا ہے، خارجی اور آخری سنت وضو کے ختم پر قبلہ رو ہو کر دعا پڑھنا ہے۔ اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ وضو میں سنن فعلیہ کی تین حالتیں ہیں؛ متقدمہ (پہلے کی جانے والی)، متاخرہ (بعد میں کی جانے والی) اور داخلہ (یعنی اندرونی)۔ اور سنن قولیہ کی صرف دو حالتیں ہیں۔

اقل تسمیہ بسم اللہ ہے اوراس سے اصل سنت کی تکمیل ہوجاتی ہے،لیکن کسی ذکر وغیرہ سے اس کی تلافی نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ خاص طور پرتسمیہ کے لیے حکم ہے۔ اکمل تسمیہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہے۔ یہ ہر شخص کہہ سکتا ہے، اگر چہ کہ جنابت، حیض یا نفاس کی حالت میں ہو، مگر اس سے ارادہ ذکر کا رکھتا ہو جیسا کہ ان حالتوں میں کسی سنت عمل کے لیے وضو کیا جاتا ہے۔

احکام تسمیہ:

ہر اہم کام کے لیے تسمیہ سنت ہے۔ اہم کام یا تو فقط عبادت کے طور پر کیا جائے گا جیسا کہ غسل اور ذبح۔ یا ایسا کام ہوگا جس سے کبھی عبادت مقصود ہوگی اور کبھی بطور عادت کیا جائے گا جیسا کہ غسل اور ذبح۔ تلاوت میں کسی سورے کا درمیانی حصہ بھی داخل ہے۔ ذبح میں بھی وضو کی طرح اقل اور اکمل تسمیہ ہے اور اکمل کو فضیلت ہے۔

علامہ علی الاجھوری کا قول ہے کہ الرحمٰن الرحیم کی صفات چوں کہ فعلِ ذبح کے متضاد ہیں، اس لیے ان الفاظ کو ذبح میں نہ کہا جائے۔

جماع کے وقت تسمیہ

جماع میں تسمیہ فقط آغاز میں سنت ہے اور اثنائے جماع میں تسمیہ اور گفتگو دونوں مکروہ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی روایت کی ہے: "إِذَا جَامَعَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَنْظُرْ إِلَى الْفَرْجِ فَإِنَّهُ يُوْرِثُ الْعَمٰى وَإِذَا جَامَعَ أَحَدُكُمْ فَلَا يُكْثِرُ الْكَلَامَ فَإِنَّهُ يُوْرِثُ الْخَرَسَ" ۔(فوائد أبی یعلی الخلیلی ۴ص ۱/ ۵،فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۵۵۱، ص ۱/ ۴۱۹۔ یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) اگر تم میں سے کوئی مجامعت کرے تو شرمگاہ کی طرف نظر نہ کرے اس لیے کہ اس سے آنکھوں کی بینائی زائل ہوتی ہے اور اگر تم میں سے کوئی مجامعت کرے تو زیادہ بات چیت نہ کرے اس لیے کہ اس سے گونگا پن پیدا ہوتا ہے۔

تسمیہ کب حرام، مکروہ اور مباح ہے؟

فعل حرام کے ارتکاب کے وقت تسمیہ حرام ہے جیسا کہ زنا اور شراب نوشی میں۔ اسی طرح فعل مکروہ کے ارتکاب کے وقت تسمیہ مکروہ ہے۔

دوسرے کاروبار میں جو مباح ہیں اور جس میں کوئی شرف نہیں ہے تسمیہ بھی مباح ہے۔

تسمیہ بھول جائے

اگر تسمیہ شروع وضو میں بھول جائے یا عمداً چھوڑ دے تو اثنائے وضو میں جب کبھی یاد آئے تو یہ کہے: ''بِسْمِ اللّٰہِ أَوَّلَهُ وَ آخِرَهُ'' (اللہ تعالی کے نام سے شروع میں اور آخر میں) کھانے کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔

ترمذی نے اس حدیث کی روایت کی ہے: "**إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَإِنْ نَسِيَ أَن يَّذْكُرَ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ**"۔ (مستدرک حاکم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''إذا أكل أحدكم طعاما فليقل بسم الله، فإن نسي في أوله، فليقل بسم الله في أوله و آخره''۔ یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ ۷۰۸۷) جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اس کو چاہیے کہ اللہ تعالی کا نام لے، اگر اول وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے تو کہے: ''بسم الله أوله و آخره''۔

کھانے کے متعلق جو حکم ہے اس پر وضو کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے اور جو حکم بھولنے کی صورت میں ہے اس پر عمداً کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

وضو سے فارغ ہونے پر تسمیہ کے سنت ہونے کا حکم بھی برخاست ہو جاتا ہے۔ رملی کا قول ہے کہ اعضائے وضو کے دھو لینے کے بعد وضو سے فراغت ہو جاتی ہے، لیکن زیادی اور شبراملی نے کہا ہے کہ وضو کے توابع سے فراغت پانے کے بعد وضو سے فراغت تصور کی جائے گی۔ وضو کے بعد کی دعا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سورۃ ''إنا أنزلنا'' کی تلاوت وضو کے توابع میں داخل ہیں۔ بخلاف اس کے کھانے میں یہ حکم ہے کہ کھانا ختم ہو جانے کے

بعد بھی تسمیہ کہنا سنت ہے تاکہ کھائی ہوئی غذا کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھا جائے۔

۲۔ ہاتھ دھونا

دونوں ہاتھوں کا پانی میں ڈبونے سے قبل دھونا مسنون ہے۔ ایسے برتن میں ہاتھ ڈبونے سے قبل جس میں قلتین سے کم پانی ہو۔

دونوں ہاتھ پہونچے تک تین مرتبہ دھونا چاہیے، البتہ شرط یہ ہے کہ ہاتھوں کی طہارت کی نسبت شبہ ہو۔

ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ہاتھ ڈبونے میں کراہت ہے، اگر ہاتھوں کی طہارت کی نسبت یقین ہو تو ہاتھ ڈبونے میں کوئی کراہت نہیں۔ ہاتھوں کا دھونا سنت ہے اگرچہ کہ ہاتھوں کی طہارت کی نسبت یقین ہو یا یہ کہ وضو چھاگل یا بدنی (ٹوٹی دار لوٹا) سے کیا جا رہا ہو۔

ہاتھوں کی طہارت کی نسبت شک ہو اور پانی کی مقدار قلتین سے کم ہو یا کوئی دوسرا مائع (پتلی چیز) ہو اور زیادہ ہو تو پانی کے برتن میں ہاتھ ڈبونے سے قبل ہاتھوں کا تین مرتبہ دھونا سنت ہے اور بغیر دھوئے ہاتھوں کا ڈبونا مکروہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يُغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَإِنَّهُ لَا يَدْرِيْ أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ"۔ (مسلم: باب کراھۃ غمس المتوضئ ۶۶۵، یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو تین مرتبہ ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ہاتھ نہ ڈبوئے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ رات میں اس کا ہاتھ کہاں رہا۔

نیند کی حالت میں ہاتھ کے نجس ہونے کا احتمال ہے۔ اگر کوئی شخص سوئے نہیں مگر ہاتھ کے نجس ہونے کا گمان کرے تو بھی اس حکم میں داخل ہے۔ کھانے کی مرطوب چیزیں بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ یہ حکم ہاتھوں کی طہارت کی نسبت شک ہونے کی صورت میں ہے، مگر ہاتھوں کے نجس ہونے کی نسبت یقین ہو تو دھوئے بغیر پانی کے برتن میں ہاتھ ڈبونا حرام ہے۔

کم پانی کی قید کی وجہ سے کثیر پانی اس حکم سے خارج ہو جاتا ہے اور اس میں ہاتھ

ڈبونے میں کراہت نہیں ہے جیسا کہ نووی نے لکھا ہے۔ بیجوری نے صراحت کی ہے کہ اس حکم میں دو مستقل مسئلے بیان کئے گئے ہیں اور یہ دونوں مسئلے ایک جگہ جمع بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ کسی برتن میں پانی کم ہو اور ہاتھوں کی طہارت کی نسبت تردد ہو تو سنت کا اکمل طریقہ یہ ہے کہ برتن میں ہاتھ ڈبونے سے پہلے طہارت کے تردد کو دور کرنے کے لیے ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا جائے اور پھر وضو کے لیے تین مرتبہ، ورنہ معمولی طور پر دونوں سنتوں کی تکمیل تین مرتبہ ہاتھ دھونے سے ہو جاتی ہے۔

بہر حال اس بارے میں تین حالتیں ہو سکتی ہیں:

ہاتھوں کی طہارت کی نسبت تردد ہو یا ہاتھوں کے نجس ہونے کی نسبت یقین ہو یا ہاتھوں کی طہارت کی نسبت یقین ہو۔

ہاتھوں کو مضمضہ سے قبل دھونا چاہیے اور یہ ترتیب مستحق ہے، نہ کہ مستحب۔

متسحق اس کو کہتے ہیں جس میں سنت کے حصول کے لیے تقدیم شرط ہو جیسا کہ دھونے کو مضمضہ پر تقدیم ہے۔ پس اگر مضمضہ پہلے کیا گیا اور ہاتھ بعد میں دھوئے گئے تو ہاتھوں کا دھونا بیکار رہا اور اس کا کوئی ثواب نہ ملا۔

مستحب :اس کو کہتے ہیں جس میں تقدیم شرط نہ ہو بلکہ صرف مستحب ہو جیسا کہ داہنے عضو کی تقدیم بائیں عضو پر۔ اس میں اگر مقدم کو موخر کیا گیا تو بھی جائز ہے۔

۳۔ مضمضہ

یعنی منہ میں پانی لینا مسنون ہے۔ مضمضہ کا محل ہاتھ دھونے کے بعد ہے، مضمضہ کے لیے منہ میں پانی لینا کافی ہے، پانی کا منہ میں پھیرنا اور غرغرہ کرنا لازم نہیں ہے لیکن یہ طریقہ اکمل ہے۔

مضمضہ اور استنشاق دونوں کو وقتِ واحد میں ایک ساتھ تین چلو پانی سے کرنا علحیدہ پانی لے کر کرنے کے مقابلہ میں افضل ہے۔ پانی کا سیدھے ہاتھ کے چلو میں لینا سنت ہے۔ منہ میں پانی پھیرنا اور کلی کرنا، دانتوں پر انگلی کا پھیرنا بھی سنت ہے۔ مضمضہ کی تقدیم

استنشاق پر مستحق ہے، نہ کہ مستحب جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے۔

مبالغہ: مضمضہ میں مبالغہ کرنا مندوب ہے بشرطیکہ روزے سے نہ ہو۔ روزے کی حالت میں مضمضہ میں مبالغہ مکروہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "إِذَا تَوَضَّأْتَ فَابْلِغْ فِی الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ مَا لَمْ تَكُنْ صَائِمًا" (مذکورہ الفاظ کے ساتھ روایت نہیں ملی، البتہ مسند احمد میں لقیط ابن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''إذا توضأت فأبلغ فی الاستنشاق مالم تک صائما ''۱۶۴۳۰)۔ جب تم وضو کرو تو مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ کرو جب کہ روزے سے نہ ہو۔

مضمضہ میں مبالغہ یہ ہے کہ پانی کو حلق کے انتہائی حصہ تک اور دانتوں اور مسوڑوں کے دونوں جانب پہنچائے۔

اختلاف: مضمضہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک واجب ہے۔

۴۔ استنشاق:

یعنی ناک میں پانی لینا مسنون ہے۔ استنشاق کا محل مضمضہ کے بعد ہے۔ ناک میں پانی لینا کافی ہے۔ پانی کو ناک کے چکڑوں میں کھینچنا اور چھینکنا اکمل طریقہ ہے۔ مضمضہ اور استنشاق دونوں کو ایک ساتھ تین چلو پانی سے کرنا علیحدہ پانی لینے کے مقابلہ میں افضل ہے۔ مضمضہ سے استنشاق افضل ہے۔ اس لیے کہ ابوثور نے جو ائمہ شافعیہ میں سے ہیں، استنشاق کو واجب کہا ہے۔ ناک کے اندر کے میل وغیرہ کو صاف کرنا اور نکالنا بھی سنت ہے۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَمَضْمَضُ ثُمَّ يَسْتَنْشِقُ فَيَسْتَنْثِرُ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهِ وَخَيَا شِيْمِهِ ۔ (مسلم کی روایت میں جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں: ''ما منكم رجل يقرّب وضوءه فيتمضض ويستنشق فيستنثر، إلا خرت خطايا وجهه وفيه و خياشيمه ''۔ یہ روایت ابوامامہ، عکرمہ رضی اللہ عنہ سے کرتے ہیں ۱۹۶۷۔ باب اسلام عمرو بن عبسۃ) تم میں سے جو کوئی مضمضہ

اور استنشاق کرتا ہے اور ناک صاف کرتا ہے تو اس کے چہرے اور نکپڑوں کے صغیرہ گناہ ساقط ہوجاتے ہیں۔

یعنی محرمات جو کان سے سنے تھے یا ناک سے سونگھے تھے۔

ہاتھ دھونے، مضمضہ اور استنشاق کے سنت قرار دینے میں حکمت یہ ہے کہ پانی کی صفات؛ رنگ بواور ذائقہ معلوم ہوں۔

مضمضہ اور استنشاق کو ایک ساتھ کرنے کی صورتیں

مضمضہ اور استنشاق کو ایک ساتھ کرنے کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ایک چلو پانی سے پہلے منھ میں پانی لیا جائے اور پھر ناک میں، اسی طرح دوسرے اور تیسرے چلو سے اور یہی افضل ہے۔

۲۔ایک ہی چلو پانی سے پہلے تین دفعہ مضمضہ اور پھر تین دفعہ استنشاق کیا جائے۔

۳۔ایک ہی چلو پانی سے مضمضہ اور پھر استنشاق کیا جائے اور اسی پانی سے دوبارہ اور سہ بارہ مضمضہ اور استنشاق کیا جائے۔

الگ الگ کرنے کی صورتیں

مضمضہ اور استنشاق کو الگ الگ کرنے کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ایک چلو پانی سے تین مرتبہ مضمضہ کیا جائے اور پھر دوسرے چلو پانی سے تین مرتبہ استنشاق کیا جائے۔ الگ الگ کرنے میں یہی صورت افضل ہے۔

۲۔ایک چلو پانی سے ایک مرتبہ مضمضہ اور پھر دوسرے چلو پانی سے ایک مرتبہ استنشاق کیا جائے، اسی طرح چھ چلو پانی لیا جائے۔

۳۔تین چلو پانی سے تین مرتبہ مسلسل مضمضہ کیا جائے اور اس کے بعد اور تین چلو پانی سے تین مرتبہ استنشاق کیا جائے۔

مبالغہ: استنشاق میں مبالغہ سنت ہے، بشرطیکہ روزے سے نہ ہو، استنشاق میں مبالغہ

اس طرح ہوگا کہ پانی کو ناک کے سوراخوں میں سانس کھینچ کر چڑھایا جائے اور سانس چھوڑ کر چھینکا جائے اور ناک کی ریزش اور ریٹھ وغیرہ بائیں ہاتھ کی کن انگلی سے صاف کی جائے۔

اختلاف: امام احمد کے پاس استنشاق واجب ہے۔

۵۔ مسح:

پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔ بعض حصہ سر کا مسح کرنا تو فرض میں داخل ہے۔ پورے سر کے مسح کو امام شافعی نے مندوب اس لیے قرار دیا ہے کہ امام مالک اور امام احمد نے پورے سر کے مسح کو واجب قرار دیا ہے۔ فرائض میں اس کی تفصیل آ چکی ہے کہ سر کے ایک قلیل جزء کا مسح فرض ہے، اس لیے اس جزء کے علاوہ جو حصہ رہتا ہے اس حد تک مسح مسنون ہوگا۔

پورے سر کے مسح کی طرح رکوع اور سجود کی طوالت میں بھی ایک حد تک فرض کا تصور اور باقی کی نسبت سنت کا تصور ہوتا ہے۔

اصل قاعدہ یہ ہے کہ جن امور میں تجزی (اجزاء اور حصوں میں تقسیم) ہوسکتی ہے وہاں فرض اور سنت کا امتیاز ہوگا اور جہاں تجزی نہیں ہوسکتی وہاں فرض کی شرکت کی وجہ سے پورا عمل فرض میں شمار ہوگا جیسا کہ زکاۃ کا اونٹ جس کے لیے ۲۵ کی تعداد مقرر ہے، اگر اس تعداد سے کم کے لیے ایک اونٹ زکاۃ دیا جائے تب بھی پورا اونٹ زکاۃ کے فرض میں شمار ہوگا۔

مسح کا طریقہ:

مسح کا سنت اور افضل طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو سر کے اگلے حصہ پر اس طرح رکھا جائے کہ ایک ہاتھ کی شہادت کی انگلی دوسرے ہاتھ کی اسی انگلی سے ملے اور دونوں انگوٹھے دونوں کنپٹیوں پر رہیں اور اس حالت میں دونوں ہاتھوں کو سر کے اوپر سے ہستے ہوئے سر کے پیچھے لے جائے اور پھر اسی طرح ہاتھوں کو واپس لوٹائے بشرطیکہ سر میں بال اس قدر بڑے ہوں کہ ہاتھوں کی واپسی کے وقت پلٹ سکتے ہوں۔ ہاتھوں کا لے جانا اور پلٹانا ایک ہی مسح کی تعریف میں داخل ہوگا، اگر بال اتنے ہوں کہ پلٹتے نہ ہوں تو ہاتھوں کے

پلٹانے کی بھی ضرورت نہیں۔ اس پر بھی اگر ہاتھوں کولوٹایا جائے تو دوسری دفعہ کے مسح میں شمار نہ ہوگا۔ زلفیں سر کی حد سے متجاوز ہوں تو بھی ان کا مسح کرنا سنت ہے۔

عمامہ : سر سے عمامہ وغیرہ نہ نکالنا چاہے تو اس کے اوپر سے بھی مسح ہوسکتا ہے۔ مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور پیشانی پر مسح کیا اور عمامہ پر بھی۔ (مسلم: باب المسح علی الناصیۃ، یہ روایت ابن مغیرہ رضی اللہ عنہ سے ہے ۶۵۹)

عمامہ پر مسح کے لیے ضروری نہیں ہے کہ عمامہ کے علحدہ کرنے میں کوئی محنت اور مشقت ہو۔ بغیر کسی مشقت کے عمامہ علحدہ کرنا ممکن ہو تو بھی عمامہ پر مسح ہوسکتا ہے۔ فرض مسح کا حکم جداگانہ ہے اور فرض مسح عمامہ پر نہیں ہوسکتا۔ عمامہ کی قید نہیں ہے، سر کا ہر ایک لباس اس حکم میں داخل ہے۔

شرائط: عمامہ پر مسح کے لیے پانچ شرطیں ہیں:

۱۔ سر کے اس حصہ کا پہلے مسح کیا جائے جو واجب ہے اور اس کے بعد عمامہ پر مسح کیا جائے، اگرچہ کہ خطیب نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

۲۔ سر کے جس حصہ کا مسح کیا گیا ہے اسی کے محاذی عمامہ کا مسح نہ کرے اس لیے کہ عوض ومعوض (جس کا بدل ہو رہا ہو) جمع نہیں ہوسکتے، معتمد یہ ہے کہ یہ شرط نہیں ہے۔

۳۔ پورے عمامہ کا مسح کرنا اکمل طریقہ ہے۔ سر کے واجب حصہ کے مسح کے بعد ہاتھوں کو نہ اٹھایا جائے بلکہ اسی سلسلہ میں عمامہ پر مسح کیا جائے۔ ہاتھوں کے اٹھانے کے بعد جدید پانی لینے کی حاجت ہوگی۔

۴۔ عمامہ کے پہننے میں کوئی عصیان نہ ہو جیسا کہ بحالت احرام عمامہ پہننا حرام ہے۔

۵۔ عمامہ پر کوئی معفو عنہا نجاست نہ ہو۔

۶۔ مسح:

کانوں کے دونوں جانب جدید پانی سے پورے کانوں کا مسح سنت ہے۔ دونوں جانب سے مراد کانوں کے اندر اور باہر۔ جدید پانی سے مراد سر کے مسح کے گیلے ہاتھ سے

نہیں۔ کانوں کا مسح سر کے مسح کے بعد ہے اور حصول سنت کے لیے تاخیر شرط ہے اور یہ تاخیر مستحق ہے۔ سر سے پہلے اگر کانوں کا مسح کیا گیا تو سنت حاصل نہ ہوگی۔

پورے کان کا مسح کمالِ سنت ہے، ورنہ کانوں کے فقط بعض حصہ کے مسح سے افضل سنت حاصل ہو جاتی ہے۔

چوں کہ کان بھی مستقل اعضاء میں سے ہیں اس لیے ان کا مسح مستقل طور پر مقصود ہے۔ یہ اعتبار کرتے ہوئے کہ کان چہرے میں شامل ہیں چہرے کے ساتھ کانوں کا دھونا بھی سنت ہے، یہ اعتبار کرتے ہوئے کہ کان سر میں شامل ہیں سر کے ساتھ کانوں کا مسح بھی سنت ہے اور چوں کہ کان مستقل اعضاء میں شمار کیے جاتے ہیں اس لیے مستقل طور پر ان کا مسح بھی سنت ہے۔

گردن کا مسح سنت نہیں بلکہ بدعت ہے اور جو حدیث گردن کے مسح کی نسبت ہے موضوع ہے۔ مسح کے لیے جدید پانی لینا سنت کا اکمل طریقہ ہے۔

طریقہ : مسح میں سنت طریقہ یہ ہے کہ دونوں کلمہ کی انگلیاں دونوں کانوں کے سوراخوں میں رکھی جائیں اور کانوں کی شکنوں میں پھیری جائیں اور اس کے ساتھ ہی انگوٹھوں کو کانوں کے باہر کے حصہ پر پھیرا جائے اور اس کے بعد گیلی ہتھیلی کانوں پر رکھی جائے۔ یہ سنت کی ادائی کا کامل طریقہ ہے، مگر اس طریقہ کا لزوم نہیں ہے۔ کسی اور طریقہ سے بھی مسح کیا جائے تو سنت حاصل ہوتی ہے۔ کان کے سوراخ میں پوری انگلی نہیں بلکہ انگلی کے سرے کے پہنچانے کی ضرورت ہے۔

عربی میں انگلیوں کے نام یہ ہیں:

انگوٹھا، اس کو عربی میں **إِبْهَام** کہتے ہیں۔

انگوٹھے کے بازو کی انگلی جس کو ہم کلمہ کی انگلی کہتے ہیں اس کو عربی میں **مُسَبِّحَةٌ**، **سَبَّابَةٌ** اور **شَاهِدُ** کہتے ہیں۔

کلمہ کی انگلی کے بعد **وُسْطیٰ**، اس کے بعد **بِنْصَرُ** اور پھر **خِنْصَرُ** یعنی کن انگلی۔

دمیری نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی **سبابۃ** سب سے بڑی اور لمبی تھی اور

اس سے کم **وسطی**، اس سے کم **بنصر** اور سب سے کم **خنصر**۔

۶۔خلال:

گنجان داڑھی میں اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا مسنون ہے۔ گنجان داڑھی میں تین انگلیوں سے خلال کیا جائے۔

چہرے کو تین مرتبہ دھونے کے بعد یا ہر ایک مرتبہ دھونے کے بعد خلال ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ ابن حجر کا قول ہے، اگر داڑھی خفیف ہوتو خلال واجب ہے بشرطیکہ خلال کے بغیر داڑھی کے بالوں کے اندر کے حصہ میں پانی نہ پہنچ سکتا ہو، ورنہ مندوب ہے۔

طریقہ : خلال کا طریقہ یہ ہے کہ انگلیاں داڑھی کے نچلے حصہ سے داخل کی جائیں اور افضل یہ ہے کہ سیدھے ہاتھ کی انگلیاں ہوں۔اسی طریقہ پر موقوف نہیں ہے، دوسرے طریقہ سے بھی پانی پہنچ جائے تو کافی ہے۔

ہاتھ کی انگلیوں کی خلال تشبیک سے یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے علی الترتیب ملانے سے ہوتی ہے۔ مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے شخص کو ہاتھ کی انگلیوں کی تشبیک کرنا مکروہ ہے۔

پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی کن انگلی کو داہنے پاؤں کے کن انگلی کے نیچے ڈالا جائے اور اسی سلسلہ سے بائیں پاؤں کی کن انگلی پر ختم کیا جائے، پاؤں کی انگلیوں کا خلال اوپر سے بھی ہوسکتا ہے، مگر نیچے سے افضل ہے، خلال ہی پر موقوف نہیں، پاؤں کی انگلیوں میں پانی کا پہنچانا واجب ہے۔

تین مرتبہ خلال کرنا بھی مندوب ہے جیسا کہ بیہقی نے عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے وضو کیا اور اپنے پاؤں کی انگلیوں میں تین تین مرتبہ خلال کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ (مسند بزار میں یہ روایت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے ہے ۴۴۸۸، اس میں پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا تذکرہ ہے)

بجیرمی نے لکھا ہے کہ جب ہر ایک طہارت کا عمل تین مرتبہ کرنا مندوب ہے تو خلال

بھی مندوب ہے، اس کے علاوہ جملہ امور کو بشمول خلال بیان کرنے کے بعد تثلیث (تین مرتبہ کرنے) کا حکم درج ہے، اس لیے بھی خلال تخلیل کی تثلیث مندوب ہے۔

۷۔ تیامن یعنی داہنے کو بائیں سے پہلے دھونا

داہنے عضو کو بائیں سے پہلے دھونا مسنون ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَؤُوا بِمَيَامِنِكُمْ'' (ابن ماجہ ۴۰۲، یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) جب تم وضو کرو تو داہنی جانب سے ابتدا کرو۔

داہنے ہاتھ اور پاؤں کو بائیں ہاتھ اور پاؤں سے پہلے دھویا جائے۔ موزوں پر مسح میں بھی اسی طرح عمل کیا جائے۔ ایک ساتھ دھونے میں آسانی ہو جیسا کہ کوئی شخص پانی میں ہو تو بھی داہنے ہاتھ اور پاؤں کو بائیں ہاتھ اور پاؤں سے پہلے دھویا جائے۔

ایسے اعضاء کو جن کے ایک ساتھ دھونے میں سہولت ہے تو تقدیم اور تاخیر کا لحاظ کئے بغیر دونوں کو ایک ہی ساتھ دھونا سنت ہے اور داہنے کی تقدیم مسنون نہیں ہے جیسا کہ دونوں ہاتھ اور دونوں کان۔ بعض نے کہا ہے کہ ان دونوں صورتوں میں تقدیم مکروہ ہے اور بعض نے خلاف اولی ظاہر کیا ہے۔ اگر کوئی صورت ایسی ہو کہ بغیر ترتیب کے دھونا ممکن نہ ہو جیسا کہ چھاگل سے پانی گرانا ہو تو داہنے عضو کی تقدیم مسنون ہو گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان امور میں جن میں کسی قسم کا شرف ہوتا داہنے سے شروع فرماتے تھے جیسا کہ غسل کرنے، لباس پہننے، سرمہ لگانے، ناخن اور مونچھ کاٹنے، بغل کے بال نکالنے، سر مونڈھنے، مسواک کرنے اور مسجد میں داخل ہونے میں، بیت الخلاء سے نکلنے، کھانے پینے، مصافحہ کرنے، حجر اسود اور رکن یمانی کو بوسہ دینے، اور لین دین میں۔ اس کے مخالف امور میں، جن میں کوئی شرف نہ ہوتا یا خفت ہوتی بائیں سے ابتدا فرماتے تھے جیسا کہ بیت الخلاء میں داخل ہونے، لباس اتارنے، اور غلاظت کے دور کرنے میں۔ آپ نے اس کے برعکس عمل کرنے کو مکروہ تصور فرمایا۔

۸۔تثلیث یعنی تین تین بار کرنا

جملہ طہارت تین تین بار کرنا مسنون ہے۔طہارت میں دھونا اور مسح کرنا دونوں داخل ہیں اوران دونوں میں تین تین بار عمل کرنا مسنون ہے۔چہرہ اور ہاتھ؛ دھونے کے اعضاء ہیں،سراور جبیرہ (زخم کی پٹی) مسح کے اعضاء ہیں اور عمامہ پر بھی مسح ہوتا ہے۔

موزوں پر مسح میں تثلیث مسنون نہیں ہے، تاکہ موزے پانی کے بار بار لگنے سے خراب نہ ہوں۔زرکشی کی رائے ہے کہ موزوں کی طرح جبیرہ اور عمامہ کے لیے بھی تثلیث نہیں ہے۔لیکن معتمد یہ ہے کہ موزوں میں تثلیث مندوب نہیں ہے اور عمامہ اور جبیرہ کی تثلیث مندوب ہے۔نیت،تسمیہ اور دعا میں تثلیث نہیں ہے۔

بہتے ہوئے پانی میں تین مرتبہ کسی عضو کے گزارنے سے، اور رکے ہوئے پانی میں تین مرتبہ حرکت دینے سے تثلیث حاصل ہوتی ہے۔

تین سے زیادہ مرتبہ یا تین سے کم مرتبہ طہارت کرنا مکروہ ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین مرتبہ وضو کیا اور فرمایا: ”**هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا أَوْ نَقَصَ فَقَدْ أَسَاءَ وَظَلَمَ**“۔(ابوداود ۱۳۵) وضو اس طرح ہوتا ہے، پس جس نے اس سے زیادہ کیا یا کم کیا اس نے بُرا کیا اور ظلم کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواز کے اظہار کے لیے وضو ایک ایک اور دو دو مرتبہ کیا تھا۔(ایک ایک مرتبہ وضو کرنے کی روایت بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے: باب الوضوء مرة مرة ۱۵۷۔دو دو مرتبہ کی روایت بخاری ہی میں عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ”**أن النبی ﷺ توضأ مرتین مرتین**“ ۱۵۹، باب الوضوء مرتین مرتین)

تثلیث کی سنت جملہ اعضاء کی تثلیث پر موقوف نہیں ہے، بعض عضو کے دھونے میں تثلیث پر اور بعض عضو کے دھونے میں تثلیث سے کم پر بھی عمل ہوسکتا ہے۔جس میں تثلیث پر عمل ہو، اس کی سنت حاصل ہوئی، وضو کے کسی عضو کو پورا دھونے سے قبل اس کی تثلیث نہیں ہوسکتی۔یعنی ایک عضو کے کچھ حصہ کو تین مرتبہ دھو کر پھر بقیہ حصہ کو تین مرتبہ دھونے سے تثلیث کی

سنت حاصل نہیں ہوتی۔ اسی طرح پورے اعضاء کا دھونا ایک ایک مرتبہ کرکے اور پھر دوسری اور تیسری مرتبہ شروع سے آخر تک وضو کیا جائے تو بھی تثلیث نہ ہوگی بلکہ یہ طریقہ مکروہ ہے۔

وضو کے بعد کسی نماز کے پڑھنے سے قبل وضو کی تجدید بھی مکروہ ہے، البتہ ایک ہی رکعت نماز کے پڑھنے کے بعد وضو کی تجدید ہوسکتی ہے۔

شک : اعضائے وضو کے دھونے میں یا تعداد کی نسبت شک ہو تو اس تعداد پر عمل کیا جائے جس کی نسبت یقین ہو۔ کسی عضو کی نسبت شک ہو کہ دو مرتبہ یا تین مرتبہ دھویا گیا تو دو مرتبہ کے دھونے پر یقین کرکے تیسری مرتبہ دھویا جائے۔

دائم الحدث: اس شخص کے لیے بھی تثلیث سنت ہے جس کو سلسل البول وغیرہ کی شکایت ہے۔ اس لیے کہ تثلیث سے موالات (پے در پے کرنے) میں خلل نہیں ہوتا۔

ترک تثلیث: اس قدر وقت تنگ ہو کہ تین مرتبہ دھونے تک نماز کا وقت نکل جائے یا پانی اس قدر کم ہو کہ اگر تین مرتبہ اعضاء کو دھویا جائے تو پانی کافی نہ ہوسکے اور تیمّم کرنا پڑے یا یہ کہ وضو سے فاضل پانی پینے کے لیے ہو اور پینے کے لیے پانی نہ رہے یا اسی نماز کی جماعت چھوٹ جانے کا گمان ہو تو تثلیث ترک کی جاسکتی ہے۔ امام کے ساتھ جماعت میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ ملنے یا بعض رکعتوں کے حصول کے لیے تثلیث ترک نہیں کی جاسکتی۔

اگر پانی کی مقدار اتنی کم ہو کہ پورے وضو کے اعضاء کی تثلیث نہ ہوسکتی ہو بلکہ بعض کی ہوسکتی ہو تو ان اعضاء کی تثلیث کی جائے جن کے وجوب میں اختلاف ہے اور پھر ان اعضاء کی جن کی تثلیث کی نسبت اتفاق ہے۔

۹۔ موالات

یعنی پے در پے عمل کرنا مسنون ہے، دو یا زیادہ چیزوں کے درمیان بغیر فصل کے سلسلہ قائم رکھنے کو موالات کہتے ہیں۔

موالات کی قسمیں

موالات کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ایک عضو کے دھونے کے بعد ہی دوسرے عضو کو، طویل فصل کے بغیر، اس طرح دھویا جائے کہ ہوا، مزاج اور موسم تینوں امور کے معتدل ہونے کے باوجود پہلا دھویا ہوا عضو خشک نہ ہو جائے۔ یہ حکم ایک ایک مرتبہ کے دھونے کے بارے میں ہے۔ جہاں تین تین مرتبہ دھویا جائے وہاں آخری دھونے سے اعتبار ہوگا۔

۲۔ایک ہی عضو کو ایک سے زیادہ مرتبہ دھونے میں، پہلی اور دوسری مرتبہ یا دوسری اور تیسری مرتبہ کے دھونے کے درمیان موالات، دو مرتبہ کے دھونے میں بھی ایسا فصل نہ ہو کہ پہلی مرتبہ کا پانی خشک ہو جائے۔

۳۔ایک ہی عضو کے مختلف اجزاء کے دھونے میں موالات۔ کسی عضو کے ایک حصہ کو اس طرح دھویا جائے کہ اس سے پہلے دھویا ہوا اسی عضو کا حصہ خشک نہ ہوا ہو۔

موالات کا حکم ان تینوں صورتوں کو شامل ہے۔

موالات کب واجب ہے؟

عام طور پر موالات فقط مندوب ہے۔ مگر دو خاص صورتوں میں موالات واجب ہے:

۱۔وضو کرنے والا صاحبِ ضرورت ہو یعنی ایسا شخص ہو جس کو حدث کا سلسلہ جاری رہتا ہو جیسا کہ سلسلۂ بول وغیرہ تو ایسے شخص کے لیے وضو میں موالات واجب ہے تا کہ نجاست میں زیادتی نہ ہو۔

۲۔نماز کے لیے وقت تنگ رہ گیا ہو تو وضو میں موالات واجب ہے تا کہ وقت بچ جائے۔

اختلاف: امام مالک کا قول ہے کہ وضو میں موالات عام طور پر واجب ہے، صاحب ضرورت اور غیر صاحب ضرورت ہر ایک کے لیے۔

دیگر سنن وضو:

وضو کی دس سنتیں تو اوپر بیان کی جا چکیں، ان دس کے علاوہ اور بہت سے امور وضو میں مسنون ہیں جن میں سے بعض بحوالہ بیجوری درج ذیل کی جاتی ہیں:

دعائے اعضائے وضو:

ہاتھ دھوتے وقت :

’’اَللّٰھُمَّ احْفَظْ یَدِیْ مِنْ مَعَاصِیْکَ کُلِّھَا‘‘۔

یا اللہ محفوظ رکھ میرے ہاتھوں کو سارے گناہ سے۔

مضمضہ کرتے وقت :

’’اَللّٰھُمَّ أَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ‘‘۔

یا اللہ میری مدد کر تیرے ذکر پر، تیرے شکر پر اور تیری حسنِ عبادت پر۔

استنشاق کرتے ہوئے :

’’اَللّٰھُمَّ أَرِحْنِیْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ‘‘۔

یا اللہ مجھ کو جنت کی ہوا دے۔

چھرہ دھوتے وقت :

اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ۔

یا اللہ میرے چہرے کو سفید کر جس روز کہ بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ۔

دایاں ہاتھ دھوتے وقت :

اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَاباً یَّسِیْراً۔

یا اللہ میری کتاب میرے داہنے ہاتھ میں دے اور مجھ سے ہلکا حساب لے۔

بایاں ہاتھ دھوتے وقت :

اَللّٰھُمَّ لَا تُعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِشِمَالِیْ وَلَا مِن وَّرَاءِ ظَھْرِیْ۔

یا اللہ میری کتاب میرے بائیں ہاتھ میں نہ دے اور نہ میری پشت کے پیچھے۔

سر کے مسح کے وقت

اَللّٰھُمَّ حَرِّمْ شَعْرِیْ وَبِشْرِیْ عَلَی النَّارِ۔

یااللہ میرے بالوں اور چمڑے کو آگ پر حرام کر۔

کانوں کے مسح کے وقت :

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ أَحْسَنَهُ۔

یااللہ مجھ کو ان لوگوں میں سے بنا جو بات سنتے ہیں اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں

پاؤں دھوتے وقت

اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ فِیْهِ الْأَقْدَامُ۔

یااللہ ثابت رکھ میرے قدم کو صراط پر اس دن جب کہ پاؤں (دوسروں کے) لغزش کھائیں گے۔

وضو کے ختم ہونے پر قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھی جائے:

اَشْهَدُ أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ ،اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَیْكَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالی کے، جو ایک ہے، اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں۔ یااللہ مجھ کو بنا توبہ کرنے والوں میں سے اور بنا مجھ کو پاک لوگوں میں سے۔ میں پاکی بیان کرتا ہوں تیری، یااللہ تعریف کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے۔ مغفرت مانگتا ہوں تجھ سے اور توبہ کرتا ہوں تیری طرف اور رحمت بھیج اللہ تعالی ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل اور ان کے اصحاب پر اور سلام بھیج۔

أشهد أن سے **رسوله** تک بروایت مسلم اور اس کے بعد سے **المتطهرين** تک بروایت ترمذی اور اس کے بعد سے **أتوب إليك** تک بروایت حاکم درج کیا گیا ہے۔ (مستدرک حاکم: ذکر فضائل سور و آی متفرقة ۱/۵۲ ۷۔ صحیح علی شرط مسلم) آخر میں درود نبی صلی اللہ

علیہ وسلم پر بھی سنت ہے۔ (ترمذی: کتاب الطھارۃ، باب مایقال بعد الوضوء ۱/ ۷۸، حد۵۵)

طوالتِ غرہ اور تحجیل:

چہرہ کو دھوتے وقت سر کا کچھ حصہ دھونا اور ہاتھوں کو دھوتے وقت بازوں کا کچھ حصہ دھونا اور پاؤں دھوتے وقت پنڈلی کا کچھ حصہ دھونا مسنون ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''أَنْتُمُ الْغُرُّ الْمُحَجَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَن يُّطِيْلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ''۔ (بخاری اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''إن من أمتي يدعون يوم القيامة غرّا محجلين من آثار الوضوء......'' بخاری ۱۳۶، مسلم ۲۴۶)

تم پچکلیان ہوں گے قیامت کے دن وضو کے اثر سے پس تم میں سے جو اس سفیدی کو بڑھانا چاہے ایسا کرے۔

جانوروں کی پیشانی کی سفیدی کو **غرۃ** اور ہاتھ پاؤں کی سفیدی کو **تحجیل** کہتے ہیں اور جس جانور میں دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں اور پیشانی میں سفیدی ہوتی ہے، اس کو پچکلیان کہتے ہیں۔

دوسرے سے وضو میں مدد نہ لی جائے

وضو کرتے وقت بغیر عذر کے پانی ڈالنے میں مدد نہ لینا مسنون ہے اور مدد لینا اولیت کے خلاف ہے، عذر کی وجہ سے مدد لی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

پانی ڈالنے والے کو وضو کرنے والے کے بائیں جانب کھڑا رہنا چاہیے اور اعضائے وضو کے دھونے میں بغیر عذر کے مدد لینا مکروہ ہے۔ پانی کے حصول میں امداد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور مباح ہے۔ پانی کے برتن سے ہاتھ ڈبو کر پانی لینا ہو تو اس برتن کا داہنی جانب اور اگر برتن کو جھکا کر پانی لینا ہو تو بائیں جانب رکھنا سنت ہے۔

سنت وضو کی نیت

سنن وضو کے وقت اور چہرے کے دھونے سے قبل وضو کی سنتوں کی نیت کرنا سنت

ہے اور اس نیت کو وضو کے ختم ہونے تک اپنے قلب میں جاری رکھنا بھی سنت ہے۔

ترک کلام: بغیر حاجت کے بات نہ کرنا مسنون ہے۔

چھینٹوں سے خود کو بچائیے: چھینٹوں سے حفاظت کرنا مسنون ہے۔ایسی جگہ بیٹھ کر وضو کیا جائے جو کسی قدر بلند ہو، تا کہ چھینٹے نہ اڑیں۔

انگھوٹی ھلائی جائیے: انگوٹھی کو حرکت دینا مسنون ہے۔اگر حرکت دیے بغیر انگوٹھی کے نیچے پانی نہ پہنچتا ہو تو حرکت دینا واجب ہے۔

رگڑنا: اعضاء کو رگڑنا سنت ہے۔خصوصاً جاڑے کے موسم میں ایڑی کا رگڑنا۔

اعضائے وضو نہ پونچھے جائیں: وضو کے پانی کو عذر کے بغیر جسم سے نہ پونچھنا اور نہ جھاڑنا مسنون ہے، اس لیے کہ یہ عبادت کی علامتوں میں سے ہے۔ اگر کوئی عذر ہو تو پانی کے پونچھنے اور جھاڑنے میں کراہت نہیں ہے۔

میت کے لیے پانی کا پونچھنا مسنون ہے۔

☆ چہرے کے دھونے میں چہرے کے اوپر کے حصہ سے آغاز کرنا مسنون ہے۔ چہرے پر پانی نہ مارنا مسنون ہے۔

پانی زیادہ استعمال نہ کیا جائیے: پانی خرچ کرنے میں میانہ روی مسنون ہے۔اقتصاد اس درمیانی حالت کو کہتے ہیں جو فضول خرچی اور بخل کے درمیان ہے، وضو میں ایک مد یعنی پانچ سو پچاس گرام سے کم پانی نہ صرف کیا جائے۔

استنجا کرنا وضو سے قبل مسنون ہے۔

ہمیشہ باوضو رہنا مندوب ہے۔حدیث قدسی میں آیا ہے: ’’**يَا مُوسٰى إِذَا أَصَابَتْكَ مُصِيبَةٌ وَأَنْتَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ فَلَا تَلُوْمَنَّ إِلَّا نَفْسَكَ**‘‘۔(حدیث قدسی کے الفاظ یہ ہیں: ’’إن الله عزوجل أوحى إلى موسى عليه السلام : ’’إذا أصابتك......‘‘ شعب الایمان ۲۵۲۸، فصل الوضوء ص ۲۸۴/۴) اے موسیٰ! جب تم پر کوئی مصیبت آئے اور تم وضو کی حالت میں نہ ہو تو اپنے نفس ہی کو ملامت کرو۔

تحیة الوضوء: وضو کے بعد سنتِ وضو کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے۔

وضو کب سنت ہے؟

مندرجہ ذیل موقعوں پر وضو سنت ہے:

۱۔ قرآن کے پڑھنے اور سننے کے لیے۔

۲۔ حدیث کے بیان کرنے اور سننے کے لیے۔

۳۔ حدیث، تفسیر اور کتبِ فقہ کے اٹھانے اور لکھنے اور شرعی علم کے پڑھنے کے لیے۔

۴۔ اذان دینے، مسجد میں بیٹھنے اور داخل ہونے کے لیے۔

۵۔ عرفہ میں ٹھہرنے اور سعی کرنے کے لیے۔

۶۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کے لیے۔

۷۔ میت کے اٹھانے اور چھونے کے وقت وضو مسنون ہے۔

۸۔ اگر نماز میں قہقہہ کے ساتھ ہنس دے تو وضو کرنا مسنون ہے۔

۹۔ غصہ کے وقت اور غیر جمعہ کے خطبہ کے وقت بھی وضو مسنون ہے۔

کب وضو سنت نہیں ہے؟

مندرجہ ذیل موقعوں پر وضو کرنا سنت نہیں ہے:

۱۔ امیر کی خدمت میں حاضر ہوتے وقت۔

۲۔ عقد نکاح کے وقت۔

۳۔ روزہ رکھنے کے لیے۔

۴۔ لباس پہنتے وقت۔

۵۔ سفر کو روانہ ہوتے وقت۔

۶۔ باپ یا دوست کی ملاقات کے وقت۔

۷۔ مریض کی عیادت کے وقت۔

۸۔ جنازے کے ساتھ چلتے وقت۔

مکروہات وضو

۱۔ پانی میں اسراف کرنا۔
۲۔ بائیں عضو کو داہنے سے پہلے دھونا۔
۳۔ کسی عضو کو تین سے زیادہ یا تین سے کم مرتبہ دھونا۔
۴۔ استعانت یعنی بغیر حاجت کے وضو کرنے میں دوسرے سے مدد لینا۔
۵۔ روزہ دار کے لیے مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ کرنا۔

نواقض وضو

نواقض وضو یعنی جن سے وضو ٹوٹتا ہے، ان کو اسبابِ حدث بھی کہتے ہیں۔
نواقض وضو پانچ ہیں:
۱۔ اخراج بول و براز یعنی پیشاب و پاخانہ کرنا۔
۲۔ نیند۔
۳۔ زوالِ عقل۔
۴۔ لمس اور مس۔
۵۔ ریح یعنی ہوا کا خارج ہونا۔
نیند کو زوالِ عقل کے عنوان میں شریک کر کے نواقض وضو کی تعداد چار بتائی گئی ہے۔

۱۔ بول و براز کا نکلنا

کوئی چیز پیشاب یا پاخانے کے راستوں سے نکلے، عادت کے طور پر ہو جیسا کہ پیشاب یا پاخانہ، یا نادر طور پر جیسا کہ خون یا کنکری، نجس ہو یا طاہر جیسے کہ کرم وغیرہ، نکلنے والی چیز خشک ہو یا مرطوب، سوائے منی کے جو احتلام کے ساتھ ایسے شخص سے خارج ہوتی ہے جو متمکن حالت میں ہو۔ اس کا وضو نہ ٹوٹے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ ۔ إلخ﴾ (النساء ۴۳) اگر تم میں سے بیت الخلاء سے کوئی شخص آئے۔

صحیحین کی مذی کے بارے میں روایت ہے: "يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ" ذکر کو دھوئے اور وضو کرے۔ (مسلم: باب المذی ۱/ ۱۶۹، یہ روایت علی رضی اللہ عنہ سے ہے)

یقین: کسی چیز کے خارج ہونے کی نسبت یقین ہو۔

شک کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ طہارت کا تیقن ہو اور اس کے بعد حدث کے واقع ہونے کی نسبت شک ہو تو طہارت باقی رہے گی، اس لیے کہ اصل طہارت ہے اور حدث شک کی وجہ سے واقع نہیں ہوتا۔

اس کے برخلاف حدث کا تیقن ہو اور طہارت کی نسبت شک ہو تو حدث کی حالت باقی رہے گی۔ اگر ایسی صورت میں وضو کیا جائے اور اس کے بعد تحقیق ہو کہ حدث واقع ہوا تھا تو اس کا کیا ہوا وضو صحیح ہوگا۔

نادر طور سے مراد وہ صورتیں ہیں جو عام طور پر پیش نہیں آتیں اور عادات کے خلاف ہوتی ہیں۔ مذی اور ودی معتاد (عادتی) اشیاء میں داخل ہیں۔

بواسیر کی کوموں سے جو مقعد کے اندر ہوں خون خارج ہو تو وضو ٹوٹتا ہے۔

کنکری برآمد ہو تو وضو ٹوٹے گا۔ نکلی ہوئی چیز کے نجس ہونے کی قید نہیں۔ نکلی ہوئی چیز طاہر ہو تو بھی وضو ٹوٹے گا۔

ریح: نکلی ہوئی چیز کے مادی ہونے کی شرط نہیں ہے۔ ہوا کے خارج ہونے سے بھی وضو ٹوٹے گا۔ صحیحین کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی کہ نماز کی حالت میں اس کے دل میں اکثر یہ خطرہ آتا ہے کہ ہوا نکلی۔ آپ نے فرمایا: "لَا يَنْصَرِفُ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتاً أَوْيَجِدَ رِيحاً" ۔ نماز سے پلٹو نہیں یہاں تک کہ آواز سنو یا بو سونگھو۔ (بخاری: کتاب بدء الوحی ۱/ ۴۶، مسلم: باب الدلیل علی أن من یتقن ...... ۸۳۰، یہ روایت عن عباد بن تمیم عن عمر سے ہے)

سنائی دینے یا بو سونگھنے سے مراد صرف اس قدر ہے کہ حدث کے وقوع میں آنے کا یقین ہو جائے۔ ہوا کے خارج ہونے کی نسبت فقط شک نماز کے توڑنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ ریح کے ناقص وضو ہونے کے لیے یہ قید نہیں ہے کہ آواز ہی سنائی دے یا بو ہی سونگھی جائے۔

منی : متمکن حالت میں احتلام ہو اور منی خارج ہو تو استثناء ہے اور وضو نہیں ٹوٹتا۔ متمکن اس حالت کو کہتے ہیں جس میں مقعد نیچے ٹکی ہوئی ہو اور ہوا کے خارج ہونے کا امکان نہ ہو۔ تمکین کی قید نہیں۔ بلکہ مجرد نظر کرنے یا کچھ سوچنے پر منی نکلے تو بھی وضو نہ ٹوٹے گا۔ البتہ غسل واجب ہوگا۔

خطیب نے توجیہ کی ہے کہ منی کے اخراج کی وجہ سے جب غسل واجب ہوتا ہے اور غسل کا درجہ بہ نسبت وضو کے بڑا ہوتا ہے تو ایک بڑے امر کے عائد کرنے کے بعد چھوٹے امر کا عائد کرنا واجب نہ ہوگا۔ شرمگاہ سے محض کسی چیز کے نکلنے کی وجہ سے وضو اور منی کے اخراج کی وجہ سے غسل واجب ہوتا ہے تو صورتِ اول عام اور صورتِ دوم خاص ہے اور خاص میں عام داخل ہے۔

بیجوری نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ بجیرمی نے اس استدلال میں یہ فائدہ ظاہر کیا ہے کہ وضو نہ کر کے فقط غسل کیا جائے تو بھی نماز صحیح ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ ایک قول کی رو سے طہارتِ اکبر میں اصغر بھی شامل ہے۔

غیر متمکن حالت میں احتلام ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے کہ غیر متمکن حالت میں نیند ناقض وضو ہے۔

خطیب کا قول ہے کہ اصلی شرمگاہ کے راستہ کو اس طرح بند کر دیا جائے کہ اس سے کوئی چیز خارج نہ ہو سکے اور دوسرا راستہ کھولا جائے اور اس جدید راستہ سے کوئی چیز خارج ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ لیکن اس کی نسبت دوسرے احکام جو اصلی شرمگاہ سے متعلق ہیں جیسے شرمگاہ کو چھونا وغیرہ اس عارضی منفذ کی نسبت عائد نہ ہوں گے۔

۲۔ نیند

غیر متمکن ہیئت میں نیند آ جائے۔ ابو داؤد نے اس حدیث کی روایت کی ہے:

''اَلْعَيْنَانِ وِكَاءُ السَّةِ فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ''۔ (یہ روایت معرفۃ السنن والآثار للبیھقی میں ہے: باب اختیار المزنی رحمہ اللہ ۴۵۸، ص ۱/ ۲۱۱، جس میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''العینان وکاء السة، فإذا نامت العینان استطلق الوکاء'') وکاء تھیلی کو باندھنے کی ڈوری کو اور سہ مقعد کے حلقہ کو کہتے ہیں۔ معنی یہ ہوئے: دونوں آنکھیں مثل ڈوری کے ہیں اور حلقۂ مقعد کی حفاظت کرتی ہیں۔ پس جو شخص سوگیا اس کو وضو کرنا چاہیے۔

اس لیے کہ سوتے ہوئے شخص سے کوئی چیز نکلے تو اس کا علم اس کو نہیں ہوتا۔ مسلم نے انس رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ ''کَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ یَنَامُوْنَ ثُمَّ یُصَلُّوْنَ وَلَا یَتَوَضَّئُوْنَ''۔ (بخاری ۵۴۱، ۵۴۴، ۵۴۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سوتے تھے پھر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہ کرتے تھے۔ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ ''یَنَامُوْنَ حَتّٰی تَخْفَقَ رُؤُوْسُهُمْ'' (مسند احمد میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس معنی کی روایت ہے: ۶۳۵۲۸ ص ۳/ ۲۳۸) یعنی ایسا سوتے تھے کہ سر زمین کو لگتے تھے۔

متمکن :اس حالت کو کہتے ہیں جس میں مقعد (چوتڑ) نیچے جمی ہوئی اور ٹکی ہوئی ہو اور ہوا کے خارج ہونے کا امکان نہ ہو۔

غیر متمکن اس حالت کو کہتے ہیں جس میں مقعد نیچے جمی ہوئی نہ ہو اور ہوا کے خارج ہونے کا امکان ہو۔

ٹکی ہوئی حالت میں نیند آجائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ نیند کی نسبت یقین ہو۔ اگر نیند اور غنودگی کے درمیان شک ہو تو وضو نہ ٹوٹے گا۔ نیند کی علامت خواب ہے اور غنودگی کی علامت یہ ہے کہ بات کرنے والوں کی آواز تو سنائی دے مگر مطلب سمجھ میں نہ آئے۔ نیند میں قلب سے شعور کی قوت زائل ہو جاتی ہے۔ بے ہوشی میں دماغ اس قدر ماؤف ہوتا ہے کہ جگانے کا اثر نہیں ہوتا۔

انبیاء کی خصوصیات

نبی ﷺ کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ کا وضو نیند سے نہیں ٹوٹتا تھا اور یہی حالت دوسرے

انبیاء کی بھی تھی۔اس لیے کہ انبیاء نیند میں غرق نہ ہوتے تھے۔حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''نَحنُ مَعَاشَرَ الأَنبِیَاءِ تَنَام أَعیُنُنَا وَلَا تَنَام قُلُوبُنَا '' (ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت نہیں ملی، البتہ موطا کی روایت میں یہ الفاظ ہیں جس میں نبی ﷺ نے صرف اپنے بارے میں بیان کیا ہے: ''یا عائشة! عینای تنامان ولا ینام قلبی ''۲۳۹، یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے) ہمارا انبیاء کا طبقہ ایسا ہے کہ ہماری آنکھیں تو سوتی ہیں مگر ہمارے قلوب نہیں سوتے۔

سنت: متمکن ہیئت میں سوجانے کے بعد وضو کرنا مسنون ہے تاکہ دیگر ائمہ سے اختلاف نہ ہو، مگر نماز میں متمکن ہیئت میں نیند آجائے تو مضائقہ نہیں۔رملی کا قول ہے کہ نماز کے چھوٹے رکن طویل ہوجائے تو نماز باطل ہوگی۔

۳۔زوالِ عقل

عقل زائل ہوجائے نشے، بیماری، جنون یا غشی وغیرہ کی وجہ سے تو وضوٹوٹا ہے۔عقل کے معنی منع کرنے اور روکنے کے ہیں اور شرع میں عقل کا اطلاق تمیز پر ہے۔عقل ایسی صفت ہے جس کے ذریعہ برائی اور بھلائی میں تمیز کی جاتی ہے، عقل کو عقل اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ انسان کو برائیوں سے روکتی ہے۔

عقل کا محل وقوع

علماء میں عقل کے محل وقوع کی نسبت اختلاف ہے، بعض نے قلب کو اور بعض نے سر کو عقل کا مرکز بتایا ہے۔اور بعض نے کہا ہے کہ عقل قلب میں ایک نور ہے جس کے ذریعہ انسان علم حاصل کرتا ہے۔علم کی فضیلت بالذات ہے اور عقل کی فضیلت بالواسطہ اس وجہ سے ہے کہ وہ علم کے حصول کا ذریعہ ہے۔

علماء سنت نے عقل کی تعریف عرض سے کی ہے جو قلب کے ساتھ قائم ہے اور دماغ سے اس کا رابطہ ہے۔عقل کسی فرد میں زیادہ اور کسی میں کم ہوسکتی ہے۔حکماء نے لکھا ہے کہ عقل مادے سے مجرد جوہر ہے، لیکن عمل کے وقت مادے سے مل جاتی ہے۔

امام غزالی نے صراحت کی ہے کہ جنون میں عقل زائل ہوتی ہے۔ بیہوشی میں ڈھانکی جاتی ہے اور نیند میں مستور اور پوشیدہ ہو جاتی ہے، ان جملہ صورتوں میں قلب سے شعور تک قوت زائل ہو جاتی ہے، مگر فرق یہ ہے کہ اعضاء کی حرکت بغیر طرب کے باقی رہے تو جنون ہے۔ اور طرب کے ساتھ نشہ، اعضاء میں فتور واقع ہو تو غشی اور اعصاب ڈھیلے پڑ جائیں تو نیند ہے۔ نشہ خود کردہ نہ ہو تو گنہگار نہ ہوگا مگر وضو ٹوٹے گا۔

نشے میں چوں کہ قوتِ تمیزی کے زائل ہونے کی قید ہے اس لیے آغاز نشہ میں جب قوتِ تمیزی باقی رہتی ہے وضو قائم رہتا ہے۔ غشی بھی بیماری میں داخل ہے، اس لیے غشی کو علحدہ قسم قرار دینے کی ضرورت نہیں۔ غشی عام بیماریوں کی طرح انبیاء پر بھی طاری ہوسکتی ہے مگر ان کے لیے نیند کی طرح غشی بھی ناقض وضو نہیں ہے۔

ولی کو حالتِ ذکر میں غشی آجائے تو اس کا وضو شافعیہ میں ٹوٹ جاتا ہے بخلاف مالکیہ کے۔ دوا وغیرہ کے ذریعہ بھی انسان کو بے حس کیا جاسکتا ہے۔ زوال عقل کی صورت میں متمکن اور غیر متمکن ہیئت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۴۔ لمس

کسی نامحرم کا بدن راست چھو جائے؛ نامحرم اور اجنبی مرد اور عورت کا بدن آپس میں راست بغیر کسی حائل کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس شرط پر کہ ان دونوں کی عمر حدّ شہوت کو پہنچی ہو۔ آیت کریمہ میں ہے: ﴿أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ (النساء ۴۳) یا تم عورتوں کو چھودیں۔

اس جملہ کا عطف اس کے پہلے جملہ پر ہے جو بیت الخلاء سے آنے والے کے بارے میں ہے اور ان دونوں کے متعلق یہ حکم ہے کہ پانی نہ ملے تو تیمّم کیا جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ لمس حدث میں شمار کیا گیا ہے۔ **لا مستم جامعتم** کے معنی میں نہیں ہے، اس لیے کہ مس سے جماع کی تخصیص نہیں آتی۔ چنانچہ ایک دوسری آیت میں اس کا استعمال اس طرح ہوا ہے:
﴿فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ﴾ (الأنعام ۷) پس وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھوئے۔
لمس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے دوسرے سب لوگوں کے لیے ناقص وضو ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپ کا وضو لمس سے نہیں ٹوٹتا تھا اور آپ دوبارہ وضو کیے بغیر نماز پڑھتے تھے۔ اس حدیث کی روایت حضرت عائشہ کی ہے۔ اور اس کی اتباع میں حنفیہ نے لمس کو ناقض وضو نہیں قرار دیا۔ شافعیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے یا یہ کہ منسوخ ہے، اس لیے کہ حدث کے واقعہ کے بعد آیت ﴿أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ (النساء۴۳) نازل ہوئی تھی۔

لمس کے معنی اصل میں ہاتھ سے ٹٹولنے کے ہیں، لیکن عرف میں ہاتھ کی تخصیص باقی نہیں رہی اور ہاتھ کے علاوہ دیگر اعضاء بھی شامل ہو گئے۔ مس ہاتھ کے باطنی حصہ سے چھونے کو کہتے ہیں اور مس میں ہاتھ کی قید ہے۔ لمس کو ناقض وضو اس لیے قرار دیا گیا کہ اس سے شہوت کے جذبات پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اس حکم میں چھونے والا اور چھوا ہوا دونوں داخل ہیں، چھونے کا فعل شہوت کے ساتھ ہو یا نہ ہو، عمداً ہو یا سہواً یا مجبوراً، اگر چہ کہ مرد یا عورت نہایت ہی ضعیف ہوں۔

بدن سے مراد جلد کا ظاہری حصہ ہے۔ بال، ناخن اور دانت اس سے خارج ہیں۔ ''عضو مبان'' سے بھی لمس ناقض وضو ہے۔ بدن یا جلد کا وہ حصہ جس میں خون کی حرارت نہیں پہنچتی اور مستقل طور پر بے حس ہو جاتا ہے اس کو مبان کہتے ہیں۔

عمر: مرد اور عورت کے لیے بالغ ہونے کی قید نہیں ہے۔ حد شہوت کو پہنچنا کافی ہے۔ اگر اس میں شک ہو تو وضو نہ ٹوٹے گا۔

شہوت کا ضابطہ یہ ہے کہ مرد میں خیزی کی قوت اور عورت میں شہوت کی طرف میلان پیدا ہوا ہو۔

لڑکا یا لڑکی شہوت کی حد کو نہ پہنچے ہوں تو ان سے وضو نہ ٹوٹے گا۔

محرم رشتہ

محرمیت اس رشتہ کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے نکاح حرام ہے۔ غیر محرمیت اور اجنبیت ایسے رشتہ کی عدم موجودگی ہے جس میں نکاح حرام نہیں ہے۔ محرمیت رشتہ قرابت،

رضاعت ومصاہرت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ رشتۂ قرابت کی مثالیں ماں، بیٹی اور بہن ہیں۔ رشتۂ رضاعت یعنی دودھ کا رشتہ جیسے دودھ کی ماں اور دودھ کی بہن، رشتۂ مصاہرت یعنی نکاحی رشتہ جیسے بیوی کی ماں اور بیٹی، باپ کی بیوی اور بیٹے کی بیوی یعنی بہو۔ اس زمرہ سے بیوی کی بہن۔ پھوپھی اور خالہ خارج ہیں۔ اس لیے کہ ان کی محرمیت ابدی (ہمیشہ قائم رہنے والی) نہیں ہے۔ محرم کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

حایل کے نہ ہونے کی قید ہے۔ حایل رقیق اور پتلا ہو تو بھی لمس نہ ہوگا۔

لمس سے وضو ٹوٹنے کی شرطیں

لمس سے وضو کے ٹوٹنے کے لیے پانچ شرائط ہیں:

۱۔ اختلاف جنس؛ مرد اور عورت کے لمس سے وضو ٹوٹتا ہے، دو مردوں یا دو عورتوں کے باہمی لمس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۲۔ ظاہری جلد کے ذریعہ لمس ہو۔ بال، دانت اور ناخن اس سے خارج ہیں۔

۳۔ حد شہوت: دونوں اشخاص ایسی عمر کو پہنچے ہوں کہ ان میں شہوت پیدا ہوئی ہو۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک حد شہوت کو نہ پہنچا ہو تو وضو نہ ٹوٹے گا۔

۴۔ غیر محرمیت؛ اگر دونوں میں محرمیت کے رشتہ کا احتمال بھی ہو تو وضو نہ ٹوٹے گا۔

۵۔ حائل نہ ہو، اگر کوئی حائل باریک اور رقیق بھی ہو تو وضو نہ ٹوٹے گا۔

اختلاف: حنفیہ کے پاس لمس ناقض وضو نہیں ہے۔

۵۔ مس

آدمی کی شرمگاہ ہاتھ کی اندرونی حصہ سے چھو جائے تو وضو ٹوٹتا ہے۔ ترمذی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**مَن مَسَّ فَرْجَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ**''۔ (نسائی: باب الوضوء من مس الفرج ۴۴۴، یہ روایت بسرہ رضی اللہ عنہ سے ہے اور یہ روایت صحیح ہے۔ یہی روایت ابن ماجہ میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ہے: کتاب الطھارۃ ۴۸۱، مسند احمد میں زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے ہے ۲۱۷۳۵)

جوشخص اپنی شرمگاہ چھوئے تو وضو کرے۔

ابن حبان نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِذَا أَفْضٰى أَحَدُكُمْ بِيَدِهِ إِلٰى فَرْجِهِ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا سَتْرٌ وَلَا حِجَابٌ فَلْيَتَوَضَّأْ'' (''وليس بينهما ستر'' کے بغیر یہ روایت نسائی میں بسرہ بن صفوان رضی اللہ عنہ سے ہے جس کی سند صحیح ہے۔ باب الوضوء من مس الذکر ۴۴۵۔ ابن حبان میں یہی روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے ۱۱۸، ص ۲/۴۰۱)۔ جب کوئی شخص اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگائے اور دونوں کے درمیان ستر اور پردہ نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ وضو کرے۔

جب اپنی شرمگاہ کے چھونے سے وضو واجب ہوا تو غیر کی شرمگاہ چھونے سے جس میں اس کی ہتک بھی ہے بدرجہ اولی وضو واجب ہوگا۔

اور ایک روایت ہے: ''مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ''۔ جوشخص اپنے ذکر کو چھوئے وضو کرے۔ (ابوداود: باب الوضوء من مس الذکر، یہ روایت بسرہ بن صفوان رضی اللہ عنہ سے ہے)

عمداً کی قید نہیں ہے۔ سہواً چھو جائے تو بھی وضو ٹوٹے گا۔

مرد کی پیشاب کی شرمگاہ میں ذکر کا پورا حصہ داخل ہے۔ ذکر کے سوائے اس کے اطراف کا پورا بدن جس پر بال اگتے ہیں داخل نہیں ہے۔

عورت کی پیشاب کی شرمگاہ میں دونوں طرف کے آپس میں ملنے والے لب داخل ہیں، اس کے اوپر کا حصہ جس پر بال اگتے ہیں داخل نہیں ہے۔

پیشاب گاہ میں عمومیت ہے؛ اپنی ہو یا غیر کی، مرد کی ہو یا عورت کی، بچے کی ہو یا بڑے کی، زندہ کی ہو یا میت کی۔

ہاتھ کے اندرونی حصہ سے مراد ہتھیلی اور انگلیوں کا اندرونی حصہ ہے۔ ہاتھ کا ظاہری اور بیرونی حصہ اور کنارے اور انگلیوں کے سرے خارج ہو جاتے ہیں اور ان سے مس ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ ایک ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر اس طرح رکھا جائے کہ انگلیاں بھی دونوں ہاتھوں کی ملیں تو ہتھیلی اور انگلیوں کا وہ حصہ جو آپس میں مل جاتا ہے ناقضِ وضو اور بقیہ حصہ ناقض وضو نہیں ہے۔

اختلاف: امام احمد کے نزدیک ہاتھ کا بیرونی حصہ بھی اندرونی حصہ کے مانند ہے اور بیرونی حصہ سے مس ہونے سے بھی وضوٹوٹتا ہے۔

چھونے میں شرط یہ ہے کہ بیچ میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔

مقعد: قول جدید میں مقعد کے حلقے کے بھی چھو جانے سے وضوٹوٹتا ہے۔ فقط مقعد کے حلقہ سے مراد وہ حصہ ہے جو تھیلی کے منھ کی طرح ہے۔ اس کے اوپر اور نیچے کا حصہ اس سے خارج ہے۔ دلیل یہ ہے کہ شرمگاہ میں مقعد بھی داخل ہے۔ ''فرج'' کا لفظ دونوں پر حاوی ہے اور پھر پیشاب گاہ کے حکم کا قیاس مقعد کی نسبت بھی ہوگا جیسا کہ حدث کے حکم میں دونوں شرمگاہیں داخل ہیں۔ یہ بھی نواقضِ وضو کی پانچویں قسم ہے۔

قولِ قدیم: امام شافعی کی وہ رائے جو آپ نے مصر آنے سے قبل ظاہر کی تھی۔

قول جدید: امام شافعی کی وہ رائے جو آپ نے مصر آنے کے بعد ظاہر کی تھی۔

لمس اور مس کے درمیان فرق:

۱۔ لمس کسی عضو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ مس فقط ہاتھ کے باطنی حصہ سے شرمگاہ کے چھو جانے سے ہوتا ہے۔

۲۔ لمس کے لیے دو اشخاص کے وجود اور ان میں اختلاف جنس کی شرط ہے، بخلاف مس کے، اپنی شرمگاہ کے چھو لینے سے بھی وضوٹوٹتا ہے۔

۳۔ لمس میں چھونے والے اور چھوئے ہوئے دونوں اشخاص کا وضوٹوٹتا ہے بخلاف مس کے، جس میں صرف چھونے والے کا وضوٹوٹتا ہے۔

۴۔ لمس محرم کے ساتھ ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا اور مس محرم (کی شرمگاہ) کے ساتھ بھی ناقض وضو ہے۔

۵۔ لمس میں عمر کی قید ہے یعنی حد شہوت کو پہنچا ہو اور مس میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔

شک: احکام شرعی کا اہم اصول یہ ہے کہ اصل کو قائم رکھ کر شک کو مسترد کیا جائے اور علمائے شافعیہ کا اس پر اتفاق ہے۔

اس اصول سے مندرجہ ذیل پانچ مسئلے اخذ کئے جاتے ہیں:

۱۔ اگر شک ہو کہ زوجہ کو طلاق دیا یا نہیں تو اصل عدم طلاق ہے۔

۲۔ اگر شک ہو کہ فلاں عورت سے نکاح کیا یا نہیں تو اصل عدمِ نکاح ہے۔

۳۔ اگر شک ہو کہ وضو ٹوٹا یا نہیں تو اصل وضو نہ ٹوٹنا ہے۔

۴۔ اگر شک ہو کہ وضو کیا یا نہیں تو اصل عدم وضو ہے۔

۵۔ اگر متمکن حالت میں سویا ہو اور بیداری کے وقت جھکا ہوا پائے اور شک ہو کہ نیند میں جھکا ہوا تھا یا صرف بیداری کے وقت تو یہ قیاس ہوگا کہ بیداری کے وقت جھکا تھا اور اصل وضو نہ ٹوٹنا ہوگا۔

شک چار صورتوں میں موثر ہے:

۱۔ وقت جمعہ کے گزر جانے کی نسبت شک ہو تو ظہر پڑھی جائے۔

۲۔ مدت مسح کے باقی رہنے کی نسبت شک ہو تو مسح نہ کیا جائے اور پاؤں دھوئے جائیں۔

۳۔ مقصد کے پورا ہونے کی نسبت شک ہو تو پورا کیا جائے۔

۴۔ اتمام کی نیت میں شک ہو تو پورا کیا جائے۔

مسح على الخفين

(موزوں پرمسح)

خفین خف کی تثنیہ ہےاور **خف** پاؤں میں پہننے کے موزے کو کہتے ہیں۔

موزوں پرمسح:

وضومیں پاؤں دھونے کے بدلے موزوں پرمسح کرنے کومسح علی الخفین کہتے ہیں۔

موزوں پرمسح کرنے کی اجازت ہجرت کے نویں سال غزوۂ تبوک میں دی گئی۔ تبوک ملک شام میں ایک مقام کا نام ہے جوحاجیوں کے راستے میں پڑتا ہے۔مسح علی الخفین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اورفعل دونوں سے ثابت ہے۔

ابن منذر نے حسن بصری سے روایت کی ہے کہ حسن بصری سے ستر صحابہ رضوان اللہ علیہم نے بیان کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پرمسح کیا تھا۔(تحفۃ الأحوذی: فی المسح علی الخفین ۱/۱۰۵میں لکھاہے:''حافظ زیلعی نے ابن المنذر سے روایت کیا ہے:''روینا عن الحسن أنه قال: حدثني سبعون من أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مسح على الخفين''۔پھر زیلعی نے ان میں سے ملی ہوئی حدیثوں کوایک ہی جگہ بیان کیا ہے، جوان احادیث سے واقف ہونا چاہے تو حافظ زیلعی کی ''الھدایۃ''پرکی ہوئی تخریج کی طرف رجوع کرے''۔مسح علی الخفین کی روایت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بخاری میں ہے: باب المسح علی الخفین ۲۰۲،اور مسلم میں مغیرہ رضی اللہ عنہ سے ہے: باب المسح علی الناصیۃ ۶۵۷)

مسح علی الخفین امت محمدی کی خصوصیات میں سے ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صَلُّوْا فِيْ خِفَافِكُمْ''تم نماز پڑھواپنے موزوں میں۔(مسند بزار ۱۳/۴۵۶،عن انس)

یہودی موزوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے۔بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آیت وضو میں ''وأرجلكم'' کے لام پر زیر دیکر پڑھنے کی قراءت سے مسح علی الخفین کا مسئلہ اخذ ہوتا ہے۔

مسح علی الخفین کی رخصت:

یعنی اجازت سے وضو میں ایک طرح کی سہولت پیدا کی گئی۔اس سے مقصد یہ ہے کہ دونوں پاؤں کے دونوں موزوں پر مسح کیا جائے۔ایسا نہ ہوگا کہ ایک پاؤں کو دھوئے اور دوسرے پاؤں کے موزے پر مسح کرے۔سوائے اس کے کہ پاؤں ایک ہی ہو۔

موزوں پر مسح وضو میں جائز ہے اگر چہ کہ وضو مندوب ہو اور اس کی تجدید کی جا رہی ہو۔

غسل میں ،فرض ہو یا مسنون؛موزوں پر مسح جائز نہیں ہے۔فرض غسل کی مثال جنابت اور حیض ونفاس کی حالت اور غسل مندوب کی مثال غسل جمعہ ہے۔

پاؤں پر نجاست ہو اور اس نجاست کو دور کرنا ہو تو بھی مسح جائز نہیں ہے اگر چہ نجاست معفوعنہا کیوں نہ ہو۔بہرحال غسل میں پاؤں پر مسح نہیں ہوسکتا۔

رخصت:

وہ سہولتیں جو سفر کی حالت میں جائز رکھی گئی ہیں آٹھ ہیں:

ان میں سے چار طویل سفر کے لیے مخصوص ہیں:

۱۔تین روز تک موزوں پر مسح۔

۲۔۔نماز میں قصر۔

۳۔نماز میں قصر کے ساتھ جمع۔

۴۔اور روزے کا افطار۔

اور چار عام ہیں:

۱۔اکل میتۃ یعنی مردار کھانا۔

۲۔سنت نماز راحلہ (سواری) پر۔

۳۔ترک جمعہ۔

۴۔اور تیمّم بغرض نماز بغیر اعادہ یعنی نماز کی نیت سے تیمّم کرنا، اور اس نماز کا اعادہ بھی نہیں ہے۔

یہ آخری صورت سفر پر موقوف نہیں ہے، حضر میں بھی کسی عذر پر تیمّم صحیح ہوسکتا ہے۔

خفین پر مسح جائز ہے۔خف پر مسح پانچ امور پر موقوف ہے: حکم۔شرائط۔مدت۔کیفیت اور مبطلات۔

موزوں پر مسح کا حکم:

موزوں پر مسح کرنے میں پانچ احکام ہوسکتے ہیں:

ا۔جواز؛ جہاں دونوں صورتیں ہوں یعنی پاؤں کا دھونا اور موزوں پر مسح کرنا ممکن ہو اور کوئی عذر نہ ہو، وہاں موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

موزوں پر مسح کے جواز سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پاؤں دھونا افضل ہے۔رملی وغیرہ کی رائے ہے کہ دراصل مسح میں کوئی فضیلت نہیں ہے بلکہ صرف مباح ہے۔

۲۔واجب؛ پانی اتنا تھوڑا ہو کہ پاؤں نہ دھوئے جائیں یا وقت تنگ ہو تو موزوں پر مسح واجب ہے۔

۳۔حرام با جزاء (حرام تو ہے البتہ مسح ہوجاتا ہے)

چھینے ہوئے موزے ہوں یا استعمال کے لیے اجازت نہ لیے گئے ہوں یا ریشم کے بنے ہوئے ہوں اور مرد نے استعمال کیا ہو تو ایسے موزوں پر مسح کرنا حرام ہے۔اجزاء کے ساتھ یعنی مسح تو ہوجاتا ہے لیکن اس کا استعمال حرام ہے جیسے مغصوب پانی سے وضو۔

حرام بعدمِ اجزاء (یعنی مسح بھی حرام ہے اور موزوں کا پہننا بھی حرام ہے) موزے پہننے والا شخص احرام کی حالت میں ہو تو موزوں پر مسح کرنا حرام ہے، عدم اجزاء کے ساتھ یعنی احرام کی حالت میں موزے پہننا حرام ہے اور ان پر مسح کرنا بھی حرام ہے۔

۴۔مندوب: اگر مسح کی طرف طبیعت مائل نہ ہو تو مسح مندوب نہیں ہے۔

۵۔مکروہ: مسح میں تکرار یعنی ایک سے زیادہ مرتبہ مسح کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ اس سے موزوں کونقصان پہنچتا ہے۔

موزوں پرمسح کے شرائط

موزوں پرمسح کے شرائط چار ہیں:

۱۔طہارت کے بعد موزے پہنے۔

۲۔موزے پاؤں کے اس حصہ کوڈھانپیں جس کا دھونا وضو میں فرض ہے۔

۳۔موزے ایسے ہوں جن کو پہن کر چلنا پھرنا آسان ہو۔

۴۔موزے پاک ہوں۔

ابوشجاع نے تین شرائط بیان کئے تھے۔دیگر فقہاء؛ خطیب شربینی اور ابن قاسم وغیرہ کے قول پر چوتھی شرط کا اضافہ کیا گیا۔

۱۔طہارت کے بعد موزے پہنے

پوری طہارت کے بعد موزے پہنے گئے ہوں۔طہارت میں غسل، وضو اور تیمّم داخل ہیں۔وضو میں ایک پاؤں کو دھوئے اور ایک موزہ پہنے اور پھر دوسرا پاؤں دھوئے اور دوسرا موزہ پہنے تو مسح نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ پہلے موزے کے پہنتے وقت طہارت ناقص تھی۔ وضو کے بعد موزے پہنتے وقت حدث پیش آجائے تو بھی مسح صحیح نہ ہوگا۔

۲۔موزے ساتر ہوں

ساتر: ستر سے ہے اور ستر کے معنی ڈھانپنے کے ہیں، اور یہاں ستر سے مراد یہ ہے کہ اس پر پانی ڈالا جائے تو سرایت نہ کرسکے، اس حکم سے موزے کا بالائی حصہ جس میں ڈوری باندھی جاتی ہے مستثنی ہے۔

بُنے ہوئے موزے پر مسح نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ اس میں پانی اندر چلا جاتا ہے۔ موزے ایسے ہوں جو پاؤں کے اس پورے حصہ کوڈھانپیں جس کا دھونا وضو میں فرض ہے۔

اس کا نتیجہ یہ کہ موزے ٹخنے کو بھی ڈھانپ لیں۔ پھٹے ہوئے موزوں پر مسح نہیں ہوسکتا۔

ساتر مانع نظر ہو یا نہ ہو۔ مانع نظر ایسے حائل کو کہتے ہیں جس میں سے اندر کی جلد نظر نہ آسکے۔ ستر عورت میں حائل کے لیے شرط ہے کہ مانع نظر ہو۔ موزوں کے بازؤں اور نچلے حصہ اور ایڑی کے پچھلے حصہ میں ستر ہونا چاہیے، نہ کہ بالائی حصہ میں۔

۳۔ آسانی کے ساتھ چلنا ممکن ہو:

موزے ایسے ہوں جن کو پہن کر چلنے پھرنے میں سہولت ہو اور کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

۴۔ طہارتِ خف:

موزے پاک ہوں۔

موزوں پر مسح کی مدت:

مقیم ایک دن اور ایک رات مسح کرسکتا ہے اور مسافر تین دن اور تین رات۔ مدت کی ابتداء موزے پہننے کے بعد حدث سے ہوگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لیے تین دن اور تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات کی اجازت دی۔ (صحیح ابن خزیمۃ: باب ذکر الدلیل علی أن الأمر............۱۹۵، ص ۱/ ۹۸، یہ روایت علی رضی اللہ عنہ سے ہے)

دن اور رات سے مراد صرف اس قدر ہے کہ دن کے ساتھ رات شمار کی جائے۔ حساب کے لیے خواہ رات، دن سے پہلے واقع ہوئی ہو یا دن کے بعد۔ ورنہ عام طور پر دن کے قبل کی رات اس دن میں شمار ہوتی ہے۔ اسی طرح دن یا رات کے جس حصہ میں حدث ہوگا دن اور رات کے اسی حصہ میں مدت ختم ہوگی۔

اس مدت میں عام طور پر مقیم کی جملہ چھ نمازیں اور مسافر کی سولہ نمازیں ہوں گی۔

مسافر سے مراد ایسا شخص ہے جس کا سفر اتنا طویل ہو کہ نماز میں قصر جائز ہو۔ مدت اس وقت سے شمار ہوگی جب کہ موزے پہننے کے بعد پہلی مرتبہ وضو ٹوٹے، نہ کہ مسح کے وقت سے اور نہ موزے پہننے کے وقت سے۔

اگر اقامت میں مسح کرے اور سفر پر جائے یا سفر میں مسح کرے اور قیام کرے تو مقیم کے مسح کی تکمیل ہوگی۔اس مسئلہ میں مسح کا اعتبار ہے، حدث کا اعتبار نہیں ہے۔

اگر مقیم حدث واقع ہونے کے بعد سفر پر جائے اور سفر میں مسح کرے تو وہ مسافر کی مدت کی تکمیل کرے گا۔اور مدت کی ابتداء اس حدث سے ہوگی جو اقامت کی حالت میں ہوئی ہو۔

اگر اقامت میں مسح کرنے کے بعد سفر پر جائے یا سفر میں مسح کرنے کے بعد اقامت کرے اور ان دونوں صورتوں میں اگر مسح کے بعد ایک دن اور ایک رات گزر چکے ہوں تو موزے نکالنے اور پاؤں دھونے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

موزوں پر مسح کا طریقہ:

موزوں کے بیرونی اور بالائی حصہ پر مسح کیا جائے۔موزوں کے اندرونی یا پچھلے حصہ پر یا کنارے پر مسح نہیں ہوسکتا۔

سنت طریقہ یہ ہے کہ بایاں ہاتھ ایڑی کے آخری حصہ پر رکھے اور داہنا ہاتھ انگلیوں کی پشت پر، بائیں ہاتھ کو انگلیوں تک پھیرے۔ اور داہنے ہاتھ کو پنڈلی کے نیچے تک لائے۔ہاتھوں کی انگلیاں کھلی ہوئی ہوں اور خطوط (لکیروں) کی شکل پیدا ہو۔

بار بار مسح کرنا، تین مرتبہ مسح کرنا اور موزوں کا دھونا مکروہ ہے، اس لیے کہ ان سے موزوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

موزوں پر مسح کے مبطلات

موزوں پر مسح چار امور سے ٹوٹتا ہے:

۱۔موزے نکالے جائیں۔

۲۔مدت گزر جائے۔

۳۔غسل واجب ہو جائے۔

۴۔پاؤں نجس ہو جائے۔

روضہ میں چوتھی قسم پاؤں کی نجاست کی نسبت درج ہے اور بجیرمی نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے، ورنہ ابوشجاع نے صرف ابتدائی تین امور بیان کئے ہیں۔

موزوں پر مسح کرنے کی اجازت کو برخاست کرنے والے امور مبطلات ہیں اور تردیدی طور پران کی تعداد چار ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ایک معاملہ بھی پیش آنے پر مسح صحیح نہیں ہوسکتا۔

موزے کے نکالنے کی قید نہیں ہے۔ موزہ اپنے سے آپ نکل جائے یا پھٹ جائے تو کافی ہے۔ اسی طرح دونوں موزوں کے نکالنے کی بھی قید نہیں ہے۔ ایک موزہ بھی نکل جائے تو بس ہے۔

مقیم اور مسافر کی مقررہ مدت گزر جائے تو موزوں پر مسح نہیں ہوسکتا۔

موجبات غسل میں وہ سب امور داخل ہیں جن سے غسل فرض ہوتا ہے جیسے جنابت، حیض، نفاس اور زچگی وغیرہ۔

غسل

موجبات، فرائض، سنن، مسنون غسل

غُسل غین کے پیش کے ساتھ نہانے کواور **غَسل** غین کے زبر کے ساتھ دھونے کو کہتے ہیں، خواہ اس کا تعلق بدن سے ہو یا کپڑے وغیرہ سے۔

شرع میں غسل خاص نیت کے ساتھ تمام بدن پر پانی بہانے کو کہتے ہیں۔

کسی فاعل کے فعل کی شرط نہیں ہے۔ پانی میں نیت کے ساتھ غوطہ مارنے سے بھی غسل ہو جاتا ہے۔

غِسل غین کے زیر کے ساتھ صابون، بیسن، ریٹھے جیسی چیزوں کو کہتے ہیں جن سے غسل میں بدن صاف کیا جاتا ہے۔

اسلام سے پہلے غسل کا رواج تھا اور لوگ جنابت واقع ہونے پر غسل کرتے تھے۔ غسل ملت ابراہیمی کی باقیات میں سے ہے۔اس لیے کلام مجید میں وضو کی طرح غسل کے احکام تفصیل سے نہیں بیان کئے گئے۔ اختصار کے ساتھ صرف اس قدر حکم دیا گیا۔ ''وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا'' (المائدۃ ۶) اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو طہارت کرو۔

وضو کی کیفیت چوں کہ امت محمدی کی خصوصیات میں سے ہے اس لیے اس کو طہارت والی آیت میں تفصیل سے اللہ تعالی نے بیان فرمایا۔

موجبات غسل

غسل واجب کرنے والے امور چھ ہیں، تین امور مرد اور عورت دونوں کے لیے ہیں:

۱۔التقائے ختانین ۲۔انزال منی ۳۔موت۔

تین امور عورت کے لیے مخصوص ہیں:

۱۔حیض ۲۔نفاس ۳۔ولادت۔

موجبات غسل وہ امور ہیں جن کے واقع ہونے سے غسل واجب ہوتا ہے۔

نسبت عام وخاص کا نتیجہ یہ ہے کہ موجبات غسل عورت کے لیے چھ اور مرد کے لیے تین ہیں۔

غسل کا وجوب فوری نہیں ہے بلکہ اس میں مہلت ہے اور جیسا جیسا نماز کا ارادہ قریب ہوتا ہے ویسے ہی اس کی مہلت میں تنگی ہوتی ہے۔

مرد اور عورت کے لیے بلوغ کی قید نہیں ہے۔

التقائے ختانین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ “ (مسند احمد میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت ہے ۶/ ۲۳۹، یہ حدیث صحیح ہے) جب دونوں ختنے آپس میں ملیں تو غسل واجب ہو گیا۔

ختان مرد کی شرمگاہ کے اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں سے ختنہ کا چمڑا کاٹا جاتا ہے اور اس کے بعد کا حصہ ختنہ کہلاتا ہے۔عورت کی ختان، عورت کی شرمگاہ کے اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں سے بظر (دانہ) کو (عرب میں) کاٹا جاتا ہے۔

التقائے ختانین سے مراد یہ ہے کہ دونوں حصے ایک دوسرے کے مقابل ہو جائیں اور مل جائیں اور ان دونوں حصوں کے ملنے کے لیے حشفہ کا دخول لازم ہے۔بغیر دخول کے دونوں ختانین ملیں تو غسل واجب نہیں ہے۔

شرمگاہ کے حکم میں دبر (مقعد) بھی داخل ہے۔

التقائے ختانین موجب غسل ہے۔منی کا خارج ہونا ضروری نہیں ہے۔آدمی کے بالغ ہونے یا تمیز کی عمر کو پہنچنے کی قید نہیں۔شرمگاہ کے کمزور ہونے یا کپڑے وغیرہ سے لپٹا ہوا

ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

انزال منی:

مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ''۔ (مسلم: باب اِنما الماء من الماء ۸۰۱، یہ روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے) بے شک غسل ہے منی کے خارج ہونے سے۔

ابن عباس کے قول کے مطابق وجوب غسل کی ایک صورت اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

صحیحین میں روایت کی گئی ہے کہ ام سلیم والدہ حضرت انس نبی ﷺ کے پاس آئیں اور کہا کہ اللہ تعالی کا حکم نہیں ہے کہ حق بات سے کوئی شرمائے، اس لیے میں دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ آیا عورت مجامعت کا خواب دیکھے تو اس پر غسل لازم ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ''۔ ہاں جب وہ پانی (منی) دیکھے۔ (بخاری ۲۷۸۔ مسلم ۳۱۳)

منی کے محض خارج ہونے سے غسل واجب ہوتا ہے، بیداری یا نیند، شہوت یا غیر شہوت کی قید نہیں ہے۔ منی کے اخراج کے سبب سے غسل کو اس لیے واجب قرار دیا گیا کہ منی کے اخراج کے وقت سارے بدن میں لذت کا احساس ہوتا ہے۔

منی کے معنی گرنے اور ٹپکنے کے ہیں۔

منی کی علامتیں

منی کی شناخت کی علامات یہ ہیں:

منی تدفق یعنی کود کر یا لذت کے ساتھ خارج ہو یا اس میں گوندے ہوئے آٹے کی سی بو ہو یا تازہ منی میں کھجور کے پھول کی سی اور خشک منی میں انڈے کی سفیدی کی سی بو ہو، اگر چہ لذت کے ساتھ یا اچھلتے ہوئے نہ نکلی ہو۔

اگر یہ صفات نہ پائے جائیں تو وہ منی نہ کہلائے گی۔ اور نہ غسل واجب ہوگا، اعتماد اس پر ہے کہ ان علامات میں عورت یا مرد کی منی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اختلاف: حنفیہ کے پاس محض منی نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ تدفق (کودنے) یا لذت کے ساتھ خارج ہو اور شافعیہ میں محض منی نکلنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔

موت کی وجہ سے غسل واجب ہوتا ہے:

شیخان نے روایت کی ہے کہ ایک شخص کو جو بحالت احرام تھا اس کی اونٹ نے اس طرح گرایا کہ گردن ٹوٹ کر فوت ہوگیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِغسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ''۔ (بخاری ۱۲۰۸، مسلم ۱۲۰۶) اس کو پانی اور بیری کے پتے سے غسل دو۔

میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے۔ شہید اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور شہید کا غسل حرام ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدا کے بارے میں فرمایا ہے: ''لَا تَغسِلُوهُم فَإِنَّ كُلَّ جُرحٍ أَو دَمٍ يَفُوحُ مِسكًا يَومَ القِيَامَةِ'' (مسند احمد میں یہ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے ۱۴۲۲۵ اص ۳/۲۹۹۔ شعیب ارناؤوط نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد کے سلسلہ میں کہی تھی) انھیں غسل مت دو، ہر ایک زخم یا خون قیامت کے دن مشک کی خوشبو دے گا۔

مزید تفصیل جنائز کے بیان میں درج ہوگی۔

حیض، نفاس، زچگی

حیض: عورت کا وہ خون ہے جو نو سال کی عمر کو پہنچنے پر خارج ہوتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ﴾ (البقرۃ ۲۲۲) تم سے پوچھتے ہیں حیض کے بارے میں، کہہ دو وہ گندی چیز ہے، پس بیکار رہنے دو عورتوں کو حیض میں اور نہ ان کے نزدیک جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔

ایک عام اصول ہے کہ جس چیز کے بغیر واجب کی تکمیل نہیں ہوسکتی وہ بھی واجب ہے۔ اس اصول کے تحت آیت بالا غسل کے وجوب پر یوں دلالت کرتی ہے کہ شوہر کی خواہش مجامعت پر رضامندی عورت پر لازم آتی ہے اور مجامعت غسل کے بغیر جائز نہیں ہے۔ بخاری کی

روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت جحش سے فرمایا: ''إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي ''(بخاری:۳۳۱، یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے)حیض کے آغاز ہونے پر نماز کو چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو تو نہاؤ اور نماز پڑھو۔

نفاس : وہ خون ہے جو زچگی کے بعد نکلتا ہے، اس سے قطعی طور پر غسل واجب ہوجاتا ہے۔

ولادت: زچگی قطعی طور پر موجبِ غسل ہے۔ زچگی کے بعد پندرہ روز کے اندر جو خون خارج ہوتا ہے وہ نفاس ہے اور جو خون پندرہ دن کے بعد خارج ہوتا ہے وہ حیض ہے۔
(علماء نے ولادت کے بعد نکلنے والے خون کو نفاس کا نام دیا ہے، علماء نے کہا ہے کہ اس کی کم سے کم مدت ایک لحظہ ہے، درمیانی مدت چالیس دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت ساٹھ دن ہے)

علقہ اور مضغہ کا گرنا بھی زچگی میں تصور کیا جاتا ہے۔ علقہ اور مضغہ کے گرنے کے بعد بھی غسل واجب ہوتا ہے۔

غسل کے فرایض

غسل کے فرایض تین ہیں:

۱۔نیت

۲۔ازالہ نجاست

۳۔ بدن کے تمام ظاہری چمڑے پر پانی پہنچانا۔

فرائض غسل سے مراد وہ چیزیں ہیں جو غسل میں فرض ہیں اور جو بطور ارکان کے ہیں اور جن کے ذریعہ غسل کی ماہیت معلوم ہوتی ہے خواہ غسل واجب ہو یا مندوب۔

رافعی نے ازالۂ نجاست کو غسل کے فرائض میں شمار کیا ہے اور نووی کی رائے ہے کہ ازالۂ نجاست کو غسل سے تعلق نہیں ہے، اس لحاظ سے غسل کے فرائض صرف دو ہیں اور قولِ راجح یہی ہے۔

۱۔نیت:

حدیث میں ہے: ''**إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ**'' (بخاری ۱، مسلم ۱۹۰۷) بے شک اعمال نیت کے ساتھ ہیں۔

زندہ شخص کے غسل میں نیت فرض ہے۔ میت کے غسل میں نیت فرض نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ وضو کے بیان میں نیت کی تفصیل درج ہے۔

نیت کے الفاظ: نَوَيْتُ رَفْعَ الْجَنَابَةِ ۔ میں نیت کرتا ہوں جنابت کے رفع کرنے کی۔ یہاں جنابت کا حکم رفع کرنا مراد ہے۔

نَوَيْتُ رَفْعَ الْحَدَثِ۔ میں حدث دور ہونے کی نیت کرتا ہوں۔ اگرچہ کہ یہاں صرف حدث کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر قرینہ کے لحاظ سے اس سے مراد حدثِ اکبر ہے۔

نَوَيْتُ رَفْعَ الْحَدَثِ الْأَكْبَرِ۔ میں حدث اکبر کے رفع کرنے کی نیت کرتا ہوں، یہاں اکبر کا لفظ تاکید کے لیے ہے اور اس کا ذکر افضل ہے، بہ نسبت اس کے کہ ترک کیا جائے۔

نَوَيْتُ رَفْعَ الْحَدَثِ عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ۔ میں نیت کرتا ہوں تمام بدن سے حدث کو رفع کرنے کی۔

ایسی عبادت کی نیت سے غسل کیا جائے جو غسل پر موقوف ہو تو غسل صحیح ہے جیسا کہ نماز یا طواف کے لیے۔ نَوَيْتُ اِسْتِبَاحَةَ الصَّلَاةِ ۔ میں نماز کے مباح ہونے کی نیت کرتا ہوں۔

ایسی عبادت کی نیت سے غسل کیا جائے جو غسل پر موقوف نہ ہو تو غسل صحیح نہیں ہے جیسا کہ عید کے لیے۔ اس لیے کہ عید کا غسل واجب نہیں ہے۔

نَوَيْتُ فَرْضَ الْغُسْلِ ۔ میں فرض غسل کی نیت کرتا ہوں۔

نَوَيْتُ أَدَاءَ فَرْضِ الْغُسْلِ میں فرض غسل کے ادا کرنے کی نیت کرتا ہوں۔

نَوَيْتُ الْغُسْلَ الْمَفْرُوْضَ ۔ میں غسل مفروض کی نیت کرتا ہوں۔

نَوَيْتُ الْغُسْلَ الْوَاجِبَ ۔ میں غسل واجب کی نیت کرتا ہوں۔

فقط غسل کی نیت کافی نہیں ہے، اس لیے کہ غسل؛ عبادت اور عادت دونوں کے لیے ہوسکتا ہے، بخلاف فقط وضو کی نیت کے، اس لیے کہ وضو صرف عبادت کے لیے ہوتا ہے۔

"نَوَيْتُ الطَّهَارَةَ لِلصَّلَاةِ" میں نماز کے لیے طہارت کی نیت کرتا ہوں۔

"نَوَيْتُ الطَّهَارَةَ عَنِ الْحَدَثِ" میں حدث سے طہارت کی نیت کرتا ہوں۔

فقط طہارت کی نیت کافی نہیں ہے۔

"نَوَيْتُ رَفْعَ حَدَثِ الْحَيْضِ" میں حیض کے حدث کے رفع ہونے کی نیت کرتی ہوں۔

"نَوَيْتُ رَفْعَ حَدَثِ النِّفَاسِ" میں نفاس کے حدث کے رفع ہونے کی نیت کرتی ہوں۔

اگر کسی عورت پر غسل حیض اور غسل جنابت دونوں عائد ہوں تو کسی ایک کی نیت کافی ہے۔

اقترانِ نیت:

فرض غسل کے ساتھ نیت کی جائے۔ آغاز غسل کے لیے بدن کے اوپر کے حصے اور نچلے حصے میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ جس کسی حصہ بدن کے دھونے سے فرض غسل کا آغاز کیا جائے اسی وقت نیت کی جائے۔ اس لیے کہ جنبی (جو شخص جنابت کی حالت میں ہو) کا پورا بدن ایک ہی عضو ہے۔ اگر بدن کا کچھ حصہ دھونے کے بعد نیت کی جائے تو نیت سے پہلے دھوئے ہوئے حصہ کو دوبارہ دھویا جائے۔ نیت کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ شروع غسل سے نیت کی جائے۔

غسل سے پہلے کی سنتیں:

غسل میں جس طرح فرائض ہیں سنتیں بھی ہیں:

مسواک کرنا، بسم اللہ کہنا اور ہاتھوں کو دھونا غسل کی سنتیں ہیں جن پر فرض سے پہلے عمل ہوتا ہے اور ان کو سنن متقدمہ کہا جاتا ہے۔ ان سنن متقدمہ کے لیے بھی نیت مندوب ہے تاکہ ان کا ثواب حاصل ہو۔ غسل کی سنتوں کے لیے یہ نیت ہوسکتی ہے "نَوَيْتُ سُنَنَ الْغُسْلِ" میں غسل کی سنتوں کی نیت کرتا ہوں۔

اس نیت کے ساتھ غسل کی سنتوں پر عمل کیا جائے اوراس کے بعد جب فرض غسل کی نوبت آئے تو فرض غسل کی نیت کی جائے۔

۲۔ازالۂ نجاست:

نجاست کا زائل کرنا بشرطیکہ بدن پر ہو غسل کا دوسرا فرض ہے۔اس مسئلہ میں کہ آیا ایک مرتبہ دھونے سے نجاست بھی زائل ہو جائے گی اور غسل کی بھی تکمیل ہو سکے گی یا نہیں اختلاف ہے۔اگر نجاست کے اوصاف ایک مرتبہ کے دھونے سے زائل ہو سکیں تو نووی کے پاس ایک مرتبہ نجاست کے لیے اور ایک مرتبہ حدث کے لیے دھونا واجب ہے، اگر ایک مرتبہ دھونے سے نجاست کے اوصاف زائل نہ ہو سکیں تو پھر نووی اور رافعی دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور دونوں متفق ہیں کہ ایک مرتبہ نجاست کے لیے اور ایک مرتبہ حدث کے لیے دھونا واجب ہے۔

جو نجاست ایک مرتبہ دھونے میں زائل ہو سکے وہ نجاستِ حکمی ہے اور نجاست عینی بھی ہو سکتی ہے جس کے اوصاف ایک مرتبہ دھونے سے زائل ہو سکیں۔

ازالۂ نجاست میں شرط نہیں ہے کہ فاعل کے فعل کی وجہ سے زائل ہوئی ہو بلکہ بغیر کسی فعل کے خود بخود پانی کے گرنے یا پانی کے اس پر بہنے سے بھی زائل ہو جائے تو کافی ہے۔

نجاست میں نجاست معفو عنہا بھی داخل ہے۔بدن کے کسی حصہ پر نجاست معفو عنہا موجود ہو تو اس کا ازالہ بھی فرض ہے۔

ایک مرتبہ دھونے کا حکم عام نجاستوں کی نسبت ہے لیکن نجاست مغلظہ ہو تو سات مرتبہ دھونا فرض ہے جس میں سے ایک مرتبہ مٹی استعمال کی گئی ہو۔اگر بدن پر نجاست نہ ہو تو فرض باقی ہی نہیں رہتا۔

۳۔ پانی پہنچانا

پانی پورے بدن کے ظاہری چمڑے پر اور بالوں کی جڑوں تک پہنچانا غسل کا تیسرا

فرض ہے۔ ناخن بھی اس میں داخل ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ کہ غسل میں ظاہری چمڑے میں بدن کا زیادہ حصہ داخل ہے، بہ نسبت اس ظاہری چمڑے کے جو ناقض وضو ہے۔ بال گنجان ہوں یا خفیف، ان سب کو پانی پہنچانا چاہیے، بخلاف وضو کے۔

پانی کو پہنچانے میں فاعل کے فعل کی قید نہیں ہے۔ بغیر کسی فعل کے پانی پہنچ جائے تو بھی کافی ہے۔

بالوں میں گرہ ڈالی گئی ہو تو ان میں بھی پانی پہنچانا فرض ہے، بدن پر یا ناخن میں میل یا موم وغیرہ ہو اور پانی نہ پہنچ سکے تو غسل نہ ہوگا۔ کان کا سوراخ جس قدر نظر آتا ہے اور بدن کی جھریاں اور عورت کی شرمگاہ کا وہ حصہ جو قضائے حاجت کے لیے بیٹھتے وقت ظاہر ہوتا ہے اور مقعد کا منفذ یعنی ابتدائی حصہ ان سب کو پانی پہنچانا واجب ہے۔

غسل میں مضمضہ اور استنشاق مستقل سنتیں ہیں۔ غسل میں وضو سنت ہے اور وضو میں بھی مضمضہ اور استنشاق سنت ہیں، اس لیے وضو اور غسل دونوں میں ان پر عمل ہوگا۔ غسل میں وضو کا ترک کرنا جس طرح مکروہ ہے اسی طرح غسل میں مضمضہ اور استنشاق کا ترک کرنا بھی مکروہ ہے۔

اختلاف: حنفیہ کے نزدیک غسل میں مضمضہ اور استنشاق واجب ہیں۔

سنن غسل

غسل کی سنتیں پانچ ہیں:

۱۔ تسمیہ۔

۲۔ وضو۔

۳۔ بدن پر ہاتھ پھیرنا۔

۴۔ موالات یعنی پے درپے پانی بہانا۔

۵۔ تیامن؛ یعنی داہنی جانب کو بائیں سے پہلے دھونا۔

یہ سنتیں ہر ایک غسل کے لیے عام ہیں، خواہ واجب ہو یا مندوب۔ سنتوں کی تعداد پانچ پر محدود نہیں ہے۔ ان کے علاوہ بھی اور سنتیں ہیں، مگر ابوشجاع نے صرف پانچ کا ذکر کیا ہے اور ہم آخر میں بحوالۂ بیجوری اور بجیرمی ان میں کچھ اضافہ کریں گے۔

تسمیہ

تسمیہ دل کی نیت کے ساتھ ہو؛ زبان سے تسمیہ کہے اور دل میں نیت کرے، اس لیے کہ تسمیہ اور نیت دونوں وقتِ واحد میں زبان سے ادا نہیں کئے جا سکتے۔ اقل تسمیہ بسم اللہ اور اکمل تسمیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔

تسمیہ غسل کے آغاز میں اور اثناء میں کہا جا سکتا ہے، لیکن غسل سے فراغت پانے کے بعد تسمیہ نہیں کہا جائے گا۔

وضو

غسل سے پہلے مکمل وضو کیا جائے۔ جس میں یہ نیت کی جائے:

''نَوَيْتُ الْوُضُوْءَ لِسُنَّةِ الْغُسْلِ'' میں وضو کی نیت کرتا ہوں غسل کی سنت کے لیے۔

نَـوَيْـتُ الْـوُضُـوْءَ الْمَسْنُوْنَ لِلْغُسْلِ۔ میں وضوئے مسنون کی نیت کرتا ہوں غسل کے لیے۔

نَوَيْتُ الْوُضُوْءَ سُنَّتَ الْغُسْلِ ۔ میں وضو کی نیت کرتا ہوں سنت غسل کے لیے۔

وضو کا ذکر نہ کر کے محض سنتِ غسل کی نیت سے وضو کرنا سنت نہیں ہے۔ وضو پورے کا پورا آغاز غسل کے وقت یا بعض کو آغاز میں اور بعض کو آخر میں یا پورا آخر میں اثنائے غسل میں کیا جا سکتا ہے اور سنت حاصل ہو جاتی ہے لیکن غسل سے پہلے ہی مکمل وضو افضل ہے۔

غسل کے علاوہ وضو میں بھی مضمضہ اور استنشاق سنت ہیں۔ غسل سے فراغت پانے کے بعد بھی مضمضہ اور استنشاق کئے جا سکتے ہیں۔ اس لیے کہ غسل کی سنتیں غسل سے فراغت پانے کی وجہ سے فوت نہیں ہوتیں، بخلاف وضو کے جس میں ترتیب مقرر ہے۔

اختـــلاف: مضمضہ اور استنشاق غسل اور وضو دونوں میں شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک سنت ہیں اور حنبلیہ کے نزدیک دونوں میں واجب ہیں اور حنفیہ کے نزدیک غسل میں فرض ہیں اور وضو میں سنت۔

بدن کو رگڑنا

ہر مرتبہ کے پانی بہانے کے ساتھ جہاں تک ہاتھ پہنچ سکتا ہے بدن پر ہاتھ پھیرنا۔ ہاتھ پھیرنا اور رگڑنا دونوں مترادف ہیں، غسل میں تین مرتبہ دھونے پر عمل کیا جائے تو ہر ایک مرتبہ کے پانی بہانے کے ساتھ جسم پر ہاتھ پھیرا جائے۔ جہاں ہاتھ پہنچ سکتا ہو اس پر صرف پانی کا بہادینا کافی ہے۔

اختلاف : مالکیہ کے نزدیک غسلِ جنابت میں ہاتھ کا پھیرنا واجب ہے اور بقیہ تینوں ائمہ کے نزدیک مستحب۔

موالات

غسل میں موالات؛ اعضا کو ایسے پے در پے دھونے کو کہتے ہیں کہ دو عضو کے دھونے میں زیادہ فصل نہ ہو بلکہ ایک عضو کے بعد ہی دوسرا عضو دھویا جائے اور پہلا دھویا ہوا عضو معتدل ہوا، موسم اور مزاج کی حالت میں خشک نہ ہوئے پائے۔ اس کی تفصیل سنن وضو میں مذکور ہے۔

صاحب ضرورت کے لیے غسل میں موالات اسی طرح واجب ہے جس طرح وضو میں۔ صاحب ضرورت اس شخص کو کہتے ہیں جس کو بوجہ مرض نجاست کے جمع ہونے کا احتمال رہتا ہے۔

تیامن

داہنی جانب کو بائیں سے پہلے دھونا۔ یہ متفق علیہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیامن کو پسند فرماتے تھے۔ داہنے جانب میں اگلے اور پچھلے دونوں حصے داخل ہیں اور اسی طرح بائیں جانب میں بھی۔

زندہ شخص کے غسل میں، سر دھونے کے بعد پہلے داہنی جانب اگلے اور پچھلے حصہ پر پانی بہائے اور اس کے بعد بائیں جانب اگلے اور پچھلے حصہ پر، لیکن غسل میت کا طریقہ جداگانہ ہے۔

دیگر سنن غسل

دیگر سننِ غسل بحوالۂ بیجوری و بجیرمی درج ذیل کئے جاتے ہیں:

تثلیث: یعنی تین مرتبہ دھونا۔ سر پہلے تین دفعہ دھویا جائے، پھر داہنی جانب اگلے اور پچھلے حصہ کو تین دفعہ دھویا جائے اور اسی طرح پھر بائیں جانب۔ اگر پورا جسم ایک مرتبہ اور تیسری مرتبہ دھویا جائے تو بھی تثلیث کی سنت حاصل ہو جائے گی۔ جسم کے کسی ایک حصہ کی تثلیث دوسرے حصہ پر موقوف نہیں ہے۔ اگر پانی میں ڈوبے اور پانی بہتا ہو تو تثلیث کے لیے پانی کا تین مرتبہ جسم پر سے گزرنا کافی ہے۔ پانی ٹھہرا ہوا ہو تو پورے جسم کو تین مرتبہ حرکت دینا کافی ہے۔ پورے جسم کو یا سر کو پانی سے نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ پانی کے اندر حرکت ایسا ہی اثر رکھتی ہے جیسا کہ بہتا پانی۔

تجدیدِ وضو کی طرح تجدید غسل مسنون نہیں ہے۔

تخلیل شعر: بالوں کی جڑوں میں اور اندرونی جلد میں رگڑ کر پانی پہنچانا مسنون ہے۔

ازالہ غلاظت: ریٹھ، چیپڑے اور منی کو دور کرنا مسنون ہے۔

استقبال قبلہ: قبلہ کی طرف رخ کرنا مسنون ہے۔

چھینٹوں سے احتراز: ایسے مقام پر غسل کرنا جہاں سے چھینٹے نہ اڑیں مسنون ہے۔

بغل اور بدن کی جھریوں کو رگڑنا مسنون ہے۔

ستر: بدن کے قابل ستر حصہ کو ڈھانپنا، خلوت میں اور ان لوگوں کے سامنے جن سے پردہ نہیں ہے مسنون ہے۔

عورت: جو غیر محدہ (یعنی شوہر کے انتقال کی وجہ سے عدت میں نہ ہو) اور غیر محرمہ (یعنی حالتِ احرام میں نہ ہو) ہو، حیض وغیرہ کے غسل کے بعد شرمگاہ میں مشک یا خوشبو یا نمک کا پھامہ رکھے۔

بال یا ناخن حالت جنابت میں نہ کاٹے جائیں اور نہ فصد (رگ کھول کر فاسد خون نکالنے کو فصد کہا جاتا ہے) لی جائے۔

پانی کی مقدار: غسل پر ایک صاع یعنی چار مد (تین لیٹر) سے کم پانی نہ صرف کرنا مسنون ہے۔ ایک مد پانی کا وزن تین پاؤ یعنی بارہ چھٹانک ہوتا ہے۔ بخاری اور مسلم نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع سے غسل اور ایک مد سے وضو فرماتے تھے۔ (بخاری ۱۹۸، مسلم ۳۲۵)

اس سے کم پانی نہ ہونا چاہیے۔ لیکن بعض نے اس مقدار کے تعین کو بھی مندوب قرار دیا ہے، لیکن صحیح رائے یہ ہے کہ زیادتی میں حرج نہیں ہے بشرطیکہ اسراف نہ ہو۔

حمام میں مرد کے لیے برہنہ داخل نہ ہونا مسنون ہے۔ حمام سے مراد گھر کا غسل خانہ نہیں بلکہ گرم و سرد پانی کے وہ خاص حمام مراد ہیں جو اجرت پر چلائے جاتے ہیں۔ عورت کے لیے حمام میں داخل ہونا ہی مکروہ ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (الانفطار:۱۱) تمہارے اعمال کے لکھنے والے فرشتے تم جو کچھ کرتے ہو جانتے ہیں۔ ترمذی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَا مِنِ امْرَأَةٍ تَخْلَعُ ثِيَابَهَا فِيْ غَيْرِ بَيْتِهَا إِلَّا هَتَكَتْ مَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ'' (ابوداود: باب الدخول فی الحمام ۴۰۱۲) جو عورت اپنا لباس اپنے مکان کے سوائے کہیں اور اتارتی ہے اس عہد کو توڑ ڈالتی ہے جو اس کے اور اللہ کے درمیان ہے۔

مسنون غسل

مندرجہ ذیل غسل مسنون ہیں:

۱۔ جمعہ

۲۔میت کے غسل کے بعد

۳،۴۔عید الفطر اور عید الأضحیٰ

۵۔استسقاء

۶۔کسوف

۷۔خسوف

۸۔کافر جب اسلام لائے

۹،۱۰۔مجنون اور مغمی (بے ہوش) جب آرام پائے

۱۱۔احرام کے وقت

۱۲۔مکہ میں داخل ہوتے وقت

۱۳۔وقوفِ عرفہ

۱۴۔وقوف مشعر الحرام

۱۵۔رمی جمار

۱۶۔مدینہ میں داخل ہوتے وقت

اگر ان غسلوں میں سے متعدد غسل جمع ہو جائیں تو ایک غسل کرنا کافی ہے، دوسرے غسل ساقط ہو جائیں گے۔لیکن پورے ثواب کے حصول کے لیے ہر ایک غسل کی علحدہ نیت کرنا چاہیے۔

عام قاعدہ یہ ہے کہ جس غسل کے سبب میں تقدیم ہو یا گزر چکا ہو وہ واجب ہے اور جس غسل کے سبب میں تاخیر ہو یا مستقبل میں آنے والا ہو تو وہ غسل مندوب ہے۔البتہ چار غسل قاعدہ بالا سے مستثنیٰ ہیں:

۱۔میت کو غسل دینے کے بعد

۲۔کافر جب اسلام لائے

۳،۴۔مجنون اور مغمی جب آرام پائے۔

ان غسلوں کے اسباب پہلے واقع ہو چکے ہیں مگر پھر بھی یہ مندوب ہیں۔

تاکید کے اعتبار سے غسلوں کی ترتیب

تاکید کے اعتبار سے ان غسلوں کی ترتیب یہ ہے:

غسل جمعہ، اس کے بعد غسلِ میت کے بعد غسل دینے والے کا غسل، پھر وہ غسل جس میں احادیث کی کثرت ہے، پھر وہ غسل جس کے وجوب کی نسبت اختلاف ہے، پھر وہ غسل جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، پھر وہ غسل جس سے دوسروں کو نفع پہنچتا ہے۔

ان مسنون غسلوں میں وضو بھی مسنون ہے جیسا کہ واجب غسل میں مسنون ہے۔ وضو اور غسل کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا بھی مسنون ہے۔ اگر کوئی مسنون غسل فوت ہو جائے تو اس کی قضا نہیں ہے۔

مسنون غسل کے لیے پانی میسر نہ آئے تو غسل کی نیت کے ساتھ تیمّم کرے: ''نَوَيْتُ التَّيَمُّمَ بَدْلًا عَنْ غُسْلِ الْجُمُعَةِ أَوْ غَيْرِهِ''۔ میں تیمّم کی نیت کرتا ہوں غسل جمعہ کے بدلے۔ یا اسی طرح کسی اور غسل کے عوض نیت کی جائے گی۔

جمعہ : جمعہ کا غسل سب سے افضل اس لیے ہے کہ اس میں زیادہ تاکید ہے اور بعض علماء اس کے وجوب قائل بھی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ'' (بخاری ۸۷۷، مسلم ۸۴۴) جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لیے آئے تو غسل کرے۔

دوسری روایت میں ہے: ''مَنْ أَتَى الْجُمُعَةَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَلْيَغْتَسِلْ وَمَنْ لَّمْ يَأْتِهَا فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْئٌ'' (ابن خزیمۃ نے یہ روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''............ فلیس علیہ غسل من الرجال والنساء''؛ باب ایجاب الغسل للجمعۃ ۱۷۵۲۔ اس کی سند صحیح ہے) جو شخص مرد یا عورت جمعہ کے لیے آئے تو غسل کرے اور جو نہ آئے تو اس پر کوئی چیز نہیں۔

جمعہ کا غسل واجب نہ ہونے پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کو ترمذی نے روایت کیا ہے: ''مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ'' (ترمذی: الوضوء یوم الجمعۃ ۴۹۷، یہ روایت سمرہ بن جندب سے ہے۔ ابوداود، مسند احمد وغیرہ)

دوسری روایت میں ہے: ''اَلْغُسْلُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُحْتَلِمٍ'' (بخاری: ۸۵۸، ۸۷۹، مسلم: باب غسل یوم الجمعۃ ۱۹۹۴، یہ روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے) ہر ایک شخص پر جو بالغ ہو غسل جمعہ موکد ہے۔

یہاں لفظ واجب بمعنی موکد ہے، اس لیے کہ پہلی حدیث میں صرف وضو کو کافی بتایا گیا ہے۔ اصح رائے یہ ہے کہ بلا وجہ غسل جمعہ کا ترک کرنا مکروہ ہے۔

سنت: غسلِ جمعہ اس شخص کے لیے مسنون ہے جو نماز جمعہ میں حاضر ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔

وقت: غسل کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔ صبح کاذب صبح صادق سے ۵ درجہ (یعنی ۲۰ منٹ) قبل برآمد ہوتی ہے۔ غسل کا آخری وقت نماز میں داخل ہونے تک ہے، لیکن معتمد یہ ہے کہ نماز جمعہ میں داخل ہونے سے مایوس ہونے تک ہے، یعنی جب کہ امام سلام پھیر لے۔

افضل یہ ہے کہ نماز جمعہ کو روانہ ہونے کے قریب تر زمانہ میں غسل کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''مَنِ اغْتَسَلَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الْأُوْلٰی فَکَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً وَمَنْ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الثَّانِیَةِ فَکَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً وَمَنْ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَکَأَنَّمَا قَرَّبَ کَبْشًا أَقْرَنَ وَمَنْ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَکَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً وَمَنْ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَکَأَنَّمَا قَرَّبَ بَیْضَةً فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِکَةُ یَسْتَمِعُوْنَ الذِّکْرَ فَلَمْ یَکْتُبُوْا أَحَدًا'' (موطا امام مالک: باب العمل فی غسل یوم الجمعۃ ۲۲۷، یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے)

اختلاف: حنفیہ میں ایک قول کے مطابق جمعہ کا غسل واجب ہے۔ امام مالک کے نزدیک غسل جمعہ فرض ہے اور وقت میں بھی اختلاف ہے، صرف نماز کے لیے روانگی کے وقت صحیح ہوسکتا ہے، ورنہ تینوں اماموں کے پاس صبح صادق سے غسل ہوسکتا ہے۔

غسلِ میت

میت کو غسل دینے کے بعد غسل دینے والے کے لیے غسل کرنا مسنون ہے۔ مسنون غسل میں بلحاظ تاکید اس غسل کا درجہ غسلِ جمعہ کے بعد ہے۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ (احمد اور اصحاب سنن نے یہ روایت کی ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے ۹۹۳) وَمَنْ حَمَلَ الْمَيِّتَ فَلْيَتَوَضَّأْ'' (یہ مکمل روایت ابوداود میں ہے: باب فی الغسل من غسل المیت ۳۱۶۳) جس شخص نے میت کو غسل دیا اس کو چاہیے کہ غسل کرے اور جس نے میت کو اٹھایا اس کو چاہیے کہ وضو کرے۔

بجیرمی نے لکھا ہے کہ میت کو اٹھانے سے پہلے اور اٹھانے کے بعد دونوں وقت وضو کیا جائے۔ غسل کے واجب نہ ہونے پر یہ حدیث جس کی حاکم نے روایت کی ہے دلالت کرتی ہے: ''لَيْسَ عَلَيْكُمْ فِيْ غُسْلِ مَيِّتِكُمْ غُسْلٌ إِذَا غَسَّلْتُمُوْهُ وَيُسَنُّ الْوُضُوْءُ مَنْ مَسَّهُ '' (حاکم ۱/۳۸۶) میت کو غسل دینے میں تم پر کوئی غسل (واجب) نہیں ہے اور وضو مسنون ہے اس شخص کے لیے جو اس (میت) کو چھوئے۔

اس غسل کو مسنون قرار دینے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ قالبِ بے جان کے چھونے سے چھونے والے میں جو کمزوری پیدا ہوتی ہے اس کو غسل کا پانی تقویت پہنچاتا ہے۔

وقت: اس کا وقت غسلِ میت سے فراغت پانے کے بعد شروع ہوتا ہے اور ارادہ ترک کرنے پر ختم ہوتا ہے۔

میت کو تیمّم کرایا جائے تو تیمّم کرانے والے کے لیے غسل کرنا مسنون ہے۔

میت میں تعمیم ہے؛ مسلمان کی ہو یا کافر کی اور اسی طرح غسل دینے والا طاہر یا حیض کی حالت میں ہو اس پر غسل مسنون ہے۔

مسنون غسل چھوٹ جانے کے بعد پھر اس کی قضا نہیں ہے۔ اس لیے کہ غسل کا وقت یا سبب دونوں گزر چکے۔ سنت غسل کے حکم سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو پانی پہنچانے یا دوسرے کاموں میں مدد دے رہے ہوں۔

عیدین

عیدالفطر اور عیدالأضحیٰ کے موقع پر غسل، بالغ اور کمسن، مرد اور عورت اگرچہ حیض یا نفاس میں ہو سب کے لیے سنت ہے، اس لیے کہ غسل سے اس دن کی زینت مقصود ہے۔ عید کے غسل کے لیے نماز کی حاضری کے ارادے کی قید نہیں ہے جیسے جمعہ میں ہے۔

وقت : اس کا وقت نصف شب سے شروع ہوتا ہے تاکہ دیہات اور مضافات کے رہنے والے اندھیرے میں ہی عید کے لیے روانہ ہوسکیں۔ نصف شب سے پیشتر غسل عید صحیح نہیں ہے۔ افضل یہ ہے کہ فجر کے بعد غسل کیا جائے۔ غسل عید کا آخر وقت سورج کے غروب تک ہے، اگرچہ کہ نماز عید کا وقت زوال کو ختم ہو جائے۔ اس غسل کو نماز سے تعلق نہیں ہے بلکہ عید کے دن کے ساتھ منسوب ہے اور عید کا دن غروب پر ختم ہوتا ہے۔

نیت: عیدالفطر میں نیت کی جائے: "نَوَیْتُ سُنَّةَ الْغُسْلِ لِعِیْدِ الْفِطْرِ "۔ میں عید فطر کے لیے سنت غسل کی نیت کرتا ہوں۔

عیدالاضحیٰ میں یہ نیت کی جائے: "نَوَیْتُ سُنَّةَ الْغُسْلِ لِعِیْدِ الْأَضْحٰی"۔ میں عیدالاضحیٰ کے لیے سنت غسل کی نیت کرتا ہوں۔

اگر نیت میں صرف اس قدر کہا جائے: "نَوَیْتُ سُنَّةَ غُسْلِ الْعِیْدِ "(میں عید کے سنت غسل کی نیت کرتا ہوں) تو جس عید کا قرینہ ہوگا وہ عید مراد ہوگی۔

استسقاء

استسقاء کے لفظی معنی پانی طلب کرنے کے ہیں اور شرع میں بارش رکے رہنے کی صورت میں بارش کے لیے نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کو استسقاء کہتے ہیں۔ نماز استسقاء کے لیے غسل کرنا مسنون ہے۔

وقت: جو شخص منفرد نماز پڑھنا چاہتا ہے نماز کے ارادے کے وقت اور جو جماعت سے نماز پڑھنا چاہتا ہے جماعت میں شامل ہوتے وقت غسل کا وقت شروع ہوگا اور نماز مکمل

ہونے پر ختم ہوگا۔

کسوف وخسوف: کسوف؛ سورج گہن کو اور خسوف؛ چاند گہن کو کہتے ہیں۔
گہن کے اوقات میں غسل مسنون ہے۔

وقت: سورج اور چاند میں تغیر شروع ہونے کے ساتھ غسل کا وقت شروع ہوتا ہے اور گہن کے پورے طور پر جانے پر ختم ہوتا ہے۔

کافر: جب اسلام لائے۔ اسلام لانے کے بعد غسل کرنا مسنون ہے، نہ کہ اسلام لانے سے قبل۔ اس لیے کہ قبول اسلام سے قبل نیت صحیح نہیں ہوسکتی۔ اصح رائے یہ ہے کہ جو غسل کفر کی حالت میں کیا جائے اس کا کوئی اثر نہیں۔ قبول اسلام کے لیے کلمۂ شہادت کے پڑھانے کو غسل کے لیے ملتوی نہیں کیا جاسکتا۔

غسل سے پیشتر سوائے داڑھی کے دوسرے بالوں کا نکالنا مسنون ہے۔

سر منڈھوانا تین مواقع پر مسنون ہے:

۱۔ کافر جب اسلام لائے
۲۔ نومولود کی ولادت کے بعد
۳۔ نسک (حج وعمرہ) میں

ان مواقع کے علاوہ بھی سر منڈھوانا مباح ہے اور کہا گیا ہے کہ بدعت حسنہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نسک (عبادت حج) میں چار مرتبہ سر کے بال منڈھوائے تھے۔ پہلی مرتبہ عمرہ حدیبیہ میں، دوسری مرتبہ عمرۂ قضا میں، تیسری مرتبہ جعرانہ میں اور چوتھی مرتبہ حجۃ الوداع میں۔

نومسلم شخص بالغ ہوتو اعتماد اس پر ہے کہ جنابت کے لیے بھی غسل واجب ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ اسلام لانے پر یہ غسل اس آیت کے عام مفہوم کے تحت ساقط ہوجائے گا: ﴿قُل لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنتَهُوا يُغفَرْ لَهُم مَا قَدْ سَلَفَ﴾ (الأنفال ۳۸) کہدو کافروں سے کہ اگر وہ باز آئیں گے تو معاف کردیے جائیں گے ان کے گناہ جو گزر چکے ہیں۔

اس طرح سن بلوغ کے بعد اسلام لائے ہوئے شخص کے ذمہ دو غسل ہوں گے، غسل واجب، حدث اکبر کے لیے۔ اور غسل مسنون، قبول اسلام کے لیے۔ ان دونوں کی نیت ایک ساتھ کر کے غسل کیا جائے تو دونوں غسل ہوں گے، ورنہ جس غسل کی نیت کی جائے وہی غسل ہوگا۔

اگر کافر کلمۂ شہادت کی تلقین کرانے کی درخواست ایسے شخص سے کرے جو نماز میں ہوتو اس کو اس غرض کے لیے نماز کا توڑنا واجب ہے جیسا کہ ڈوبتے کو بچانے کے لیے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص توبہ کرنے کے لیے آئے تو توبہ کرانے میں تاخیر کرنا بھی حرام ہے، اس لیے کہ گناہ سے توبہ فوراً واجب ہے۔

مجنون اور مغمی جب آرام پائے تو ان کے لیے غسل مسنون ہے۔ مجنون کے لیے غسل اس وقت مسنون ہوگا جب کہ جنون منقطع ہو جائے۔

بے ہوشی کے لیے کسی مدت کی قید نہیں۔ ایک لحظہ بے ہوشی بھی کافی ہے۔ ان دونوں کو رفع جنابت کی نیت کرنا چاہیے جیسا کہ شافعی کا قول ہے: ''**قَلَّ مَنْ جُنَّ أَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ إِلَّا وَأُنْزِلَ**''، جس شخص پر بھی جنون یا بے ہوشی طاری ہوتی ہے ضرور منی خارج ہوتی ہے۔

جنون اور بے ہوشی میں جب کبھی افاقہ ہو غسل مسنون ہوگا۔ یہ غسل مسنون صرف اسی صورت میں ہے جب کہ منی خارج ہونا یقینی نہ ہو۔ اگر یہ معلوم ہو کہ جنون یا بے ہوشی کی حالت میں انزال بھی ہوا تھا تو غسل واجب ہو جائے گا اور دو غسل اس کے ذمہ ہوں گے۔ غسل واجب جنابت کی وجہ سے اور غسل مسنون جنون یا بے ہوشی کی وجہ سے اور دونوں کی نیت سے ایک غسل کیا جائے گا۔

احرام کے ارادے کے وقت غسل مسنون ہے۔ حج یا عمرہ یا دونوں کے لیے۔ مطلق نیت کرنے کو احرام کہتے ہیں۔ بالغ اور نابالغ ممیّز اور غیر ممیّز، مجنون اور عاقل، آزاد اور غلام، مرد اور عورت خواہ حیض ونفاس کی حالت میں ہو، ان سب کے لیے احرام کا غسل مسنون ہے۔ غیر ممیّز اور مجنون کو ان کا ولی غسل کرائے گا۔

وقت: اس غسل کا وقت احرام کے ارادے کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور احرام کر لینے پر ختم ہو جاتا ہے۔

مکہ: میں داخل ہوتے وقت غسل کرنا مسنون ہے اور یہ بھی مسنون ہے کہ ذی طویٰ میں غسل کیا جائے، طوی کنویں کا نام ہے جو اس مقام پر ہے۔

حرم مکہ میں اور کعبۃ اللہ میں داخل ہونے کے لیے بھی غسل مسنون ہے بشرطیکہ دخول حرم کے لیے مکہ سے قریب مقام پر غسل نہ کیا گیا ہو۔ ماوردی نے اس شخص کو اس غسل سے مستثنیٰ کیا ہے جو مکہ سے نکل کر قریب مقام جیسے تنعیم سے احرام کرے اور احرام کے لیے غسل کرے، اس لیے کہ دو غسل قریب ہو جاتے ہیں۔

اس غسل سے وہ شخص بھی مستثنیٰ ہے جس نے جمعہ یا عید کے لیے غسل کیا ہو۔

اصول یہ ہے کہ اگر دو غسل ایک دوسرے سے قریب واقع ہو رہے ہوں تو دوسرا غسل اس وقت تک مسنون نہیں ہے جب تک کہ جسم کی بو میں تغیر نہ پیدا ہو، ورنہ دوسرا غسل بھی مندوب ہوگا۔

تنعیم کی قید سے وہ احرام خارج ہو جاتا ہے جو حدیبیہ یا جعرانہ میں کیا جائے۔ ان دو مقامات میں غسل کیا جائے تو دخول مکہ کے لیے پھر غسل مسنون ہوگا۔ یہ غسل محرم (یعنی جو حالت احرام میں ہو) اور حلال (یعنی جو حالتِ احرام میں نہ ہو) دونوں کے لیے مسنون ہے۔ محرم میں وہ شخص داخل ہے جس نے حج یا عمرہ یا دونوں کے لیے یا مطلق احرام کی نیت کی ہو۔

وقوف عرفہ کے وقت نویں ذی الحجہ کو غسل مسنون ہے۔ اس کا وقت جمعہ کی طرح صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ زوال سے قریب بلکہ زوال کے بعد غسل کیا جائے جس طرح غسل جمعہ میں نماز جمعہ کے لیے روانگی سے قریب غسل کرنا افضل ہے۔

وقوف کا وقت نویں ذی الحجہ کے زوال سے دسویں کی فجر تک ہے۔ اس لیے نویں ذی الحجہ کے زوال کے قریب تر زمانہ میں غسل کو فضیلت ہے۔ افضل یہ ہے کہ غسل نمرہ میں کیا جائے، ورنہ دوسری جگہ بھی سنت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس غسل کا وقت عید کی فجر کو ختم ہو جاتا ہے۔

وقوفِ مشعر الحرام کے لیے غسل کرنا مسنون ہے اور اس کا وقت آدھی رات سے شروع ہوتا ہے۔ مشعر الحرام قزح کے پہاڑ کو کہتے ہیں جو مزدلفہ کے کنارے واقع ہے۔ اس قول کی تائید شربینی، بیجوری اور بجیرمی نے کی ہے اور اعتماد اس پر ہے، لیکن ابوشجاع نے مزدلفہ میں رات گزارنے کے لیے غسل کرنا مسنون لکھا ہے جس کا وقت غروب کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ آدھی رات کے بعد ایک لحظہ بھی مزدلفہ میں گزارنا مبیت (شب گزارنے) کی تعریف میں داخل ہے، ابوشجاع کا یہ قول مرجوح اور ضعیف اس لیے ہے کہ یہ غسل وقوفِ عرفہ کے غسل کے قریب واقع ہوا ہے، حالاں کہ اصول یہ ہے کہ دو غسل قریب قریب مسنون نہیں ہو سکتے۔

رمی جمار الثلاث: یعنی تین جمرات پر کنکریوں کے پھینکتے وقت غسل کرنا مسنون ہے۔ جمار الثلاث یہ ہیں: جمرۃ الکبریٰ۔ جو مسجد خیف کے نزدیک ہے۔ پھر جمرۃ الوسطیٰ اور پھر جمرۃ العقبہ۔ تشریق کے تین دنوں میں ہر روز کے رمی جمار کے لیے غسل کیا جائے لیکن یوم نحر (عیدالأضحیٰ) میں رمی جمار عقبہ کے لیے اس لیے غسل نہ کیا جائے کہ یہ غسل وقوفِ مشعر الحرام یا عید کے غسل کے قریب ہو جاتا ہے۔ اگر وقوف کے لیے یا عید کے لیے غسل نہ کیا گیا تو جمار عقبہ کے لیے غسل کرنا مندوب ہے۔

وقت: اس غسل کا وقت گو فجر سے شروع ہوتا ہے مگر زوال کے بعد تک تاخیر کرنے میں فضیلت ہے۔

مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے لیے غسل کرنا مسنون ہے۔ بیجوری کا قول ہے کہ حرم مدینہ میں داخل ہونے کے لیے بھی غسل مسنون ہے، مگر بجیرمی نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ شہر مدینہ اور حرم مدینہ میں فرق یہ ہے کہ حرم بہ نسبت شہر کے زیادہ وسیع رقبہ رکھتا ہے اور یہی صورت مکہ مکرمہ کے حرم اور شہر کی ہے۔

تیمّم

(شرائط،فرایض،سنن اورمبطلات)

تیمّم کے معنی قصد اور ارادے کے ہیں اور شرع میں خاص شرائط پر وضو یا غسل کے عوض چہرے اور ہاتھوں کو پاک مٹی پہنچانے کے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ (النساء۴۳) اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو تو تیمّم کرو پاک مٹی سے۔

پاک سے مراد وہ مٹی ہے جو پاک اور پاک کرنے والی ہو۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَتُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا'' (مسلم۵۲۲) ہمارے لیے زمین مسجد (سجدہ گاہ) بنائی گئی اور اس کی مٹی پاک کرنے والی۔

اس حدیث کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ تیمّم اس امت کی خصوصیات میں سے ہے تاکہ کوئی مسلمان ہر حالت اور ہر وقت طہارت سے محروم نہ رہے، ورنہ دوسری امتوں کو پانی کے بغیر طہارت حاصل نہیں ہوتی تھی۔

اس حدیث سے ایک دوسری بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ امت محمدی کے لیے زمین کا ہر حصہ سجدہ گاہ ہے، بخلاف دوسری امتوں کے جو مقیم رہنے کی صورت میں صرف اپنے معابد اور کنیسوں میں عبادت کر سکتے تھے، البتہ سفر کی حالت میں ان کو بھی عبادت کے لیے معابد کی قید نہ تھی۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ جنگ ذات سلاسل کی

ایک جاڑے کی رات انھیں احتلام ہوا اور خوف تھا کہ غسل کریں تو نقصان پہنچے گا۔ انھوں نے تیمّم کر کے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ ساتھیوں نے اس واقعہ کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا: ''صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ وَأَنْتَ جُنُبٌ''۔ کیا تم نے جنابت کی حالت میں ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ عمرو بن عاص نے عرض کیا: سَمِعْتُ اللّٰهَ يَقُولُ: ''وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا'' (النساء ۲۹) میں نے اللہ کو یہ کہتے سنا: (نہ ہلاک کرو اپنے آپ کو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے)۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور کچھ نہ کہا۔ (مستدرک حاکم: کتاب الطہارۃ ۶۲۸۔ ۶۲۹، حاکم نے کہا ہے: علی شرط الشیخین)

کثرت اتفاق اس پر ہے کہ تیمّم ہجرت کے چھٹے سال فرض کیا گیا اور بعض کا قول ہے کہ چوتھے سال۔

رخصت: بعض کا قول ہے کہ تیمّم مطلق رخصت ہے، خطیب نے اس قول کی تائید کی ہے۔ رخصت اس آسانی پیدا کرنے والے حکم کو کہتے ہیں جو کسی عذر کی وجہ سے باوجود یہ کہ اصل حکم کا سبب قائم رہے دیا جائے۔ ابو حامد نے لکھا ہے کہ قضا کا حکم ساقط کرنے کو رخصت کہتے ہیں۔ اردو زبان میں رخصت کا مفہوم اجازت کے لفظ سے ٹھیک ادا ہوتا ہے۔

بعض نے تیمّم کو عزیمہ یعنی مقرر کی ہوئی چیز بیان کیا ہے۔ بعض نے ان دونوں اقوال کو اس طرح ملایا ہے کہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کیا جائے تو وہ عزیمت ہے اور اگر پانی کی موجودگی میں کسی دوسرے عذر کی وجہ سے تیمّم کیا جائے تو وہ رخصت ہے۔ بجیرمی نے اس قول کی تائید کی ہے۔

مٹی پہنچانے کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاعل کے فعل کی ضرورت ہے، اگر ہوا کے جھونکے سے مٹی اور غبار اپنے آپ پہنچ جائے اور تیمّم کی نیت کر کے اس پر ہاتھ پھیرے تو کافی نہیں ہے۔ مٹی کے لیے قید ہے کہ پاک ہو اور پاک کرنے والی ہو۔ شرائط سے مراد وہ امور ہیں جو ضروری ہیں اور اس میں ارکان بھی داخل ہیں۔

تیمّم کا بیان وضو اور غسل کے بعد اس لیے ہے کہ تیمم ان دونوں کا بدل ہو سکتا ہے۔

تیمّم کے متعلق چار امور بیان کئے جاسکتے ہیں۔ شرائط۔ فرائض۔ سنن اور مبطلات۔

تیمّم کے شرائط

تیمّم کے شرائط پانچ ہیں:

۱۔ سفر یا بیماری کا عذر ہو۔

۲۔ نماز کا وقت شروع ہو چکا ہو۔

۳۔ پانی تلاش کیا جائے۔

۴۔ پانی کا استعمال دشوار ہو۔

۵۔ مٹی پاک کرنے والی ہو۔

ان پانچ امور میں صرف ایک شرط نماز کا وقت ہونے کی نسبت ہے اور دوسرے امور اسباب ہیں جیسا کہ سفر یا بیماری کا عذر ہو اور ان سب کو شرائط میں شمار کیا گیا ہے۔

نووی نے تین امور بیان کئے ہیں:

۱۔ پانی میسر نہ ہو

۲۔ پانی کی ضرورت ہو

۳۔ پانی کے استعمال میں خوف ہو

بعض نے سات امور اور بعض نے اکیس امور درج کئے ہیں اور یہ سب کے سب دراصل ایک ہی سبب میں شامل ہیں اور وہ ہے پانی کے استعمال سے معذوری، چاہے وہ معذوری حسی ہو یا شرعی۔

سفر میں یا بیماری میں عذر کی موجودگی اور تحقیق ضروری ہے۔

عذر سے مراد یہ ہے کہ پانی کے استعمال کرنے میں عجز اور مجبوری ہو۔ سفر کے سبب کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ سفر میں عام طور پر پانی کی فراہمی میں دشواری ہوتی ہے، خاص طور پر ریگستانی ممالک میں، ورنہ اس مسئلہ کا دارومدار پانی کے فقدان پر ہے، خواہ سفر میں ہو یا حضر میں اور اس کو عذر حسی کہتے ہیں۔

مقیم کے لیے پانی کے نہ ملنے کے عذر پر تیمّم جائز نہیں ہے، اس لیے اس کو تیمّم کر کے نماز پڑھنے کے باوجود نماز کا اعادہ کرنا اور قضا کرنا لازم ہے۔

پانی کا فاصلہ حد قرب سے زیادہ دور ہو تو بھی مقیم کو پانی لانا چاہیے۔ البتہ پانی کے لیے سفر اختیار کرنے پر وہ مجبور نہیں ہے، اس لیے کہ یہ قول بھی عام ہے کہ جو لوگ ایسے جنگل میں رہتے ہیں جہاں پانی نہ ہو تو ان پر لازم نہیں ہے کہ اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو جائیں۔

عذر بہ سبب مرض کا مطلب یہ ہے کہ پانی کے استعمال سے کوئی مرض پیدا ہو، کسی مرض میں زیادتی ہو، صحت یابی میں تاخیر ہو یا کسی ظاہری عضو میں بدنما عیب پیدا کرے۔ ظاہری عضو سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں اور ان کے علاوہ باطنی اعضاء ہیں۔ اس بارے میں طبیب کی رائے پر یا اپنی واقفیت پر عمل کرنا ہوگا۔

یہ عذر شرعی ہے، ان دونوں اعذار کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کشتی میں سوار ہو اور دریا یا سمندر سے پانی لینے میں اس کو ڈوبنے کا خوف ہو تو تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے اور اس نماز کا اعادہ نہیں ہے۔

خطیب کا قول ہے کہ آخر وقت پانی کے ملنے کا یقین ہو تو اس کا انتظار افضل ہے، بہ نسبت اس کے کہ تیمّم کر کے اول وقت نماز پڑھے۔ شرح بہجہ میں لکھا ہے کہ وضو پر قدرت ہونے کی صورت میں تیمّم جائز نہیں ہے۔

شیخ ابو شجاع اور ابن قاسم نے صرف عذر سفر کو شرط تیمّم قرار دیا تھا۔ لیکن شیخ ابراہیم بیجوری نے یہ توجیہ کی ہے کہ سفر میں عموماً پانی کا فقدان ہوتا ہے اس لیے سفر کو شرط قرار دیا گیا۔

نماز کا وقت شروع ہو چکا ہو

تیمّم نماز کا وقت ہونے پر کیا جائے گا۔ وقت سے پہلے تیمّم صحیح نہیں ہے۔ وقت ہونے کی نسبت یقین بھی ہو۔ وقت پر تیمّم کرنے کے بعد نماز پڑھنے میں تاخیر کرنا بھی جائز ہے، بخلاف دائم الحدث کے۔

وقت میں وقتِ عذر بھی شامل ہے۔ اگر ظہر اور عصر کی نمازوں کی جمع میں تقدیم کی

جائے تو ظہر کی نماز کے بعد بھی عصر کے لیے تیمّم کیا جائے گا۔ اور اسی طرح مغرب کے بعد عشاء کے لیے۔

بدن سے نجاست کا ازالہ کرنے سے قبل تیمّم صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس میں صرف بدن سے نجاست کے ازالہ کی قید ہے۔ لباس اور مکان کی طہارت کی قید نہیں ہے۔

نماز جنازہ کا وقت میت کو غسل دینے یا تیمّم کرانے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

استسقاء کا وقت ارادے کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔

کسوف اور خسوف کا وقت آغاز تغیر کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔

مطلق نفل کا وقت نفل کے ارادے کے ساتھ اور سجدۂ تلاوت کا وقت سجدے کے ارادے کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔

اختلاف : دخول وقت کی قید امام احمد اور امام مالک نے بھی قرار دی ہے۔ امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ دخول وقت کے پہلے بھی تیمّم صحیح ہوسکتا ہے، اس لیے کہ ان کے نزدیک تیمّم مطلق طہارت ہے۔

پانی تلاش کیا جائے

یعنی نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد پانی تلاش کیا جائے۔ اس شرط کی تعمیل اس وقت کی جائے گی جب کہ اس مقام پر پانی کے فقدان کا یقین نہ ہو۔ پانی کے فقدان کی نسبت یقین ہو تو پانی کی تلاش کے بغیر تیمّم کیا جاسکتا ہے۔ پانی کی تلاش کے لیے قید ہے کہ وقت ہونے کے بعد تلاش کیا جائے۔ وقت ہونے سے قبل تلاش کرنا کافی نہیں ہے۔

پانی کی تلاش اپنے مسکن میں اور اپنے ساتھیوں کے پاس کی جائے۔ مسطح میدان ہو اور درخت وغیرہ مانع نظر نہ ہوں تو چاروں جہات میں نظر دوڑائی جائے۔ خاص طور پر ان مقامات پر جہاں سبزہ ہو یا پرند دکھائی دیں۔ نشیب و فراز کے مقام پر حد نظر تک چلا جائے، نظر سے مراد معتدل نظر ہے، معتدل نظر کی حد، تیر کی زد کی حد اور آواز کی حد مترادف ہیں۔

حد نظر کا فاصلہ نصف فرسخ یعنی ڈیڑھ میل سے کم ہوگا۔ اور اس کا منشا یہ ہے کہ حد نظر

تک تمام جہات میں آنا جانا واجب ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اگر قریب میں کوئی ٹیلہ وغیرہ ہوتو اس پر چڑھ کر اطراف نظر دوڑانا کافی ہے۔ حدِ قرب نصف فرسخ یعنی ڈیڑھ میل کے فاصلہ کو کہتے ہیں اور یہ حدِ نظر سے زیادہ ہے۔

حد قرب تک تلاش کرنا واجب نہیں ہے۔ اگر اس فاصلہ میں پانی کی موجودگی کا یقین ہوتو واجب ہے۔

حد بعد: نصف فرسخ یعنی ڈیڑھ میل سے زیادہ فاصلہ کو کہتے ہیں۔ حدِ بعد تک پانی تلاش کرنا واجب نہیں ہے۔

تلاش کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ جان ومال کے لیے کوئی خطرہ نہ ہو۔ پانی کی دستیابی کا یقین ہونے کے بعد بھی اس کے لانے میں جان اور مال کی نسبت خطرہ نہ ہونے کی قید ہے۔

خطیب نے لکھا ہے کہ پانی قلیل مقدار میں ہو اور طہارت کے لیے کافی نہ ہوتو اس کا استعمال بعض اعضائے وضو میں بلحاظ ترتیب واجب ہے اور غسل میں بغیر ترتیب کے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ'' (السنن الکبری للبیہقی: باب المریض یفطر ثم لم یفتح......۸۴۷۴) جب میں تم کو کسی کام کے لیے حکم دوں تو تم جس قدر ہوسکے کرو۔

اس قلیل پانی کا استعمال پہلے ہوگا اور اس کے بعد تکمیل کے لیے تیمّم کرنا ہوگا۔ اگر بدن پر نجاست ہوتو اس پانی سے پہلے نجاست دور کی جائے گی۔

پانی کا استعمال دشوار ہو

پانی کا استعمال اس طرح دشوار ہو کہ جان کے جانے یا کسی عضو کے بیکار ہو جانے کا خوف ہو۔ یہ چوتھی شرط پہلی شرط سے زیادہ عام ہے۔ بجیرمی کی رائے ہے کہ اس چوتھی شرط کا جزء اول ''استعمال کی دشواری'' پہلی شرط میں اور جزء دوم پانی کی حاجت تیسری شرط میں شامل ہے اور حقیقت پر غور کیا جائے تو جملہ شرائط تین ہیں:

۱۔ پانی کے استعمال میں مجبوری؛ حسی ہو یا شرعی۔

۲۔ دخولِ وقت

۳۔ پاک مٹی

عذر میں ایسی صورت بھی داخل ہے جس میں پانی قریب ہو لیکن اس کی طرف جانے میں جان یا مال کو مضرت پہنچنے یا ساتھیوں کے چھوٹ جانے کا خوف ہو۔ اس میں وہ پانی بھی داخل ہے جو مسبل یعنی پینے کے لیے رکھا گیا ہے۔ پینے کے لیے رکھے ہوئے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔

تلاش کے بعد پیاسے اور محترم حیوان یا سواری کے جانور کے لیے اس پانی کی ضرورت ہو تو پانی کی موجودگی کے باوجود تیمّم کیا جائے گا۔ اگر قافلہ میں کوئی شخص پیاسا ہو تو ایسے پانی کو طہارت میں استعمال کرنا حرام ہے۔ پیاسا شخص پانی کے مالک سے قیمت پر پانی جبراً بھی حاصل کر سکتا ہے۔

محترم اس حیوان کو کہتے ہیں جس کا قتل کرنا جائز نہ ہو۔ محترم میں ماکول اور غیر ماکول دونوں داخل ہیں اور غیر ماکول کی ایک مثال شکاری کتا اور وہ کتا ہے جو حفاظت کرتا ہے، دیوانہ کتا محترم نہیں ہے۔ اور اس کتے کی نسبت اختلاف ہے جو کسی کام کا نہیں ہے۔

پاک مٹی

مٹی پاک ہو اور اس میں غبار ہو۔ مٹی سے مراد ہر قسم کی مٹی ہے سوائے اس مٹی کے جو ایسی سخت ہو گئی ہو کہ اس میں غبار نہ ہو۔ جلی ہوئی مٹی سے تیمّم ہو سکتا ہے، بشرطیکہ اس میں اگانے کی قوت ختم نہ ہوئی ہو۔

پاک سے مراد یہ ہے کہ پاک کرنے والی ہو۔ مستعملہ مٹی پاک ہے مگر پاک کرنے والی نہیں ہے، مٹی گیلی نہ ہو، اس لیے کہ گیلی مٹی جسم کو چمٹ جاتی ہے اور اس میں غبار نہیں ہوتا، چونا، ریت یا ایسی چیز جو چمٹنے والی ہو مٹی میں ملی ہوئی نہ ہو۔

مٹی کی قید سے چونا اور ٹھیکری کا برادہ خارج ہو جاتا ہے، مٹی کے پاک ہونے کی قید سے نجس مٹی خارج ہو جاتی ہے۔

مستعملہ مٹی سے تیمّم نہیں ہوسکتا، مستعملہ مٹی وہ ہے جو ازالہ نجاست میں استعمال کی گئی ہو۔ ایک ہی تھوڑی سی مٹی سے متعدد مرتبہ اور متعدد اشخاص تیمّم کر سکتے ہیں۔ ابوجہیم کی یہ حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیوار کے پاس گئے اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا۔ (بخاری: باب التیمم فی الحضر إذا لم یجد الماء وخاف فوت الصلاۃ ۳۳۷) اس امر پر محمول ہے کہ دیوار پر غبار تھا ور دیوار خود مٹی کی تھی جس سے غبار حاصل ہوسکتا ہے۔

اختلاف: امام مالک نے درخت اور پودے وغیرہ جیسی چیزوں کو بھی جائز قرار دیا ہے جو زمین سے متصل ہیں۔ ابوحنیفہ اور امام محمد نے اس چیز کو جائز قرار دیا جو زمین کی جنس سے ہو جیسا کہ زرنیخ (سنکھیا جو ایک قسم کا زہر ہے) اور امام احمد اور ابو یوسف نے اس چیز کو بھی جائز رکھا جس میں غبار نہیں جیسا کہ سخت پتھر۔

تیمّم کے فرایض

تیمّم کے پانچ فرایض ہیں:

۱۔ نیت

۲۔ چہرے کا مسح

۳۔ کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کا مسح

۴۔ چہرے اور ہاتھوں کے لیے علحدہ مٹی پر ہاتھ مارنا

۵۔ ترتیب

فرائض سے مراد ارکان ہیں جو تیمّم کی ماہیت کے اجزاء ہیں۔

نقل یعنی مسح کے عضو تک مٹی کی منتقلی کو تیمّم کے فرائض میں شریک کر کے منہاج میں تیمّم کے پانچ فرایض بتائے گئے ہیں۔ مٹی کی منتقلی کے قصد اور ارادے کو اضافہ کر کے مجموع میں تیمّم کے چھ فرایض بیان کیے گئے ہیں۔

یہ قصد، تیمّم کی نیت سے جداگانہ ہے۔ روضہ میں اس پر ایک اور امر مٹی کا اضافہ کر کے سات فرائض درج کئے گئے ہیں۔ خطیب نے منہاج کی تائید کرتے ہوئے دلیل

یہ پیش کی ہے کہ تیمّم میں مٹی کو رکن قرار دینے سے، وضو میں پانی کو بھی رکن قرار دینا ہوگا اور نقل میں قصد داخل ہے جو نیت کے ساتھ رہتا ہے۔ بجیرمی نے روضہ کی تائید کی ہے۔ بہر حال غلبۂ آراء اس پر ہے کہ نقل فرائض میں داخل ہے۔

نیت: وضو کے بیان میں نیت کی تفصیل درج ہے۔ نماز کے مباح ہونے کی نیت یا ان دوسرے امور کے مباح ہونے کی نیت جو طہارت پر موقوف ہیں فرائضِ تیمّم میں داخل ہے:

''نَوَیْتُ اِسْتِبَاحَةَ فَرْضِ الصَّلَاةِ'' میں فرض نماز کے مباح ہونے کی نیت کرتا ہوں۔

''نَوَیْتُ اِسْتِبَاحَةَ نَفْلِ الصَّلَاةِ'' میں نفل نماز کے مباح ہونے کی نیت کرتا ہوں۔

'' نَوَیْتُ اِسْتِبَاحَةَ حَمْلِ الْمُصْحَفِ'' میں قرآن مجید اٹھانے کے مباح ہونے کی نیت کرتا ہوں۔

اور اسی طرح دوسری نیتیں۔ عام نیت بھی کی جاسکتی ہے جیسے ''نَوَیْتُ اِسْتِبَاحَةً مُفْتَقِرًا اِلٰی طُهْرٍ '' میں ایسے امر کے مباح ہونے کی نیت کرتا ہوں جو طہات پر موقوف ہے۔

نماز کی قید کے بغیر محض تیمّم کی نیت کافی نہیں۔ فرض کی قید کے بغیر مطلق نماز کی نیت کے ساتھ صرف نفل نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ محض فرض تیمّم کی نیت بھی صحیح نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ تیمّم مقصود اصلی نہیں ہے بلکہ تیمّم ایک ضرورت کی طہارت ہے۔

اگر سفر کی حالت میں جنابت کا علم نہیں ہوا اور بعض دفعہ وضو کر کے اور بعض دفعہ تیمّم کر کے نماز پڑھی گئی اور بعد میں ظاہر ہوا کہ جنابت ہوئی تھی تو اس نماز کا اعادہ کیا جائے گا جس کو وضو کے ساتھ ادا کیا گیا اور اس نماز کا اعادہ نہ کیا جائے گا جس کو تیمّم کے ساتھ ادا کیا گیا، اس لیے کہ وضو سے غسل کی ضرورت رفع نہیں ہوسکتی، البتہ تیمّم سے غسل اور وضو دونوں کی ضرورتیں پوری ہوسکتی ہیں۔

مدارجِ نیت

تیمّم سے جو امور مباح ہوتے ہیں وہ نیت کی نوعیت پر موقوف ہیں۔

نیت کے تین مدارج ہیں:

پہلا درجہ یہ ہے کہ فرض نماز، فرض طواف، اور خطبہ جمعہ کی نیت سے تیمّم کیا جائے۔ خطبۂ جمعہ چوں کہ دو رکعتوں کے مساوی ہے اس لیے اس کو فرض نماز کی اہمیت دی گئی ہے۔

دوسرا درجہ نفل نماز، نفل طواف اور نماز جنازہ کی نیت کا ہے۔ نماز جنازہ گو فرض کفایہ ہے لیکن نفل کے مساوی اس لیے ہے کہ نماز جنازہ کا ترک کرنا جائز ہے۔

تیسرا درجہ مذکورہ بالا امور کے علاوہ کسی دوسری غرض سے نیت کی جائے جیسے سجدہ تلاوت اور شکر، اعتکاف، قرآن کی تلاوت، حمل مصحف اور تمکین حلیل یعنی حیض کے بند ہونے پر غسل کرنے سے پیشتر شوہر کو جماع کا موقع دینا۔

پہلے درجہ کی نیت سے مذکورہ امور میں سے صرف ایک کی ادائیگی مباح ہوتی ہے، چاہے نیت میں اس کی تخصیص نہ کی گئی ہو۔ اس لیے کہ عام اصول یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے لیے ایک مرتبہ تیمّم کیا جائے گا۔ لیکن نماز جمعہ کے لیے تیمّم کیا جائے تو نماز جمعہ کے ساتھ بصورت ضرورت فرض ظہر بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ اسی نیت کے ساتھ جملہ امور مندرجہ درجہ دوم اور سوم بھی ادا کیے جاسکتے ہیں۔

دلیل یہ ہے کہ نفل فرض کے تابع ہے اور جو طہارت اصل کے لیے کافی ہے تابع کے لیے بدرجہ اولی کفایت کرسکتی ہے۔

درجہ دوم میں سے کسی امر کے مباح ہونے کی نیت کی جائے تو درجہ دوم اور درجہ سوم کے مندرجہ جملہ امور کی ادائیگی مباح ہوتی ہے مگر درجہ اول کا کوئی امر مباح نہیں ہوسکتا۔

درجہ سوم میں سے کسی امر کے مباح ہونے کی نیت سے تیمّم کیا جائے تو صرف درجہ سوم کے مذکورہ جملہ امور مباح ہوتے ہیں، البتہ درجہ اول اور درجہ دوم میں مذکورہ کسی امر کی ادائیگی نہیں ہوسکتی۔

خلاصہ: یہ کہ فرض نماز کی نیت کے ساتھ تیمّم کیا جائے تو فرض ونفل دونوں نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں اور قرآن مجید بھی اٹھایا جاسکتا ہے۔ مگر قرآن اٹھانے کی نیت کے ساتھ کوئی نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔

نقل سے مراد مٹی مسح کے عضو تک منتقل کرنا ہے اور نقل کے وقت صرف قصد کی ضرورت ہے، عضو متعین کرنے کی قید نہیں ہے۔
بعض فقہاء نے نقل کو مستقل فرض قرار دیا ہے جس کی تصریح اوپر بیان ہو چکی ہے۔

استحضار نیت

چہرے کے کسی حصہ کا مسح کرتے وقت نیت کا ذہن میں رہنا کافی ہے۔
قدرت ہونے کے باوجود دوسرے شخص سے مسح کرانے میں کراہت ہے لیکن بصورت عذر واجب ہے۔
چہرے اور ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح فرض ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ'' (النساء۴۳) پس تم چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔
مٹی کو بالوں کے اُگنے کی جگہ پہنچانا واجب نہیں ہے اور نہ مندوب ہے۔
ہاتھوں کے مسح میں کہنی بھی داخل ہے۔

ضربتین

مسح کے لیے دو مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارنا فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ؛ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ'' (دار قطنی ۱/ ۲۵۶، یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے) تیمّم دو مرتبہ ہاتھ مارنے سے ہوتا ہے؛ ایک مرتبہ چہرے کے لیے اور ایک مرتبہ ہاتھوں کے لیے۔
مٹی پر دو مرتبہ ہاتھ مارنا فرض ہے، مٹی ایسی باریک ہو کہ اس پر ہاتھ رکھنے پر مٹی ہاتھ کو لگ جائے تو کافی ہے۔ ہاتھ کا مٹی پر مارنا ہی ضروری نہیں ہے۔
اختلاف: امام مالک کا قول ہے کہ ہاتھوں کے مسح میں کہنی داخل نہیں ہے۔

ترتیب

یعنی پہلے چہرے کا مسح اور بعد میں ہاتھوں کا مسح کرنا واجب ہے، تیمّم حدث اصغر کی

وجہ سے ہو یا حدث اکبر کی وجہ سے یا مسنون غسل یا تجدیدِ وضو کے عوض۔ ترتیب قائم نہ رہے تو تیمّم صحیح نہ ہوگا۔ ترتیب کی خلاف ورزی کا اثر ہاتھوں کے مسح پر ہوگا۔ چہرے کا مسح صحیح ہی رہے گا، صرف ہاتھوں کے مسح کا اعادہ کرنا ہوگا۔

تیمّم کی سنتیں:

تیمّم کی سنتیں تین ہیں:

۱۔ تسمیہ

۲۔ داہنے ہاتھ کا مسح بائیں ہاتھ سے قبل کرنا

۳۔ موالات یعنی پے در پے مسح کرنا

تیمّم میں بہت سی باتیں مسنون ہیں اور ان میں سے تین کا ذکر ابوشجاع نے کیا ہے اس کے بعد مزید سنتیں درج کی جاتی ہیں۔

تسمیہ : اقل اور اکمل تسمیہ کی تفصیل سننِ غسل میں بیان کی جا چکی ہے۔ تیمّم کرتے وقت آغاز میں تسمیہ کہنا سنت ہے، اگرچہ کہ جنابت یا حیض کی حالت میں ہو۔

تیامن: دائیں ہاتھ کا مسح بائیں ہاتھ سے پہلے کرنا مسنون ہے۔

ہاتھوں کے مسح کا طریقہ

طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی انگلیاں انگوٹھے کے علاوہ داہنے ہاتھ کی انگلیوں کی پشت پر انگوٹھے کو چھوڑ کر اس طرح رکھی جائیں کہ بائیں ہاتھ کے کلمہ کی انگلی سے خارج نہ ہوں اور بائیں ہاتھ کو داہنے ہاتھ پر سے پونچے تک لے جانے کے بعد انگلیوں کو کلائی کے آخری حصہ پر موڑ دیا جائے اور کہنی کو پہنچنے کے بعد بائیں پنجے کو پھیر کر داہنے ہاتھ کی کلائی کے باطنی حصہ پر لا کر اس پر سے پونچے تک لے جائے اور بائیں انگوٹھے کو داہنے انگوٹھے پر پھیرا جائے اور اسی طرح داہنے انگوٹھے کو بائیں انگوٹھے پر پھیرا جائے۔

داہنے ہاتھ کی طرح بائیں ہاتھ کے مسح کی تکمیل کی جائے اور آخر میں دونوں ہتھیلیوں

کو ملایا جائے۔ چہرے کے اوپری حصہ کا مسح نچلے حصہ سے پہلے کرنا بھی مسنون ہے۔

موالات: پے در پے بغیر فصل کے مسح کرنا مسنون ہے۔ تیمّم اور نماز کے درمیان بھی موالات مسنون ہے۔ تا کہ ان سے اختلاف نہ ہو جنھوں نے اس کو واجب قرار دیا ہے۔ اس اصول کے تحت دائم الحدث کے تیمّم میں دونوں قسم کی موالات واجب ہے جیسا کہ نماز کے وقت میں تنگی کی صورت میں؛ خواہ تیمّم ہو یا وضو۔

دیگر سنتیں

دیگر سنن جو ابن قاسم، خطیب، بیجوری اور بجیرمی نے بیان کئے ہیں حسب ذیل ہیں:

انگوٹھی کو مٹی پر پہلے ضرب کے وقت نکال دینا مسنون ہے لیکن دوسرے ضرب کے وقت انگوٹھی کا نکالنا واجب ہے، اس لیے کہ ہاتھ کے مسح میں انگوٹھی کے نہ نکالنے کی وجہ سے نقص رہ جاتا ہے۔

تفریق: یعنی انگلیوں کو مٹی پر ہاتھ مارتے وقت کھلی رکھنا مسنون ہے، تا کہ غبار اچھی طرح اٹھے۔

تخفیف: مٹی کا ہتھیلیوں سے کم کرنا مسنون ہے اور اس کے لیے ہاتھوں کو جھٹکا جا سکتا ہے۔

تخلیل: ہاتھوں کے مسح کے بعد انگلیوں کی تخلیل مسنون ہے جب کہ مٹی پر ضرب کے وقت انگلیاں کھلی رکھی گئی ہوں، اگر انگلیوں کو ملا کر رکھا گیا ہو تو پھر انگلیوں کی تخلیل واجب ہے۔

ایک عضو کے مسح کے درمیان ہاتھ کو نہ اٹھانا مسنون ہے تا کہ ان کے خلاف نہ ہو جنھوں نے اس کو واجب کہا ہے۔

قبلہ رخ ہو کر تیمّم کرنا مسنون ہے۔

غرہ اور تحجیل مسنون ہے، چہرے کے مسح میں سر کے کچھ حصہ کا مسح کرنا غرہ اور ہاتھوں کے مسح میں بازو کے کچھ حصہ کو مسح کرنا **تحجیل** کہلاتا ہے۔

تیمّم سے پہلے مسواک کرنا مسنون ہے اور اس کا محل یہ ہے کہ نقل یعنی مٹی منتقل کرنے

اور تسمیہ دونوں سے پہلے ہو، تاکہ نقل اور تسمیہ میں فصل نہ ہو۔

شہادتین اور دعا جو وضو کے بعد پڑھی جاتی ہیں تیمّم کے بعد بھی مسنون ہے۔

تیمّم کے بعد دو رکعت نماز مسنون ہے۔سنن وضو جس کی تعمیل تیمّم میں ہو سکتی ہوں ان سب پر عمل کرنا بھی مسنون ہے،سوائے تثلیث کے یعنی تیمّم میں صرف ایک ایک مرتبہ مسح ہے۔

مبطلات تیمّم

مبطلات تیمّم تین ہیں:

۱۔نواقض وضو

۲۔نماز کی حالت کے علاوہ میں پانی نظر آ جائے

۳۔ارتداد

وہ امور جن کے پیش آنے کی وجہ سے تیمّم ٹوٹتا ہے یا ختم ہو جاتا ہے ان کو مبطلات کہا جاتا ہے۔

دوسرے معاملہ کا تعلق خاص طور پر پانی کے فقدان سے ہے، پہلے اور تیسرے معاملے عام ہیں؛ پانی کا فقدان ہو یا نہ ہو۔

وضو میں نواقض اور تیمّم میں مبطلات کے الفاظ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی اتباع میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

نواقض وضو: وہ امور جن کے پیش آنے پر وضو ٹوٹتا ہے، انہی امور سے تیمّم بھی ختم ہو جاتا ہے۔نواقض وضو پانچ ہیں۔اس لیے مبطلات تیمّم بھی پانچ ہیں لیکن اجمالی طور پر ان سب کو ایک شمار کیا گیا ہے۔نواقض وضو میں اس کی تفصیل آ چکی ہے، اس لیے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

البتہ اس قدر صراحت کی جاتی ہے کہ تیمّم کرنے والے کو حدث واقع ہو تو اس کا تیمّم جو حدث اصغر کی وجہ سے تھا ٹوٹے گا اور اگر حدث اکبر کی وجہ سے ہو تو اس کا تیمّم حدث اکبر کی نسبت سے باقی رہے گا اور حدث اصغر کے تعلق سے ٹوٹ جائے گا۔اس کی مثال یہ ہے

کہ ایک شخص کو غسل کرنے کے بعد حدث واقع ہو تو اس پر وہی امور حرام ہوں گے جو محدث پر حرام ہیں اور وہ امور حرام نہ ہوں گے جو جنبی پر حرام ہوتے ہیں۔اس پر نماز، طواف، مس وحمل مصحف حرام ہوں گے، نہ کہ قراءت قرآن اور مسجد میں قیام۔

بیرونِ نماز پانی نظر آجائے

بیرون نماز پانی نظر آجائے تو تیمّم ختم ہوجاتا ہے۔ یہاں پانی کے نظر آنے سے مراد یہ ہے کہ پانی دستیاب ہوجائے یا پانی کی موجودگی کا علم ہو۔پانی کے نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کیا گیا ہواور نماز شروع کرنے سے پہلے پانی مل جائے تو تیمّم برخاست ہوجائے گا۔ امام حاکم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَلتُّرَابُ كَافِيْكَ وَلَوْ لَمْ تَجِدِ الْمَاءَ عَشَرَ حِجَجٍ فَإِذَا وَجَدْتَ الْمَاءَ فَاغْسِلْهُ جِلْدَكَ۔ (یہ روایت مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''إن الصعيد الطيب طهور ما لم تجد الماء ولو إلى عشر حجج، فإذا وجدت الماء فأمس بشرتك ''۔مسند احمد: باب حديث المشائخ عن أبي بن كعب ۲۱۳۴۲۔صحیح ابن حبان: باب ذكر البيان بأن واجد الماء إذا......) تمہارے لیے مٹی کافی ہے اگرچہ کہ تم کو دس سال پانی نہ ملے۔پس جب تم کو پانی ملے تو اس سے اپنے بدن کو دھولو۔

اصول یہ ہے کہ مانع متقدم اور مقارن ہو (یعنی رکاوٹ پہلے اور ملی ہوئی ہو) تو تیمّم باطل نہیں ہوتا اور مانع متاخر (رکاوٹ بعد میں) ہو تو تیمّم باطل ہوتا ہے۔

اگر پانی کے پاس درندہ ہو یا پانی ملنے کی صورت میں اس پانی کی ضرورت پیاسے کو ہو تو تیمّم برخاست نہ ہوگا، اس لیے کہ طہارت کے لیے اس پانی کا ملنا نہ ملنا برابر ہے۔ درندے کا خوف مانع حسی اور پیاسے کی ضرورت مانع شرعی کہلاتی ہے۔

مانع متاخر کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میرے پاس پانی تو ہے مگر غیر حاضر شخص کا پانی ہے، یا گلاب کا پانی ہے۔

بیرون نماز سے مراد یہ ہے کہ نماز پڑھنے کی حالت میں نہ ہو۔

جہاں پانی کے فقدان میں تیمّم کے ساتھ نماز پوری ادا ہوسکتی ہے اور قضاء کی ضرورت باقی

نہیں رہتی تب بھی افضل یہ ہے کہ پانی کے ملنے پر نماز توڑ دی جائے اور وضو کے ساتھ ادا کی جائے، بشرطیکہ نماز کے وقت میں گنجائش ہو، تاکہ ان کے خلاف نہ ہو جنھوں نے اس صورت میں نماز مکمل کرنے کو حرام کہا ہے۔ اگر وقت میں گنجائش نہ ہو تو نماز کا توڑنا حرام ہے۔

اگر قرآن پڑھتے وقت پانی مل جائے تو تیمّم برخاست ہو جائے گا۔

صحت یابی میں تاخیر، تکلیف میں زیادتی اور کسی ظاہری عضو میں بدنمائی کا احتمال: یہ سب امور مرض کے عذر میں داخل ہیں۔

ارتداد: نعوذ باللہ، کوئی شخص مرتد ہو جائے اور اسلام سے منحرف ہو جائے تو تیمّم برخاست ہو جاتا ہے۔

ہر نماز کے لیے ایک تیمّم

ہر فرض نماز کے لیے علحدہ تیمّم کیا جائے۔ اس لیے کہ تیمّم کی طہارت کمزور مانی گئی ہے اور دو فرائض کی ادائیگی کی صلاحیت اس میں نہیں ہے۔

ابتداء میں ہر فرض نماز کے لیے ایک وضو واجب تھا لیکن بعد میں وضو کی حد تک اس حکم کی تنسیخ کی گئی اور تیمّم میں یہ حکم باقی رہا۔

فرائض میں نماز، طواف اور جمعہ کا خطبہ شامل ہیں اور ایک تیمّم سے نہ تو دو فرض نمازیں اور نہ دو فرض طواف ادا کیے جا سکتے ہیں اور نہ ایک فرض نماز اور اس کے ساتھ ایک فرض طواف اور نہ خطبہ جمعہ اور نہ اس کے ساتھ فرض جمعہ ادا کیے جا سکتے ہیں۔

ایک تیمّم سے اصل نماز اور اعادہ کی نماز پڑھی جا سکتی ہیں، اس لیے کہ پہلی نماز فرض ہے اور اعادہ کی نماز نفل۔ اسی طرح جمعہ اور اس کے بعد ظہر کی نماز بھی پڑھی جا سکتی ہیں، اس لیے کہ درحقیقت ان دو نمازوں میں سے لزوم ایک ہی کا ہے، کیوں کہ وہ یا تو جمعہ ہوگی یا ظہر، لیکن بطور احتیاط دونوں نمازیں پڑھ لی گئیں۔

خطبہ جمعہ گو فرض کفایہ ہے مگر دو رکعتوں کے مساوی ہے۔ جمعہ کے دو خطبے دو فرایض ہیں مگر ایک دوسرے سے متحد ہونے کی وجہ سے فرض واحد شمار کیے گئے ہیں۔

عورت اپنے شوہر کے لیے جماع جائز ہونے کے لیے تیمّم کرسکتی ہے اور ایک تیمّم سے ایک سے زیادہ جماع جائز ہے۔

نفل: ایک تیمّم سے جتنے نوافل چاہیں ادا کئے جائیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ نوافل کی تعداد زیادہ ہے۔اگر ہر نفل کے لیے تیمّم واجب ہوگا تو ممکن ہے کہ بعض نوافل ترک کر دی جائیں یا اس سے حرج اور تکلیف ہوگی۔

باوجود قدرت کے نوافل میں قیام کے ترک کی بھی اجازت ہے۔

جبیرہ

جبیرہ اس پٹی کو کہتے ہیں ۔ جوٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے لیے باندھی جاتی ہے، جس میں زخم کی دوسری پٹیاں پھاہے بھی شامل ہیں اوراس کوشرع میں ساتر بھی کہا جاتا ہے، عدم ساتر؛ اگراس عضو پر جس میں تکلیف ہو پٹی نہ ہواور کھلا ہوا ہواور طبیب کی رائے میں اس کو پانی سے نقصان پہنچتا ہوتو اس عضوکو پانی سے دھونا حرام ہےاور تیمّم کرنااور صحیح اعضاءکو دھوناواجب ہے۔اوراس نماز کےاعادہ کی ضرورت نہیں۔

ابوداؤداورابن حبان نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عمرو بن عاص نے اپنے معاطف یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ دھوئے اورنماز کے لیے وضوکیااور نماز پڑھی۔(یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے:۶۸۸۔کتاب الطھارۃ ا/ ۲۸۵۔ابوداوداورابن حبان میں یہ روایت نہیں ملی) بیہقی کاقول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عمرو بن عاص نے جس قدر اعضاءکو دھوناممکن تھا دھویا، وضوکیااور باقی کے لیے تیمّم کیا۔

جس عضوکونہ دھویا جا سکتا ہو،اوراعضائے تیمّم میں سے ہوتو اس پر جس قدر ممکن ہو مٹی کا ہاتھ پھیرنا ضروری ہے۔چہرہ اور ہاتھ اعضائے تیمّم ہیں۔تکلیف پاؤں میں ہواور پاؤں نہ دھویا جا سکتا ہوتو بھی تیمّم چہرے اور ہاتھوں پر کیا جائے ،علیل عضو کے قریب کے حصہ کودھونے میں احتیاط برتا جائے۔

ترتیب: وضومیں صحیح عضو کے دھونے اورتیمّم کرنے میں ترتیب واجب ہے،اس طرح کہ وضوکرتے ہوئے جس وقت علیل عضو کی نوبت آئے تو اس کے دھونے کے عوض تیمّم کیا جائے اور پھر بقیہ اعضاءکودھویا جائے۔غسل میں جملہ اعضاءجسم واحد تصور کیے گئے ہیں،اس لیےغسل میں ترتیب ہی نہیں ہے۔علیل عضو کے دھونے کے بدلےغسل کے پہلے

تیمّم کیا جائے یا غسل کے بعد؛ دونوں یکساں ہیں، لیکن غسل کے پہلے تیمّم کرنا اولی ہے۔

تعدد: وضو میں جن اعضاء کا ترتیب سے دھونا واجب ہے۔ ان میں سے جتنے اعضاء کے دھونے کی نسبت عذر ہو اتنے ہی مرتبہ تیمّم کیا جائے، تا کہ ترتیب کی رعایت رہے۔ لیکن حدث واقع نہ ہونے کی صورت میں دوسری فرض نماز کے لیے ایک تیمّم کافی ہے۔ ایک عضو پر پانی نہ استعمال کیا جا سکتا ہو تو ایک تیمّم اور دو عضو کی صورت میں دو اور تین اور چار کی صورت میں تین اور چار مرتبہ تیمّم کیا جائے۔

دونوں ہاتھوں کے درمیان اور دونوں پاؤں کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے، اس لیے ان کے تعلق سے تیمّم کی تکرار بھی واجب نہیں ہے، مندوب ہے۔

اگر علت عام ہو یا مختلف اعضاء کے زخم کی نوعیت ایک ہو تو تیمّم بھی ایک ہوگا۔ غسل میں پورا جسم عضو واحد ہے اس لیے علیل اعضاء کے تعدد کے باوجود پورے جسم کی طہارت کے بدلے ایک تیمّم کافی ہے۔

جبیرہ والا شخص پٹی پر مسح کرے اور تیمّم کرے اور نماز پڑھے، جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں بشرطیکہ پٹی پاک جگہ پر باندھی گئی ہو۔

ساتر: اگر علیل عضو اعضائے تیمّم میں سے نہ ہو اور پٹی پاک جگہ باندھی گئی ہو تو پٹی پر پانی سے مسح کر کے تیمّم کیا جائے اس نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ابوداؤد اور دارقطنی نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص کو جس کے سر میں زخم تھا احتلام ہوا، اس نے غسل کیا، زخم نے پانی چرایا اور موت واقع ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَن يَّتَيَمَّمَ عَلٰى رَأْسِهِ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهِ“ (ابوداود کی روایت میں ”رأسہ“ کی جگہ ”جرحہ“ ہے: باب فی المجروح یتیمم ۳۳۶۔ دارقطنی میں بھی ”جرحہ“ ہی ہے: ۱/۳۵۰، یہ روایت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے) اس کو کافی تھا کہ سر کے بدلے تیمّم کرے اور اس پر مسح کرے اور سارے جسم کو دھوئے۔

یہ حدیث تینوں امور؛ تیمّم، مسح اور غسل کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

پٹی پر مسح اور موزوں پر مسح میں فرق

پٹی پر مسح اور موزوں پر مسح میں فرق یہ ہے کہ پٹی پر مسح میں کسی مدت کا تعین نہیں ہے اور صحت یابی تک مسح کیا جائے گا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ جنابت واقع ہونے پر پٹی نہیں نکالی جاتی اور موزوں کو نکالے بغیر چارہ نہیں۔

مختصر یہ کہ ساتر میں تین باتیں واجب ہیں:

۱۔ ساتر پر مسح کرنا

۲۔ تیمّم کرنا

۳۔ اعضائے صحیح کو دھونا

اس طرح طہارت کرنے کے بعد ایک فرض نماز پڑھی جائے اور اس کے بعد حدث واقع ہوگیا ہو تو جملہ امور کا اعادہ کرنا ہوگا۔ اور اگر حدث اکبر واقع ہوا اور غسل کیا گیا تو صرف ایک تیمّم کافی ہے۔

اگر پٹی حدث میں باندھی گئی ہو اور صحیح عضو کا کچھ حصہ پٹی میں لیا گیا ہو تو نماز کا اعادہ کرنا ہوگا ورنہ نہیں۔ پٹی باندھنے میں شرط یہ ہے کہ پٹی میں عضو کا صرف اس قدر حصہ لیا جائے جس کی دوا لگانے، پٹی کے چمٹانے یا پٹیوں کے باندھنے میں ضرورت ہے اور ایسی صورت میں نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔

اصول: وضو میں عضو کا دھونا اصل اور مبدل ہے اور تیمّم اس کا بدل ہے۔ دھونے میں جو نقص رہ جاتا ہے تیمّم اس کا بدل ہے۔ اس لیے اگر اعضائے تیمّم میں ساتر ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بدل اور مبدل دونوں ناقص رہ گئے، اس جگہ نہ پانی پہنچا اور نہ مٹی۔ اس لیے فقہائے شافعی نے نماز کے اعادہ کی ضرورت ظاہر کی ہے۔

ساتر غیر اعضائے تیمّم میں سے ہو تو تیمّم اس عضو کے دھونے کی ضرورت کو پورا کرتا ہے اور کوئی نقص باقی نہیں چھوڑتا، اس لیے نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ابو شجاع نے نماز کے عدم اعادہ کے لیے کوئی قید نہیں عاید کی کہ علیل عضو اعضائے تیمّم

میں سے نہ ہواور جمہور کے ساتھ اتفاق کیا۔ لیکن ابن قاسم اور بیجوری نے نووی کی تائید کرتے ہوئے اس پر اعتماد کیا ہے کہ بیمار عضو اعضائے تیمّم میں سے نہ ہوتو نماز کا اعادہ نہ ہوگا، اور اعضائے تیمّم میں سے ہوتو نماز کا اعادہ کرنا ہوگا۔

بیجوری نے اس مسئلہ کی پانچ صورتیں بیان کی ہیں:

۱۔ ساتر اعضائے تیمّم پر ہوتو بغیر کسی قید کے نماز کا اعادہ واجب ہے۔ اس لیے کہ بدل اور مبدل دونوں ناقص ہیں۔

۲۔ ساتر غیر اعضائے تیمّم پر ہو لیکن پٹی باندھنے میں عضو کا صحیح حصہ ضرورت سے زیادہ مقدار میں لیا گیا ہوتو نماز کا اعادہ واجب ہے۔

۳۔ پٹی حالت حدث میں باندھی گئی ہوتو خواہ حالتِ طہارت میں عضو کا صحیح حصہ ضرورت کے موافق پٹی پر لیا گیا ہو مگر پٹی بحالت حدث باندھی گئی ہوتو نماز کا اعادہ واجب ہے۔

۴۔ عضو صحیح کا کوئی حصہ لیا ہی نہیں گیا تو نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے، پٹی حدث میں باندھی گئی ہو یا طہارت میں۔

۵۔ اسی طرح اگر پٹی بحالت طہارت ہی باندھی گئی تو نماز کا اعادہ نہیں ہے۔

تین میں نماز کا اعادہ واجب ہے اور دو میں نہیں۔

فاقد الطہورین

فاقد الطہورین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس طہارت کے لیے نہ پانی ہو اور نہ مٹی۔ ایسے شخص کے لیے یہ حکم ہے کہ فرض نماز حرمتِ وقت کے لحاظ سے وقت میں ادا کرے اور جب پانی یا مٹی دستیاب ہو تو اعادہ کرے۔

لیکن فرق یہ ہے کہ پانی کے ملنے پر بغیر کسی تفصیل کے اعادہ کرے، جب کہ تیمّم سے فرض ساقط ہوتا ہے، ورنہ تیمّم سے ایسی نماز کے اعادہ سے کوئی فائدہ نہیں جو تیمّم سے ساقط نہ ہو سکے اور مکرر پانی سے اعادہ کی ضرورت باقی رہے۔ لیکن باوجود اس دشواری کے اگر وقت میں ہی مٹی مل جائے تو تیمّم کر کے نماز پڑھے تا کہ اندرونِ وقت طہورین میں سے ایک سے نماز ادا ہو سکے۔ اگرچہ کہ اعادہ کا وجوب باقی رہتا ہے۔ یہ صورت ایسے موقع پر پیش آ سکتی ہے جہاں پانی کی موجودگی کی نسبت گمان غالب ہو۔

فرض نماز کی قید کی وجہ سے نفل نمازیں خارج ہو جاتی ہیں۔ فاقد الطہورین نفل نمازیں پڑھ ہی نہیں سکتا، اس لیے کہ اس کی نماز ضرورت پر ہے اور نفل میں ضرورت داعی نہیں ہے۔

نماز

(مفروضہ، مسنونہ، شرائط صحت، ارکان، اذان واقامت، سنن، مبطلات، مکروہات، سترۃ المصلی، رکعات، صلاۃ المریض، متروکات، سجود سہو، سجدۂ تلاوت، اوقات مکروہ، جماعت، قصر، جمع بقصر، جمع بمطر، جمعہ، عیدین، کسوف و خسوف، استسقاء، صلاۃ خوف، جنایز (غسل، کفن، نماز، دفن)

پنج وقتہ نماز معراج کی رات میں ہجرت سے ایک سال پہلے، بعض نے کہا ہے چھ مہینے پہلے فرض کی گئی، بجیرمی نے لکھا ہے کہ ہجرت سے اٹھارہ مہینے پہلے فرض کی گئی۔

معراج کی رات ماہ رجب میں چھبیس اور ستائیس تاریخوں کے درمیان ہے۔

نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے جو ہجرت سے پہلے شریعت میں داخل ہوئی، ورنہ دوسری سب عبادتیں ہجرت کے بعد داخل ہوئیں۔

نماز کو ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ شریعت کے سارے احکام وحی کے ذریعہ صادر ہوئے، سوائے نماز کے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ''**فَإِنَّهَا مِنَ اللّٰهِ إِلٰى نَبِيِّهِ**''۔ اللہ تعالی نے راست اپنی نبی کو عنایت کی تھی۔

ان پانچوں نمازوں میں سب سے پہلے جو نماز فرض ہوئی وہ ظہر ہے۔ نماز کے طریقہ کو بتانے کے لیے جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ظہر کی نماز پڑھائی۔

نماز کے فرض ہونے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا طریقہ یہ تھا کہ سال میں ایک مہینہ غار حراء میں بسر کرتے۔ اللہ تعالی کی صنعتوں (کاریگریوں) اور نعمتوں کے بارے میں غور وفکر کرتے اور کوئی مہمان پہنچ جاتا تو اس کی خاطر تواضع فرماتے۔

غار حراء کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ اس کا دہانہ بیت اللہ شریف کی طرف تھا اور بیت اللہ آپ کو نہایت محبوب اور عزیز تھا۔

بعثت کے بعد آپ صبح میں دو رکعت اور عشاء میں دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن یہ ظاہر نہیں ہوا کہ اس میں کیا پڑھتے تھے۔ دو رکعت نماز جو آپ نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بیت المقدس میں پڑھی تھی وہ انہی نمازوں کی منجملہ تھی جو آپ پڑھا کرتے تھے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور امت محمدی پر قیام اللیل یعنی رات کی عبادت واجب کی گئی لیکن پنج گانہ نمازوں کے فرض ہونے کے بعد قیام اللیل کے وجوب کی تنسیخ ہوگئی۔

امت سے مراد امتِ دعوت ہے اور اس دعوت میں انس وجن دونوں شامل ہیں۔ کسی پیغمبر کی امتِ دعوت اس امت کو کہتے ہیں جس کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے پیغمبر موصوف بھیجا گیا۔

نماز کی ترکیبِ وضع کے متعلق بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے نماز میں رکوع نہ تھا، معراج کے دوسرے دن عصر سے رکوع کا اضافہ ہوا۔ رکوع میں تسبیحات بھی بعد میں پڑھی جانے لگیں۔ جس کی صراحت رکوع کے بیان میں کی گئی ہے۔

اولاً نماز میں صحابہ بات چیت بھی کرتے تھے جس کو بعد میں روکا گیا۔

پانچ وقت کی نمازیں

رافعی نے امام شافعی کی مسند کی شرح میں لکھا ہے کہ سابقہ امتوں میں صبح کی نماز آدم علیہ السلام کے لیے۔ عصر سلیمان علیہ السلام کے لیے۔ مغرب یعقوب علیہ السلام کے لیے۔ عشاء یونس علیہ السلام کے لیے مقرر کی گئی۔ ہر ایک پیغمبر کی نماز کے لیے وقت مخصوص کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت ان کی توبہ قبول ہوئی تھی یا انھیں کوئی نعمت حاصل ہوئی تھی۔

نماز کا موجودہ طریقہ اس امت کی خصوصیت

نماز جس خاص کیفیت میں اس وقت ادا کی جاتی ہے اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔ جو نمازیں مختلف انبیاء کو مختلف طور پر دی گئی تھیں وہ سب اس امت میں جمع کر دی گئیں تاکہ ان کے شرف اور تعظیم میں زیادتی ہو۔ یہ بھی اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ عشاء کی نماز اس امت کی خصوصیات میں سے ہے، اس سے قبل کسی نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی تھی۔

قرآن میں نماز کا تذکرہ

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر نماز کی پابندی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: ’’وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ‘‘ (البقرۃ:١١٠) ٹھیک سے نماز ادا کرو۔

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ (النساء١٠٣) بے شک نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے۔

پچاس نمازیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيَّ وَعَلٰى أُمَّتِيْ خَمْسِيْنَ صَلَاةً فَلَمْ أَزَلْ أُرَاجِعُهُ وَأَسْأَلُهُ التَّخْفِيْفَ حَتّٰى جَعَلَهَا خَمْسًا" (حدیثِ معراج واسراء؛ بخاری:٣٤٢، مسلم:١٦٣) اللہ تعالی نے مجھ پر اور میری امت پر پچاس نمازیں فرض کی تھیں، میں واپس ہوتا تھا اور تخفیف کی درخواست کرتا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ان کو پانچ کر دیا۔

پچاس نمازوں کا حساب یہ تھا؛ صبح میں دس اور بقیہ نمازوں میں بھی اسی قدر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ایک بار کی تخفیف کی درخواست پر پانچ نمازیں کم کی گئیں گویا کہ پینتالیس نمازوں کی تخفیف کے لیے آپ نو مرتبہ بارگاہ ایزدی میں رجوع ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراجعت بارگاہ رب العزت میں موسی علیہ السلام کے ارشاد پر ہوئی تھی اور اس سلسلہ میں بعض فضلاء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھا ہے کہ يَرٰى رَبَّهُ بِعَيْنَيْ رَأْسِهِ عَلَى الْأَصَحِّ۔ صحیح تر تو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پروردگار کو اپنے سر کی دونوں آنکھوں یعنی جسمانی بصارت سے دیکھا تھا۔

فرض نمازیں پانچ ہی ہیں

ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: ’’هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟‘‘ آیا مجھ پر ان

(پانچ نمازوں) کے سوائے بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "لَا ، إِلَّا أَنْ تَـطَوَّعَ" ۔نہیں، سوائے اس کے کہ نیکی مقصود ہو یعنی نفل اور سنت ۔ (بخاری ۴۶، مسلم ۱۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو یمن روانہ کرتے ہوئے فرمایا: "أَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْا فُتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ" ۔ خبر دو ان کو بے شک اللہ تعالی نے، ان پر ہر ایک دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہے۔ (بخاری ۱۳۳۱، مسلم ۱۹)

صلاۃ کے معنی

صلاۃ کے معنی دعا کے ہیں، بعض کا قول ہے کہ کسی بھلائی اور برائی کی قید کے بغیر خالی دعا کو **صلاۃ** کہتے ہیں۔نووی نے تصریح کی ہے کہ اگر **صلاۃ** اللہ کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی رحمت کے، فرشتوں کی طرف منسوب ہو تو استغفار کے اور ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہو تو تضرع اور دعا کے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں اور آدمی بھی، مگر ان دونوں میں آدمی کے درود کو افضلیت اس لیے ہے کہ آدمی کے نفس کے ساتھ خواہشات اور موانعات لگے ہوئے ہیں جو فرشتوں کے ساتھ نہیں ہیں ۔فرشتوں کو تلاوت قرآن کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی ہے، اس لیے فرشتے آدمی سے تلاوت قرآن سننے کا شوق رکھتے ہیں۔قراءت قرآن کی عزت اور شرف اللہ تعالی نے صرف آدمی کو بخشی ہے اور صرف آدمی کو یہ شرف حاصل ہے۔

بعض کا قول ہے کہ صرف دعائے خیر کو **صلاۃ** کہتے ہیں۔بعض کا قول ہے کہ **صلاۃ** **صلی** سے مشتق ہے اور **صلی** کے معنی **صلوین** کو حرکت دینے کے ہیں اور **صلوین** دو رگوں کا نام ہے جو آدمی کی کمر میں ہوتی ہیں اور رکوع اور سجود میں جانے کے وقت جھکتی ہیں اور اٹھتے وقت اٹھتی ہیں۔

بعض کا قول ہے کہ **صلی** لکڑی کو آگ پر سینکھ کر قائم اور سیدھا کرنے کو کہتے ہیں اور چوں کہ نماز آدمی کو طاعتِ الہی پر قائم رکھتی ہے اور طاعت کی خلاف ورزی یعنی عصیان سے روکتی ہے۔اس لیے نماز کو صلاۃ کہا گیا۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ (عنکبوت ۴۵)
نماز شرمناکیوں اور بدکاریوں سے روکتی ہے۔

روایت کی گئی ہے کہ ایک جواں عمر انصاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پنج وقتہ نماز پڑھتے تھے اور کوئی بداعمالی ایسی نہ تھی جس میں وہ ملوث نہ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا حال بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''إِنَّ صَلَاتَهُ سَتَنْهَاهُ يَوْمًا مَّا ''یعنی نماز ان کو برائیوں سے ایک نہ ایک روز روکے گی۔ کچھ دن نہ گزرے تھے کہ انھوں نے توبہ کی اور ان کے اعمال سدھر گئے۔ آپ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: ''أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنَّ صَلَاتَهُ سَتَنْهَاهُ يَوْمًا مَّا۔ (شرح مشکل الآثار میں ابو ہریرہ سے روایت ہے: ''قيل للنبي صلی اللہ علیہ وسلم إن فلانا يصلي الليل كله فإذا أصبح سرق. فقال ستنهاه ماتقول ''۵/۳۰۰۔ مذکورہ الفاظ کے ساتھ روایت نہیں ملی) کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ نماز اس کو کسی نہ کسی روز قریب میں (برائیوں سے) روکے گی۔

بعض کہتے ہیں کہ **صلاۃ وصل** سے ماخوذ ہے، اس لیے کہ وہ بندہ کو اس کے رب سے ملانے کا ذریعہ ہے۔

رافعی کا قول ہے کہ شرع میں **صلاۃ** ان اقوال وافعال کو کہتے ہیں جو تکبیر سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہوتے ہیں۔

نماز میں اقوال پانچ اور افعال آٹھ ہیں، جملہ تیرہ ارکان ہیں۔ ان میں طمانینت کو شامل کیا گیا ہے۔

نماز کے اقوال

نماز کے پانچ اقوال یہ ہیں:

۱۔ تکبیر تحریمہ

۲۔ قراءت سورہ فاتحہ

۳۔ تشہد آخر

۴۔ درود

۵۔ پہلا سلام

نماز کے افعال

نماز کے آٹھ افعال یہ ہیں:

ا۔نیت اس لیے کہ یہ دل کا عمل ہے

۲۔قیام

۳۔رکوع

۴۔اعتدال

۵۔سجود؛ دو دفعہ۔

۶۔جلوس درمیان سجود

۷۔جلوس آخر

۸۔ترتیب

اقوال اور افعال حقیقی ہو سکتے ہیں یا حکمی۔حکمی کی مثال یہ ہے کہ گونگا شخص زبان کو ہلائے گا اور اگر یہ نہ ہو سکے تو سورہ فاتحہ پڑھنے کے بقدر قیام کرے گا اور تشہد کی مقدار میں بیٹھے گا۔

جو مریض نماز کے افعال ادا نہیں کر سکتا اشارے کے ذریعہ افعالِ نماز کو ادا کرے گا۔نماز کو شروع کرنے والا امر تکبیر تحریمہ ہے اور ختم کرنے والا اسلام، یہ دونوں امور نماز میں داخل ہیں۔

نماز کی فضیلت:

عبادت کی دو قسمیں ہیں:

ا۔عبادت بدنی ظاہری

۲۔عبادت بدنی باطنی

عبادت بدنی ظاہری میں سب سے افضل نماز ہے۔اس کے بعد روزہ، پھر حج اور پھر زکاۃ۔نماز کے فرائض جملہ فرائض میں افضل ہیں اور نماز کے نوافل جملہ نوافل میں۔

رحمانی کا قول ہے کہ ایمان کے بعد افضل عبادت علم حاصل کرنا ہے اور علم میں اہم وہ

علم ہے جس کی مکلّف کے لیے فی الوقت ضرورت ہے۔اس کے بعد نماز پھر روزہ۔

سب نمازوں میں نمازِ جمعہ افضل ہے۔ پھر جمعہ کے دن کی عصر پھر دوسرے دنوں کی عصر پھر جمعہ کی صبح پھر دوسرے دنوں کی صبح پھر عشاء پھر ظہر اور پھر مغرب۔

جماعت کی نمازوں میں سب سے افضل جمعہ کی جماعت، پھر جمعہ کی صبح کی جماعت، پھر دوسرے دنوں کی جماعت، پھر عشاء کی جماعت، پھر عصر کی جماعت، پھر ظہر کی جماعت اور پھر مغرب کی جماعت۔

عباداتِ بدنی باطنی کی بعض مثالیں یہ ہیں: تفکر، صبر اور تقدیر پر رضا مندی۔

عباداتِ باطنی، عباداتِ ظاہری سے افضل ہیں حتی کہ نماز سے بھی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً''۔ایک ساعت کی غور وفکر، ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ (ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت نہیں ملی، البتہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں یہ الفاظ ہیں جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے: ''تفكر ساعة خير من قيام ليلة''۔ ۳۵۷۲۸، ۳۵۷۲۸۔شعب الایمان میں ابوالدرداء سے یہ قول نقل ہے: باب أسامی صفات الذات ۱۱۷)

اور ایمان جملہ عبادات سے افضل ہے۔

فرض نمازیں

فرض نمازیں پانچ ہیں: ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح۔ دن اور رات دونوں میں پانچ نمازیں فرض عین ہیں۔

فرض عین اس فرض کو کہتے ہیں جو ہر شخص پر فرض ہے بخلاف فرضِ کفایہ کے، جو ایک شخص کے ادا کرنے سے دوسروں سے ساقط ہو جاتا ہے۔ فرض عین فرض کفایہ سے افضل ہے۔

ایام دجال:

دن اور رات کا قیاس تقدیری طور پر بھی ہوسکتا ہے اور اس کی مثال دجال کے ایام اور وہ دن ہیں جب کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔

بجیرمی نے لکھا ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو کر آسمان کے وسط تک جائے گا اور پھر لوٹے گا اور اس کے بعد حسب معمول مشرق سے طلوع ہوگا۔ دجال دنیا کے آخر میں ظاہر ہوگا اور چالیس دن رہے گا۔ پہلا دن برس کے برابر ہوگا، دوسرا دن مہینے کے، اور تیسرا دن جمعہ کے، بقیہ ایام عام دنوں کے برابر ہوں گے۔

صحابہ نے نبی ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا: **"اَلْيَوْمُ الَّذِيْ كَسَنَةٍ أَ تَكْفِيْنَا فِيْهِ صَلَاةُ يَوْمٍ"** ۔کیا اس دن جو برس کے برابر ہوگا اس میں ایک دن کی نماز ہم کو کافی ہوگی؟ آپ نے فرمایا: **لَا، قَدِّرُوْا لَهُ قَدَرَهُ۔** نہیں، اندازہ کرو اس دن کے لیے تمہارے دن کے اندازے پر۔ (مسلم: باب ذکر الدجال وصفتہ......۷۵۶۰، ابوداود، ابن ماجہ، مسند احمد)

نماز، روزے، عیدین اور تمام زمانی عبادتوں کے لیے اوقات کو گھنٹوں وغیرہ میں تقسیم کر کے نماز کے اوقات کا قیاس کیا جائے گا۔ اور اسی طرح دیگر دنیاوی امور کی مدتوں

کی نسبت بھی قیاس کیا جائے گا۔

تعدادِ نماز کی حکمت:

اکثر علماء کی رائے ہے کہ پانچ نمازں کے اوقات کی خصوصیت امرِ تعبدی ہے اوراس میں حکمت یہ ہے کہ ان نمازوں کے اوقات آدمی کواس کی پیدائش وخلقت کویاددلاتے ہیں۔رحم مادر میں آدمی کا کمال کو پہنچنااور پیدا ہونا طلوع فجر کی مانند ہے جوطلوع شمس کا مقدمہ ہے اوراس کی یاد میں نمازصبح واجب ہوئی۔آدمی کی ولادت طلوع شمس کی مانند ہے،نشو ونما سورج کے ارتفاع کے مانند،شباب سورج کے خط استواء پر پہنچنے کے مانند اور کہولت سورج کے زوال کی مانند ہے اوران واقعات کی یاد میں ظہر واجب ہوئی۔شیخوخت سورج کے غروب کے قریب ہونے کے مانند ہے اوراس کی یاد میں عصر واجب ہوئی۔موت سورج کے غروب کے مانند ہے اوراس کی یاد میں مغرب کی نماز واجب ہوئی۔بعد موت جسم کا فنا ہونا،سورج کے اثر یعنی شفق کی سرخی کے غائب ہونے کے مانند ہے اوراس کی یاد میں عشاء واجب ہوئی۔

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ آدمی سے حواس کے ذریعہ گناہ سرزد ہوتے ہیں اوران حواس کی تعداد پانچ ہے،اس لیے ان گناہوں کو مٹانے کے واسطے نمازوں کی تعداد بھی پانچ مقرر کی گئی۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "**أَرَأَيْتُمْ لَوْ كَانَ بِبَابِ أَحَدِكُمْ نَهْرٌ يَغْتَسِلُ مِنْهُ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ خَمْسَ مَرَّاتٍ أَكَانَ ذٰلِكَ يَبْقَى مِنْ بَدَنِهِ أَيُّ وَسَخٍ شَيْءٌ**" کیا خیال ہے کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے کے پاس نہر ہواوروہ رات دن میں پانچ مرتبہ نہایا کرے تو کیا اس کا میل باقی رہے گا۔لوگوں نے جواب دیا:نہیں باقی رہے گا۔تو آپ نے فرمایا:''**فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا**۔ پس یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے جن سے اللہ تعالی گناہوں کو مٹادیتا ہے۔(مسلم ۶۶۸،یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے)

تعدادِ رکعات کی حکمت

صبح میں نیند کی کسل مندی باقی رہتی ہے،اس لیے صرف دو رکعت،ظہر اور عصر کے اوقات

میں نشاط کی حالت ہوتی ہے، اس لیے چار چار رکعتیں، مغرب میں تین رکعت، اس لیے کہ وہ دن کی وتر ہے۔ عشاء میں چار رکعت، اس لیے کہ رات کی نمازوں کی کمی کو پورا کیا جائے۔

پہلے پانچوں فرض نمازوں میں دو دو رکعتوں کی تعداد مقرر کی گئی تھی اور اس طرح ایک مہینہ یا چالیس روز نماز پڑھی گئی، بعد ازاں ظہر اور عصر میں دو دو اور مغرب میں ایک اور عشاء میں دو رکعتوں کا اضافہ کیا گیا، صبح اپنی حالت پر ہی باقی رہی۔

دوسری حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالی نے فرشتوں کے پنکھ دو، تین اور چار بنائے ہیں جن کے ذریعہ ملأ اعلی کو پہنچتے ہیں۔ اس طرح آدمی کے لیے نمازوں کو فرشتوں کے پنکھ کے مانند دو تین اور چار مقرر کیا گیا تا کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالی کے قرب تک پہنچ سکیں۔

بعض نے یہ توجیہ بھی کی ہے کہ دن اور رات میں آدمی کی بیداری کے سترہ گھنٹے ہوتے ہیں اور ان سترہ گھنٹوں میں جو گناہ سرزد ہوتے ہیں ان کی تکفیر سترہ رکعت نماز فرض سے ہوتی ہے۔

ابن حبان نے اس حدیث کی روایت کی ہے: "**إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا قَامَ يُصَلِّي أُتِيَ بِذُنُوبِهِ فَوُضِعَتْ عَلَى رَأْسِهِ أَوْ عَلَى عَاتِقِهِ فَكُلَّمَا رَكَعَ أَوْ سَجَدَ تَسَاقَطَتْ عَنْهُ**" بے شک جب بندہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے گناہ لائے جاتے ہیں اور اس کے سر پر یا مونڈھے پر رکھے جاتے ہیں اور جب وہ رکوع یا سجدہ میں جھکتا ہے تو گر جاتے ہیں۔ (ابن حبان: باب ذکر تساقط الخطایا من المصلی ۵/ ۲۷۔ السنن الکبری للبیھقی: باب من استحب الإکثار من...... ۴۸۸۴)

نماز واجب ہونے کا وقت

ہر ایک نماز اول وقت ہی واجب ہو جاتی ہے اور اس کا وجوب اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ اس نماز کے پڑھنے کی گنجائش ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ اول قوت علی الفور نماز پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ اس وقت تک تاخیر جائز ہے جس میں نماز کے ادا کرنے کی گنجائش باقی رہے۔ لیکن اگر اول وقت میں نماز نہ پڑھی جائے تو واجب ہے کہ وقت کے خارج ہونے سے پہلے نماز پڑھنے کا عزم (مستقل ارادہ) کر لیا جائے۔

نماز اور حج میں جس عزم کا ذکر کیا گیا ہے یہ خاص مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے، ورنہ عزمِ عام یہ ہے کہ ہر مکلّف پر واجب ہے کہ بلوغ کے وقت واجبات پر عمل کرنے اور محرمات کو ترک کرنے کا عزم کرے اور اگر ایسا عزم نہ کرے تو گنہگار ہوگا۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نماز کا وقت آتے ہی دو امور میں سے ایک امر واجب ہے، یا تو نماز فوراً ہی پڑھی جائے یا عزم کرلیا جائے کہ اندرونِ وقت نماز پڑھی جائے گی، اگر اول وقت نماز نہ پڑھے اور عزم بھی نہ کرے تو گنہ گار ہوگا۔ اگر عزم کیا اور نماز پڑھنے سے پہلے جب کہ نماز کا وقت ہنوز باقی تھا، موت ہوگئی تو گنہ گار نہ ہوگا۔

بخلاف حج کے، حج کرنے کی استطاعت ہو اور حج کرنے میں تاخیر کی جائے اور موت ہو تو گنہ گار ہوگا، اس لیے کہ حج کا وقت عمر ہے جو ختم ہوگئی۔ اگر موت آنے کی وجہ سے گنہ گار نہ ہو تو حج کی فرضیت باقی نہیں رہتی۔

وقت اس قدر تنگ ہو کہ نماز کی گنجائش رہے تو اس وقت فوراً نماز ادا کرنا واجب ہے اور نماز شروع کرنے کے بعد وقت اتنا ہو کہ فرض اور سنتیں پڑھی جاسکتی ہوں تو نماز میں طوالت بھی جائز ہے، اگرچہ کہ وقت نکل جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ صبح کی نماز میں آپ نے طوالت کی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد بعض ساتھیوں نے دبی زبان میں کہا: قریب تھا کہ سورج طلوع ہوجائے۔ تو آپ نے جواب دیا: نکل جائے تو کیا مضائقہ؟ ہم کو غافل نہ پائے گا یعنی نماز اور عبادت کی حالت میں پائے گا۔

باوجود اس کے اولی یہ ہے کہ طوالت کو ترک کیا جائے، اگر اندرون وقت ایک رکعت ادا ہوجائے تو پوری نماز ادا ہوجائے گی ورنہ قضاء ہوگی۔

نماز کے اوقات

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ، وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ﴾

(الروم ۱۷) پس اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں شام کو اور صبح کو، تمام تعریف ہے اس کے لیے آسمانوں اور زمین میں، اور سہ پہر کو اور دوپہر کو۔

تسبیح سے مراد نماز ہے۔ ابن عباس کا قول ہے کہ شام کی تسبیح سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور صبح کی تسبیح سے صبح کی نماز اور عشاء سے عصر کی نماز اور **تظهرون** سے ظہر کی نماز مراد ہے۔

بعض نے اس کے برعکس تسبیحِ مساء سے عصر اور تسبیحِ عشاء سے مغرب اور عشاء کی نمازیں مراد لی ہیں۔

بہر حال جو بھی تاویل کی جائے اس آیت میں اجمالی طور پر صرف نمازوں کے وقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن ہر ایک نماز کی مدت اور مقدار اس آیت میں بیان نہیں ہوئی ہے۔ سنت اور حدیث کے ذریعہ مدت اور وقت کی تصریح کی گئی۔

ابوداؤد اور دیگر محدثین نے اس حدیث کی روایت کی ہے: "**أَمَّنِي جِبْرَئِيلُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ فَصَلَّى بِيَ الظُّهْرَ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ الْفَيْءُ قَدْرَ الشِّرَاكِ، وَالْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَيْهِ، وَالْمَغْرِبَ حِيْنَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ، وَالْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ، وَالْفَجْرَ حِيْنَ حُرِّمَتِ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ، فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلَّى بِيَ الظُّهْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ وَالْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَيْهِ وَالْمَغْرِبَ حِيْنَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ وَالْعِشَاءَ إِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَالْفَجْرَ فَاَسْفَرَ۔ وَقَالَ هٰذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ وَالْوَقْتُ مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ**" (ابوداود: کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی المواقیت ۳۹۳۔ ترمذی: أول کتاب الصلاۃ ۱۴۹)

جبرئیل نے بیت اللہ کے پاس دو مرتبہ میری امامت کی تھی؛ میرے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی جب کہ سورج کو زوال ہوا تھا اور سایہ ایک بالشت یا اس سے کم تھا اور عصر پڑھی تھی جب کہ سایہ مثل کے برابر تھا اور مغرب جب کہ روزہ دار افطار کرتا ہے اور عشاء جب کہ شفق کی سرخی غائب ہوئی اور فجر جب کہ روزہ دار پر کھانا اور پینا حرام ہے۔ پھر دوسری مرتبہ (جبرئیل نے)

میرے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی جب کہ سایہ مثل کے برابر اور عصر جب کہ سایہ دو مثل کے برابر تھا اور مغرب جب کہ روزہ دار افطار کرتا ہے اور عشاء ایک تہائی رات کے وقت اور فجر جب کہ روشنی نمودار ہوئی (دو مرتبہ نماز پڑھانے کے بعد) جبرئیل نے کہا کہ یہ ان انبیاء کی نماز کا وقت تھا جو آپ سے پہلے گزرے ہیں۔اور نماز کا وقت ان دونوں اوقات کے درمیان ہے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ جبرئیل نے دو مرتبہ نماز پڑھائی تھی۔پہلی مرتبہ ہر ایک نماز اول وقت پڑھائی اور دوسری مرتبہ ہر ایک نماز سوائے مغرب کے آخر وقت پڑھائی۔ اس لیے مغرب کا وقت ایک ہی ہے۔ان دونوں مرتبہ کی نمازوں کے پڑھانے کے بعد یہ بھی کہا کہ نمازوں کا وقت ان دونوں اوقات کے درمیان ہے۔

اس حدیث کے فقرہ دوم میں ''غد'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم دوسرے مرتبہ کا ہے اور یہ مرتین کے تحت ہے، جس کے معنی دو مرتبہ کے ہیں، ورنہ ''غد'' کے معنی عام مفہوم کا لحاظ کرتے ہوئے صبح یا دوسرے دن کے لیے جائیں تو دوسرے دن کی نماز فجر سے شروع ہوتی ہے جو یہاں مقصود نہیں۔

اس حدیث کے فقرۂ اول سے ظاہر ہے کہ عصر اس وقت پڑھی تھی جب کہ سایہ سایۂ اصلی کے برابر تھا اور فقرہ دوم سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت ظہر کی نماز پڑھی تھی سایہ، سایۂ اصلی کے برابر تھا۔

امام شافعی نے اس کی تاویل یوں کی ہے کہ سایہ، سایہ اصلی کے برابر ہونے کے بعد عصر پڑھی اور نماز ظہر سے فراغت پانے کے بعد سایہ، سایۂ اصلی کے برابر ہوا۔اس تاویل سے مقصود یہ ہے کہ ظہر اور عصر کے اوقات کے اشتراک کی نفی کی جائے جو امام مالک کا قول ہے۔امام شافعی کی رائے کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔جس کی روایت مسلم نے کی ہے:

''وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهِ مَالَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ'' ظہر کا وقت وہ ہے جب کہ سورج کا زوال ہوا اور عصر کا وقت شروع نہ ہوا ہو۔(مسلم ٦١٢)

جبریل نے ان دونوں مواقع پر امامت کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جبرئیل اور

صحابہ کے درمیان واسطہ تھے، اس لیے کہ جبرئیل صحابہ کو دکھائی نہیں دیتے تھے۔ نبی ﷺ قطعی طور پر جبرئیل پر فضیلت رکھتے تھے اور فاضل کی اقتداء مفضول کے پیچھے صحیح ہے۔ اس کے علاوہ جبرئیل نے نماز کی کیفیت بتانے کے لیے امامت کی تھی۔

یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ امامت میں شرط یہ ہے کہ عورت امامت کی صلاحیت نہیں رکھتی، لیکن اس کے ساتھ امام کے مرد ہونے کی نسبت کوئی اثباتی شرط نہیں ہے۔ جبرئیل فرشتوں میں سے ہیں اور فرشتوں میں جنسیت یعنی مرد اور عورت کا امتیاز نہیں ہے، اس لیے جبرئیل کی امامت میں کوئی نقص بھی نہیں ہے۔

جبرئیل نے یہ نمازیں معجنہ میں پڑھائی تھیں جو کعبۃ اللہ کے پاس ایک مقام ہے۔ دونوں مرتبہ کی نمازوں کے پڑھانے تک جبرئیل بیت اللہ کے پاس رہے یا ہر نماز کے وقت آیا کرتے تھے، بجیرمی نے دوسری بات کی تاکید کی ہے۔

اوقات کے مراتب

اوقات کے مراتب سات ہیں:

۱۔ وقت فضیلت

۲۔ وقت اختیاری

۳۔ وقت جواز بلا کراہت

۴۔ وقت جواز بکراہت

۵۔ وقت حرمت

۶۔ وقتِ ضرورت

۷۔ وقت عذر

افضل وقت

نبی ﷺ سے سوال کیا گیا: ''أی الأعمال أفضل ؟ کون سا کام افضل ہے؟

آپ نے فرمایا: ''الصلاۃ فی أول وقتھا''۔اول وقت میں نماز۔(ابوداودمیں یہ روایت ام فروہ رضی اللہ عنہا سے ہے: باب فی المحافظۃ علی وقت الصلاۃ ......۴۲۶، صحیح ابن خزیمہ ۳۲۷، اور ابن حبان ۱۴۷۵ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے)

ہرایک نماز کواول وقت میں پڑھنا افضل ہے، بشرطیکہ وقت ہونے کی نسبت یقین ہو۔ اگر نماز سے قبل ضروریات نماز کی تکمیل میں وقت صرف کیا جائے تو بھی فضیلت حاصل ہوگی۔ طہارت، اذان، ستر (لباس پہننا) غذا اور سنن رواتب کوضروریات نماز میں شمار کیا گیا ہے۔

یہ ضروریات پہلے سے مہیا ہوں اوران کی تکمیل کی حاجت نہ ہواور جو وقت ان ضروریات کی تکمیل میں صرف ہوسکتا ہو، صرف اتنا وقت گذار کر نماز پڑھے تو بھی فضیلت حاصل ہوگی۔

اول وقت کے حکم میں عشاء کی نماز اور صبح کی نماز بھی داخل ہیں۔ان نمازوں کو بھی اول وقت پڑھنے میں فضیلت ہے۔

وقت فضیلت سے مراد یہ ہے کہ اس وقت میں نماز پڑھنے میں بہ نسبت اس کے بعد پڑھنے کے زیادہ فضیلت ہے۔اور فضیلت سے مراد ثواب میں زیادتی کے ہیں اور وقتِ اختیار میں وقت فضیلت سے کم ثواب ہے۔

امام کے لیے مندوب ہے کہ اول وقت نماز پڑھانے کی کوشش کرے۔ جماعت کے لیے معمولی طور پر جس قدر انتظار کیا جاسکتا ہو کیا جائے، نہ کہ اس سے زیادہ، اس لیے کہ قلیل جماعت کے ساتھ اول وقت نماز پڑھنا افضل ہے، بہ نسبت اس کے کہ کثیر جماعت کے ساتھ آخری وقت نماز پڑھی جائے۔

کسی بزرگ یا عالم کے انتظار میں جماعت کوروکے رکھنا مکروہ ہے۔

اختیاری وقت

وقت فضیلت کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور وقت فضیلت کے ختم ہونے کے بعد باقی رہتا ہے۔

اس کو وقت اختیاری اس لیے کہا گیا ہے کہ اس مدت کے اندر نماز کے ادا کرنے میں

اختیار حاصل ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جبرئیل نے اس وقت کو اختیار کیا تھا۔ حدیث ''أمنی جبرئیل ''میں جبرئیل کا یہ قول کہ ''وقت ان دونوں اوقات کے درمیان ہے'' وقتِ اختیاری پر محمول ہے۔

وقت جواز بلا کراہت

یہ وقت وقتِ فضیلت اور وقتِ اختیاری کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور وقت فضیلت کے ختم ہونے کے بعد جاری رہتا ہے اور وقت اختیاری کے ساتھ ختم ہوتا ہے، اس وقت میں نماز پڑھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ بظاہر وقت اختیاری اور وقت جواز بلا کراہت مترادف ہیں۔

وقت جواز بکراہت

وقت اختیاری کے بعد شروع ہوتا ہے اور آخر وقت ختم ہوتا ہے۔

وقت حرمت

اس آخری وقت کو کہتے ہیں جس میں نماز کے ادا کرنے کی گنجائش نہ رہے۔ اس وقت کو وقتِ حرمت اس لیے کہا گیا ہے کہ اس وقت تک نماز کو ملتوی رکھنا حرام ہے، نہ کہ اس وجہ سے کہ اس وقت نماز پڑھنا حرام ہے، اس لیے کہ اس وقت بھی نماز پڑھنا واجب ہے، اگر وقت حرمت کی مقدار اتنی ہو کہ ایک رکعت اندرونِ وقت پڑھی جا سکے تو نماز ادا ہو جائے گی مگر گناہ کے ساتھ۔

وقتِ ضرورت

وہ آخری وقت ہے جب کہ موانعات زائل ہو جائیں اور صرف تکبیر کہنے کے بقدر یا کچھ اس سے زیادہ وقت ہو تو نماز واجب ہو گی۔

وقتِ عذر

نماز کے اس وقت کو کہتے ہیں جو عذر کے سبب سے پڑھی جائے جیسا کہ جمع تقدیم یا

جمع تاخیر میں۔ظہر کی نماز کے لیے وقتِ عذر عصر کا وقت اور عصر کی نماز کے لیے وقت عذر ظہر کا وقت ،مغرب کی نماز کے لیے وقت عذر عشاء کا وقت اور عشاء کے لیے وقت عذر مغرب کا وقت ہے جب کہ ان نمازوں کو تقدیم یا تاخیر کے ساتھ ادا کیا جائے۔اس کی تفصیل جمع بہ قصر میں بیان کی گئی ہے۔

وقت فضیلت اور وقتِ اختیاری اور وقتِ جواز تمام نمازوں میں ایک ساتھ اولِ وقت شروع ہوتے ہیں۔وقتِ فضیلت پہلے اور وقتِ اختیاری اور وقتِ جواز اس کے بعد ختم ہوتے ہیں،سوائے مغرب کے،جس میں تینوں اوقات ایک ساتھ شروع اور ایک ساتھ ختم ہوتے ہیں۔البتہ ظہر میں وقتِ اختیاری اور وقتِ جواز ایک ساتھ ختم ہوتے ہیں۔ وقتِ ضرورت اور وقتِ حرمت تمام نمازوں سے متعلق ہیں۔

متفرقاتِ وقت

نماز میں تاخیر واجب

میت کے سڑ جانے یا حج کے فوت ہونے کا خوف ہو یا دشمن کے پنجہ سے قیدی کے چھڑانے میں نا مناسب تاخیر ہو یا ڈوبتے کو بچانا ہو تو ان امور میں فوری مصروفیت اور نماز میں تاخیر واجب ہے،اگر چہ کہ اس مصروفیت کی وجہ سے نماز کا وقت ہی نکل جائے۔

نماز میں تاخیر مسنون

ان صورتوں میں نماز میں تاخیر مسنون ہے:

۔حج میں کنکریوں کے پھینکنے والے کے لیے

۔مسافر کے لیے جو اول وقت سفر کر رہا ہو

۔عرفہ میں وقوف کرنے والے کے لیے

۔مغرب کی نماز میں تاخیر تاکہ مزدلفہ میں عشاء کے ساتھ جمع کرے
۔پانی یا ستر یا جماعت کے انتظار میں۔

نووی کا قول ہے کہ دو مرتبہ نماز پڑھی جائے ۔ایک مرتبہ اول وقت منفرد اور دوسری مرتبہ جماعت کیساتھ۔

بہر حال وہ امور جن کے جلد عمل میں لانے میں مصلحت ہے اور تاخیر کی وجہ سے فوت ہو جانے کا خوف ہے تو ان کو نماز سے پیشتر عمل میں لایا جائے گا۔

اول وقت نماز پڑھنا مستحب اس صورت میں ہے جب کہ کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

وقت اس قدر تنگ ہے کہ فرض نماز کے ارکان کی گنجائش ہے، مسنون امور کی گنجائش نہیں ہے، تب بھی مسنون امور کے ساتھ نماز کو مکمل طور پر ادا کیا جائے گا، اگر چہ کہ وقت نکل جائے ۔مسنون امور کے ساتھ فرض نماز کا ادا کرنا افضل ہے تاکہ نماز مکمل حالت میں محفوظ اور برقرار رہے۔

اگر وقت اتنا ہے کہ پوری نماز ادا کی جاسکتی ہے اور تلاوت یا ذکر کو طول دیا جائے اور وقت نکل جائے تو بغیر کسی حرمت یا کراہت کے جائز ہے لیکن خلافِ اولی ضرور ہے۔ البتہ جمعہ میں اس طرح طویل کرنا ممنوع ہے، اس لیے کہ جمعہ میں شرط یہ ہے کہ پوری کی پوری نماز اندرونِ وقت ادا کی جائے۔

وقت اس قدر تنگ ہے کہ فرض نماز کے پورے ارکان کی گنجائش نہیں ہے تو مسنون امور کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ واجبات پر اکتفا کرنا واجب ہے۔

ادائے نماز: جس نماز کے لیے تکبیر تحریمہ ایسے وقت کہی جائے جب کہ نماز کی گنجائش ہے اور سنتوں کے ساتھ فرض نماز کو اس قدر طول دیا جائے کہ ایک رکعت یا اس سے زیادہ وقت میں پڑھی جائے تو پوری نماز ادا ہو جائے گی، ورنہ قضا ہو گی، البتہ گناہ نہیں ہو گا، مگر یہ خلافِ اولی ہو گا۔

تکبیر تحریمہ کے وقت اگر سبھی واجبات وسنن کی گنجائش نہ ہو تو واجبات پر اکتفا

کرنا واجب ہے اور اس صورت میں ایک رکعت بھی وقت میں ہو جائے تو نماز ادا ہوگی، ورنہ قضا ہوگی اور گناہ بھی ہوگا۔

اگر اندرونِ وقت ایک رکعت یا اس سے زیادہ نماز پڑھنے کی گنجائش ہو تو ادا کی نیت کی جائے، ورنہ قضا کی نیت واجب ہوگی۔

وقت کے سلسلہ میں اجتہاد

اگر بادل کی وجہ سے وقت کا تمیز کرنا دشوار ہو تو اجتہاد کیا جائے گا۔

وقت کے تین مراتب ہیں؛ اپنے ذاتی علم پر عمل کرے یا بھروسہ کے قابل شخص کے بیان پر عمل کرے۔خود اجتہاد کرے یا دوسرے شخص کے اجتہاد کی تقلید کرے۔

اگر بعد میں معلوم ہوا کہ جو نماز اجتہاد سے پڑھی گئی وقت سے پہلے تھی تو اس کا اعادہ کرنا واجب ہے۔اس کی مزید صراحت آرہی ہے۔

قضا نماز

فرض نماز اگر کسی عذر کے بغیر فوت ہو جائے تو فوت شدہ نماز کے پڑھنے میں جلدی کرنا واجب ہے،اور اگر نیند وغیرہ سے فوت ہو جائے تو جلدی کرنا مندوب ہے۔

فوت شدہ نمازوں کے ادا کرنے میں ترتیب مسنون ہے تاکہ ان کے خلاف نہ ہو جنھوں نے ترتیب کو واجب گردانا ہے۔

قضا کو حاضرہ یعنی موجودہ فرض نماز سے پہلے پڑھنا بھی مسنون ہے بشرطیکہ حاضرہ کے لیے وقت باقی رہے۔اگر حاضرہ کا وقت نکل جانے کا خوف ہو تو حاضرہ پہلے پڑھی جائے۔اگر عشاء کی نماز فوت ہو تو وتر کو عشاء سے پہلے بطور قضا نہ پڑھا جائے۔

ظہر کی نماز

ظہر کی چار رکعت ہیں اور ظہر کا وقت سورج کے زوال کے بعد شروع ہوتا ہے اور جب کہ ہر چیز کا سایہ سایۂ اصلی کے علاوہ مثل کے سایہ کے برابر ہو جائے ختم ہو جاتا ہے۔

نماز کے بیان کو ظہر سے آغاز کرنے کے تین وجوہ ہیں:

ا۔اللہ تعالی نے خود ظہر سے نمازوں کے بیان کا آغاز فرمایا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:
''أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ ''(الإسراء:۷۸) نماز پڑھو سورج کے زوال سے۔

۲۔ظہر پہلی نماز ہے جو اسلام میں فرض ہوئی۔

۳۔ظہر پہلی نماز ہے جو جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ساتھ پڑھی تھی۔

ظہر کی نماز کا وقت

ظہر کی نماز کا وقت سورج کے زوال کے بعد یعنی سورج کے انتہائی بلندی پر آنے کے بعد جب سایہ مشرق کی طرف ڈھلتا ہے شروع ہوتا ہے۔عین سائے کے زوال کے وقت ظہر کا وقت شروع نہیں ہوتا بلکہ زوال ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔اسی طرح سایہ، سایہ مثل کے برابر ہونے پر ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا بلکہ مثل سے بڑھ جانے پر ختم ہوتا ہے۔سایہ مثل کے برابر ہونے کی حالت میں ظہر کا وقت باقی رہتا ہے۔

زوال دریافت کرنے کا طریقہ

سورج کے زوال کو دریافت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دھوپ میں کسی سیدھی لکڑی وغیرہ کو مسطح زمین پر سیدھی کھڑا کر دیا جائے اور سایہ کے آخری حصہ پر نشان لگا دیا جائے۔ جب تک کہ سایہ اس نشان سے کم ہوتا رہے گا زوال سے قبل کا وقت ہوگا اور جب سایہ کھڑا ہو جائے، نہ بڑھے نہ گھٹے تو وہ استواء یعنی سورج کے سر پر رہنے کا وقت ہے۔

وقت استواء ایسا مختصر اور نازک وقت ہے جس کا احساس دشوار ہے۔اس وقت جو سایہ پیدا ہوتا ہے اس کو سایہ اصلی اور سایہ زوال کہتے ہیں اور جب سایہ بڑھنا شروع ہوا تو سمجھا جائے گا کہ زوال کا وقت ہوا۔

بعض مقامات پر بعض موسم میں سورج جب استواء پر آتا ہے سایہ اصلی ہوتا ہی نہیں۔

سورج کے زوال سے مراد وہ زوال نہیں ہے جو حقیقت میں ہے اور جس کا علم ہم کو نہیں ہے بلکہ وہ زوال مراد ہے جو ہم کو بظاہر نظر آتا ہے اور جس کے لیے ہم مکلّف (پابند) کیئے گئے ہیں۔

کسی چیز کا سایہ بڑھتے بڑھتے سایہ اصلی کے علاوہ اس چیز کے طول کے برابر ہو جائے تو اس کو سایہ مثل کہتے ہیں۔عربی میں سورج کے طلوع سے زوال تک کے سائے کو ''**ظل**'' اور زوال سے مغرب تک کے سائے کو ''**فئی**'' کہتے ہیں۔

سائے کو اللہ تعالی نے جسم حیوانی کے آرام وراحت کے لیے پیدا کیا تاکہ دھوپ کی تکلیف سے بچے۔جنت میں اگرچہ سورج نہ ہوگا مگر سائے کا وجود ہوگا۔

ظہر کے اوقات

قاضی نے ظہر کی نماز کے چار اوقات بیان کیئے ہیں:

وقت فضیلت: سایہ مثل کے چوتھائی حصہ تک۔

وقت اختیاری: نصف سایہ مثل تک۔

وقت جواز : پورے سایہ مثل تک

وقت عذر: جب کہ عصر کے ساتھ جمع کیا جائے۔

خطیب نے ظہر کے پانچ اقات لکھے ہیں:

وقت فضیلت : اول وقت۔

وقت اختیاری: آخر وقت تک۔

وقت عذر: عصر کے وقت۔

وقت ضرورت

وقت حرمت

بیجوری نے ظہر کی نماز کے چھ اوقات اس تفصیل سے بیان کیئے ہیں:

وقت فضیلت: اول وقت ہے اور اس کی مقدار اسی قدر ہے جتنی کہ وضو کرنے

اور نماز کی تیاری کرنے اور فرائض اور سنتوں اور سننِ راتبہ کے ساتھ نماز پڑھنے میں ضرورت ہو۔اس کی تفصیل مغرب کی نماز میں آئے گی۔

گرم مما لک میں گرما کے موسم میں مسجد میں ظہر کی نماز میں تاخیر کرنا سنت ہے تا کہ دیواروں کے نیچے سایہ پیدا ہو اور جماعت کی نماز کے لیے مسجد کو آنے والوں کو سایہ میں چلنے کی سہولت حاصل ہو، اس کو ''**ابراد**'' کہتے ہیں۔**ابراد** کا تعلق صرف نماز سے ہے، اذان سے نہیں ہے۔البتہ جمعہ میں **ابراد** نہیں ہے۔

وقت اختیاری وقت فضیلت کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور وقت فضیلت کے گزرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے اس وقت تک جب کہ نماز کی گنجائش رہے۔

وقت جواز بلا کراهت اس کو کہتے ہیں جس میں نماز پڑھنا جائز ہے اور کوئی کراہت نہیں ہے۔ یہ وقت بھی وقتِ اختیاری کی طرح وقتِ فضیلت کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور وقتِ فضیلت کے گزرنے کے بعد جاری رہتا ہے، اس وقت تک جب کہ نماز کی گنجائش رہے۔

یہ تینوں اوقات ایک ساتھ شروع ہوتے ہیں اور ان میں سے وقتِ فضیلت پہلے ختم ہوتا ہے اور وقتِ اختیاری اور وقتِ جواز بلا کراہت مقررہ وقت تک جاری رہتے ہیں۔ یہ دونوں اوقات ایک ساتھ شروع اور ایک ساتھ ختم ہوتے ہیں۔

وقتِ حرمت اس آخر وقت کو کہتے ہیں جس میں نماز ادا کرنے کی گنجائش نہ رہے۔اگر وقت حرمت کی مقدار اتنی ہو کہ ایک رکعت اندرون وقت پڑھی جا سکے تو نماز ادا ہو جائے گی مگر گناہ کے ساتھ۔

وقت ضرورت وہ آخر وقت ہے جب کہ موانعات زائل ہو جائیں اور صرف تکبیر کے بقدر یا اس سے زیادہ وقت ہو تو نماز واجب ہوگی اور وقت عذر نماز کے اس وقت کو کہتے ہیں جو عذر کے سبب پڑھی جائے۔

عصر کا وقت

عصر کی چار رکعت ہیں،عصر کا اولِ وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب کہ سایہ مثل سے زائد ہو جائے اور آخر وقت اختیاری دو مثل کے برابر سائے تک اور وقتِ جواز سورج کے غروب تک ہے۔ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ان دونوں کے درمیان کوئی فصل نہیں ہے۔

صلاۃ وسطی سے مراد

اصح یہ ہے کہ عصر کو صلاۃ وسطی کہتے ہیں اور وہ جملہ نمازوں میں افضل ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى﴾(البقرۃ ۲۳۸)

اس کو صلاۃ وسطی اس لیے کہا گیا ہے کہ دن کی دو نمازوں صبح وظہر اور رات کی دو نمازوں مغرب اور عشاء کے درمیان یہ نماز واقع ہوئی ہے۔

بعض نے ''صلاۃ وسطی'' سے مراد نماز صبح لی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ ''حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى ''(البقرۃ ۲۳۸) کے بعد ہے ''وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ ''(البقرۃ:۲۳۸) کھڑے رہو اللہ تعالی کے لیے قانتین کی حالت میں۔

یہاں قانتین کے معنی انھوں نے دعائے قنوت کے لیے ہیں اور دعائے قنوت صبح میں پڑھی جاتی ہے لیکن قنوت کے عام معنی عبادت اور طاعت کے ہیں اور اس لحاظ سے صلاۃ وسطی سے صلاۃ عصر مراد ہے۔

عصر کے معنی ایک ساتھ واقع ہونے کے ہیں اور یہاں صرف مغرب کی نماز کی قربت کی وجہ سے عصر کی نماز کو عصر کہا گیا۔

اعتماد اس پر ہے کہ جس قدر سایہ سایۂ مثل پر زیادہ ہوگا وہ عصر میں شمار ہوگا۔بعض نے کہا ہے کہ وہ ظہر میں شمار ہوگا اور بعض نے کہا ہے کہ وہ فصل سمجھا جائے گا لیکن یہ ہر دو رائے مرجوح ہیں۔مثل کے سائے کے شمار کرنے میں پہلے سایہ اصلی کو وضع کیا جائے اگر اس موقع پر کوئی سایہ اصلی ہو۔

وقت جواز کے معنی یہ ہیں کہ اس وقت میں نماز پڑھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے لیکن

کراہت ہے۔ یہ وقت، وقت فضیلت اور وقت اختیاری کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ ''**مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ**''۔ (بخاری ۵۵۴۔ مسلم ۶۰۸) جس شخص نے ایک رکعت صبح کی سورج نکلنے سے پہلے پائی تو صبح کو پالیا اور جس نے عصر کی ایک رکعت سورج کے ڈوبنے سے پہلے پائی تو عصر کو پالیا۔

مسلم نے ابن ابی شیبہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے: ''**وَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَغْرُبِ الشَّمْسُ**'' (مستخرج أبي عوانة: باب آخر وقت صلاۃ العصر جس میں ''مالم تغرب'' کی جگہ ''مالم تصفرّ'' کے الفاظ ہیں ۸۲۴) عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب کہ سورج نہ ڈوبے۔

اوقات عصر:

بیجوری اور بجیرمی دونوں متفق ہیں کہ عصر کی نماز کے سات اوقات ہیں:

وقت فضیلت: اول وقت ہے اور اس کی مدت اتنی ہے جتنی کہ نماز اور اس کی تیاری میں صرف ہو۔

وقت اختیاری: دو مثل کے سائے تک ہے۔

وقت جواز بلا کراہت: سورج میں زردی آنے تک ہے۔

یہ ہر سہ اوقات ایک ساتھ شروع ہوتے ہیں۔ وقت فضیلت پہلے ختم ہوتا ہے اور وقتِ اختیاری اور وقت جواز ہر دو جاری رہتے ہیں اور وقت اختیاری ختم ہوتا ہے جب کہ سایہ دو مثل کے برابر ہو جائے اور وقت جواز بلا کراہت سورج میں زردی آنے تک جاری رہتا ہے۔

وقت جواز بکراہت: اس وقت شروع ہوتا ہے جب کہ سورج میں زردی آئے اور یہ وقت سورج کے غروب کے قریب آنے تک رہتا ہے۔

وقت حرمت: اس وقت تک تاخیر کرنے کو کہتے ہیں جب کہ نماز کی گنجائش نہ رہے۔ اس وقت بھی نماز عصر پڑھنا واجب ہے۔

وقت ضرورت وہ وقت ہے جب کہ موانعات رفع ہو جائیں اور صرف تکبیر

تحریمہ کے بقدر یا اس سے زیادہ وقت ہو۔

وقت عذر ظہر کا وقت ہے جب کہ جمع میں تقدیم کی جائے۔

مغرب کی نماز

مغرب کی تین رکعات ہیں اور اس کا وقت سورج کے غروب کے بعد ہے، اس اندازے پر کہ اذاں دی جائے، وضو کرے، کپڑے پہنے، اقامت کہی جائے اور پانچ رکعت نماز پڑھے اور وقت جواز شفق کی سرخی کے غائب ہونے تک ہے۔

مغرب ظرفِ زماں ہے، غروب کے وقت کو کہتے ہیں اور چوں کہ نماز اس کے بعد ہی پڑھی جاتی ہے اس لیے اس نماز کو مغرب کہا گیا۔

غروب سے کامل غروب مراد ہے جب کہ سورج کا پورا حلقہ غائب ہو جائے۔ اگر فقط بعض حصہ غروب ہو جائے تو مغرب کا وقت نہیں ہوتا، اس اصول کے تحت کہ غیر ظاہر حصہ ظاہر حصہ کے ساتھ ملا ہوا ہے،۔ اس لیے پورا کا پورا ظاہر ہے۔

رملی کا قول ہے کہ ایک شخص نے ایک مقام پر غروب کے بعد نماز پڑھی اور پھر دوسرے مقام کی طرف سفر کیا اور وہاں سورج کو موجود پایا تو بعد غروب اس پر مغرب کا اعادہ واجب ہے اور جس نے عصر نہیں پڑھی تھی پڑھ سکتا ہے۔

اگر شعاع باقی رہ جائیں تو مضائقہ نہیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بلند دیواروں پر شعاع کا عکس باقی نہ ہو تو سورج کے پورے حلقہ کا غائب ہونا کافی ہے۔

مغرب کے وقت میں فقط اتنی مدت ہے کہ نماز اور ضروریات نماز کی تکمیل ہو سکے: اذان دی جائے، طہارت کی جائے، کپڑے پہنے جائیں، نماز کے لیے اقامت کہی جائے اور بشمول سنت پانچ رکعت پڑھی جائیں۔

نماز کے لیے کپڑے پہننا بھی وقت فضیلت میں داخل ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الأعراف:۳۱) ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو۔

نماز میں پانچ رکعت کی قید نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ مغرب کی نماز فرض اور سنن

کے ساتھ کامل طور پر پڑھی جائے۔فرض سے پہلے دو رکعت شریک کر کے امام نے سات رکعت بتائے ہیں اور نووی نے بھی اس قول کی تائید کی ہے۔بیجوری کی رائے ہے کہ حوائج سے فارغ ہونے اور کھانے پینے میں جو وقت صرف ہو وہ بھی اسی مدت میں شریک ہے۔

صحیحین کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’**إِذَا قَامَ الْعَشَاءُ فَابْدَءُ وْا بِهِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَلَا تَعْجَلُ عَلٰى عَشَاءِكُمْ**‘‘ (مسلم میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے: ’’إذا قرُب العَشاء وحضرت الصلاة فابدء وا به قبل أن تصلوا صلاة المغرب ولا تعجلوا عن عشاء كم‘‘ ۱۲۷۰، باب کراھۃ الصلاۃ بحضرۃ......) جب شام کا کھانا لایا جائے تو مغرب کی نماز سے پہلے کھانا شروع کرو، کھانے میں جلدی نہ کرو۔

کھانے سے مراد یہ نہیں کہ بھوک کی تلخی دور کرنے کے لیے چند لقمے کھائے جائیں بلکہ شرعی مقدار مراد ہے جو ایک تہائی کے برابر ہے۔شرع میں شکم سیر کھانے کی اجازت نہیں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ’’**حَسْبَ ابْنِ آدَمَ لُقَيْمَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَثُلُثٌ لِلطَّعَامِ وَثُلُثٌ لِلشَّرَابِ وَثُلُثٌ لِلنَّفَسِ**‘‘ (صحیح ابن حبان: باب ذکر وصف أکل المسلمین ۱۲/ ۴۱۔نسائی کی روایت میں ’’حسب الآدمی‘‘ ہے: کتاب الأطعمۃ ۳۳۴۹، یہ روایت مقدام بن معدی کرب سے ہے) آدمی کے لیے چند لقمے کافی ہیں پس اگر ضرورت ہو تو ایک تہائی کھانے کے لیے، ایک تہائی پانی کے لیے اور ایک تہائی سانس کے لیے۔

یہ بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ’’**مَا مَلَأَ ابْنُ آدَمَ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنِهِ**‘‘ (مسند احمد: ۱۷۱۸۶۔ص ۴/ ۱۳۳، ابن ماجہ میں ابن آدم کی جگہ ’’آدمی‘‘ ہے: کتاب الأطعمۃ ۳۳۴۹، ابن حبان: ذکر وصف أکل المسلمین الذی یجب۔ یہ روایت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے ہے) آدمی کے پیٹ کی تھیلی کا بھرنا سب سے برا ہے۔

حدیث ’’**أمني جبرئيل**‘‘ سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعی کا قول جدید یہ تھا کہ جس مقدار مدت کی صراحت اوپر کی گئی ہے گزر جائے تو مغرب کا وقت ختم ہو جائے گا۔مگر آپ نے اپنی اس رائے کو بعض احادیث کی اثبات پر معلق چھوڑا تھا جس کی نسبت

خطیب، بیجوری اور بجیرمی نے لکھا ہے کہ یہ احادیث مسلم کی روایت سے ثابت ہیں۔

ان میں سے ایک حدیث یہ ہے: ''وَقْتُ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ'' (مسلم ۶۱۲) مغرب کا وقت وہ ہے جب کہ شفق غائب نہ ہو۔

شفق کی سرخی کے غائب ہونے کی قید ہے، شفق کی زردی اور سفیدی کے غائب ہونے کی قید نہیں ہے۔ زردی اور سفیدی کے غائب ہونے تک مغرب کا وقت باقی نہیں رہتا۔ مغرب کے وقت کی جملہ مدت کا اظہار مسطور بالا میں کیا گیا ہے، ورنہ راجح یہ ہے کہ مغرب کی نماز کے بھی متعدد اوقات ہیں۔

اوقاتِ مغرب

مغرب کی نماز کے سات اوقات ہیں:

وقت فضیلت، وقت اختیاری، اور وقت جواز بلا کراہت۔ ان تینوں اوقات کی مدت اتنی ہے جتنی کہ نماز اور ضروریات نماز میں صرف ہو۔ یہ تینوں اوقات ایک ساتھ داخل اور ایک ساتھ خارج ہوتے ہیں اور ان کے بعد وقت جواز بکراہت شروع ہوتا ہے جو اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ نماز کی گنجائش رہے۔ اس کے بعد وقت حرمت اور پھر وقت ضرورت ہے۔ وقت ضرورت بھی مغرب میں ہے اور وہ عشاء کا وقت ہے جب کہ مغرب کی نماز میں جمع میں تاخیر کی جائے۔

عشاء کی نماز

عشاء کی چار رکعت ہیں اور عشاء کا اول وقت شفق کی سرخی کے غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے، اختیاری وقت ایک تہائی رات کے گزرنے تک اور وقتِ جواز صبح صادق کے نمودار ہونے تک ہے۔

عِشاء کے معنی عین کے زیر کے ساتھ تاریکی کے ہیں اور چوں کہ عشاء کی نماز کا وقت یہی ہے، اس لیے اس کو عشاء کہا گیا۔

عشاء کے وقت کے لیے شرط یہ ہے کہ شفق کی سرخی غائب ہو جائے۔ شفق کی زردی اور سفیدی کے غائب ہونے کی شرط نہیں ہے، مگر بیجوری اور بجیرمی کا قول ہے کہ شفق کی زردی اور سفیدی غائب ہونے کا انتظار کرنا اولی ہے، تاکہ بعض ائمہ کے خلاف نہ ہو جنھوں نے اس کو واجب گردانا ہے۔

جہاں شفق نہیں ہے

جن ممالک میں شفق غائب نہیں ہوتی یا شفق ہوتی ہی نہیں، وہاں کے باشندوں کے لیے عشاء کا وقت سورج کے ڈوبنے کے اتنی دیر بعد شروع ہوگا جب کہ قریب کے ممالک میں شفق غائب ہو جائے۔

جہاں غروب اور طلوع کے درمیان وقت ہی نہ ہو

لیکن ایسے مقام پر جہاں رات نہ ہوتی ہو اور سورج کے ڈوبنے کے ساتھ ہی طلوع کا وقت ہو جاتا ہے تو وہاں کے باشندوں کے لیے مغرب اور عشاء دونوں نمازوں کو قضا کرنا ہوگا۔ لیکن روزے میں کھانے پینے کی حد تک وقت لیا جا سکتا ہے۔

بجیرمی نے لکھا ہے کہ جن ممالک میں رات مختصر ہوتی ہے یا رات ہوتی ہی نہیں وہاں ایام دجال کے طویل دنوں کی طرح دن اور رات کی مقدار کا اندازہ کر کے اس کے بموجب نماز، روزے وغیرہ ادا کیے جائیں گے۔

وقتِ جواز میں بلا کراہت اور کراہت دونوں شامل ہیں۔ ابو حامد امام غزالی کا قول ہے کہ دونوں صبح (صبح کاذب اور صبح صادق) کے درمیان وقت کراہت ہے۔

صبحِ کاذب و صبحِ صادق

صبح کاذب یا صبح اول: صبح کے اس وقت کو کہتے ہیں جب کہ روشنی آسمان میں طول میں یعنی مشرق سے آسمان کی بلندی کی طرف جاتی ہے اور پھر اس کے زائل ہونے کے بعد تاریکی چھا جاتی ہے، یعنی بعض وقت بغیر تاریکی کے رہتا ہے، صبح کاذب کے بعد ہی صبح

صادق نمودار ہوتی ہے۔

صبح صادق یا صبح دوم؛ صبح کے اس وقت کو کہتے ہیں جب کہ صبح کاذب کی تاریکی کے بعد روشنی آسمان میں افق میں عرض میں مشرق سے شمال اور جنوب دونوں طرف پھیلتی ہے۔

اوقاتِ عشاء

عشاء کے اوقات اجمالی طور پر بتائے گئے ہیں اور تفصیل یہ ہے کہ سات اوقات ہیں:

وقت فضیلت: اول وقت ہی ہے۔بعض نے اس حدیث کی بنا پر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء میں تاخیر کو پسند فرمایا تھا، ایک تہائی رات تک عشاء کی نماز میں تاخیر کرنے میں فضیلت تصور کی ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر نماز جلد پڑھنے کی پابندی فرمائی تھی۔

وقت اختیاری: ایک تہائی رات کے گزرنے تک ہے۔

وقت جواز بلا کراھت: صبح کاذب تک ہے۔

یہ تینوں اوقات ایک ساتھ شروع ہوتے ہیں اور پہلے وقت فضیلت ختم ہوتا ہے اور اس کے بعد وقت اختیاری اور اس کے بعد وقت جواز بلا کراہت۔

وقت جواز بکراھت: صبح کاذب کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک جاری رہتا ہے جب کہ نماز پڑھنے کی گنجائش رہے۔

وقت حرمت: وہ تنگ وقت ہے جب کہ نماز کی گنجائش نہ رہے۔

وقت ضرورت اور وقت عذر مغرب ہے جب جمع میں تقدیم کی جائے۔

متفرق مسائل

۔عشاء کی نماز سے پہلے اگر چہ کہ وقت نہ ہوا ہو سونا مکروہ ہے بخلاف دوسری نمازوں کے جن میں نماز کا وقت ہونے کے بعد نماز پڑھنے سے پہلے سونا مکروہ ہے۔ وقت ہونے کے بعد سونے میں کراہت صرف اس صورت میں ہے جب کہ وقت نکلنے سے پہلے نیند سے

بیدار ہونے کی نسبت بھروسہ ہو، ورنہ حرام ہے۔

۔عشاء کے بعد بیکار اور واہیات گفتگو کرنا مکروہ ہے۔البتہ نیک باتوں کی اجازت ہے جیسے قرآن کی تلاوت، ذکر، مہمان کی خاطر داری وغیرہ۔

عمران بن حصین سے حاکم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر راتوں میں بنی اسرائیل کے قصے بیان فرمایا کرتے تھے۔(یہ روایت نہیں ملی)

۔مسافر کے لیے سفر میں بات چیت مکروہ نہیں ہے۔

صبح کی نماز

صبح کی دو رکعت ہیں اور اس کا اول وقت صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد ہے اور اختیاری وقت روشنی نکلنے تک اور وقت جواز سورج کے طلوع ہونے تک ہے۔

صبح کے معنی سفیدی اور سرخی ساتھ ساتھ ہونے کے ہیں اور چوں کہ دن کے پہلے حصہ میں سفیدی اور سرخی ایک دوسرے کے بعد ہوتی ہے اس لیے دن کے اول حصہ کو صبح کہا گیا اور چوں کہ نماز صبح اس وقت پڑھی جاتی ہے اس لیے اس نماز کو صبح سے نامزد کیا گیا۔

اس نماز کو فجر اس لیے کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں فجر آیا ہے۔اور احادیث میں فجر اور صبح دونوں الفاظ صبح کے وقت کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔

پوری طرح صبح صادق کے طلوع ہو جانے کی قید نہیں ہے، طلوع کے آغاز کے ساتھ ہی وقت شروع ہو جاتا ہے۔صبح صادق کے طلوع سے پہلے صبح کاذب گزرتی ہے جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

اختیاری وقت اول وقت شروع ہو جاتا ہے اور صبح کی روشنی نکلنے تک جاری رہتا ہے۔

وقت جواز مجموعی طور پر سورج کے طلوع ہونے تک ہے۔مسلم کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**وَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ**'' (مسلم ۶۱۲) صبح کی نماز کا وقت طلوع فجر سے سورج نکلنے تک ہے۔

وقت جواز میں بلا کراہت اور بکراہت دو قسمیں ہیں۔وقتِ جواز بلا کراہت اول

وقت شروع ہوتا ہے اور سورج سے پہلے سرخی کے نمودار ہونے پر ختم ہوتا ہے۔

وقت جواز بکراہت اس کے بعد سے سورج کے طلوع کے قریب قریب تک ہے۔

سورج کے بعض حصہ کا طلوع بھی طلوع میں داخل ہے، وجہ یہ ہے کہ نہ نکلا ہوا حصہ نکلے ہوئے حصہ سے ملا ہوا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح بعض حصہ صبح صادق کے طلوع ہونے پر صبح کا وقت شروع ہوتا ہے، تو اسی طرح بعض حصہ سورج کے طلوع ہونے پر صبح کا وقت ختم ہوتا ہے۔

صبح کی نماز شرع میں دن میں شمار کی گئی ہے، لیکن ایک قول یہ ہے کہ دن سورج کے طلوع سے شروع ہوتا ہے اور صبح کی نماز طلوع سے قبل ہے اس لیے رات میں شمار کی گئی اور جہری قرار دی گئی۔

امام شافعی اور اصحاب کا قول ہے کہ نماز وسطی سے مراد نماز صبح ہے، اس لیے کہ قنوت صرف صبح میں پڑھی جاتی ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں قنوت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اوقاتِ صبح

خلاصہ یہ ہے کہ صبح کی نماز کے چھ اوقات ہیں:

وقت فضیلت: اولِ وقت ہے جب کہ صبح صادق طلوع ہو اور مدت اتنی ہو جتنی نماز اور ضروریات نماز میں صرف ہو۔ اس کی تفصیل مغرب میں بیان ہو چکی ہے۔

وقت اختیاری اول وقت شروع ہوتا ہے اور صبح کی روشنی نکلنے تک جاری رہتا ہے۔

حدیث ''أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ '' (ترمذی: باب الإسفار بالفجر ۱۵۴، مسند احمد: ۱۷۳۱۸، یہ روایت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے ہے) صبح کی نماز سفیدی نکلنے پر پڑھو اس لیے کہ اس میں زیادہ ثواب ہے۔

اس حدیث پر ان احادیث کو ترجیح ہے جو اول وقت کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو وقت شافعیہ میں اختیاری ہے وہ حنفیہ میں مستحب ہے۔

وقت جواز بلا کراھت اول وقت شروع ہوتا ہے مگر سورج کے برآمد ہونے

سے قبل سرخی کے نمودار ہونے تک جاری رہتا ہے۔

یہ تینوں اوقات ایک ساتھ شروع ہوتے ہیں اور اسی ترتیب سے یکے بعد دیگرے ختم ہوتے ہیں۔

وقت جواز بکراہت سرخی کے نمودار ہونے پر شروع ہوتا ہے اور سورج کے طلوع ہونے کے قریب تک جاری رہتا ہے۔

وقت حرمت ایسا تنگ وقت ہے کہ نماز کی گنجائش نہ رہے۔

وقت ضرورت وہ وقت ہے جب کہ رکاوٹیں دور ہو جائیں اور تکبیر تحریمہ کے بقدر یا اس سے زیادہ باقی رہے۔

صبح میں وقت عذر نہیں ہے، نہ عشاء کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اور نہ ظہر کے ساتھ۔

سنت نمازیں

خطیب شربینی کا قول ہے کہ مسنون، مستحب، نفل اور مرغب مترادف الفاظ ہیں، جن سے مراد ایسی نماز ہے جو فرائض سے زائد ہے۔

قاضی حسین نے ان کا باہمی فرق بھی ظاہر کیا ہے:

مسنون وہ فعل ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور اس پر پابندی فرمائی۔

مستحب وہ فعل ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور پابندی نہیں فرمائی۔

نفل وہ فعل ہے جو آدمی اپنی ذات سے کرتا ہے۔

مرغب ان تینوں پر صادق آتا ہے۔

سنت نمازوں کی قسمیں

سنت نمازوں کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ پہلی وہ سنت نمازیں جو جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔

۲۔ دوسری وہ سنت نمازیں جو فرض کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں جن کو سنن راتبہ کہتے ہیں۔

۳۔ تیسری موکدہ نفل نمازیں۔

جماعت کے ساتھ پڑھی جانے والی سنت نمازیں

وہ سنت نمازیں جن میں جماعت مطلوب ہے پانچ ہیں:

۱۔ عیدالاضحیٰ

۲۔ عیدالفطر

۳۔ کسوف شمس (سورج گہن)

۴۔خسوف قمر (چاند گہن)

۵۔استسقاء (پانی مانگنے کی نماز)

یہ سنت نمازیں بلحاظ تاکید فرض نمازوں سے مشابہ ہیں۔ان میں جماعت مطلوب ہے اور دیگر سنت نمازوں سے زیادہ ان میں فضیلت ہے۔

جس ترتیب سے یہ بیان کئے گئے ہیں، ان کی فضیلت بھی اسی ترتیب سے ہے؛ عیدالاضحیٰ عیدالفطر سے افضل ہے اور سورج گہن کی نماز چاند گہن کی نماز سے۔ان نمازوں کا بیان تفصیل سے آئندہ آئے گا۔

سنن راتبہ

سنن تابعہ یا سنن راتبہ: سترہ رکعت ہیں:

دو فجر سے قبل، چار ظہر سے قبل اور دو بعد، چار عصر سے قبل، دو مغرب کے بعد، تین عشاء کے بعد جن میں سے ایک وتر ہے۔

سنت نمازوں میں جمعہ بھی ظہر کی طرح ہے۔

سنن تابعہ یا سنن راتبہ ان سنت نمازوں کو کہتے ہیں جو شرع میں فرض کے ساتھ مقرر کی گئی ہیں اور سفر اور حضر دونوں میں پڑھی جاتی ہیں۔

فرض نمازیں ہجرت سے ایک سال قبل معراج کی رات فرض کی گئیں اور سنن راتبہ کے پڑھنے کے لیے ہجرت سے ایک سال کے بعد حکم دیا گیا۔

سنت نمازوں کا اثر

سنت نمازیں انبیاء علیہم السلام کے حق میں اجر وثواب کی زیادتی کی باعث ہیں اور ہمارے حق میں ان کا اثر یہ ہے کہ جن فرض نمازوں میں خشوع اور خضوع میں کمی ہوئی ہو یا قراءت میں توجہ کم ہوئی ہو اس کی تلافی ہوتی ہے، لیکن سنت نمازیں فرض نمازوں کی قائم مقام نہیں ہوسکتیں۔

نووی کا قول ہے: کسی شخص کی فرض نمازوں میں کوئی نقص نہ رہا ہو مگر کوئی فرض ترک ہوا ہو تو سترہ نفل رکعتیں ایک فرض رکعت کی قائم مقام نہ ہوں گی۔ یہی عمل روزے میں بھی ہوگا۔

سنن راتبہ کا وقت وہی ہے جو اصل فرض نماز کا ہے۔ سنن راتبہ فوت ہو جائیں تو ان کی قضا کرنا مندوب ہے۔

اذان واقامت کے درمیان نماز مسنون ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ’’بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلَاةٌ‘‘ (بخاری:۶۲۴، مسلم: باب بین کل أذانین صلاۃ ۱۹۷۷۔ یہ روایت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے ہے) ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔

یہاں دو اذانوں سے مراد اذان واقامت ہے۔

خطیب اور بیجوری کا قول ہے کہ وتر کو سنن تابعہ میں شمار نہ کرنا بہتر ہے۔ وتر اگر چہ کہ عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے مگر اس کو عشاء سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وتر کی نماز کے لیے سنت عشاء کی نیت صحیح نہیں ہو سکتی۔

موکدہ وغیر موکدہ

ابوشجاع نے سنن راتبہ مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کو علحدہ نہیں بیان کیا۔ دس رکعت موکدہ اور بارہ رکعت غیر موکدہ ہیں۔

دس موکدہ کی نسبت یہ حدیث ہے: ’’قَالَ ابْنُ عُمَرَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ. (بخاری اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ’’حفظت من النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر رکعات......‘‘ بخاری ۱۱۲۶، مسلم ۷۲۹) ابن عمر نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی دو رکعت فجر سے قبل، دو رکعت ظہر سے قبل اور دو رکعت بعد اور دو رکعت مغرب کے بعد اور دو رکعت عشاء کے بعد۔

غیر موکدہ بارہ کی تفصیل یہ ہے: ظہر کے پہلے دو اور ظہر کے بعد دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ’’مَنْ حَافَظَ عَلٰى أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ‘‘ (ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، مسند احمد، ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ۴۲۴، ۴۲۸، ۵۲۸۔ یہ روایت حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ہے) جس نے ظہر سے پہلے چار رکعات اور بعد میں چار رکعات کی پابندی کی، اللہ تعالی نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی۔

چار عصر سے پہلے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَأً

صَلّٰى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا ''(ترمذی نے اس روایت کوحسن کہا ہے۴۳۰، یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے) اللہ تعالیٰ رحم کرے اس شخص پر جس نے عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھی۔

دو خفیف رکعتیں مغرب سے پہلے۔ حضرت انس نے بیان کیا ہے کہ بزرگانِ صحابہ مغرب کی اذان ہوتے ہی دو رکعت پڑھتے تھے۔ (بخاری ۵۹۹، مسلم ۸۳۷)

دو رکعت عشاء سے پہلے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بَيْــنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلَاةٌ ''(بخاری ۶۰۱، مسلم ۸۳۸، یہ روایت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے ہے) ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔

فجر کی دو سنت رکعتیں

دو رکعت سنت فجر سے قبل۔ جملہ سنن راتبہ میں ان سنتوں کو فضیلت ہے اور ان کا درجہ وتر کے بعد ہے۔ حدیث میں آیا ہے: ''رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا ''(مسلم: باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر ۱۷۲۱، یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ ابوداود، ترمذی، نسائی، مسند احمد)۔ فجر کی دو رکعت دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔

اس کے بعد بقیہ راتبہ موکدہ اور پھر غیر موکدہ کا درجہ ہے۔

صبح کی سنت کی دونوں رکعت کی قرات میں تخفیف مسنون ہے اور سورہ بقرہ کی آیت ﴿قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ ...... سے...... مُسْلِمُوْنَ﴾ اور آل عمران کی آیت ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ ...... سے...... مسلمون﴾ تک، بعض نے لکھا ہے کہ آل عمران کی آیت قُلْ آمَنَّا بِاللّٰهِ سے مُسْلِمُوْنَ تک مراد ہے۔

ان آیتوں کی قراءت خلاف تخفیف اس لیے نہیں ہے کہ ان کے بارے میں صحیح حدیث وارد ہوئی ہے (مسلم: باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر ۱۷۲۴، یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے)، ورنہ دو سورے الم نشرح اور الم ترکیف، ورنہ دو سورے الکافرون اور الاخلاص پڑھے جائیں۔

صبح کی فرض اور سنت کے درمیان فصل کرنا

صبح کی سنت اور فرض نمازوں کے درمیان تھوڑی دیر داہنی کروٹ لیٹ کر ان دونوں

نمازوں میں فصل کرنا اور اس فصل میں کروٹ لینا اور قبر کو یاد کرنا مسنون ہے۔اگر فرض کے بعد سنت پڑھی جائے تو بھی سنت کے بعد لیٹنا مسنون ہے۔بہرحال معتمد یہ ہے کہ سنت کے بعد تھوڑی دیر لیٹ جائے خواہ سنت فرض سے پہلے پڑھے یا بعد،اگر لیٹے نہیں تو ذکر یا دعا میں کچھ وقت صرف کرے،اور اگر یہ بھی نہ ہو تو مقام تبدیل کرے،قضا نماز میں بھی یہ عمل مسنون ہے۔

ظہر کی سنتیں

چار رکعت ظہر سے پہلے، دو مؤکدہ اور دو غیر موکدہ اور چار رکعت فرض کے بعد؛ دو موکدہ اور دو غیر موکدہ، پہلے والی چار رکعت میں قیام طویل کرنا مسنون ہے۔ پہلے والی سنت کو ایک تکبیر تحریمہ اور ایک سلام سے، ایسا ہی ایک یا دو تشہد کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔لیکن افضل یہ ہے کہ دو تکبیر تحریمہ اور دو سلام کے ساتھ پڑھا جائے اور فصل کیا جائے۔

جن نمازوں میں سنت نمازیں فرض سے پہلے اور بعد ہیں،ان میں نیت میں پہلے والی یا بعد والی کی تصریح ضروری ہے،اور جن نمازوں میں یہ صورت نہ ہو تو نیت میں تصریح ضروری نہیں ہے۔

ظہر کی بعد والی سنت کو بھی ملا کر ایک تکبیر تحریمہ سے پڑھ سکتے ہیں۔یہ بھی جائز ہے کہ فرض کے بعد پہلے والی اور بعد والی یہ دونوں سنتیں ایک ساتھ ملا کر ایک تکبیر تحریمہ کے ساتھ پڑھی جائیں۔

جمعہ کی سنتیں

جمعہ کی سنتیں وہی ہیں جو ظہر میں ہیں ۔جمعہ سے قبل چار رکعت اور بعد میں چار رکعت۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:''إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ قَبْلَهَا أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا أَرْبَعًا'' (ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے ۵۲۳۔مسلم کی روایت میں ''قبلھا أربعا'' کے الفاظ نہیں ہیں ۸۸۱،مسلم میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) جب تم جمعہ کی نماز پڑھو تو اس سے

پہلے چار اور بعد میں چار رکعت پڑھو۔

جمعہ کے بعد چار رکعت سنت جمعہ اسی صورت میں پڑھی جائے گی جب کہ جمعہ کے ساتھ ظہر نہ پڑھی جائے۔ جمعہ اور ظہر دونوں پڑھنے کی صورت میں پہلے چار رکعت سنت جمعہ کی نیت سے، پھر فرض جمعہ، پھر ظہر کی پہلے والی چار رکعت پھر چار رکعت فرض ظہر اور اس کے بعد ظہر کی چار رکعت سنت۔ اس کا نتیجہ یہ کہ جمعہ کے بعد سنت جمعہ بعد والی نہ ہوگی۔

عصر کی سنتیں

عصر سے قبل چار رکعت غیر موکدہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''**رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَأً صَلّٰى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا** (ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۴۳۰، یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے) اللہ تعالی رحم کرے اس شخص پر جس نے عصر سے پہلے چار رکعت پڑھی۔

یہ چاروں ایک ساتھ ایک تکبیر تحریمہ اور ایک سلام کے ساتھ جمع کی جاسکتی ہیں یا ان میں دو تکبیر تحریمہ اور دو سلام سے فصل کیا جاسکتا ہے۔

مغرب کی سنتیں

مغرب کے بعد دو رکعت سنت موکدہ ہیں۔ ان میں الکافرون اور الاخلاص کا پڑھنا مسنون ہے۔ مغرب کے پہلے بھی دو رکعت غیر موکدہ خفیف پڑھنا مسنون ہے۔ انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ جب مغرب کی اذان ہوتی تو بزرگان صحابہ دو رکعت پڑھتے تھے۔ (بخاری ۵۹۹، مسلم ۸۳۷)

عشاء کی سنتیں

عشاء کے بعد دو رکعت سنت موکدہ ہیں اور ایک رکعت وتر، عشاء کے پہلے بھی دو رکعت غیر موکدہ مسنون ہیں۔

وتر

وتر کی نماز تنہا پڑھنا مسنون ہے، صرف رمضان میں جماعت کے ساتھ پڑھنا

مسنون ہے۔ وتر میں وتر کی یا سنت وتر کی نیت کی جائے گی۔ سنت عشاء سے وتر نہ ہوگی۔ حدیث میں ہے: ''إِنَّ اللّٰہَ أَمَدَّکُمْ بِصَلَاۃٍ ھِیَ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ وَھِیَ الْوِتْرُ فَجَعَلَھَا لَکُمْ فِیْمَا بَیْنَ الْعِشَاءِ إِلٰی طُلُوْعِ الْفَجْرِ'' (ابوداود ۱۴۱۸) بے شک اللہ تعالی نے تم کو ایسی نماز کا تحفہ دیا جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور وہ وتر ہے۔ پس اس کو تمہارے لیے عشاء سے فجر کے طلوع ہونے تک مقرر کر دیا۔

اونٹ عرب میں بڑی دولت تصور کئے جاتے تھے۔ آخرت کے امور کو دنیاوی امور سے اس لیے تشبیہ دی جاتی ہے کہ سمجھنے میں سہولت ہو، ورنہ آخرت کا ایک ذرہ تمام روئے زمین کے اور اس کے کئی ایک کے سرمایہ سے بہتر ہے۔

تعداد وتر: وتر کی اقل تعداد ایک رکعت ہے۔ ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے اس حدیث کی روایت کی ہے: ''اَلْوِتْرُ رَکْعَۃٌ مِنْ آخِرِ اللَّیْلِ'' (مسلم ۷۵۲، مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے) وتر رات کے آخر میں ایک رکعت ہے۔

ایک رکعت پر اکتفا کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ لیکن اولویت کے خلاف ہے۔ ادنی کمال کی تعداد تین رکعت، اکمل کی تعداد پانچ پھر سات، پھر نو اور پھر گیارہ ہے، اور گیارہ اکثر تعداد ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی، نہ رمضان میں اور نہ غیر رمضان میں۔ (بخاری ۱۰۱۷، مسلم ۷۳۶)

اسی لیے وتر گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ وتر ایک رکعت سے زیادہ پڑھی جائے تو ان کے درمیان فصل بھی ہوسکتا ہے اور ان سب کو ملا کر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

وتر پڑھنے کا طریقہ

فصل: وتر میں فصل اس طرح کیا جائے گا کہ صرف آخری رکعت کو پہلی رکعتوں سے علحدہ پڑھا جائے گا۔ گیارہ رکعت وتر میں پہلے دس کو ایک تکبیر تحریمہ سے اور آخری گیارہویں رکعت کو دوسرے تکبیر تحریمہ سے پڑھا جائے گا۔ ہر دو رکعت یا اس سے زیادہ میں ایک تشہد پڑھا جائے گا۔

وصل یعنی ملا کر پڑھنا: وتر میں وصل اس عمل کو کہتے ہیں کہ آخری رکعت کو بھی پہلی رکعتوں کے ساتھ پڑھا جائے۔تشہد صرف آخری رکعت میں ایک مرتبہ پڑھا جائے گا یا آخری دو رکعتوں میں دو مرتبہ،لیکن ایک تشہد پر اکتفا کرنے میں فضیلت ہے،اس لیے کہ وتر کو مغرب کی طرح ادا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ان دو کے سوائے وصل میں کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔

اختلاف: امام ابوحنیفہ کے پاس وصل واجب ہے اور امام مالک کے پاس وصل جائز نہیں ہے۔اسی طرح وتر امام ابوحنیفہ کے پاس واجب ہے اور امام شافعی کے پاس مسنون ہے۔حدیث میں ہے: ''**اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَن لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا**'' (ابوداود: باب فیمن لم یوتر ۱۴۲۱، نسائی، ابن ماجہ، احمد، ابن حبان وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے۔راوی حدیث: بریدہ رضی اللہ عنہ) وتر حق ہے،جس نے وتر نہ پڑھی ہم میں سے نہیں۔

حنفیہ نے ثبوت اور وجوب دونوں کو حق کے مفہوم میں داخل کیا ہے اور شافعیہ نے صرف ثبوت پر اکتفا کیا ہے کہ وتر سنت اور شرع میں ثابت ہے۔

وتر کا وقت

وتر کا وقت عشاء اور صبح صادق کے درمیان ہے۔حدیث میں ہے: ''**فَجَعَلَهَا لَكُمْ فِيمَا بَيْنَ الْعِشَاءِ إِلٰى طُلُوْعِ الْفَجْرِ**'' (ابوداود ۱۴۱۸) پس اس کو تمہارے لیے عشاء سے طلوع فجر تک مقرر کیا۔

عشاء سے مراد نماز عشاء اور فجر سے مراد صبح صادق ہے۔عشاء میں وہ وقت بھی داخل ہے جب کہ بوقت عذر عشاء کو مغرب کے وقت پڑھا جائے اور جمع میں تقدیم کیا جائے۔وتر کا وقت فرض عشاء کے بعد ہے۔اس سے قبل نہیں۔اگر عشاء سے قبل عمداً وتر پڑھی تو نہ وتر میں اور نہ کسی اور نماز میں اس کا شمار ہوگا اور اگر سہواً پڑھی تو نفل ہو جائے گی۔عشاء فوت ہو جائے تو قضاء میں بھی اس کا لحاظ کیا جائے گا۔

وتر کا افضل وقت

صلاۃ اللیل (تہجد) کے بعد وتر کا پڑھنا مسنون ہے۔ حدیث میں ہے: ''**اِجْعَلُوْا آخِرَ صَلَاتِكُمْ مِنَ اللَّيْلِ وِتْرًا**'' (بخاری ۹۵۳، مسلم ۷۴۹) وتر کو صلاۃ اللیل کے بعد پڑھو۔

اگر وتر پڑھ لی گئی ہو اور اس کے بعد تہجد کی نماز پڑھی جائے تو کوئی کراہت نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد وتر کا اعادہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ حدیث میں ہے: ''**لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ**'' (ابوداود: باب فی نقض الوتر ۱۴۴۱، ترمذی: باب لا وتران فی لیلۃ ۴۷۰، راوی: قیس بن طلق رضی اللہ عنہ، یہ روایت نسائی، احمد اور صحیح ابن خزیمہ میں بھی ہے) ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔

وتر کی نماز اس شخص کے لیے جس کو بھروسہ ہو کہ بیدار ہوگا رات کے آخر حصہ میں پڑھنا افضل ہے۔ جس کو بھروسہ نہ ہو اس کو چاہیے کہ اول وقت ہی وتر پڑھ لے۔ اگر نیند لینے کے بعد وتر پڑھی گئی تو وتر اور تہجد دونوں کا ثواب حاصل ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ وتر کو چھوڑ کر سنن راتبہ جملہ بائیس ہیں اور ان میں دس موکدہ اور بارہ غیر موکدہ ہیں۔

موکدہ دس رکعت: دو فجر سے قبل۔ دو ظہر سے قبل اور دو بعد۔ دو مغرب کے بعد۔ دو عشاء کے بعد۔

غیر موکدہ بارہ رکعت: دو ظہر سے قبل اور دو بعد۔ چار عصر سے قبل، دو مغرب سے قبل اور دو عشاء سے قبل۔

نفل موکدہ

نفل موکدہ تین ہیں:
۱۔صلاۃ التراویح
۲۔صلاۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز)
۳۔صلاۃ اللیل یعنی تہجد۔

نفل اس نماز کو کہتے ہیں جو فرض کے تابع نہیں ہے۔اور موکدہ جس کی تاکید ہے۔
موکدہ نفل نمازوں میں افضل تراویح، اس کے بعد ضحیٰ اور پھر تہجد ہے۔

صلاۃ التراویح

تراویح ترویحه کی جمع ہے۔ترویحہ راحت سے مشتق ہے، اور چوں کہ تراویح کی نماز میں اہل مکہ ہر چار رکعت کے بعد خانۂ کعبہ کا طواف کرتے تھے، اس لیے ہر چار رکعت کو ایک ترویحہ کہا گیا۔

رمضان کی ہر رات میں تراویح کی بیس رکعت ہیں، جن میں دس سلام اور پانچ ترویحات ہیں۔دس سلاموں کی تعداد واجب ہے۔چار یا زیادہ رکعت کے لیے ایک سلام صحیح نہ ہوگا۔چار رکعت بھی ایک سلام کے ساتھ پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

تراویح کا وقت عشاء اور صبح صادق کے درمیان ہے۔نماز عشاء کے وقت میں وہ وقت بھی داخل ہے جب کہ بوجہ عذر عشاء کو مغرب کے وقت ادا کیا جائے۔وقت کا لحاظ کرتے ہوئے تراویح بھی فرض کے مشابہ ہے۔

تراویح کی نماز تنہا بھی پڑھی جاسکتی ہے۔لیکن تراویح میں اور اس کے بعد وتر میں

جماعت مسنون ہے۔تراویح اور وتر دونوں فرض عشاء پر موقوف ہیں اور فرض عشاء کے بعد پڑھی جائیں گی، نہ کہ قبل، پورا مہینہ ہر رات کو قرآن کا ایک جزء پڑھنا افضل ہے۔

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲۳/ رمضان کی رات میں مسجد پہنچے اور ایک تہائی رات تک آپ نے صحابہ کے ساتھ آٹھ رکعت نماز پڑھی۔دوسری مرتبہ ۲۵/ رمضان کی رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت نماز صحابہ کے ساتھ نصف شب تک پڑھی اور تیسری مرتبہ ستائیس ویں رات کو آٹھ رکعت صبح صادق کے قریب تک پڑھی۔بقیہ بارہ رکعت آپ اور صحابہ اپنے اپنے گھر پہنچ کر پڑھتے اور بیس کی تکمیل کرتے تھے۔(عن ابن عباس قال: ’’كان رسول الله ﷺ يصلی فی رمضان عشرين ركعة ويوتر بثلاث‘‘۔المنتخب من مسند عبد بن حمید ۶۵۳،ص ۱/ ۲۱۸)

جماعت کے ساتھ آپ نے صرف تین ہی روز تراویح پڑھی۔جیسے ہی لوگوں کو اس کا علم ہوتا، جماعت کی تعداد میں اضافہ ہوتا۔کہا جاتا ہے کہ مسجد میں گنجائش بھی باقی نہ رہی تھی۔نبی ﷺ نے صحابہ کے اس شوق و ذوق کو دیکھ کر ایک مرتبہ صبح کی نماز کے بعد فرمایا کہ مجھ کو خوف تھا کہ تم پر یہ نماز فرض ہو جائے اور تم اس سے عہدہ برآ نہ ہوسکو۔(بخاری ۸۸۲، مسلم ۷۶۱)اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات فرمائی۔

ابوبکر صدیق کی خلافت کے دور میں اور عمر کی خلافت کے ابتدائی دور میں تراویح کی نماز نہیں پڑھی گئی۔سب سے پہلے عمر نے سنہ ہجری کے چودھویں سال سب کو تراویح کے لیے فراہم کیا۔مرد ابی بن کعب کے گھر پر اور عورتیں سلیمان ابن ابی حتمہ کے مکان پر تراویح پڑھتے تھے۔اس طرح جو نماز چند مرتبہ ایک رمضان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی اس کو عمر نے اپنے دور میں رواج دیا اور آج تک قائم ہے۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے اور بعض نے لکھا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے کہا تھا: ’’نَوَّرَ اللّٰهُ قَبْرَ عُمَرَ كَمَا نَوَّرَ مَسَاجِدَنَا‘‘ (’’التعلیق الممجد‘‘ شرح موطا میں مولانا عبدالحی لکھنوی نے یہ جملہ امام ابن تیمیہ کے حوالہ سے لکھا ہے۔۱/ ۳۵۵) اللہ تعالی عمر کی قبر کو ایسا روشن کرے جیسا کہ انھوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نہ مسلسل راتوں میں نماز تراویح پڑھی اور نہ پورے دس رکعت جماعت کے ساتھ تکمیل کی۔اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ صحابہ پر شفقت اور سہولت آپ کو مطلوب تھی۔ ہر چہار رکعت کے بعد مکہ والے کعبہ کا طواف کرتے تھے اور چوں کہ یہ بات مدینہ منورہ میں ممکن نہ تھی اور مزار نبوی کا طواف کرنا مکروہ تھا اس لیے مدینہ والوں نے پہلی صدی ہجری کے اخیر میں ہر طواف کے عوض چار رکعت کا اضافہ کر کے جملہ چھتیس رکعت پڑھنا شروع کیا۔ مگر فقہاء کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف بیس رکعت ثابت ہے، اس لیے اس تعداد میں فضیلت ہے۔ بیس رکعت سے زیادہ چھتیس رکعت غیر مدینہ والوں کے لیے جائز ہی نہیں ہیں۔

صلاۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز)

ضحیٰ یعنی چاشت اور دن چڑھے وقت کو کہتے ہیں۔ اس کا وقت سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے پر شروع ہوتا ہے اور سورج کے زوال پر ختم ہوتا ہے اور وقتِ اختیاری دن کا ربع حصہ گزرنے تک ہے۔

صلاۃ الضحیٰ پڑھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ دن کے ہر ربع حصہ میں ایک نماز ہو جاتی ہے۔

صلاۃ الضحیٰ کی اقل دو رکعت، ادنی کمال چار اور اس سے افضل چھ اور ابن حجر کا قول ہے کہ اکثر آٹھ رکعت ہیں اور یہی قول صحیح اور معتمد ہے۔ نووی کا قول اکثر تعداد بارہ رکعت کی نسبت ضعیف تصور کیا گیا ہے۔

آٹھوں رکعت ایک تکبیر تحریمہ سے بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ لیکن دو دو رکعت علحدہ پڑھنا افضل ہے۔ پہلی رکعت میں ''کافرون'' اور دوسری میں ''اخلاص'' اور یہی سورے باقی رکعتوں میں پڑھنا افضل ہے۔ کافرون ربع قرآن اور اخلاص ثلث قرآن کے مساوی ہے۔

صلاۃ الضحی کی دعا

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الضُّحٰى ضُحَاؤُكَ وَالْبَهَاءُ بَهَاؤُكَ وَالْجَمَالُ جَمَالُكَ وَالْقُوَّةُ قُوَّتُكَ وَالْقُدْرَةُ قُدْرَتُكَ وَالْعِصْمَةُ عِصْمَتُكَ، اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ رِزْقِیْ فِی السَّمَاءِ

فَأَنْزِلْهُ وَإِنْ كَانَ فِي الْأَرْضِ فَأَخْرِجْهُ وَإِنْ كَانَ مُعْسِرًا فَيَسِّرْهُ وَإِنْ كَانَ حَرَامًا فَطَهِّرْهُ وَإِنْ كَانَ بَعِيْدًا فَقَرِّبْ بِحَقِّ ضُحَائِكَ وَبَهَائِكَ وَجَمَالِكَ وَقُوَّتِكَ وَقُدْرَتِكَ آتِنِيْ مَا آتَيْتَ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ ۔

یا اللہ بے شک ضحیٰ تیرا ضحیٰ ہے۔ اور مہربانی تیری مہربانی ہے، اور جمال تیرا ہی جمال ہے، اور قوت تیری ہی قوت ہے، اور قدرت تیری ہی قدرت ہے، اور عصمت تیری ہی عصمت ہے۔ یا اللہ! اگر میرا رزق آسمان میں ہے تو اتار اس کو اور اگر زمین میں ہے تو باہر کر اس کو اور اگر تنگ ہے تو آسان کر اس کو اور اگر حرام ہے تو پاک کر اس کو اور اگر دور ہے تو نزدیک کر اس کو۔ تیرے ضحیٰ کے طفیل سے، تیری مہربانی سے، تیرے جمال، تیری قوت اور تیری قدرت کے طفیل سے، دے مجھ کو جو تو نے اپنے نیک بندوں کو دیا ہے۔

صلاۃ اللیل

وہ نماز ہے جو رات میں پڑھی جاتی ہے، اس کو **صلاۃ التہجد** بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ﴾ (بنی اسرائیل ۷۹) رات میں تہجد کی نماز پڑھو جو زائد ہے تمہارے لیے۔

زائد سے مراد پنجگانہ نماز سے زائد ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ﴾ (الزاریات ۱۷) رات میں (صحابہ) بہت کم سوتے تھے۔

یعنی نماز اور عبادت الٰہی میں رات کا اکثر حصہ بیدار رہتے تھے۔

اقل دو رکعت اور اکثر بارہ رکعت ہیں۔

ابو حامد غزالی کا قول ہے کہ آغاز اسلام میں تہجد کی نماز واجب تھی اور پنج وقتہ نماز کے فرض ہونے کے بعد تہجد کے وجوب کا حکم باقی نہ رہا۔ طبرانی اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”**ثَلَاثٌ هُنَّ عَلَيَّ فَرَائِضُ وَلَكُمْ سُنَّةٌ : اَلْوِتْرُ وَالسِّوَاكُ وَقِيَامُ اللَّيْلِ**“ (المعجم الاوسط: باب من اسمہ بکر ۳۲۶۶، یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے) تین چیزیں میرے لیے فرائض اور تمہارے لیے سنت ہیں؛ وتر، مسواک اور رات کی نماز۔

ابوالولید نیشاپوری کا قول ہے کہ تہجد پڑھنے والے کی شفاعت اہل بیت کے زمرے میں ہوگی۔

تہجد کے معنی تکلف کے ساتھ رات میں بیدار رہنے کے ہیں۔اور شرع میں اس نماز کو کہتے ہیں جو فرض عشاء کے پڑھنے کے بعد اور کچھ دیر سونے کے بعد پڑھی جائے۔سنت عشاء، نفل مطلق، وتر اور قضا فرض وغیرہ سب تہجد کی عام تعریف میں داخل ہیں، جب کہ فرض عشاء کے بعد اور کچھ نیند لینے کے بعد پڑھی جائیں۔لیکن خاص تہجد رات کی مطلق نفل نماز کو کہتے ہیں اور موکد یہی ہے۔یہ خطیب شربینی کا قول ہے۔

قاضی حسین نے لکھا ہے کہ تہجد اس نماز کو کہتے ہیں جو رات میں نیند لینے کے بعد پڑھی جائے۔

وتر اور تہجد میں تین نسبتیں ہیں:

۱۔فرض عشاء کے بعد نیند لے کر وتر پڑھی جائے تو تہجد ہو جاتی ہے۔
۲۔عشاء کے بعد بغیر سوئے وتر پڑھی جائے تو فقط وتر ہی رہے گی۔
۳۔عشاء کے بعد وتر پڑھ کر سو جائے اور پھر مطلق نفل پڑھی جائے تو خالص تہجد ہوگی۔

قیلولہ

تہجد پڑھنے والے کے لیے قیلولہ مسنون ہے۔قیلولہ زوال سے پہلے سونے کو کہتے ہیں اور محدثین زوال سے پہلے راحت کو قیلولہ کہتے ہیں اگرچہ نیند نہ لگی ہو۔حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِسۡتَعِیۡنُوۡا بطعام السحر عَلٰی صِیَامِ النَّھَارِ وبِقَیۡلُوۡلَةِ النھار عَلٰی قِیَامِ اللَّیۡلِ '' (ابن خزیمہ: باب الأمر بالاستعانۃ علی الصوم ۱۹۳۹۔ مستدرک حاکم: کتاب الصوم ۱۵۵۱۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے۔محدثین نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے) سحری سے دن کے روزے میں اور رات کی نماز میں قیلولہ سے مدد طلب کرو۔

پوری رات نماز پڑھنے کا حکم

صلاۃ لیل کے لیے کوئی حصر نہیں ہے۔البتہ پوری رات نماز میں گزارنا مکروہ ہے۔نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے فرمایا: ”أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ.فَقُلْتُ : بَلٰى ـ قَالَ : فَلَا تَفْعَلْ ، صُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا “(بخاری:۱۹۷۵،مسلم:باب النھی عن صوم الدھر ۲۷۸۷، یہ روایت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے ہے) کیا مجھے نہیں بتایا گیا ہے کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو نمازیں پڑھتے ہو؟ میں (عبداللہ ابن عمرو) نے جواب دیا: جی ہاں۔(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر) کہا: ایسا مت کرو۔ روزہ رکھو، افطار کرو، (یعنی کبھی روزہ رکھو اور کبھی روزہ نہ رکھو) نماز پڑھو رات کو اور (رات کا کچھ حصہ) سو جاؤ۔ اس لیے کہ تم پر تمہارے جسم کی صحت کا بھی حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی حق ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی آخری دس راتوں میں نماز پڑھتے تھے۔ رات بھر نماز پڑھنے کے لیے جملہ راتوں میں سے صرف جمعہ کی رات کا انتخاب مکروہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لَا تَخْتَصُّوا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنَ اللَّيَالِيْ “(مسلم: باب کراھۃ صیام یوم الجمعۃ ۲۷۴۰، یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) رات کی نماز کے لیے تمام راتوں میں سے جمعہ کی رات ہی کی تخصیص نہ کرو۔

رات کی مطلق نفل نماز دن کی مطلق نفل نماز سے افضل ہے۔ وسط شب میں نفل نماز افضل ہے، پھر آخر شب میں پھر اول شب میں۔

نفل کے معنی مطلق زیادتی کے ہیں اور شرع میں نفل اس کو کہتے ہیں جس کو شرع نے ترجیح دی ہے اور اس کے ترک کو جائز رکھا ہے۔

نفل مطلق سے مراد وہ نفل ہے جو کسی وقت یا سبب پر موقوف نہیں ہے۔

افضل سے مراد یہ ہے کہ اس میں ثواب زیادہ ہے، اس لیے کہ تہجد میں ریا اور نمائش کی گنجائش کم ہے، فضیلت اس میں ہے کہ ہر دو رکعت میں سلام کیا جائے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ آخری رکعت کے علاوہ کوئی دوسری رکعت دو تشہد کے درمیان پڑھی جائے۔

نفل غیر موکدہ

نفل غیر موکدہ چار ہیں:

۱۔تحیۃ المسجد

۲۔سنت الوضوء

۳۔سنت التسابیح

۴۔صلاۃ استخارہ

نفل نمازیں جن میں جماعت مسنون نہیں ہے ان کی دوقسمیں ہیں؛ موکدہ اور غیر موکدہ کی تفصیل بیان کردی گئی ہے، ذیل میں غیر موکدہ کی صراحت کی جاتی ہے۔

تحیۃ المسجد

تحیۃ المسجد کی دورکعت ہیں۔مسجد میں داخل ہونے کے بعد بیٹھ جانے یا زیادہ دیر کھڑے رہنے سے یہ نماز فوت ہوجاتی ہے۔تحیہ کے معنی تعظیم کرنے اوردعا دینے کے ہیں۔مقام اورمحل کے لحاظ سے تحیات بھی متعدد ہیں۔مسجد کا تحیہ نماز سے، بیت اللہ کا تحیہ طواف سے،حرم کا تحیہ احرام سے، منیٰ کا تحیہ رمی جمار سے،عرفہ کا تحیہ وقوف سے، مسلم کا تحیہ سلام سے اور خطیب کا تحیہ خطبہ سے ہے۔

آپس میں سلام کا حکم

ہر مسلمان کے لیے مسنون ہے کہ مسلمان کی ملاقات پر سلام کرے۔صیغہ سلام یہ ہے کہ **السلام علیکم**،کسی اور الفاظ میں سلام کرنا ممنوع ہے۔سلام کا جواب دینا واجب ہے۔جواب یہ ہے **وعلیکم السلام** یا **علیکم السلام**۔

گھر میں داخل ہوتے وقت اہل خانہ کو سلام کہنا مندوب ہے، اگر گھر خالی ہوتو کہا جائے **السلا م علینا وعلی عباد الله الصالحین**، اور داخل ہونے سے پیشتر بسم اللہ کہے۔

قاری پر بھی سلام مستحب اور جواب واجب ہے، جس سے بعض نے اختلاف کیا ہے، الفاظ نہ کہہ کر اشارہ کرنا اولویت کے خلاف ہے اور اس کا جواب واجب نہیں ہے۔ سوار پیادہ کو، پیادہ بیٹھے ہوئے شخص کو، چھوٹا بڑے کو، کم تعداد زیادہ تعداد کو سلام کرنے میں سبقت کرے۔ سلام سے مقصود امان ہے۔

کعبہ کا تحیہ

تحیۃ المسجد کی نماز کے لیے مسجد میں مسجد حرام داخل نہیں ہے، اس لیے کہ مسجد حرام کا تحیہ طواف ہے، طواف اولاً کیا جائے گا اور تحیۃ المسجد اس کے بعد پڑھی جائے گی، طواف پر تحیۃ المسجد کو ترجیح دینا مکروہ ہے۔ طواف کا ارادہ نہ ہو تو تحیۃ المسجد پڑھی جائے گی۔ دوسری ساری مساجد میں داخل ہونے پر تحیۃ المسجد مسنون ہے۔

مسجد کی قید سے خانقاہ، عیدگاہ اور وہ عبادت گاہیں خارج ہیں جو کرایہ کی زمین پر مالک کی اجازت سے بشکل مسجد قائم کی جاتی ہیں۔

مسجد کے لیے مناروں، منبر اور کنگروں وغیرہ کے علامات کی قید نہیں ہے۔ البتہ جہاں یہ علامتیں پائی جائیں۔ اس مقام کے مسجد ہونے کی نسبت شک نہیں۔

زرکشی اور ابن عماد کا قول ہے کہ تحیۃ المسجد کی نماز اس پروردگار کی تعظیم کے لیے پڑھی جاتی ہے جس کی جانب مسجد منسوب کی گئی ہے، نہ کہ مسجد کے مقام اور مکان کے لیے۔ عبادت سے مقصود اللہ تعالی کی عبادت ہے نہ کہ زمین یا مکان کی۔

تحیۃ المسجد میں ایک مضاف محذوف ہے اور اصل فقرہ "**تحیة لرب المسجد**" ہے۔

تحیۃ المسجد میں دو رکعت مسنون ہیں اور فضیلت اسی تعداد میں ہے، ورنہ دو سے زیادہ رکعت بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ مگر دو رکعت ہوں یا زیادہ تکبیر تحریمہ ایک ہی ہوگا۔ دو

رکعت سے کم سے تحیۃ المسجد حاصل نہیں ہوتی۔ نماز جنازہ، سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر سے بھی تحیۃ المسجد کی تکمیل نہیں ہوتی۔

ہر مرتبہ مسجد میں داخل ہونے پر تحیۃ المسجد پڑھی جائے گی، اگر چہ کہ قریب سے کیوں نہ داخل ہوا اور مصلی بحالتِ اعتکاف کیوں نہ ہو۔

تحیۃ المسجد کا وقت

مسجد میں داخل ہونے کے بعد عمداً بیٹھ جانے سے تحیۃ المسجد فوت ہو جائے گی۔ سوائے اس کے کہ سہو سے یا ناواقفیت کی وجہ سے بیٹھ گیا ہو اور بیٹھنے کے بعد دیر نہ ہوئی ہو۔ مسجد میں داخل ہونے کے بعد دیر تک کھڑے رہنے سے بھی تحیۃ المسجد فوت ہو جاتی ہے خواہ سہواً ہو یا نہ ہو، محض تھوڑی دیر کھڑے رہنے سے فوت نہیں ہوتی، اگر چہ کہ عمداً کھڑا رہا ہو۔
بیٹھنے اور کھڑے رہنے میں یہ فرق ہے کہ عمداً تھوڑی دیر بھی بیٹھ جائے تو نماز فوت ہو جائے گی اور عمداً تھوڑی دیر کھڑے رہنے سے فوت نہ ہوگی۔ دو رکعت نماز سے زائد وقت گزرے تو دیر کہلائے گی۔

مسجد میں بغیر طہارت کے داخل ہونا مکروہ ہے۔ جو شخص با وضو نہ ہونے یا کسی اور مصروفیت کی وجہ سے تحیۃ المسجد نہ پڑھ سکے تو چار مرتبہ تکبیر کہے: **سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ**۔ تکبیر کہنے کے بعد کراہت باقی نہیں رہتی۔
تحیۃ المسجد اس صورت میں پڑھی جا رہی ہو تو ایسے وقت تحیۃ المسجد میں مصروفیت نہ ہو اور کسی سنت راتبہ کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو۔ نماز فرض پڑھی جا رہی ہو تو ایسے وقت تحیۃ المسجد میں مصروف ہو جانا مکروہ ہے، جب خطبہ پڑھنے کے لیے خطیب مسجد میں داخل ہو تو اس کے لیے تحیۃ المسجد مسنون نہیں ہے۔

سنت الوضوء

وضو سے فارغ ہونے کے بعد، اگر چہ کہ تجدیدِ وضو کر رہا ہو دو رکعت نماز پڑھنا

مسنون ہے۔ اسی طرح تیمّم اور غسل کے بعد بھی دو رکعت مسنون ہیں۔ اس کے لیے کراہت کا وقت نہ رہنے کی قید نہیں ہے۔

صلاۃ التسابیح کی چار رکعت ہیں۔ جس میں تین سو مرتبہ تسبیح پڑھی جاتی ہے: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ''۔ احیاء میں یہ بھی زیادہ کیا گیا ہے: ''وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ''۔ قراءت کے بعد پندرہ مرتبہ، رکوع اور اعتدال میں دس دس مرتبہ اور اسی طرح سجدوں میں، اور سجدوں کے درمیان کے جلوس اور جلوس استراحت، ہر ایک میں دس دس مرتبہ، اس طرح پہلی رکعت میں جملہ پچہتر (۷۵) مرتبہ اور اسی طرح دوسری رکعت میں بھی، مگر فرق یہ ہے کہ دس مرتبہ تسبیح جو جلوس میں پڑھی جاتی ہے وہ تشہد سے پہلے پڑھی جائے گی۔

اسی طرح آخری دونوں رکعت پڑھی جائے گی۔ دن میں چاروں رکعت کا ایک سلام کے ساتھ اور رات میں دو سلام کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔

یہ طریقۂ تسبیح ابن عباس کی روایت پر مبنی ہے۔ (السنن الکبری للبیھقی: باب ما جاء فی صلاۃ التسبیح ۵۱۶) ورنہ ابن مسعود کی روایت یہ ہے کہ تلاوت سے پہلے پندرہ مرتبہ اور تلاوت کے بعد اور رکوع سے پہلے دس مرتبہ اور ایسے ہی اعتدال میں، سجود اول میں، دونوں سجدوں کے درمیان جلوس میں، اور سجود دوم میں، اور اسی طرح پہلی رکعت میں پچہتر اور دوسری رکعت میں اسی طرح اور اس کے مانند آخر کی دونوں رکعت میں۔ لیکن اس قول کو ضعیف بتایا گیا ہے۔

اس نماز کو دن میں ایک مرتبہ یا اس سے زیادہ، ورنہ جمعہ کے دن، ورنہ مہینے میں ایک مرتبہ، ورنہ سال میں ایک مرتبہ اور یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر میں ایک مرتبہ پڑھنا مسنون ہے۔
جلوس استراحت پہلی رکعت کے دونوں سجدوں کے بعد کے جلوس کو کہتے ہیں۔

صلاۃ الاستخارہ

دو باتوں میں سے جو بات بہتر معلوم ہو اس کی جانب ہدایت طلب کرنے کو استخارہ کہتے ہیں اور اس غرض سے جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کو صلاۃ الاستخارہ کہا جاتا ہے۔

صلاۃ الاستخارہ کی دو رکعت ہیں ۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیات ''وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ''(النمل ۴۷) اور دوسری رکعت میں آیات ''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ''(الأحزاب:۳۶) یا پہلی رکعت میں ''کافرون'' اور دوسری رکعت میں ''اخلاص''، سلام کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ ۔ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ فَاقْدِرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ يَا كَرِيْمُ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِيْ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِيْ بِهِ (بخاری نے یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کی ہے ۔۱۱۰۹)

یا اللہ! بے شک میں خیر طلب کرتا ہوں تیرے علم سے اور قدرت طلب کرتا ہوں تیری قدرت سے اور سوال کرتا ہوں تیری بڑی فضیلت سے، بیشک تجھ کو قدرت ہے اور مجھ کو قدرت نہیں ہے، تو جانتا ہے میں نہیں جانتا اور تو غیب کے امور جانتا ہے ۔ یا اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ اس کام میں میری بھلائی ہے دین اور دنیا میں اور زندگی اور میرے انجام کار میں اور اس کے جلد میں اور بدیر میں تو اس کو ممکن کر میرے لیے اور آسان کر میرے لیے ۔ پھر برکت دے اس میں اے کریم ۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ اس کام میں دین، دنیا کی زندگی اور انجام کار میں اس کے جلد میں اور بدیر میں میری برائی ہے، اس کو مجھ سے پھیر دے، مجھ کو نیکی پر قدرت دے جہاں کہیں ہو اور پھر مجھ کو راضی رکھ اے کریم ۔

اس کے بعد یہ دعا بھی اضافہ کی جاتی ہے: اَللّٰهُمَّ إِنَّ عِلْمَ الْغَيْبِ عِنْدَكَ وَهُوَ

مَحْجُوْبٌ عَنِّیْ وَلَا أَعْلَمُ مَا أَخْتَارُهُ لِنَفْسِیْ لٰکِنْ أَنْتَ الْمُخْتَارُ لِیْ فَإِنِّیْ فَوَّضْتُ إِلَیْكَ مَقَالِیْدَ أَمْرِیْ وَرَجَوْتُكَ لِفَقْرِیْ وَفَاقَتِیْ فَأَرْشِدْنِیْ إِلٰی أَحَبِّ الْأُمُوْرِ إِلَیْكَ وَأَرْجَاهَا عِنْدَكَ وَاَحْمَدِهَا عِنْدَكَ فَإِنَّكَ تَفْعَلُ مَا تَشَاءُ وَتَحْكُمُ مَا تُرِیْدُ۔

یا اللہ بیشک علم غیب تجھ کو ہے اور وہ مجھ سے پوشیدہ ہے اور میں نہیں جانتا کہ اپنے لیے کیا اختیار کروں، لیکن تو میرا مختار ہے، پس میرے کام کی کنجیاں میں تیرے سپرد کرتا ہوں اور تجھ سے میرے احتیاج اور افلاس کے لیے امید کرتا ہوں، پس رہنمائی کر میری اس چیز کی طرف جو تیرے پاس سب سے زیادہ محبوب ہے، جو تیرے پاس پسند کے لائق ہے اور تیری زیادہ تعریف کے لائق ہے، بے شک تو جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے اس کا حکم دیتا ہے۔

پھر اپنی حاجت بیان کر کے امید و بیم کی حالت میں رہے، اگر دل میں اس کام کے کرنے کا ارادہ پیدا ہو تو کرے اور اگر نہ کرنے کا ارادہ ہو تو نہ کرے اور اگر کوئی ارادہ ہی نہیں ہوا تو نماز استخارہ کا اعادہ اس وقت تک کرتا رہے جب تک کہ ایسا ارادہ دل میں پیدا ہو۔

صلاۃ الاوابین

صلاۃ التوابین: **صلاۃ الغفلۃ** یا **صلاۃ الاوابین** ایسے تین نام اس نماز کے ہیں۔ جو کھانے پینے یا نیند کی وجہ سے جو غفلت طاری ہوتی ہے اس کو دور کرنے کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ اقل تعداد دو رکعت، اوسط چار اور اکثر چھ ہیں۔ مگر بیس رکعت بھی پڑھ سکتے ہیں۔

اس کا وقت مغرب اور عشاء کے درمیان ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ صَلّٰی سِتَّ رَكَعَاتٍ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ لَهُ عِبَادَةُ اثْنَتَیْ عَشَرَةَ سَنَةٍ'' (ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ ۱۳۷۴، صحیح ابن خزیمہ: باب فضل التطوع بین المغرب والعشاء ۱۱۹۵، یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) جو مغرب اور عشاء کے درمیان چھ رکعت نماز پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے بارہ برس کی عبادت لکھ دیتا ہے۔

صلاۃ معراج

امام غزالی نے لکھا ہے کہ ستائیس رجب یعنی معراج کی رات میں بارہ رکعتیں نماز پڑھنا

مستحب ہے، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ ایک دوسرا سورہ پڑھے اور ہر دو رکعتوں پر تشہد پڑھے اور آخر میں سلام کرے اور نماز کے بعد سو مرتبہ کہے: ''**سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ**'' اور پھر سو مرتبہ استغفار پڑھے اور سو مرتبہ درود پڑھے۔ اور دنیا اور آخرت کے لیے دعا کرے اور صبح کو روزہ رکھے۔ (اس نماز کے تعلق سے کوئی حدیث نہیں ہے)

صلاۃ شعبان

امام غزالی نے لکھا ہے کہ شعبان کی پندرھویں رات کو سو رکعت نماز پڑھے اور ہر دو رکعت پر سلام کرے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے۔ اگر چاہے تو دس رکعتیں پڑھے اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے۔ (اس نماز کے تعلق سے کوئی حدیث نہیں ہے)

احرام: احرام کی دو رکعت نفل ہیں اور فضیلت اسی تعداد میں ہے، ورنہ ایک تکبیر تحریمہ سے دو سے زیادہ رکعت بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ یہ نماز احرام سے قبل اس طرح پڑھی جاتی ہے کہ احرام کی نماز کہلائی جائے۔ وقت کراہت میں نہ پڑھی جائے۔

طواف کی دو رکعت نفل ہیں۔ جن کا طواف کے بعد پڑھنا مندوب ہے۔

زوال کی دو رکعت زوال کے بعد پڑھنا مندوب ہے۔

توبہ کی دو رکعت توبہ سے قبل پڑھنا اگرچہ گناہ صغیرہ ہو، اور اس کے بعد استغفار کرنا مسنون ہے۔

ابن حجر کا قول ہے کہ توبہ کے بعد بھی دو رکعت توبہ کے قبول کے شکر میں پڑھنا مسنون ہے۔ توبہ کے وقت توبہ کے ارکان کا وجود میں آنا شرط ہے۔ توبہ کے ارکان یہ ہیں:

۱۔ گناہ پر احساس ندامت

۲۔ گناہ کو ترک کرنا

۳۔ دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم

☆ **منزل**: منزل سے نکلتے وقت دو رکعت اور منزل میں داخل ہوتے وقت دو رکعت نفل پڑھنا مسنون ہے۔

☆ مسجد نبوی سے نکلتے وقت دو رکعت نفل پڑھنا مسنون ہے۔

☆ حمام سے نکلنے کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا مسنون ہے۔

☆ سفر سے آنے پر دو رکعت نفل مسجد میں پڑھنا افضل ہے، اس سے تحیۃ المسجد بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ مسجد کی قید نہیں ہے۔ نئے ملک اور اجنبی سرزمین پر سے گزرتے وقت دو رکعت نفل پڑھنا مسنون ہے، اس میں وہ سرزمین بھی داخل ہے جہاں کسی نے اس سے پہلے نماز نہیں پڑھی۔

☆ **زفاف** کے وقت میاں بیوی کے لیے دو رکعت نفل مسنون ہیں۔

☆ حاجت کی دو رکعت نفل حاجت سے قبل مسنون ہیں، حاجت اللہ سے ہو یا مخلوق سے۔

نفل مطلق

نفل مطلق اس نفل نماز کو کہتے ہیں جو کسی وقت یا سبب پر موقوف نہیں۔ نبی ﷺ نے ابوذر سے فرمایا: ''اَلصَّلَاۃُ خَیرُ مَوضُوعٍ اِستَکثِرُ أَوْ أَقِلَّ '' (ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت نہیں ملی، البتہ المعجم الکبیر للطبرانی کے الفاظ یہ ہیں: ''الصلاۃ خیر موضوع، فمن استطاع أن یستکثر فلیستکثر '' ۱۶۲، ص۱۹/۱۱۶، یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) نماز بہترین چیز ہے جس کو عبادت کے لیے وضع کیا گیا۔ اس میں زیادتی کرو یا کمی کرو۔

جملہ رکعت ایک تشہد سے پڑھے یا ہر دو رکعت ایک تشہد سے، ایک ایک رکعت تشہد سے نہ پڑھی جائے۔

مدارج فضیلت

نوافل میں سب سے افضل عیدالاضحیٰ، پھر عیدالفطر پھر کسوف شمس، پھر خسوف قمر، پھر استسقاء، پھر وتر، پھر فجر کی دو رکعت، پھر رواتب موکدہ، پھر رواتب غیر موکدہ، پھر تراویح، پھر ضحیٰ، پھر طواف اور تحیۃ اور احرام کی دو دو رکعت، فضیلت میں یہ تینوں مساوی ہیں۔ پھر

سنت وضو، پھر نفل مطلق رات میں اور پھر دن میں۔

فرض کے علاوہ دیگر نمازوں کے محض مسنون ہونے اور واجب نہ ہونے کی نسبت شافعیہ نے متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان میں سے ایک حدیث یہ ہے:

ایک شخص نے پنجگانہ نمازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: ''هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا'' کیا مجھ پر ان کے علاوہ بھی فرض ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ'' نہیں سوائے اس کے تمہیں نیکی مقصود ہو۔ (بخاری ۴۶۔ مسلم ۱۱)

نماز فرض ہونے کی شرطیں

نماز فرض ہونے کے لیے چھ شرطیں ہیں:

اسلام، بلوغ، عقل، حیض ونفاس سے پاکی، حواس سالم ہوں اور دعوت پہنچی ہو۔

کن اشخاص پر اور کن حالات میں نماز واجب ہے اس کی تفصیل اس بیان میں آئے گی۔ ابوشجاع نے صرف پہلے تین امور کا ذکر کیا تھا، اس پر بیجوری نے آخری تین امور کا اضافہ کر کے جملہ چھ امور بیان کئے ہیں۔

اسلام : اسلام کی شرط نماز صحیح ہونے کے لیے بھی ہے، مگر اس کو نماز فرض ہونے کے شرائط میں اس لیے شمار کیا گیا کہ صحت کا درجہ وجوب کے بعد ہے۔

بلوغ : بلوغ کے لیے احتلام ہونے یا حیض آنے کی قید نہیں ہے، بچے مکلّف نہیں ہیں، عمر میں ایک خاص حد کو پہنچنے کے بعد بھی بلوغ حاصل ہوتا ہے، بلوغ میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

بچے مکلّف نہیں ہیں اور ان پر نماز واجب نہیں ہے۔ اسی لیے بلوغ کے بعد، بلوغ سے پہلے کی نمازوں کی قضا واجب نہیں ہے۔ البتہ زمانۂ تمیز کی نمازوں کی قضا مسنون ہے، زمانہ تمیز سے پہلے کی نماز کی قضا نہیں ہوسکتی۔

بچہ کب نماز پڑھے گا؟

سات سال کی عمر کے بعد اگر بچے میں تمیز پیدا ہو تو اس کو نماز پڑھنے کے لیے حکم دیا جائے گا، ورنہ تمیز پیدا ہونے کے بعد، اس لیے کہ غیر ممیّز کی عبادت صحیح نہیں ہوسکتی۔ سات سال کی تکمیل کی قید ہے۔ تمیز بچے کی سمجھ کی اس حالت کو کہتے ہیں جب کہ خود سے کھانا

کھائے، پانی پئے، پیشاب پاخانے کے بعد صفائی کرے۔ بعض نے کہا ہے کہ داہنے عضو کو بائیں سے تمیز کرلے۔

نبی ﷺ سے سوال کیا گیا: مَتٰی یُصَلِّی الصَّبِیُّ ؟ بچہ کب نماز پڑھے؟ تو آپ نے فرمایا: ''إِذَا عَرَفَ شِمَالَهُ مِنْ يَمِيْنِهِ ''جب بائیں کو داہنے سے پہچان سکے۔ (ابوداود: باب متی یومر الصبی بالصلاۃ ۴۹۷، یہ روایت معاذ بن عبداللہ بن حبیب جہنی سے ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''یَفْهَمُ الْخِطَابَ وَیَرُدُّ الْجَوَابَ ''سوال کو سمجھ کر جواب دے۔ اور کہا گیا ہے کہ ''یَعْرِفُ مَا یَضُرُّهُ وَمَا یَنْفَعُهُ'' اپنے نفع ونقصان کو سمجھ سکے۔

بچے کو نماز کا حکم کب دیا جائے؟

حکم دینے کی ذمہ داری فرض کفایہ ہے اور اس کے مستحق ماں، باپ، دادادادی، نانا نانی غیرہ اصول کے رشتہ دار ہیں۔ معلم، وصی اور منتظم بھی اس زمرہ میں داخل ہیں۔ صرف زبانی ہدایت پر اکتفاء کرنا کافی نہیں ہے بلکہ ضرورت ہو تو تنبیہ بھی اس معنی میں کی جائے کہ نماز پڑھو ورنہ مار کھاؤ گے اور سزا پاؤ گے۔

دوسرے دینی فرائض کا حکم کرنے کا حکم

اسی طرح دوسرے دینی امور روزہ وغیرہ کے لیے بھی ہدایت کی جائے گی، ماں باپ پر بطور فرض کفایہ واجب ہے کہ اپنی اولاد کو طہارتِ نماز اور دیگر شرعی امور کی تعلیم دیں۔ اگر بچے کی کوئی جائیداد ہو تو اس پر بچے کی تعلیم وتربیت کا بار عائد ہوگا، ورنہ اس کے باپ کی جائداد پر، ورنہ ماں اور نانی وغیرہ کی جائیداد پر، اگر ان کے پاس بھی جائیداد نہ ہو تو بیت المال پر اور بیت المال میں گنجائش نہ ہو تو مسلم تونگروں کے دوش پر یہ بار عائد ہوگا۔

اگر دس سال کی عمر ہونے کے باوجود بچہ نماز نہ پڑھے تو اس کی تادیب کرنا اور ہلکی مار مارنا واجب ہے۔ باپ دادا وغیرہ جیسے ولی کو مارنے کی اجازت ہوگی اور معلم کو اس وقت اجازت ہوگی جب ولی کی اجازت ہو۔

اس کا مقصد وحکمت

اس طریقِ عمل سے مقصود یہ ہے کہ بچے میں بچپن ہی سے عبادت کی عادت پیدا ہوجائے اور آئندہ عبادت چھوڑنے کی گنجائش نہ رہے۔حدیث میں ہے:''مُرُوا الصَّبِيَّ بِالصَّلَاةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِيْنَ وَإِذَا بَلَغَ عَشَرَ سِنِيْنَ فَاضْرِبُوْهُ عَلَيْهَا''(ابوداود: باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ ۴۹۴۔ یہ روایت سبرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) بچہ جب سات سال کا ہوجائے تو نماز کے لیے حکم دو اور جب دس سال کا ہوجائے تو مارو۔

عقل

مجنون پر نماز واجب نہیں ہے، جس شخص پر غشی طاری ہوجائے یا بے ہوش ہوجائے اس پر بھی نماز واجب نہیں ہے اور جب اس کو افاقہ ہوجائے تو قضاء بھی واجب نہیں۔ معتمد یہ ہے کہ قضا مستحب ہے۔''وَالْعَقْلُ حَدُّ التَّكْلِيْفِ''۔تکلیف کا دارومدار عقل پر ہے اور بغیر عقل کے تکلیف نہیں ہوسکتی۔

حائضہ

حایض صرف نماز وغیرہ کی حد تک جو طہارت پر موقوف ہیں مکلّف نہیں ہے، مگر زکاۃ وغیرہ جیسی دوسری عبادتیں جو طہارت پر موقوف نہیں ہیں اس کے لیے حایض بھی مکلّف ہے۔تکلیف کے معنی اس چیز پر عمل کرنے اور پابندی کرنے کے ہیں جس میں کلفت محسوس کی جائے۔عقل کی تعریف تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔

حیض اور نفاس سے پاکی

یعنی عورت حیض ونفاس کی حالت میں نہ ہو، حیض اور نفاس کی حالت میں عورت پر نماز واجب نہیں ہے۔حیض اور نفاس کی حالت میں جو نمازیں ناغہ ہوں ان کی قضا کرنا واجب نہیں ہے اور نہ مندوب ہے۔

سلامتی

سلامتی سے مراد حواس کی سلامتی ہے۔ جو شخص پیدائشی اندھا بہرا ہو اس پر نماز واجب نہیں، اگرچہ کہ بات کرتا ہو۔

دعوت کا پہنچنا

جس شخص کو شریعت کے احکام پہنچے ہی نہ ہوں اس پر نماز واجب نہیں ہے جیسا کہ وہ شخص جس نے دور دراز پہاڑی مقام یا جنگل میں پرورش پائی ہو۔

نماز صحیح ہونے کی شرطیں

نماز صحیح ہونے کی شرطیں پانچ ہیں:

۱۔ بدن اور لباس پاک ہوں

۲۔ ستر

۳۔ جگہ پاک ہو

۴۔ نماز کے وقت کا علم ہو

۵۔ استقبال قبلہ

نماز سے متعلق امور

نماز سے متعلق چار امور ہیں:

۱۔ شرائط ۲۔ ارکان

۳۔ سنن ابعاض ۴۔ سنن ہیئات

شرط کی تعریف

شرط علامت اور نشانی کو کہتے ہیں اور شرع میں اس چیز کو شرط کہا جاتا ہے جس پر اس کی صحت موقوف ہو اور وہ چیز خود اس کی جزء نہ ہو۔ شرط واجب ہے اور جاری رہتی ہے اور

رکن بھی واجب ہے مگر ختم ہو جاتا ہے۔

شرط اور رکن میں فرق

شرط اور رکن میں فرق یہ ہے کہ رکن ماہیت اور حقیقت میں داخل ہے اور شرط ماہیت اور حقیقت سے خارج ہے۔ رکن اصل چیز کا جزء ہے اور شرط اصل چیز کا جزء نہیں ہے مگر اس چیز کے ساتھ جاری رہتی ہے۔ رکوع اور سجود دونوں رکن ہیں اور نماز میں داخل ہیں۔

بعض ایسی سنت ہے جس کی تلافی سجود سہو سے ہو سکتی ہے اور ہیئت ایسی سنت ہے جس کے فوت ہونے پر سجود سہو کی ضرورت نہیں ہے۔ شرائط کا تعلق ہر ایک نماز سے ہے، فرض ہو یا نفل اور پھر ان شرائط کی تکمیل نماز میں داخل ہونے سے قبل ہونا چاہیے۔ نماز کا کوئی جزء ایک شرط کے بغیر بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ نماز کے ختم ہونے تک شرائط جاری بھی رہیں گی۔

ابو شجاع نے شرطوں کی تعداد پانچ درج کی ہے، مگر اس تعداد پر حصر نہیں ہے، بلکہ اس سے زیادہ ہیں، جس طرح نماز کے واجب ہونے کے لیے اسلام کی شرط ہے، اسی طرح نماز کے صحیح ہونے کے لیے بھی اسلام کی شرط ہے۔ نماز کی کیفیت سے واقف ہونا بھی شرط ہے، نماز میں فرایض کون سے ہیں اور سنتیں کون سی؟ واقف ہونا ضروری ہے تا کہ فرض کو سنت اور سنت کو فرض نہ سمجھے۔ مختصر رکن کو عمداً طویل نہ کرنا بھی شرط ہے۔

طہارت

قدرت کی صورت میں حدث اور نجاست سے بدن کی طہارت واجب ہے، اسی طرح نجاست سے لباس کی طہارت بھی واجب ہے، حدث میں حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں شامل ہیں۔ حدث اکبر کے لیے پورے بدن کی طہارت کی قید ہے اور حدث اصغر کا تعلق اعضائے وضو؛ چہرے، ہاتھوں، سر اور پاؤں تک محدود ہے۔

طہارت کی قدرت ہونے کے باوجود حدث کی حالت میں نماز منعقد ہی نہیں ہوتی۔ حدث کی حالت کو فراموش کر کے نماز پڑھی جائے تو نیت، تلاوت اور تسبیحات کا ثواب ملے

گا۔ نماز کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

نجاست سے بدن اور لباس کے پاک ہونے کی شرط ہے۔ اگر بھول کر نجاست کے ساتھ کوئی نماز پڑھی تو اس نماز کا اعادہ واجب ہے۔ چاہے کسی مصلی کے بدن یا لباس پر نجاست کی موجودگی کا علم نہ ہو۔

معفو عنہا نجاست کی طہارت واجب نہیں ہے۔ راستہ کا گرد وغبار، جس کے نجس ہونے کا تیقن بھی ہو، معفو عنہا اس لیے ہے کہ اس سے بچنا دشوار ہے۔ راستہ کے کیچڑ اور پانی کی نسبت بھی یہی حکم ہے۔ کھٹمل، مچھر، دمبل اور فصد (رگ کھول کر فاسد خون نکالنے کو فصد کہتے ہیں) وغیرہ کا خون بھی اس میں داخل ہے۔

ڈھیلے سے استنجا کی ہوئی دونوں شرمگاہیں بھی معفو عنہا میں داخل ہیں اگر چہ کہ پسینہ نکل رہا ہو۔

کسی ایسی چیز کو پکڑے ہوئے نماز پڑھنا جائز نہیں جو نجاست سے متصل ہو۔ اگر کوئی نجاست بدن یا لباس کے مقابل میں ہو اور بدن یا لباس کو مس نہ کر رہی ہو تو مضائقہ نہیں۔

فاقد الطھورین کا حکم

فاقد الطھورین کی نماز صحیح ہے لیکن اس نماز کا اعادہ واجب ہے۔ فاقد الطھورین اس شخص کو کہتے ہیں جس کو طہارت کے لیے پانی اور مٹی دونوں دستیاب نہ ہوسکیں۔ فاقد الطھورین کے حدث میں حدث اصغر اور اکبر دونوں داخل ہیں۔ اگر پانی یا مٹی کے دستیاب ہونے کی امید ہو تو نماز پڑھنے میں تاخیر کی جائے سوائے اس کے کہ وقت تنگ ہو۔ اگر امید نہ ہو تو اولِ وقت ہی پڑھی جاسکتی ہے۔

فاقد الطھورین حرمتِ وقت کے لحاظ سے صرف فرض نماز پڑھے گا، نفل نماز نہیں پڑھے گا۔ اس طرح فرض نماز میں بھی صرف واجبات کو ادا کرے گا۔ سنن کو ادا نہ کرے گا۔ تلاوت میں فقط سورہ فاتحہ ہی پڑھے گا۔ کوئی دوسرا سورہ نہیں پڑھے گا۔ اس لیے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کی قراءت واجب ہے اور دوسرے سورے کی قراءت سنت ہے۔ فاقد الطھورین

کے لیے صرف واجبات کا عمل شرعاً مباح ہے۔

فاقد الطہورین کی نماز کے صحیح ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ قضاء پڑھنے کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگیا بلکہ پانی یا مٹی کے ملنے پر قضا پڑھنا بھی اس پر واجب ہے۔

سترِ عورت

پاک لباس سے سترِ عورت کیا جائے۔ستر کے معنی ڈھانپنے کے ہیں اور عورت کے معنی نقص اور کمی کے ہیں۔شرع میں عورت بدن کے اس حصہ کو کہتے ہیں جس کا نماز میں ڈھانپنا واجب ہے۔ستر سے مراد یہ ہے کہ اوپر سے اور بازوؤں سے نظر نہ پہنچ سکے۔اگر ازار کا گھیرا یا پائنچا اتنا کھلا ہوا ہو کہ رکوع اور سجود میں مستور حصہ نظر آئے تو نماز نہ ہوگی۔ پائنچا چھوٹا ہونے کی وجہ سے نیچے سے بدن کا مستور حصہ نظر آئے تو مضائقہ نہیں۔

اقل اور اکمل ستر

نماز میں اقل لباس وہ ہے جو ستر ڈھانپنے کے لیے پہنا جائے اور یہ واجب ہے۔مکمل لباس وہ ہے جس سے زینت حاصل ہو اور یہ مسنون ہے۔اللہ کا فرمان ہے ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الأعراف:۳۱) یہاں زینت سے مراد لباس کی زینت اور مسجد سے مراد نماز ہے اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اچھے لباس میں نماز پڑھو۔

دو کپڑے؛ ایک اوپر کے بدن پر جیسے قمیص یا چادر اور دوسرا نیچے کے بدن پر جیسے پاجامہ یا ازار وغیرہ۔حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَلْبَسْ ثَوْبَيْهِ فَإِنَّ اللّٰهَ أَحَقُّ أَن يُّزَيَّنَ لَهُ'' (سنن البیھقی: باب ما یستحب للرجل أن یصلی فیہ ۳۰۸۸، یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے) تم دو کپڑوں میں نماز پڑھو، بے شک اللہ تعالی کے لیے زینت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے جس میں صورت یا نقش ہو۔

ستر ایسی چیز سے ہو جس سے بدن کا اصلی رنگ ظاہر نہ ہو سکے۔لباس چست ہو اور

بدن کا ڈیل ڈول ظاہر ہو تو مضایقہ نہیں، لیکن مکروہ ضرور ہے۔

اگر ستر سے عاجز ہو تو بغیر اعادہ کے برہنہ نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ عجز اور مجبوری کی صورتیں یہ ہیں:

کوئی چیز میسر نہ ہو جس سے بدن کو ڈھانپ سکے یا موجود ہو مگر پاک نہ ہو اور نہ دھو سکے۔

یا ایسے مقام پر قید کر دیا گیا ہو جہاں نجاست ہو اور کپڑا صرف اتنا ہو کہ نجاست پر بچھا سکے۔

اگر ریشمی کپڑے کے علاوہ دوسرا کوئی کپڑا نہ ہو تو اس کو پہن کر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

ساتر کی کمی کی صورت میں سارے بدن میں شرمگاہوں کو ترجیح ہے اور پھر اگلی شرمگاہ کو پچھلی پر، اس لیے کہ یہ قبلہ کا رخ ہے۔

ساتر کا پاک ہونا بھی شرط ہے۔

ستر عورت نماز کے علاوہ دوسری عام صورتوں میں لوگوں کی نظر، تنہائی اور تاریکی میں بھی واجب ہے۔ دھونے دھلانے کے لیے ستر کی پابندی نہ کرنا جائز ہے۔

ذخائر میں لکھا ہے کہ تنہائی میں تھوڑی سی ضرورت پر بھی ستر کھولا جا سکتا ہے، بعض نے حالتِ جماع کو اس میں شمار کیا ہے اور بعض نے خارج کیا ہے، اپنی نظر سے ستر واجب نہیں ہے لیکن بغیر ضرورت کے اس کی طرف نظر کرنا مکروہ ہے۔

ستر کے اعتبار سے مرد کی حالتیں

مرد کی تین حالتیں ہیں:

۱۔ نماز میں ناف اور گھٹنے کے درمیان کے حصہ کو ڈھانپے۔ یہی ستر دوسرے مردوں اور محرم عورتوں کے سامنے ہے۔ ناف سے مراد پیٹ کا وہ حصہ ہے جہاں سے بچہ پیدا ہوتے ہی نال کاٹا جاتا ہے۔ ناف اور گھٹنہ ستر میں داخل نہیں ہیں، لیکن ان دونوں کا کچھ نہ کچھ حصہ ڈھانپنا واجب ہے۔ اصول یہ ہے: ”مَا لَا يَتِمُّ الْوَاجِبُ إِلَّا بِهِ فَهُوَ وَاجِبٌ“۔ جس چیز کے بغیر واجب کی تکمیل نہیں ہوتی وہ بھی واجب ہے۔

۲۔ نامحرم عورتوں کے سامنے مرد کا پورا بدن ستر کے لایق ہے۔

۳۔تنہائی میں فقط دونوں شرمگاہیں ستر کے لائق ہیں۔

ستر کے اعتبار سے عورت کی حالتیں

عورت کی چار حالتیں ہیں:

ا۔نماز میں چہرے اور ہاتھ کے پنجوں کے علاوہ پورا بدن ڈھانپا جائے۔اللہ تعالی فرماتا ہے:﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (النور:۳۱) نہ ظاہر کریں اپنی زینت کوسوائے اس (حصہ بدن) کے جو ظاہر ہوتا ہو۔

ضرورت پر چہرہ کھلا رہے گا نہ کہ سر کے بال۔پاؤں اور پاؤں کے تلوے بھی ستر میں داخل ہیں۔چہرہ اور ہاتھوں کے پنجوں کے کھلے رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ ضرورت ان کو کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہے۔لِأَنَّ الْحَاجَةَ تَدْعُوْ إِلٰى إِبْرَازِهِمَا۔

ہاتھ کے پنجے میں انگلیاں اور ہتھیلی اور اس کا ظاہر اور باطن پونچے کی جوڑ تک داخل ہیں۔اور پونچا خود ستر میں داخل ہے۔

۲۔نماز کے علاوہ دوسرے نامحرم مردوں کے سامنے عورت کا پورا بدن ستر کے لائق ہے۔

۳۔تنہائی میں اور مسلم عورتوں اور محرم مردوں کے سامنے عورت کا ستر وہی ہے جو نماز میں مرد کا ستر ہے یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان۔

۴۔غیر مسلم عورتوں کے سامنے عورت کا پورا بدن ستر کے لائق ہے سوائے اس حصہ کے جس کے ظاہر کرنے کی ضرورت محنت اور مشقت میں پڑتی ہے۔

رافعی کا قول ہے کہ نامحرم اور اجنبی عورت کے چہرے اور ہاتھوں کی طرف بغیر شہوت کے نظر کرنا جائز ہے اور یہی مذہب مالکیہ کا ہے۔

خلاصہ یہ کہ شرعی طور پر ستر کا مفہوم دو امور پر دلالت کرتا ہے:

پہلا وہ ستر جو نماز کے لیے معین کیا گیا ہے اور دوسرا وہ ستر جس پر نظر کرنا عام طور پر حرام ہے۔ابو شجاع نے صرف اول الذکر کو بیان کیا اور ابن قاسم اور بیجوری نے ثانی الذکر کا اضافہ کیا۔نظر کی نسبت تفصیلی بحث نکاح کے ضمن میں بیان کی گئی ہے۔

جگہ پاک ہو

قیام، قعود، رکوع یا سجود میں بدن یا لباس کا کوئی حصہ نجاست سے ملے تو نماز صحیح نہیں ہوتی۔ جگہ کی طہارت کی نسبت گمان ہو تو کافی ہے۔ شرط یہ ہے کہ مصلی کے بدن یا لباس کو نجاست نہ لگے۔ کسی نجس جگہ پر پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھی جائے تو صحیح ہے۔

کسی جگہ پر پرندوں کی بیٹ زیادہ ہو اور اس سے احتراز دشوار ہو تو وہ مقام معفو عنہ اور مستثنیٰ ہے۔ اس کے لیے تین قیود ہیں:

۱۔ بچنا اس طرح دشوار ہو کہ اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے میں مشقت یا بار محسوس کرے۔

۲۔ عمداً اس پر کھڑا نہ رہے۔

۳۔ جانبین میں رطوبت نہ ہو یعنی پاؤں گیلا نہ ہو اور بیٹ تازہ اور کچا نہ ہو۔

رملی کا قول ہے کہ پرندے کی بیٹ راستے میں ہو تو رطوبت کے باوجود اس پر چلنے کی اجازت ہے۔

نجاست سے ملنے سے یہ مراد ہے کہ مس کرے اور چھوئے۔ اگر نجاست بدن یا لباس کے مقابل ہو اور چھوئے نہیں جیسا کہ سجدہ کی حالت میں سینے کے مقابل زمین پر نجاست ہو تو مضائقہ نہیں۔

اگر خشک نجاست لگ جائے اور فوراً جھاڑ دی جائے تو معاف ہے۔ نجاست سے مراد غیر معفو عنہا نجاست ہے۔

نماز کے وقت کا علم ہو

شرائط نماز میں نماز کے وقت کو اس لیے اہمیت ہے کہ وقت کے داخل ہونے پر نماز واجب ہوتی ہے اور وقت کے خارج ہونے پر نماز فوت ہوتی ہے۔ نماز کا وقت معلوم کرنے کے تین مدارج ہیں:

ا۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ خود کو علم ہو یا معتبر شخص اپنے علم کی خبر دے۔ قابل اعتماد خبر میں مؤذن کی وہ اذان بھی داخل ہے جو غیر ابر آلود مطلع کی حالت میں دی جائے۔ گھڑی وغیرہ کے ذریعہ یا پانی اور ریت کے بعض آلات کے ذریعہ وقت کا دریاف کرنا ذاتی علم میں داخل ہے۔

۲۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اجتہاد کر کے وقت دریافت کیا جائے جیسا کہ پرندوں اور مویشی کی آواز پر غور کر کے رائے قائم کی جائے، بشرطیکہ اس آواز کا قرینہ ہو اور بے وقت نہ ہو۔ خطیب کا قول ہے کہ اجتہاد کی صورت میں نماز کا وقت ہونے کی نسبت غالب گمان ہونے تک تاخیر کرنا چاہیے اور افضل یہ ہے کہ آخر وقت تک تاخیر کی جائے۔ پہلے درجہ کا علم حاصل ہونے پر اجتہاد پر عمل کرنا ممنوع ہے۔

۳۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ دوسرے شخص کے اجتہاد پر عمل پیرا ہو بشرطیکہ خود اجتہاد نہ کر سکے۔ اجتہاد پر قدرت ہونے کی صورت میں دوسرے کے اجتہاد کی تقلید ممنوع ہے۔

وقت کے دریافت کرنے اور قبلہ کے دریافت کرنے میں یہ فرق ہے کہ ہر ایک نماز کے وقت نماز کا وقت دریافت کرنے کی ضرورت ہے، بخلاف قبلہ کے، ایک مرتبہ قبلہ کے رخ کی نسبت اجتہاد کرنے کے بعد جب تک اس مقام پر رہے اسی رخ پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

استقبالِ قبلہ

یعنی قبلہ کا رخ کرنا، قبلہ سے مراد کعبہ ہے۔ قبلہ کو قبلہ اس لیے کہا گیا کہ مصلی اس کے مقابل میں نماز پڑھتا ہے، کعبہ کی تفصیل حج کے بیان میں درج ہے۔

ابتدائے اسلام میں نماز بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی جاتی تھی۔ مکہ مکرمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل تھا کہ آپ یمانیین (کعبۃ اللہ کے چار رکن ہیں جن میں سے رکن یمانی اور رکن حجر اسود کو یمانیان کہا جاتا ہے، بقیہ دو رکن رکن عراقی اور رکن شامی ہیں) کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ آپ کا رخ بیت المقدس کی طرف ہوتا تھا۔ لیکن کعبہ آپ کے مقابل رہتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو نماز میں آپ کا رخ خالص بیت المقدس کی طرف ہو گیا اور کعبہ قبلہ کے رخ میں باقی نہ رہا۔ یہ بات آپ

کوشاق گزرتی تھی۔آپ نے جبرئیل سے خواہش کی کہ اللہ تعالی سے قبلہ تبدیل کروائیں۔

مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آئے ہوئے سولہ سترہ مہینے گزرے تھے۔آپ ایک دن ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے اور دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ وحی نازل ہونے کے آثار دکھائی دیے اور آپ نے استقبال کعبہ کے حکم کو سننے کے شوق میں آسمان کی طرف سر اٹھایا۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَاءِ﴾ (البقرة ۱۴۴) ہم تمہارے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف متوجہ دیکھتے ہیں۔

تمہیں آرزو ہے کہ ہم تبدیلِ قبلہ کا حکم دیں۔اللہ تعالی فرماتا ہے

﴿فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا﴾ (البقرة ۱۴۴) ہم تم کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کو تم اپنے دل سے چاہتے ہو۔ ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (البقرة ۱۴۴) پس تم اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف پھیر دو۔

اس آیت کے نازل ہونے کے ساتھ ہی آپ پلٹ گئے اور ظہر کی بقیہ دو رکعت کعبہ کی طرف رخ کرکے ادا کیں۔(مسلم کی روایت میں ایک ہی نماز میں بیت المقدس اور کعبہ کی طرف رخ کرنے کے واقعہ کے سلسلہ میں ہے کہ یہ واقعہ بنی سلمہ کے محلّہ میں پیش آیا، وہاں کے ایک شخص کا گزر مسجد نبوی سے ہوا تو انھوں نے نبی ﷺ اور صحابہ کو کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے محلّہ میں جا کر بتایا، اس وقت جماعت کے ساتھ نماز کھڑی تھی، وہاں کے امام نے فوراً ہی اپنا رخ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف کیا۔مسلم: باب تحویل القبلۃ من القدس إلی الکعبۃ ۱۲۰۸، یہ روایت انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔اسی وجہ سے بنی سلمہ کی اس مسجد کو مسجد ذی قبلتین کہا جاتا ہے)

اس مقام پر اب ایک مسجد "**مسجد قبلتین**" کے نام سے موجود ہے جس میں بیت المقدس کی جانب ایک محراب ہے اور دوسرا محراب کعبہ کی جانب، اللہ تعالی نے فرمایا:﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِى كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (البقرة ۱۴۲) بے وقوف لوگ کہیں گے: مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے کس چیز نے پھیر دیا جس پر وہ عمل کر رہے تھے۔کہہ دو کہ مشرق و

مغرب سب اللہ تعالی کے لیے ہے۔اللہ تعالی جس کو چاہتا ہے راہ مستقیم کی رہنمائی کرتا ہے۔

﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ﴾ (البقرة ۱۴۳) ہم نے عارضی طور پر تم کو جس قبلہ کا حکم دیا تھا اور جس کی طرف تم رخ کرتے تھے۔اس سے صرف یہ غرض تھی کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون رسول کی اتباع کرتا ہے اور کون روگردانی کرتا ہے اور بس ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ (البقرة ۱۴۳) بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پلٹانے میں اللہ تعالی کا یہ منشا نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضایع اور ناقص کرے۔ ﴿وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ﴾ (البقرة ۱۴۴) بے شک اہل کتاب جانتے ہیں کہ یہ حکم درست ہے اور پروردگار کی طرف سے صادر ہوا ہے۔مگر اس واقعہ کو وہ ظاہر نہیں کرتے اور چھپاتے ہیں۔

تبدیلِ قبلہ کے حکم کے بعد پہلی پوری نماز جو کعبہ کی طرف رخ میں ادا کی گئی وہ عصر تھی۔شیخ محی الدین ابن عربی لکھتے ہیں کہ قبلہ کے حکم میں دو مرتبہ تبدیلی ہوئی،ایک دفعہ کعبہ کو تبدیل کر کے بیت المقدس قبلہ بنا اور دوسری دفعہ بیت المقدس کو تبدیل کر کے کعبہ کو قبلہ گردانا گیا۔عام طور پر مسجد حرام کا جہاں کہیں ذکر کیا ہے اس سے حرم کعبہ مراد لیا گیا ہے۔ سوائے اس آیت کے جس سے مقصود فقط کعبہ ہے۔

''شطر'' کے معنی عین اور اصل حرم کے ہیں اور اصطلاحاً اس کے معنی جہت اور سمت کے کیے گئے ہیں۔امام شافعی نے لفظی معنی کی تاکید کرتے ہوئے عینِ کعبہ کے استقبال کی رائے ظاہر کی اور اعتماد اسی پر ہے،ورنہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے جہت کے معنی لے کر استقبال قبلہ کے لیے جہت کعبہ کو کافی قرار دیا ہے۔

کعبہ کے قریب نماز پڑھی جائے تو استقبال قبلہ کا یقین ہونا چاہیے۔مصلی کے بدن کا کچھ حصہ بھی کعبہ کے مقابل سے ہٹ جائے تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔کعبہ کے قریب نماز کی صف اس قدر لمبی ہو جائے کہ دونوں بازو مقابل میں رہیں تو کافی ہے۔پہلی صورت میں استقبال حقیقی اور دوسری صورت میں استقبال حکمی کہلاتا ہے۔قبلہ کا رخ دریافت کرنے

میں قطب نما، سورج اور چانداور ستاروں سے مدد لی جاتی ہے۔

استقبالِ کعبہ پر عمل کرنے کے مدارج

استقبال کعبہ پر عمل کرنے کے لیے چار مدارج ہیں:

سب سے پہلے اپنا ذاتی علم، اس کے بعد لایق اعتماد شخص کی خبر، اس کے بعد ذاتی اجتہاد اور سب سے آخر دوسرے شخص کے اجتہاد کی تقلید۔ کسی اول الذکر صورت کی موجودگی میں ثانی الذکر صورت پر عمل نہ ہوگا۔

قبلہ کی طرف سینہ کرنا شرط ہے۔ چہرے کا قبلہ کے رخ میں رکھنا واجب نہیں ہے۔ چہرے کو قبلہ سے موڑنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ لیکن اس میں کراہت ہے۔

قیام اور جلوس میں قبلہ کا رخ حقیقی ہے اور رکوع اور سجود میں حکمی۔ کروٹ لیٹ کر نماز پڑھنے والے کے لیے واجب ہے کہ چہرے اور سینے سے قبلہ کا رخ کرے۔ اگر چت لیٹا ہوا ہو تو پاؤں کے تلوے اور چہرہ قبلہ کے رخ میں ہوں۔ اگر کوئی عذر ہو جیسا کہ درخت کو باندھا ہوا ہو تو جس کسی حالت میں ہو نماز پڑھے۔

قبلہ کا رخ چھوڑنا کب جائز ہے؟

ترک قبلہ دو صورتوں میں جائز ہے:

پہلی صورت یہ ہے کہ شدید خوف کی حالت میں ہو۔ آیت میں ہے: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾ (البقرۃ ۲۳۹) اگر تم کو خوف ہو تو پیادہ یا سواری کی حالت میں نماز پڑھ سکتے ہو۔

یعنی قبلہ کی طرف رخ کر کے یا بغیر اس کے۔ خوف لڑائی کی وجہ سے ہو یا کسی دوسری وجہ سے، مگر شرط یہ ہے کہ وجہ مباح ہو۔ کافروں کے خلاف مسلمانوں کی لڑائی اور باغیوں کے خلاف حق بجانب افراد کی لڑائی مباح وجہ ہے۔

مباح سے مراد یہ ہے کہ حرام نہ ہو، اس لیے کہ مباح میں واجب اور مندوب داخل

ہیں۔ابن رفعہ کا قول ہے کہ آخری وقت تک فرصت کا انتظار کر کے قبلہ کا لحاظ کئے بغیر نماز پڑھنا چاہیے۔قبلہ کا لحاظ کئے بغیر خوف کی حالت میں فرض اور نفل دونوں نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔صلاۃ خوف کے بیان میں پوری تفصیل درج ہے۔

ترک قبلہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ سفر کی حالت میں سواری پر ہواور سفر مباح ہوتو صرف نفل نماز میں استقبال قبلہ ترک کرنا جائز ہے۔آیت میں ہے:﴿فَأَيْنَمَا تَوَلَّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ ۱۱۵)تم جس طرف بھی رخ کرواسی طرف اللہ کی ذات ہے۔

سفر کے طویل ہونے کی قید نہیں ہے جیسا کہ نماز جمعہ چھوڑنے کے لیے۔مختصر سفر میں بھی یہ عمل ہوسکتا ہے۔مختصر سے مراد ایک میل کا سفر ہے یا اتنا فصل ہو کہ پکارا جائے تو آواز نہ پہنچے۔سفر معصیت کے لیے نہ ہواور سفر کا مقصد معین ہو۔

سواری میں کسی خاص جانور کی شرط نہیں ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم بحالت سفر سواری پر نماز پڑھتے تھے خواہ کوئی سمت ہواور صرف فرض کے لیے نیچے اترتے اور قبلہ رخ ہوکر ادا کرتے تھے۔
کشتی میں بیٹھا ہوا شخص قبلہ کی طرف رخ کرے گا اور کشتی چلانے والا ملاح اس سے مستثنیٰ ہوگا۔

سفر میں یہ رعایت اس لیے رکھی گئی ہے کہ دنیاوی کاروبار میں حرج نہ ہواور نوافل کے ترک کرنے پر مجبور نہ ہو۔

جو شخص چوپائے پر سوار ہواس پر واجب نہیں کہ پیشانی سجدہ میں زمین پر رکھے۔ رکوع اور سجدہ میں صرف اشارہ کرنا کافی ہے۔لیکن رکوع کے اشارہ سے سجود کا اشارہ زیادہ پست کرنا واجب ہے۔سفر کے طے کرنے میں سواری سے زیادہ عام طریقہ پیدل ہے اور سواری کے حکم پر قیاس کرتے ہوئے پیدل کے لیے بھی نفل نماز میں ترک قبلہ جائز ہے۔ پیدل مسافر احرام (نیت باندھنا) رکوع،سجود اور جلوس بین السجدتین قبلہ رخ ہوکر ادا کرے اور قیام،اعتدال،تشہد اور سلام کی حالت میں چلتا رہے۔

نماز کے ارکان

نماز کے ارکان سترہ ہیں:

ا۔نیت	۲۔قیام
۳۔تکبیر تحریمہ	۴۔سورہ فاتحہ کی تلاوت
۵۔رکوع	۶۔رکوع میں طمانینت
۷۔اعتدال	۸۔اعتدال میں طمانینت
۹۔سجود	۱۰۔سجود میں طمانینت
۱۱۔جلوس دوسجدوں کے درمیان	۱۲۔جلوس میں طمانینت
۱۳۔جلوس آخر	۱۴۔جلوس آخر میں تشہد
۱۵۔درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر	۱۶۔ پہلا سلام
۱۷۔ترتیب	

رکن کے معنی ستون کے ہیں اور شرع میں رکن اس چیز کو کہتے ہیں جس پر کسی چیز کی صحت موقوف ہو اور وہ چیز اس کا جزء بھی ہو۔

نماز کے ارکان سے مراد نماز کے وہ اجزاء ہیں جن سے نماز مکمل ہوتی ہے۔

نماز میں ارکان اور وضو میں فرایض سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نماز کے اجزاء کی تفریق جائز نہیں ہے۔ بخلاف وضو کے اجزاء جن میں ایک حد تک تفریق جائز ہے۔

رکوع، اعتدال، سجود اور جلوس کی چار مرتبہ کی طمانینت کو چار ارکان اور نماز سے نکلنے کی نیت کو ایک رکن شمار کر کے ابوشجاع نے نماز کے جملہ ارکان کی تعداد اٹھارہ بیان کی تھی۔ جیسا کہ تنبیہ میں مذکور ہے۔

یہ صحیح ہے کہ نماز سے نکلنے کی نیت واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے، اس لیے روضہ اور تحقیق میں اس کو نکال کر نماز کے جملہ ارکان سترہ شمار کئے گئے ہیں۔

جس طرح سجود کی نوعیت ایک ہونے کی وجہ سے دو سجود کو ایک شمار کیا گیا اسی طرح حاوی میں چاروں طمانینت کو ایک رکن شمار کر کے ارکان کی تعداد چودہ درج کی گئی ہے۔

بعض نے نیت اور تکبیر تحریمہ میں مقارنت (بغیر فصل کے واقع ہونے) کو بھی ایک رکن قرار دے کر جملہ تعداد پندرہ بتائی ہے۔

بعض نے اٹھارہ کی تعداد پر ایک رکن خشوع کا اضافہ کر کے انیس شمار کی اور بعض نے مصلی کو بھی رکن قرار دیکر بیس کی تعداد قائم کی۔

منہاج میں طمانینت کو رکن کے تابع کر کے جملہ ارکان کی تعداد تیرہ شمار کی گئی ہے۔

بہر حال گنتی کے لیے تعداد کچھ بھی مقرر کی جائے مگر ہر ایک قول میں طمانینت ضرور شریک ہے، مستقل رکن کی حیثیت سے یا رکن کے تابع کی حیثیت سے۔

رملی اور ابن حجر کا قول ہے کہ طمانینت کی نسبت اختلاف فقط لفظی ہے، نہ کہ معنوی، یعنی طمانینت مستقل رکن ہو یا تابع رکن؛ دونوں صورتوں میں طمانینت کی نسبت شک پیدا ہو تو اثر پڑتا ہے۔

سجدہ میں جانے کے بعد اعتدال میں طمانینت کی نسبت شک ہو تو فوراً اعتدال کی طرف لوٹ آنا ہوگا اور اس کے بعد سجدہ کیا جائے گا۔ اختلاف معنوی ہوتا تو شک کا کوئی اثر نہ ہوتا اور سجدہ سے اعتدال کی طرف لوٹ کر آیا نہیں جاتا۔

۱۔ نیت

نماز میں نیت واجب ہے، نیت کس کو کہتے ہیں تفصیل کے ساتھ وضو میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں اس کا اعادہ غیر ضروری ہے، البتہ نماز کے خاص تعلق سے نیت کے متعلق بعض امور یہاں بیان کئے جائیں گے۔

نیت کے بغیر نماز منعقد نہیں ہوتی۔ امام غزالی کا قول ہے کہ نیت نماز کے شرائط میں سے

ہے، اس لیے کہ نیت نماز کے ختم ہونے تک حکماً جاری رہتی ہے اس طرح کہ نیت سے انحراف کا ارادہ نہ ہوا ہو، جس طرح شرط کسی چیز کی ماہیت سے خارج ہوتی ہے اسی طرح نیت بھی نماز کی ماہیت سے خارج ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ نیت کو نماز کی ماہیت میں داخل کیا جائے تو پھر اس نیت کے لیے ایک دوسری نیت کی ضرورت ہوگی حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔

بعض کا قول ہے کہ ہر ایک عبادت کی نیت اس عبادت کا جزء اولین ہے۔ نیت کا محل تکبیر تحریمہ سے پہلے ہے، تکبیر کے بعد کوئی لفظ جو جز و نماز نہ ہو نہیں بولا جا سکتا، ورنہ نماز باطل ہوگی۔ تکبیر کے بعد کوئی لفظ نیت کے متعلق کہا جائے گا تو دوبارہ تکبیر تحریمہ کہنے کی ضرورت ہوگی۔

رملی کا قول ہے کہ فرض نماز کے ساتھ غیر مقصود سنت کی نیت کرنا جائز ہے۔ تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو، استخارہ، احرام، طواف، سنت غسل، سنت غفلت، سنت قدوم و سنت سفر، رکعات حاجت اور زفاف نمازیں سنت ہیں، جو غیر مقصود کہلاتی ہیں۔ ان کو فرض کے ساتھ یا دوسری نفل نماز کے ساتھ جمع کیا جا سکتا ہے اور دونوں ایک ساتھ حاصل ہو جاتی ہیں۔

سنت مقصودہ سے مراد ظہر، مغرب وغیرہ کی سنتیں ہیں۔ ان کو فرض کی نیت کے ساتھ شریک نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تم فرض نماز پڑھو میں تمہیں انعام دوں گا اور اس نے اس انعام کے پانے کی توقع کو بھی نماز کی نیت میں شریک کر کے نماز پڑھی تو نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن انعام کا حق دار نہ ہوگا۔

اللہ سے ثواب پانے کے لیے یا اللہ تعالی کے عذاب سے بچنے کے لیے نماز کی نیت کی جائے تو بھی نیت صحیح ہے۔ بخلاف فخر الدین رازی کی رائے کے۔

نیت کے لحاظ سے مصلی کے مدارج

نیت کے لحاظ سے مصلی کے تین مدارج بیان کئے گئے ہیں:

ایک یہ کہ وہ شخص جو دوسروں کو نماز پڑھتے دیکھ کر شرمائے اور نماز پڑھے۔

دوسرا وہ شخص جو اللہ تعالی کے عذاب کے ڈر سے اور ثواب کی امید میں نماز پڑھے۔

تیسرا وہ شخص جو اللہ کو مستحق عبادت تصور کر کے خالص اللہ کے لیے نماز پڑھے۔

آخری صورت کاملین کی اور دوسری صورت متوسطین اور صورت اول عام دنیا داروں کی مثال ہے۔ امام جنید کے تین شعر اسی مضمون کو نہایت خوبی سے ادا کرتے ہیں:

كُلُّهُمْ يَعْبُدُوْنَكَ مِنْ خَوْفِ نَارٍ وَيَرَوْنَ النَّجَاةَ حَظًّا جَزِيْلاً

وہ سب تیری عبادت کرتے ہیں دوزخ کے خوف سے اور نجات کو بڑی کامیابی سمجھتے ہیں

أو أن يسكنوا الجنان فيحظوا بقصور ويشربوا سلسبيلاً

یا یہ کہ جنت میں رہیں اور لطف اٹھائیں محلوں کا اور سلسبیل کا پانی پئیں

ليس لي بالجنان والنار حظ أن لا أبتغي بحبي بديلا

مجھ کو نہ جنت سے غرض ہے نہ دوزخ سے میں اپنے محبوب کا کوئی بدل نہیں چاہتا

امام غزالی نے حاتم اصم کا یہ قول نقل کیا ہے، آپ نے کہا تھا: جب میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو کعبہ میرے سامنے ہوتا ہے اور صراط میرے قدم کے نیچے اور جنت دائیں بازو اور دوزخ بائیں بازو اور ملک الموت پیچھے اور سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری نماز ہے۔ امید وبیم کی حالت میں ہوتا ہوں اور نہیں جانتا کہ قبول ہوگی یا نہیں۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ دھیان اور غور وفکر کے ساتھ اوسط طور پر دو رکعت پڑھنا افضل ہے بہ نسبت اس کے کہ قلب کی غفلت کے ساتھ رات بھر نماز میں جاگا کرے۔

دل سے نیت کافی ہے

نیت کا مرکز دل ہے۔ زبان سے نیت کے الفاظ کہنا واجب نہیں ہے، بلکہ مسنون ہے تاکہ زبان اور دل میں مطابقت ہو۔ نیت ارادہ کو کہتے ہیں اور ارادے کا تعلق دل سے ہے، اس لیے اجماع اس پر ہے کہ نیت کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ اجماع اس پر بھی ہے کہ دل کی غفلت کے ساتھ زبان سے کچھ بولنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، دل میں جو ارادہ ہو اس کے خلاف زبان سے کچھ بولے تو اس کا کوئی اثر نہیں۔ دل میں ظہر کی نماز کی نیت ہو اور زبان سے عصر کی نماز کے الفاظ نکل جائیں تو حرج نہیں۔

متعلقاتِ نیت

کس نماز کی نیت میں کن امور کی صراحت واجب ہے؟ اس کا لحاظ کرتے ہوئے نماز کی تین نوعیتیں ہیں: فرض، نفل سببی وموقعی اور نفل مطلق۔

فرض نماز کی نیت میں واجب امور

فرض نماز کی نیت میں تین امور واجب ہیں:

ا۔فرضیت کی نیت ہر فرض نماز میں واجب ہے۔فرض کفایہ ہو، فوت شدہ فرض نماز کی قضا ہو یا اعادہ کی ہوئی نماز ہو۔فرض کفایہ کی مثال نماز جنازہ ہے اور اعادہ کی نماز کی مثال یہ ہے کہ فاقد الطہورین نے فرض نماز اندرونِ وقت پڑھی اور اس کے بعد پانی یا مٹی ملنے پر دوبارہ اسی نماز کا اعادہ کیا۔

اللہ تعالی کی طرف نماز کا منسوب کرنا واجب نہیں ہے۔اس لیے کہ ہر عبادت اسی کے لیے ہے۔لیکن اخلاص کے اظہار کے لیے اللہ تعالی کی طرف نماز کو منسوب کرنا مستحب ہے۔

استقبالِ قبلہ اور تعداد رکعات کی نیت کرنا بھی مستحب ہے۔نیت میں قضا کی نیت سے ادا کا لفظ اور ادا کی نیت سے قضا لفظ کہنا بھی عذر کی موجودگی میں صحیح ہے۔

ابر کی وجہ سے وقت گزر جانے کا گمان ہو اور قضا پڑھے اور بعد میں معلوم ہو کہ وقت باقی تھا۔اسی طرح وقت باقی رہنے کے گمان میں ادا پڑھے اور بعد میں معلوم ہوا کہ وقت گزر گیا تھا۔خطیب کا قول ہے کہ ادا اور قضا دونوں کے معنی ایک ہیں، اس لیے ان کے استعمال میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ادا اور قضا کے معنی میں عرف عام میں جو فرق ہے اس سے واقف رہ کر اس کے خلاف بغیر کسی عذر کے عمداً نیت کرنے سے بعض نے منع بھی کیا ہے۔

قضا نماز کے پڑھنے میں صرف نماز کے تعین کرنے کی ضرورت ہے کہ ظہر کی نماز ہے یا عصر کی، کس دن، کس مہینے اور کس سال کی قضا نماز ہے اس کی صراحت کی ضرورت نہیں ہے۔

بچوں کے لیے فرض نماز میں بھی فرضیت کی نیت واجب نہیں ہے، اس لیے کہ ان کی نماز نفل ہو جاتی ہے۔

نماز کا اعادہ کرنے والا فرض ہی کی نیت کرے گا اور اتفاقاً وہ نماز نفل ہو جائے گی۔ بعض کا قول ہے کہ اعادہ کی ہوئی نماز فرض ہے اور بعض کا قول ہے کہ اللہ تعالی دونوں نمازوں میں سے جس کو چاہے گا شمار کرے گا۔ اصح یہ ہے کہ پہلی نماز ہی فرض تھی۔

نماز پڑھنے کا ارادہ کرنا بھی واجب ہے اگر چہ کہ اجمال کے ساتھ ارادہ کیے بغیر تفصیل کے ارادے کی شرط اس لیے قائم کی گئی کہ فعل نماز اور دیگر افعال میں امتیاز ہو۔

نماز کا تعین کرنا بھی نیت میں واجب ہے، جو نماز پڑھی جا رہی ہے اس کا امتیاز دوسری نمازوں سے کیا جائے جیسا کہ عصر، مغرب اور عشاء۔

وقت والی اور سبب والی نفل نماز میں واجب امور

وقت والی اور سبب والی نفل نماز میں دو امور واجب ہیں:

شافعیہ میں نفل، مسنون، مستحب، مندوب اور مرغب کے معنی ایک ہیں۔ نماز پڑھنے کا ارادہ واجب ہے اور نماز کا تعین بھی واجب ہے۔ وقت والی نفل نمازوں کی مثال سنت ظہر یا سنت عشاء وغیرہ ہیں۔ سبب والی مسنون نمازوں کی مثال استسقاء اور کسوف اور خسوف کی مسنون نمازیں ہیں۔

مسنون ہونے کی نیت واجب نہیں ہے بلکہ مسنون ہے، بعض ائمہ کے برخلاف جنھوں نے مسنونیت کی نیت کو بھی واجب کہا ہے۔ خطیب کا قول ہے کہ وتر ایک مستقل نماز ہے، اس کو عشاء کی طرف منسوب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جن سنت نمازوں میں قبلیہ اور بعدیہ دونوں ہیں ان میں نیت میں قبلیہ اور بعدیہ کی صراحت واجب ہے۔

نفل مطلق میں صرف نماز پڑھنے کا ارادہ کافی ہے۔ یہاں مطلق سے مراد وہ نماز ہے جو کسی وقت یا سبب پر موقوف نہ ہو۔ تحیۃ المسجد، سنت وضو و غسل، استخارہ، احرام، دخول منزل، خروج منزل کی نمازیں نفل مطلق ہیں۔

ان نمازوں کی نیت میں نماز کا تعین واجب نہیں ہے اور نہ نفل کی نیت واجب ہے، اس لیے کہ نماز کی مطلق نیت کے ساتھ نفل حاصل ہو جاتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ فرض میں فرضیت کی نیت، نماز پڑھنے کا قصد اور نماز کا تعین؛ تین باتیں واجب ہیں۔ وقت والی اور سبب والی نفل میں نماز پڑھنے کا قصد اور نماز کا تعین دو چیزیں واجب ہیں، نفل مطلق میں صرف نماز پڑھنے کا قصد واجب ہے۔

الفاظ نیت

مثال کے طور پر چند نیتیں بیان کی جاتی ہیں ان پر دوسری نمازوں کو قیاس کیا جائے:

فرض ظہر: **نَوَيْتُ أُصَلِّيْ فَرْضَ الظُّهْرِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مُسْتَقْبِلًا إِلَى الْكَعْبَةِ تَابِعًا لِلْإِمَامِ لِلّٰهِ تَعَالٰى**۔ میں نیت کرتا ہوں فرض ظہر کی چار رکعتوں کی قبلہ کی طرف منہ کر کے، امام کے پیچھے اللہ کے لیے۔

سنت قبل فرض ظہر: **نَوَيْتُ أُصَلِّيْ سُنَّةَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ قَبْلِيَّةً مُسْتَقْبِلًا إِلَى الْكَعْبَةِ لِلّٰهِ تَعَالٰى**۔

سنت بعد فرض ظہر: **نَوَيْتُ أُصَلِّيْ سُنَّةَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ بَعْدِيَّةً مُسْتَقْبِلًا إِلَى الْكَعْبَةِ لِلّٰهِ تَعَالٰى**

فرض مغرب تابع: **نَوَيْتُ أُصَلِّيْ فَرْضَ الْمَغْرِبِ ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ مُسْتَقْبِلًا إِلَى الْكَعْبَةِ تَابِعًا لِلْإِمَامِ لِلّٰهِ تَعَالٰى**

فرض مغرب امام: **نَوَيْتُ أُصَلِّيْ فَرْضَ الْمَغْرِبِ ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ مُسْتَقْبِلًا إِلَى الْكَعْبَةِ إِمَامًا لِلّٰهِ تَعَالٰى**

سنت عید الفطر: **نَوَيْتُ أُصَلِّيْ سُنَّةَ عِيْدِ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ مُسْتَقْبِلًا إِلَى الْكَعْبَةِ تَابِعًا لِلْإِمَامِ لِلّٰهِ تَعَالٰى**۔

نیت اول میں مثالاً ان الفاظ پر خط کھینچا گیا ہے جو ہر نماز کے لحاظ سے تبدیل ہوں گے۔

۲۔ قیام

قیام نماز کا دوسرا رکن ہے اور شرط یہ ہے کہ مصلی میں قیام کی قدرت ہو۔ قیام سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ قیام کسی جانب جھکے بغیر سیدھے کھڑے رہنے کو کہتے ہیں۔ ضعیفی کی وجہ سے کوئی شخص قیام میں رکوع کی حالت تک جھکا ہوا ہو تو بھی اس پر قیام واجب ہے۔

قیام میں مدد کی ضرورت

قیام میں مدد و تعاون کی ضرورت دو طرح ہو سکتی ہے:

ایک تو یہ کہ اٹھ کر کھڑے رہنے میں مدد کی ضرورت ہو اور دوسرے یہ کہ اس کے علاوہ دورانِ قیام میں بھی مدد کی ضرورت ہو۔

پہلی صورت کی حد تک دوسرے شخص سے مدد لینا قیام میں واجب ہے، بشرطیکہ اجرت کے مطالبہ کی صورت میں اجرت کے ادا کرنے کی استطاعت بھی رکھتا ہو۔

دوسری صورت میں آدمی سے قیام میں مدد لے کر قیام کرنا واجب نہیں ہے۔ بلکہ لکڑی یا عصا کی مدد سے قیام کی تکمیل ممکن ہو تو قیام واجب ہے۔

قیام فرض نماز میں واجب اور رکن ہے۔ نفل نماز میں قیام واجب نہیں ہے اور نفل میں سببی، موقتی، جماعتی، غیر جماعتی، مطلق؛ ہر ایک نفل نماز داخل ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں قیام کی نماز کا آدھا ثواب اور کروٹ لیٹ کر نماز پڑھنے میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا آدھا ثواب ملے گا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مَنْ صَلّٰی قَاعِدًا لَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلّٰی نَائِمًا (أَیْ مُضْطَجِعًا) فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ۔** (بخاری ۱۰۶۵)

ثواب میں تخفیف صرف اس صورت میں ہے جب کہ قیام کی قدرت کے باوجود قیام نہ کر کے بیٹھ کر نماز پڑھے۔ بغیر عذر کے بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنے کی صورت میں بھی رکوع اور سجود کے لیے بیٹھنا لازم ہے۔

قدرت کے باوجود کروٹ لیٹنے کے عوض چت لیٹ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔
ارکان نماز میں سب سے افضل قیام ہے۔اس کے بعد سجود اور پھر رکوع اور اس کے بعد بقیہ ارکان کا درجہ مساوی ہے۔
تطویل یعنی قیام کو طویل کرنا افضل ہے،اس کے بعد سجود میں تطویل افضل ہے اور پھر رکوع میں۔

قیام سے عاجز ہو

قیام سے عاجز ہونے سے مراد یہ ہے کہ قیام میں اتنی تکلیف محسوس کی جائے کہ نماز کو خشوع اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنے میں کمی ہو۔اگر انفرادی حالت میں قیام کرسکتا ہو اور جماعت میں قیام نہ کرسکتا ہو تو منفرد نماز پڑھنے کو ترجیح ہے، جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں کچھ حصہ میں قیام اور کچھ حصہ بیٹھ کر نماز پڑھی جاسکتی ہے۔اسی طرح ایک ہی قیام کا کچھ حصہ کھڑے رہ کر اور کچھ بیٹھ کر بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔
کشتی پر سوار کو قیام میں ڈوبنے یا سر چکرانے کا ڈر ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے اور اس نماز کا اعادہ نہیں ہے۔اسی طرح کسی بیماری یا جنگ کے خطرہ میں بھی عمل ہوسکتا ہے۔
اگر قیام سے عاجز نہ ہو بلکہ رکوع اور سجود سے عاجز ہو تو قیام ہی کی حالت میں پوری نماز پڑھے اور رکوع اور سجود کے لیے پشت کو خم کر کے جھک کر اشارہ کرے۔
بیٹھ کر نماز پڑھنے میں اجازت ہے کہ جس طرح چاہے بیٹھے۔بعض نشستوں کے نام یہ ہیں: افتراش،تورک،تربع،تمدید اور اقعاء۔
افتراش کے معنی بچھانے کے ہیں اور شرع میں افتراش بائیں ٹخنے پر اس طرح بیٹھنے کو کہتے ہیں کہ ٹخنے کی پشت زمین پر ہو اور داہنا پاؤں اس طرح رکھے کہ انگلیوں کے کنارے زمین پر قبلہ رخ ہوں،اس نشست میں پاؤں کو بطور فرش بچھایا جاتا ہے۔اس لیے اس نشست کو افتراش کہا جاتا ہے۔
تورک کی شکل یہ ہے کہ افتراش کی ہیئت سے تجاوز کر کے بایاں پاؤں داہنے

جانب نکالا جائے اور ورک یعنی چوتڑ زمین پر رکھی جائے۔

تربیع چارزانو یعنی دونوں رانیں اور دونوں پنڈلیاں چاروں کو ملا کر بیٹھنے کو کہتے ہیں۔

تمدید پاؤں کو زمین پر دراز کر کے بیٹھنے کو کہتے ہیں۔

اقعاء گھٹنوں کو سیدھے کھڑا کر کے چوتڑ زمین پر رکھ کر کتے اور بندر کی طرح بیٹھنے کو کہتے ہیں۔

افتراش خاص عبادت کی نشست ہے۔ نماز میں افتراش کی نشست تربع سے افضل ہے اور تربع دوسری نشستوں سے افضل ہے۔ اقعاء نماز میں مکروہ ہے۔

اضطجاع کروٹ لیٹ کر نماز پڑھنے کو کہتے ہیں۔

بیٹھ کر نماز نہ پڑھی جاسکے تو سیدھی کروٹ لیٹ کر نماز پڑھے۔ یہ بھی نہ ہوسکے تو چت لیٹ کر، سر کے نیچے تکیہ دے کر سر اور سینہ کو اس طرح اٹھا کر نماز پڑھے کہ بدن کے بالائی حصہ کا قبلہ کی طرف رخ ہوسکے اور پاؤں کے تلوے قبلہ رخ ہوں۔ رکوع اور سجود کے لیے سر سے اشارہ کرے۔ سجود کا اشارہ رکوع کے اشارے سے زیادہ پست ہونا چاہیے۔

یہ بھی نہ ہوسکے تو پلکوں سے اشارہ کرے۔ اس سے بھی عاجز ہو تو نماز کے سارے افعال قولی ہوں خواہ فعلی، دل میں اس طرح جاری رکھے کہ گویا قیام، رکوع اور سجود کی حالتیں ایک کے بعد ایک تبدیل ہو رہی ہیں۔

نماز کبھی معاف نہیں

شرعی تکلیف یعنی ذمہ داری کا دارومدار عقل پر ہے اور جب تک کہ عقل قائم ہے نماز ساقط نہیں ہوتی۔ یہی قول مالکیہ اور حنفیہ کا بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ جب موت آ پہنچے اور سر کے اشارہ سے بھی عاجز ہو جائے تو فرض ساقط ہو جائے گا۔

میزان کے حوالہ سے بجیرمی نے اس قول کی کیا خوب وجہ بیان کی ہے کہ جب موت پہنچ گئی اور اس کو دیکھ لیا تو اللہ کی طرف اس طرح مشغول ہو جاتا ہے کہ عبادت کے افعال کا تصور باقی نہیں رہتا۔

شارع نے نماز کے اقوال اور افعال پر عمل کرنے کے لیے اس لیے ہدایت کی ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وسیلہ ہیں اور جب حضوری حاصل ہوگئی اور دل قائم ہوگیا تو اس کا حکم ولی مجذوب کا حکم ہو جاتا ہے۔

اباحیوں کا ایک فرقہ دعوی کرتا ہے کہ آدمی جب اللہ تعالی کی محبت میں انتہائی درجہ کو پہنچ جاتا ہے تو اس کے اور اللہ کے درمیان ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ شرعی تکلیف اور ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے اور اوامر اور نواہی کی پابندی برخاست ہو جاتی ہے اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے بھی دوزخ کی آگ میں داخل نہ ہوگا۔

علامہ تفتازانی کہتے ہیں کہ یہ کفر وضلالت ہے، اس لیے کہ محبت ااور ایمان میں سب سے زیادہ کامل ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی تھیں اور خاص کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ حبیب اللہ تھے، باوجود اس کے آپ کے حق میں شرعی تکالیف پوری کی پوری تھیں۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ میں سے تھے اور آپ کو بواسیر کی شدید شکایت تھی۔ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا:

''صَلِّ قَائِمًا فَإِن لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا ،فَإِن لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ ، فَإِن لَّمْ تَسْتَطِعْ فَمُسْتَلْقِيًا، لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا '' (بخاری ۱۰۶۶) کھڑے ہوکر نماز پڑھو، اگر نہ ہو سکے تو بیٹھ کر، پس اگر نہ ہو سکے تو کروٹ کے بل، پس اگر نہ ہو سکے تو چت لیٹ کر۔ اللہ تعالی کسی نفس کو مکلّف نہیں کرتا مگر اس کی طاقت کے مطابق۔

عمران رضی اللہ عنہ ایسے صحابی تھے کہ ان پر فرشتے کھلی آواز سے سلام بھیجتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر شفایاب ہوئے، مگر فرشتے غائب ہوگئے، انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرشتوں کے حجاب کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ ان کے حجاب کی باعث تمہاری شفایابی ہے۔ عمران نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی کہ یارسول اللہ! اس شفا سے تو وہ مرض ہی اچھا تھا، مرض کے عود کرنے کے لیے دعا فرمائیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی، بیماری دوبارہ ہوئی اور فرشتے بھی دوبارہ سلام کرنے لگے۔ (ابوداود: باب فی الکی ۳۸۶۷)

۳۔تکبیر احرام

احرام کے معنی تحریم اور حرام کرنے اور روکنے کے ہیں۔اس تکبیر کو تکبیر احرام اس لیے کہا گیا ہے کہ جو باتیں اس سے پہلے حلال تھیں اس کے بعد حرام ہو جاتی ہیں۔کھانا پینا معمولی طور پر حلال ہے لیکن نماز کے لیے تکبیر احرام کہنے کے بعد اثنائے نماز میں کھانا پینا حرام ہے۔

نیت کے ساتھ ہی تکبیر احرام کہنا واجب ہے۔شیخان نے اس حدیث کی روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ، ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَع حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ صَلَاتِكَ كُلِّهَا**'' (بخاری:۶۲۵۱،مسلم:باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ ۹۱۱،یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے)

دوسری حدیث طریقہ نماز کے بارے میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ**'' (ابن حبان: ذکر البیان بأن قولہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوا کما رأیتمونی أصلی ۱۰۶۹۔ص۵/۵۰۴۔یہ روایت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے ہے) نماز پڑھو جیسا کہ مجھ کو نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔

تکبیر صحیح ہونے کی شرطیں

تکبیر صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں:

تکبیر کے الفاظ اللہ اکبر ہیں اور ان الفاظ کو عربی زبان میں کہنا واجب ہے۔ان دونوں لفظوں کے درمیان واو ساکن کا اضافہ بھی ممنوع ہے۔دونوں لفظوں کے درمیان فصل بھی نہ کیا جائے۔مختصر وقفہ کی نسبت اختلاف ہے مگر معتمد یہ ہے کہ مختصر وقفہ بھی صحیح نہیں۔ان دونوں الفاظ میں سے کسی کو تبدیل کرنا بھی جائز نہیں جیسا کہ **الرحمن اکبر ۔ اللہ کبیر** یا **عظیم** یا **أعظم**،مبتدا پر خبر کی تقدیم بھی جائز نہیں جیسا کہ ''اکبر اللہ''،بخلاف سلام کے جس میں خبر کی تقدیم جائز ہے،جیسا کہ السلام علیکم کے عوض وعلیکم السلام۔

تکبیر کے الفاظ اتنی آواز میں کہنا شرط ہے کہ معمولی طور پر خود سن سکے۔فرض اور وقت والی اور سبب والی نفل نماز کی تکبیر احرام کا نماز کے وقت کے اندر ہونا شرط ہے۔

تکبیر احرام استقبال قبلہ کی حالت میں کہے۔

مقتدی کی تکبیر احرام امام کی تکبیر احرام کے بعد ہو۔اگر امام کی تکبیر اور مقتدی کی تکبیر کے بعض اجزاء ایک ساتھ واقع ہو جائیں تو مقتدی کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

تکبیر احرام کو زیادہ کھینچ کر لمبی کر کے بھی نہیں بولنا چاہیے اور نہ اتنا اختصار کے ساتھ کہ الفاظ سمجھ میں نہ آسکیں۔

تکبیر انتقالی جو تکبیر احرام کے بعد دوسرے ارکان کے وقت کہی جاتی ہے اس کو اس قدر کھینچنا مندوب ہے کہ ایک رکن سے دوسرے رکن کو پہنچنے تک جاری رہے جیسا کہ اعتدال سے سجدے میں جاتے ہوئے یا سجدے سے قیام میں آتے ہوئے۔

امام کو چاہیے کہ تکبیر احرام اور تکبیراتِ انتقالی کو پکار کر کہے اور ماموم اور منفرد آہستہ کہے۔اگر امام کی آواز پوری جماعت کو نہ پہنچ سکے تو ایک یا زیادہ مقتدی کے لیے جیسی کہ ضرورت ہو مندوب ہے کہ تکبیرات پکار کر کہیں تا کہ دوسروں کو سنائی دیں۔حدیث صحیحین یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ مرض میں نماز پڑھائی تو ابوبکر صدیق تکبیرات پکار کر کہتے رہے۔

(صحیحین کے الفاظ یہ ہیں: ”فكان أبو بكر يصلي بصلاة رسول الله ﷺ والناس يصلون بصلاة أبي بكر“۔بخاری: ۶۸۳، مسلم: باب استخلاف الإمام......۹۷۰، یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے)

تکبیر احرام کے وقت نیت اور تکبیر ایک ساتھ ہونے کی نسبت شک پیدا ہو کر بار بار جو تکرار کی جاتی ہے اس کو وسوسہ کہتے ہیں اور وسوسہ شیطان کا کھیل ہے اور عبادات میں وسوسہ عقل کے فتور اور دین کی کمزوری پر دلالت کرتا ہے۔

تکبیر تحریمہ کا ترجمہ

جو شخص تکبیر کے عربی الفاظ کو ادا نہیں کر سکتا۔عربی الفاظ کے سیکھنے تک اس کا ترجمہ جس کسی زبان میں چاہے کہہ سکتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ معنی میں اور ترجمہ میں تجاوز نہ کرے۔ترجمہ

میں کسی زبان کی قید نہیں ہے۔ ہر ایک زبان میں لفظی ترجمہ کہہ سکتا ہے مثال کے طور پر اللہ اکبر کا فارسی ترجمہ ''خدائے بزرگ تر'' ہے۔ بزرگ تر کے عوض بزرگ کہے تو غلط ہو جائے گا۔

مقارنت: نیت کے ساتھ بغیر فصل کے نیت کے استحضار کے ساتھ تکبیر احرام کہنا واجب ہے۔ تکبیر کہتے وقت نیت کے متعلقہ امور کا استحضار چاہیے۔ کس نماز میں کن امور کا استحضار رہنا چاہیے؟ نیت کے بیان میں صراحت کی جا چکی ہے۔

جو قول متقدمین کا تھا وہی امام شافعی کا تھا کہ نیت کے متعلقہ امور کا استحضار تکبیر کے الفاظ کے آغاز سے آخر تک رہنا چاہیے، لیکن متاخرین کی رائے ہے کہ مقارنت اور استحضار دونوں عرفی مراد ہیں، اس طرح کہ نماز کے امور کا اجمالی طور پر استحضار ہو اور اس استحضار کے ساتھ تکبیر کے کسی جزء کی بھی مقارنت ہو جائے تو کافی ہے اور آسان یہی ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج:۷۹) تمہارے لیے دین میں کوئی تکلیف نہیں بنائی۔

حج اور دوسری عبادتوں میں بھی نیت کی مقارنت واجب ہے سوائے روزے کے۔

خلاصہ یہ کہ استحضار کی دو قسمیں ہیں؛ حقیقی اور عرفی اور اسی طرح مقارنت اور استحضار کی دو قسمیں ہیں؛ حقیقی اور عرفی۔ متاخرین اور عام فقہائے شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ تکبیر احرام اور نیت میں مقارنت اور استحضار دونوں عرفی طور پر واجب ہیں، نہ کہ حقیقی طور پر۔

تعلیم: تکبیر کے عربی الفاظ معلوم نہ ہوں تو ان کا سیکھنا بھی واجب ہے، اس لیے کہ اصول یہ کہ ''مَالَا يَتِمُّ الْوَاجِبُ إِلَّا بِهِ فَهُوَ وَاجِبٌ'' جس چیز کے بغیر واجب کی تکمیل نہیں ہوتی وہ بھی واجب ہے۔

سیکھنے کے لیے سفر کی ضرورت ہو تو سفر بھی واجب ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد تکبیر کا سیکھنا بھی واجب ہے، ورنہ بلوغ کے بعد۔

رفعِ یدین

تکبیر احرام کے وقت رفع یدین کرنا مسنون ہے اور اس پر چاروں ائمہ متفق ہیں۔

رفع یدین کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اس طرح اٹھائیں کہ ہتھیلیاں قبلہ کے رخ ہوں اور انگلیاں ہتھیلی کی جانب ذرا مڑی ہوئی ہوں۔ انگلیاں آپس میں اوسط طور پر کھلی ہوئی ہوں۔ انگلیوں کی نوکیں کانوں کے اوپر کے کنارے کے مقابل، انگوٹھا کان کے لو کے مقابل اور ہتھیلی کی پشت مونڈھے کے مقابل ہو۔

تکبیر احرام کے بعد دل میں نیت کا ساتھ رہنا واجب نہیں ہے یعنی تکبیر کے بعد سے نماز کے ختم ہونے تک نماز پڑھنے کی نیت کو تفصیل کے ساتھ یاد رکھنا واجب نہیں ہے۔ مسنون یہ ہے کہ نیت کے منافی کوئی بات دل میں نہ لائے۔ اگر نماز سے نکلنے کا ارادہ کرے یا نماز کو جاری رکھنے یا نماز سے نکلنے کی نسبت تردد پیدا ہو تو نماز باطل ہوتی ہے، بخلاف وضو کے۔

نیت توڑنے سے متعلق عبادتوں کی قسمیں

نیت توڑنے کے لحاظ سے عبادات کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم اسلام اور نماز کی ہے جو خروج نیت کے ساتھ ہی باطل ہو جاتے ہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دوسری قسم حج اور عمرہ کی ہے جن میں نکلنے کی نیت کا کوئی اثر نہیں، اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے، کیوں کہ یہ دونوں عبادتیں فاسد کرنے سے باطل نہیں ہوتیں۔

تیسری قسم روزے اور اعتکاف کی ہے۔ اصح یہ ہے کہ یہ دونوں نکلنے کی نیت سے باطل نہیں ہوتے، حج کی طرح۔

چوتھی قسم وضو کی ہے اور اصح یہ ہے کہ وضو جس قدر ہو چکا نکلنے کی نیت سے وہ باطل نہیں ہوتا لیکن بقیہ کے لیے نیت کی تجدید ضروری ہے۔

اختلاف: ائمہ ثلاثہ کا قول ہے کہ تکبیر احرام کے عربی الفاظ اللہ اکبر کا کہنا واجب ہے اور استدلال یہ ہے کہ شارع نے عربی میں تکبیر کے جو الفاظ مقرر کئے ہیں وہی اولی ہیں اور ان میں تعبد (عبادت) ہے۔ حنفیہ کا قول ہے کہ بغیر عربی الفاظ کے بھی نماز منعقد ہوتی ہے۔ اللہ تعالی سب زبانیں جانتا ہے اور اللہ تعالی کے لیے عربی زبان اور دوسری زبانوں

میں کوئی فرق نہیں ہے۔
شافعیہ کے نزدیک نیت اور تکبیر تحریمہ ساتھ رہنا شرط ہے اور ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ تکبیر کے پہلے نیت پائی جانا کافی ہے۔

۴۔ قراءت سورہ فاتحہ:

ہر ایک رکعت میں واجب ہے، نماز سری ہو یا جہری، امام ہو یا ماموم ہو یا منفرد۔
حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**لَا صَلَاةَ لِمَن لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ**'' (بخاری ۷۲۳، مسلم ۳۹۴) جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہ ہوگی۔
شافعیہ کا استدلال یہ ہے کہ لفظ صحت یہاں محذوف ہے اور اس حدیث میں نماز صحیح ہونے کی نفی مطلوب ہے، بخلاف بعض ائمہ کے، جنھوں نے لفظ کمال کو محذوف قرار دیا ہے۔
سورہ فاتحہ کے پڑھنے سے صرف وہ مقتدی مستثنیٰ ہے جس نے جماعت میں اتنی دیر سے شرکت کی ہو کہ سورہ فاتحہ کے پڑھنے کی گنجائش نہ رہے۔
قراءت کے معنی پڑھنے کے ہیں اور پڑھنے میں زبانی اور حافظہ سے پڑھنا اور دوسرے شخص کے بولتے جانے پر پڑھنا اور قرآن میں دیکھ کر پڑھنا داخل ہے۔
سورہ فاتحہ کے وجوب کے لیے نماز کے فرض ہونے کی قید نہیں ہے۔ نفل نماز میں بھی سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔
فقہاء نے سورہ فاتحہ کے بہت سے نام بتلائے ہیں جن کے منجملہ دس نام یہاں درج کئے جاتے ہیں: الفاتحہ۔ الشافعیہ۔ حدیث: **هِيَ شِفَاءٌ لِكُلِّ دَاءٍ**۔ (اس طرح کے الفاظ نہیں ملے، البتہ سورہ فاتحہ کے سلسلہ میں عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ابوسعید خدری سے یہ روایت ہے: ''فاتحة الكتاب شفاء من كل سم'' ۲۶/۳۸۲) ہر مرض کی اس میں شفاء ہے۔ الکافیہ۔ الوافیہ۔ اُم القرآن۔ اُم الکتاب۔ السبع المثانی۔ اس لیے کہ اس میں سات آیتیں ہیں جو ہر نماز میں دہرائی جاتی ہیں۔ الحمد۔ الصلاۃ۔ اس لیے کہ ہر نماز میں فرض ہے۔
بنیادی بات یہ ہے کہ ناموں کی کثرت سورہ فاتحہ کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔

علماء کا قول ہے کہ سورہ فاتحہ کو چالیس مرتبہ پڑھا جائے تو درد میں کمی ہوگی۔ کسی محفل یا جلسہ کے آغاز یا اختتام پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا مسنون نہیں ہے بلکہ سورہ والعصر کا پڑھنا مسنون ہے جس میں صبر اور حق کی وصیت اور تلقین کی گئی ہے۔

نسفی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ کتب سماوی جو دنیا میں نازل ہوئیں، ان کی تعداد ایک سو چار ہے؛ حضرت شیث پر ساٹھ صحیفے، حضرت ابراہیم پر تیس صحیفے، حضرت موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے اور توریت، انجیل، زبور اور فرقان۔ ان سب کتابوں کے معانی قرآن میں جمع کئے گئے ہیں۔ قرآن کے معنی فاتحہ میں، فاتحہ کے معنی بسم اللہ میں اور بسم اللہ کے معنی اس کے ب میں اور بعض نے لکھا کے ب کے معانی اس کے نقطہ میں پنہاں ہیں۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ سورہ فاتحہ میں قرآن کے سارے معانی پوشیدہ ہیں۔ گویا کہ وہ ایک مختصر فہرست ہے جس کی تفصیل بقیہ قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ تمام الٰہیات کا علم اس ایک آیت۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ میں اور دار آخرت کے امور کی طرف مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں اشارہ ہے۔ عبادات کے کل کے کل خواہ ان کا تعلق محض اعتقادات سے ہو یا احکام سے متعلق ہوں جن پر کہ اوامر و نواہی مبنی ہیں إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں مضمر ہیں، شریعت کی طرف نسبت إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں، انبیاء اور غیر انبیاء کا ذکر أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں ہے اور طوائف کفار کی طرف غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ میں اشارہ ہے۔

سورہ فاتحہ کی شرطیں

سورہ فاتحہ کی شرطیں گیارہ ہیں:

۱۔ اتنی آواز میں پڑھے کہ خود معمولی طور پر صحتِ سماعت کی حالت میں اور جب کہ شور وغل نہ ہو سن سکے۔

۲۔ ترتیب سے یعنی مقررہ سلسلہ سے الفاظ اور آیتوں کو پڑھے۔ اگلے لفظ کو پیچھے اور پچھلے لفظ کو آگے نہ پڑھے۔

۳۔مولات یعنی بغیر فصل کے مسلسل پڑھے۔سانس لینے کی وجہ سے جووقفہ ہوتا ہے وہ فصل میں شمار نہ ہوگا۔بغیر عذر کے طویل خاموشی سے قراءت منقطع ہوجاتی ہے۔عمداً مختصر خاموشی سے بھی منقطع ہوجائے گی۔اگر کوئی آیت فراموش ہوگئی ہواوراس کے یاد کرنے میں دیر ہوجائے تواس میں مضائقہ نہیں۔سورہ فاتحہ کے درمیان کوئی ذکر کرے تو بھی منقطع ہوجائے گا جیسا کہ چھینکنے پرالحمد للہ کہے یامستاذن(گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت چاہنے والے) کے جواب میں تسبیح پڑھے تو قراءت منقطع ہوجائے گی اوران صورتوں میں سورہ فاتحہ کا اعادہ کرنا ہوگا۔سہواًیاناواقفیت کی وجہ سے ذکرزبان پرآجائے تو قراءت منقطع نہ ہوگی۔

اگر ذکر کا تعلق نماز کی مصلحت کی وجہ سے ہوتو قراءت منقطع نہ ہوگی۔اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ماموم سورہ فاتحہ پڑھ رہا ہواورامام کی سورۂ فاتحہ کی قراءت ختم ہوجائے اور **ولا الضالین** بولے تو ماموم بھی امام کے ساتھ آمین کہے گا۔امام کے سوائے کسی غیر شخص کی قراءت پر ماموم اپنی نماز میں آمین نہیں کہہ سکتا،ورنہ قراءت منقطع ہوجائے گی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ امام قراءت پڑھتے پڑھتے رک جائے تو ماموم لقمہ دینے سے ماموم کی قراءت منقطع نہیں ہوتی۔لقمہ دینے میں سورہ فاتحہ اوردوسری سورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۴۔حروف کی رعایت رکھے۔کوئی حرف ترک نہ ہونے پائے۔ایاک نعبد و نستعین کے درمیان جوواوعطف ہے ترک نہ ہوجائے۔

کوئی حرف تبدیل نہ ہونے پائے۔الذین کے ذال کو دال سے نہ بدلے۔الحمد للہ کے حاءکو ھاء سے اور ولا الضالین کی ضاد کو ظاء سے نہ بدلے۔

۵۔تشدیدوں کی رعایت رہے۔ہرایک تشدید برابر ادا ہو۔سورہ فاتحہ میں بشمول بسم اللہ کے چودہ تشدید ہیں،''ایاک'' کی یاء کی تشدید کو ترک نہ کرے۔

۶۔اعراب کی ایسی تبدیلی نہ ہوجس سے معنی میں تبدیلی ہو۔أنعمت کے تاء کے زبر کو پیش کردے تو مخاطب کے عوض متکلم کے معنی ہوجائیں گے۔اعراب کی ایسی تبدیلی جس سے معنی میں تغیر نہ ہواس سے کوئی حرج نہیں جیسا کہ نعبد کے باء کو پیش کے عوض زیر یا زبر

پڑھنے سے معنی نہیں بدلتے لیکن ایسا عمداً کرنا حرام ہے۔
۷۔ایسے انداز میں نہ پڑھے جس سے معنی میں تغیر پیدا ہو۔
۸۔کسی لفظ کو تبدیل نہ کرے۔

بسم اللہ ایک آیت ہے

۹۔پوری آیتیں پڑھے۔سورہ فاتحہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی ایک آیت ہے، دارقطنی نے ابو ہریرہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے: ''إِذَا قَرَأْتُمُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاقْرَؤُوا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ إِنَّهَا أُمُّ الْقُرْآنِ وَأُمُّ الْكِتَابِ وَالسَّبْعِ الْمَثَانِيُ'' (دارقطنی میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''سئل علی عن السبع المثانی؟ فقال: الحمد لله۔ فقيل له: إنما هی ست آيات؟ فقال: بسم الله الرحمن الرحيم آية'' ۱۱۹۴ص۲/ ۸۷۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے السنن الکبری میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایک آیت ہونے کی روایت مرفوعا اور موقوفاً دونوں ہے، باب الدلیل علی أن بسم اللہ......۲/ ۴۵ حد ۲۴۸۴) جب تم سورہ الحمد پڑھو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی پڑھو۔اس لیے کہ وہ اُم القرآن اور اُم الکتاب اور سبع مثانی ہے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ایک آیت اور الحمد للہ رب العالمین سے آخر تک چھ آیتیں شمار کی تھیں۔(ابن خزیمہ)

بسم اللہ ہر سورہ کی آیت ہے

قرآن مجید میں جتنی سورتیں ہیں ان سب میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اولین پوری آیت ہے، سوائے سورہ براءت کے۔اجماع اس پر ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے زمانہ میں قرآن مجید جس خط اور سیاہی میں لکھا جاتا تھا، اسی خط اور سیاہی میں ہر ایک سورہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی لکھا جاتا تھا۔بخلاف اعشار وغیرہ کی علامتوں کے جو دوسرے خط اور سیاہی میں لکھی جاتی تھیں۔

اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے لکھنے سے مقصود صرف دو سورتوں کے درمیان فصل کو

ظاہر کرنا ہوتا تو سورۂ براءت کے پہلے بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا جاتا اور سورہ فاتحہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھا جاتا۔ اس لیے کہ اس سے قبل کوئی سورہ ہی نہیں ہے جس سے فصل کا اظہار مقصود ہو۔

رملی کا قول ہے کہ تسمیہ کہنا سورہ براءت کے آغاز میں مکروہ ہے اور درمیان میں مسنون۔ ابن حجر اور خطیب کا قول ہے کہ تسمیہ کہنا سورہ براءت کے آغاز میں حرام اور درمیان میں مکروہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں علی رضی اللہ عنہ نے یہ توجیہ بیان کی تھی کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے مفہوم میں امان اور شفقت ہے اور سورۃ براءت میں امان نہیں ہے۔

۱۰۔ سورہ فاتحہ عربی زبان ہی میں پڑھے جس زبان میں کہ نازل ہوا ہے۔ قرآن کا معجزہ یہی ہے کہ عربی زبان میں باقی رہے گا۔ دوسری کسی زبان میں اس کا ترجمہ پڑھنا ممنوع ہے۔ سورہ فاتحہ یاد نہ ہو اور اس کے سیکھنے کی کوئی تدبیر بھی نہ ہو تو اس کے عوض ذکر کیا جائے جیسا کہ **سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ مَا شَاءَ اللّٰہُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ**۔ پھر اسی کو دہرایا جائے یا اس پر اضافہ کیا جائے تا کہ سورہ فاتحہ کے مساوی ہو۔

دعا بھی ذکر کی طرح ہے، عربی میں کوئی دعا بھی یاد نہ تو اپنی زبان میں دعا مانگے۔ قرآن، ذکر اور دعا کے حروف مجموعی طور پر سورہ فاتحہ کے حروف سے کم نہ ہوں۔ مالک کے الف کو شامل کر کے سورہ فاتحہ کے جملہ حروف ۱۵۶ ہیں اور اس الف کو حذف کر کے ۱۵۵ ہوتے ہیں۔

بعض فقہاء کا دستور ہے کہ پہلی رکعت میں مالک کے الف کو ظاہر کر کے اور دوسری رکعت میں اس کو حذف کر کے پڑھتے ہیں۔

زیادی نے چودہ تشدیدوں کو چودہ حروف اور دو جگہ صراط کے الف کو ایک ایک الف اور ضالین کے الف کو ایک الف اور اس طرح سترہ حروف کو کم کر کے جملہ ۱۳۸ حروف شمار کئے ہیں۔

اگر کسی شخص کو قرآن، ذکر اور دعا کچھ بھی یاد نہ ہو تو اتنی دیر کھڑا رہے جتنی دیر میں سورہ

فاتحہ اوراس کے ساتھ دوسرا سورہ پڑھا جائے۔خالی کھڑا رہنے میں زبان کو حرکت دینا واجب نہیں ہے۔

۱۱۔آخری گیارھویں شرط یہ ہے کہ پوراسورہ فاتحہ قیام کی حالت میں پڑھے۔اگرکسی عذرکی بناپرقیام سے عاجز ہواور بیٹھ کریا کروٹ لیٹ کرنماز پڑھےتواسی حالت میں سورہ فاتحہ پڑھے۔

اگر ماموم کوعلم ہو کہ امام سورہ فاتحہ کے بعد ختم سورہ نہ کرے گا یا ایسا مختصر سورہ پڑھے گا کہ ماموم کے لیے سورہ فاتحہ کا پڑھنا دشوار ہوگا تو وہ امام کے ساتھ ہی سورہ فاتحہ پڑھ سکتا ہے۔

تامین

سورہ فاتحہ کے ختم ہونے کے بعد تھوڑا سا وقفہ دے کر آمین کہنا مسنون ہے۔ترمذی نے یہ روایت نماز کے بارے میں نقل کی تھی، اسی پر قیاس کر کے بیرون نماز بھی آمین کہنا مسنون قرار دیا گیا۔آمین کے معنی استجب صیغہ اُمر کے ہیں۔یعنی قبول کر۔قراءت پکار کر پڑھ رہا ہوتو آمین بھی پکار کر ورنہ آہستہ کہے۔

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں جب کہ نماز جہری ہواورامام ولا الضالین کہے تو تھوڑے وقفہ کے بعد ہی امام کے ساتھ ماموم بھی آواز سے آمین کہے۔یہی ایک موقع ہے جب کہ امام اور ماموم دونوں میں مقارنت (ایک ساتھ رہنا) مسنون ہے۔

جماعت میں ماموم اپنی قراءت پرآمین آواز سے نہ کہے۔وقفہ سے مراد سبحان اللہ کہنے کے وقت سے زیادہ۔

سکتات:

نماز میں چھ سکتے مسنون ہیں۔سکتہ ٹھہرنے اور وقوف کرنے کو کہتے ہیں۔اثنائے نماز میں سکوت جائز نہیں ہے۔سوائے ان چھ صورتوں کے:

۱۔تکبیر احرام اوردعائے افتتاح (توجیہ) کے درمیان۔

۲۔دعائے افتتاح اورتعوذ کے درمیان۔

۳۔تعوذ اور سورہ فاتحہ کے درمیان۔

۴۔سورہ فاتحہ کے ختم ہونے کے بعد اور آمین کہنے سے پہلے۔

۵۔آمین کہنے کے بعد اور کوئی دوسرا سورہ شروع کرنے سے پہلے۔منفرد کے لیے بھی یہ سکتہ اس لیے مسنون ہے کہ ماموم کو سورہ فاتحہ کے پڑھنے کا موقع ملے۔

۶۔رکوع سے پہلے۔

اختلاف: امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ مصلی کو اختیار ہے کہ سورہ فاتحہ عربی میں پڑھے یا فارسی میں، لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد نے اس قول میں ترمیم کی ہے کہ اگر مصلی عربی میں سورہ فاتحہ اچھی طرح پڑھ سکتا ہے تو اس کے لیے عربی کے بجائے دوسری زبان میں اس کا ترجمہ پڑھنا صحیح نہیں ہے اور اگر عربی میں اچھی طرح نہ پڑھ سکتا ہو تو اپنی زبان میں ترجمہ پڑھ سکتا ہے، حنفیہ اسی ترمیم شدہ قول کی اتباع کرتے ہیں۔ائمہ ثلاثہ کا قول ہے کہ سورہ فاتحہ کی قراءت بغیر عربی اور نزولی زبان کے صحیح نہیں ہوسکتی۔

۵۔رکوع

رکوع کے معنی جھکنے کے ہیں۔

شرع میں اقل رکوع جو فرض ہے یہ ہے کہ اس قدر سیدھا سامنے کی جانب جھکے کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں دونوں گھٹنوں تک پہنچیں، یہ اس شخص کے لیے ہے جو کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو اور رکوع میں جاسکتا ہو اور جس کی جسمانی ساخت میں کوئی نقص نہ ہو، ہاتھ اور گھٹنے صحیح سلامت ہوں۔

حضرت علی سے روایت کی گئی ہے کہ معراج کے بعد دوسرے دن عصر کی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا اور آپ کے ساتھ سبھوں نے رکوع کیا اور نماز کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ یہ کیا تھا؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بِھٰذَا اُمِرْتُ ''۔مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے۔(مسند البزار ۱۸۱/۱ص ۵۶/۳)

عصر سے پہلے ظہر کی نماز بھی ہوئی تھی مگر اس میں رکوع نہیں کیا گیا۔ پنجوقتہ نمازوں کے فرض ہونے سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ اللیل پڑھتے تھے اور ان میں بھی رکوع نہیں کرتے تھے۔ ان واقعات سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ سابقہ امتوں کی نمازوں میں رکوع نہیں تھا اور رکوع اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔

رکوع میں سیدھا جھکنے سے مراد یہ ہے کہ ٹیڑھا بنگا، سر اٹھا ہوا، گردن مڑی ہوئی، سینہ نکلا ہوا اور کمر خمی ہوئی ہیئت میں نہ جھکے۔

اکمل رکوع جو مندوب ہے یہ ہے کہ پشت اور گردن ایک سلسلہ میں مسطح رہیں اور کہیں کوئی خم نہ ہو، گھٹنے سیدھے ہوں۔ ہتھیلی چپٹی ہڈی پر ہو اور ہاتھ کے پنجے سے گھٹنے کو اس طرح پکڑے کہ ہاتھوں کی انگلیاں کسی قدر کھلی ہوئی ہوں۔

بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے لیے اقل رکوع یہ ہے کہ اتنا جھکے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل ہو جائے اور اکمل رکوع یہ ہے کہ پیشانی سجدہ کی جگہ کے مقابل ہو جائے مگر سجدہ گاہ کو چھوئے نہیں۔ اگر پیشانی سجدہ گاہ کو چھو جائے گی تو رکوع کے عوض سجدہ ہو جائے گا۔

عذر والے کو مذکورہ طریقہ کے مطابق رکوع میں جھکنا ممکن نہ ہو تو جتنا ممکن ہو جھکے اور اگر جھک ہی نہ سکے تو سر سے اشارہ کرے اور سر سے اشارہ نہ کر سکے تو آنکھوں سے کرے۔

۶۔ رکوع میں طمانینت

طمانینت حرکت کے بعد سکون کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ دو حرکتوں کے درمیان سکون کو طمانینت کہتے ہیں۔

اقل طمانینت یہ ہے کہ رکوع کی حالت میں اعضاء کو سکون اور قرار حاصل ہو۔ بعض فقہاء نے طمانینت کو مستقل نہیں بلکہ دوسرے رکن کے تابع قرار دیا ہے۔ لیکن دونوں اقوال میں یہ شرط لازم ہے کہ طمانینت کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوسکتی۔ اس لیے ان اقوال کے اختلاف کو لفظی تصور کیا گیا ہے۔ ارکانِ صلاۃ کی تعداد کے ضمن میں تفصیل سے اس بارے میں بحث کی گئی ہے۔

۷۔ اعتدال

رکوع سے اٹھنے کے بعد رکوع سے قبل کی ہیئت میں واپس آنے کو اعتدال کہتے ہیں۔ رکوع کے بعد کھڑا قیام کی حالت میں اور بیٹھا قعود کی حالت میں واپس آئے گا۔

اعتدال کے لفظی معنی برابری اور استقامت وراستی کے ہیں۔ اعتدال نفل نماز میں بھی رکن ہے۔ بعض کا قول ہے کہ نفل میں اعتدال واجب نہیں ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ترک کرنے سے نفل نماز باطل نہیں ہوتی۔

۸۔ اعتدال میں طمانینت

اعتدال کی حالت میں اس قدر توقف کیا جائے کہ اعضاء کو سکون اور قرار حاصل ہو۔ سجدہ میں جانے کے بعد شک ہو کہ اعتدال کی تکمیل ہوئی یا نہیں تو واجب ہے کہ اعتدال کی حالت میں آئے اور طمانینت کرے اور اس کے بعد سجدہ میں جائے۔

۹۔ سجود

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ (العلق ۱۹) اور سجدہ کرو اور قربت حاصل کرو۔ یہ بھی فرمانِ تعالی ہے: ﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ (الفتح ۲۹) سجدہ کے اثر سے ان کے چہروں پر نشانی ہے۔

سجدہ کے معنی جھکنے کے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ انکساری کے۔

شرع میں سات اعضاء؛ پیشانی، دونوں ہاتھوں، دونوں پاؤں اور دونوں گھٹنوں کا کچھ حصہ اس مقام پر چپکنے کے ہیں جہاں نماز پڑھی جارہی ہے۔

سجدہ میں واجب ہے کہ سجدہ گاہ پر سر کا وزن پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''إِذَا سَجَدْتَ فَمَكِّنْ جَبْهَتَكَ وَلَا تَنْقُرْ نَقْرًا'' (ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت نہیں ملی، البتہ یہ روایت المعجم الکبیر میں ہے: ''ونهاني إذا سجدت أن أقعي إقعاء القرد، أو أنقر نقر الغراب ......'' ۷۷، ص ۱۹/ ۲۹، یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ ابو داود میں یہ الفاظ ہیں: ''إذا سجدت تمكّن

لسجودک ''یہ روایت رافع رضی اللہ عنہ سے ہے:۸۵۹، باب صلاۃ من لایقیم صلبہ) جب تم سجدہ کرو تو پیشانی پر وزن ڈالو اور ٹھونک نہ مارو (مرغی کی)۔

یہ حکم صرف پیشانی کی نسبت ہے، بقیہ اعضائے سجدہ کے متعلق نہیں ہے۔

سجدہ میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھلی ہوئی قبلہ کے رخ میں گھٹنوں کے مقابلہ میں زمین پر رکھنا اور ران پر اپنا وزن سنبھالنا مندوب ہے۔

واجب ہے کہ اس عمل سے سجدہ ہی مقصود ہو، نہ کہ کوئی اور چیز۔ اگر اعتدال کی حالت سے یک لخت نیچے گر پڑے تو سجدہ نہ ہوگا۔

اس طرح سرنگوں ہونا کہ بیٹھ کر اور کمر وغیرہ اونچی اور سر اور مونڈھے نیچے جائیں واجب ہے۔ اس کو عربی میں ''**تنکیس**'' کہتے ہیں۔

عذر علالت کی وجہ سے اس طرح سجدہ نہ کر سکے تو اس نماز کا اعادہ نہیں ہے۔ اگر تکیہ رکھ کر اس پر سجدہ کرنے میں ''**تنکیس**'' حاصل ہوتی ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ تکیہ پر سجدہ کرنا بے سود ہے۔ ''**تنکیس**'' حاصل نہ ہوتی ہو تو بغیر تکیہ کے جتنا جھک سکتا ہے جھکے۔ حاملہ عورت کے سجدہ کی نسبت بھی یہی حکم ہے۔

دونوں سجدہ کی نوعیت ایک ہے، اس لیے ان کو ایک رکن شمار کیا گیا۔

اقل سجدہ یہ ہے کہ سجدہ کے ساتوں اعضاء کا کچھ حصہ زمین کو لگے۔ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ دھوپ کی شدت سے ہماری پیشانی اور ہاتھ جلتے ہیں اور ہم یہ شکایت ہمیشہ کرتے ہی رہے ہیں۔ (السنن الکبری للبیھقی: باب الکشف عن الجبھۃ فی السجود ۲۷۶۴)

اس روایت کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر پیشانی کا سجدہ کی جگہ لگنا واجب نہ ہوتا تو پیشانی کو ستر کرنے کی ہدایت فرمائی جاتی۔ پیشانی کا کھلی رکھنا واجب اور ہاتھوں اور پاؤں کا کھلے رکھنا مسنون ہے۔ گھٹنوں کا ڈھانپنا واجب نہیں ہے بلکہ کھلا رکھنا مکروہ ہے۔ یہاں گھٹنے کا وہ حصہ مراد ہے جو ستر عورت میں داخل نہیں ہے۔

بجیرمی کا قول ہے کہ عورت کے لیے پاؤں کو بھی ستر کرنا واجب ہے۔

پیشانی اور سجدہ گاہ کے درمیان کوئی چیز حایل ہو تو سجدہ صحیح نہ ہوگا اور نہ ایسی چیز پر سجدہ ہوسکتا ہے جو مصلی کی حرکت کے ساتھ حرکت کرے جیسا کہ آستین اور دامن۔

گھٹنے، ہتھیلی اور پاؤں کی انگلیوں؛ ہر ایک کا کچھ نہ کچھ حصہ زمین پر ٹیکا جائے:

''**أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ: عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ**'' (بخاری ۷۷۹، مسلم ۴۹۰)

اگر سجدہ کی جگہ کوئی سخت چیز آجائے جو پیشانی کو تکلیف دیتی ہو اور سر اٹھائے بغیر اس کو نکالا جاسکے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ پیشانی طول میں دونوں کنپٹیوں کے درمیان اور عرض میں سر کے بالوں اور ابروں کے درمیان ہے۔ امام غزالی نے لکھا ہے کہ اگر ممکن ہو تو مٹی پر سجدہ کرے۔ خشوع کے لیے یہ بہتر ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز مٹی پر سجدہ کرتے تھے۔

اکمل سجدہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت تکبیر کہے۔ رفع یدین نہ کرے، دونوں گھٹنے ٹیکے، پھر دونوں ہاتھ، پھر پیشانی اور ناک، اعضاء کے ٹیکنے میں اسی ترتیب کا لحاظ رکھے۔ البتہ ناک پیشانی کے ساتھ ٹیکی جاسکتی ہے۔ تکبیر اس طرح کہی جائے کہ جھکنے کے آغاز سے لے کر سجدہ میں پہنچنے تک جاری رہے۔

سجدہ صحیح ہونے کی شرطیں

بجیرمی نے سات بیان کئے ہیں:

۱۔ طمانینت

۲۔ سجدہ سے غیر سجدہ مقصود نہ ہو

۳۔ جملہ اعضاء کو وقت واحد میں قرار اور سکون ہو

۴۔ پیشانی پر سر کا بوجھ پڑے

۵۔ سرنگوں ہو اور کمر اونچی ہو

۶۔ پیشانی کھلی ہو

۷۔ایسی متصل چیز پر سجدہ نہ کیا جائے جو مصلی کے ساتھ حرکت کرے

سجدہ کو دوسرے ارکان پر فضیلت کے اسباب

سجدہ کو دیگر ارکان پر فضیلت مندرجہ ذیل وجوہات کی وجہ سے ہے:

آدمی کے بدن کا بالائی حصہ؛ سر، سینہ اور کندھے، بدن کے نچلے حصہ پر شرف رکھتا ہے۔اس لیے بدن کے اس حصہ کو زمین جیسی روندنے کے مقام پر ٹیکنے میں تواضع اور انکساری کا زیادہ اظہار ہوتا ہے اور اسی لیے نماز میں سجدہ کی تکرار کی جاتی ہے اور سجدہ رکوع سے افضل ہے۔سجدہ سے شیطان کی تذلیل ہوتی ہے۔شیطان نے باوجود حکم کے سجدہ نہیں کیا اور آدمی کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے دومرتبہ سجدہ کیا۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو شیطان رونے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ افسوس ہے مجھ پر! آدمی کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور اس نے سجدہ کیا اور اس کے لیے جنت ہے۔مجھ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور میں نے سجدہ نہیں کیا، میرے لیے دوزخ ہے۔(مسند البزار ۱۳/ ۲۲۷، حد ۶۹۳۸، یہ روایت انس رضی اللہ عنہ سے ہے)

حدیث میں ہے: ''أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِن رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ'' (مستدرک حاکم: باب التأمین ۹۶۹ ج ۱ ص ۲۹۵۔ حدیث صحیح علی شرط الشیخین) بندہ سجدہ کی حالت میں پروردگار سے زیادہ نزدیک ہوجاتا ہے۔

سجود کے دو ہونے میں یہ حکمت مضمر ہے کہ آدمی رکوع میں عبودیت کا اظہار کرتا ہے تو دوسجدے اس واقعہ کے دو گواہ ہوتے ہیں۔

۱۰۔سجود میں طمانینت:

حرکت کے بعد سکون کو یا دو حرکتوں کے درمیان سکون کو طمانینت کہتے ہیں۔سجدہ میں طمانینت اس طرح مطلوب ہے کہ سجدہ میں جھکنے اور سجدہ سے اٹھنے کی حرکتوں کے درمیان اعضاء کو سکون اور قرار حاصل ہو۔

١١۔ جلوس

دوسجدوں کے درمیان ہرایک رکعت میں فرض ہو یا نفل جلوس واجب ہے۔ بعض کا قول ہے کہ نفل نمازوں میں جلوس واجب نہیں ہے۔ صحیحین میں یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سر اُٹھاتے تو پھر سجدہ میں نہیں جاتے جب تک کہ سیدھے نہ بیٹھ جائیں۔ (مسلم ۴۹۶، باب ما تجمع صفۃ الصلاۃ ۱۱۳۸۔ ابوداود ۱۱۳۸، ابن ماجہ ۸۹۳، یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے)

بغیر کسی عذر کے لیٹ کر نفل نماز پڑھنے والے کے لیے واجب ہے کہ سجدہ کے لیے اٹھ بیٹھے اور پہلے سجدہ کے بعد بیٹھے اور پھر دوسرا سجدہ کرے۔

اقل جلوس یہ ہے کہ سیدھا بیٹھ جائے۔

اکمل جلوس یہ ہے کہ سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے رفعِ یدین کے بغیر تکبیر کہے، اور افتراش کی ہیئت میں بیٹھے، دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر اس طرح رکھے کہ انگلیوں کے کنارے گھٹنوں پر ہوں اور انگلیاں کھلی ہوئی اور قبلہ کے رخ میں ہوں۔

بیجوری نے لکھا ہے کہ دوسرے سجدہ تک ہاتھوں کو زمین پر ہی رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

جلوس میں یہ دعا پڑھے: رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَارْفَعْنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَعَافِنِیْ۔ اے پروردگار! مجھ کو بخش دے، مجھ پر رحم کر۔ میری کمی کو پورا کردے۔ مجھ کو بلند کر، مجھ کو رزق دے، مجھے ہدایت دے اور معاف کر۔ (اس دعا میں ''واجبرنی'' کا لفظ نہیں ملا، مستدرک حاکم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''اللهم اغفرلی وارحمنی وارفعنی واهدنی وارزقنی'' ۱۰۰۴ حدیث صحیح الاسناد، یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے)

امام غزالی نے اس پر ''وَاعْفُ عَنِّیْ'' کا اضافہ کیا ہے۔

قیدی کے لیے جو دشمن کی حراست میں ہے تنہا نماز پڑھے یا جماعت کے ساتھ مندوب ہے کہ اس دعا کا اضافہ کرے: رَبِّ هَبْ لِیْ قَلْبًا تَقِیًّا نَقِیًّا مِّنَ الشِّرْكِ بَرِیْئًا، لَا كَافِرًا

وَلَا شَقِيًّا۔ یا اللہ مجھ کو تقوی کا قلب دے اور پاک اور شرک سے بری کر، کافر نہ بنا اور نہ شقی۔

مگر شرط یہ ہے کہ امام مقتدیوں کی اجازت سے اس دعا کا اضافہ کرسکتا ہے۔ یہ دعا حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ (الدعوات الکبیر للبیہقی ۲/ ۱۴۸، شعب الإیمان میں یہ دعا ہے: ''اللھم ارزقنی قلبا تقیا من الشر نقیا، لا حافیا و لا شقیا '' ۳۵۵۷، یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے) دعائے واردہ پر مزید اضافہ کرنا اتنا کہ اقل تشہد کے برابر ہو جائے اور جلوس طویل ہو جائے تو صحیح نہیں ہے اور نماز باطل ہو جاتی ہے۔

اعتدال کی بھی یہی صورت ہے، دعائے ماثورہ کے علاوہ بقدر سورہ فاتحہ زیادتی کرنے اور طول دینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ البتہ آخری رکعت کے اعتدال میں قنوت پڑھنا ہو تو طوالت ہوسکتی ہے۔

اگر پہلے سجدہ کے بعد سیدھا نہ بیٹھنے کی ہیئت کے قریب بیٹھ کر دوسرے سجدہ میں چلا جائے تو نماز صحیح نہ ہوگی۔

اختلاف :ابوحنیفہ کا قول ہے کہ زمین سے سر کا تھوڑا سا اٹھانا؛ تلوار کی دھار کے مانند بھی کافی ہے۔

۱۲۔ جلوس میں طمانینت

طمانینت کی تعریف اس کے قبل بیان کی جاچکی ہے۔ طمانینت کے بعد، پہلے سجدہ کی طرح دوسرا سجدہ کیا جائے۔

۱۳۔ جلوس آخر

آخری جلوس واجب ہے۔ جلوس آخر اس آخری نشست کو کہتے ہیں جس کے بعد سلام کی نوبت آتی ہے اور نماز ختم ہوتی ہے۔ اس جلوس میں ایک خاص ذکر تشہد کا پڑھنا ایسا ہی واجب ہے جیسا کہ قیام میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ اس کا نتیجہ یہ کہ جلوس آخر اور تشہد دونوں نماز کے ارکان ہیں۔

جلوس اول جس میں سلام کی نوبت نہیں آتی مسنون ہے اور اس میں تشہد پڑھنا بھی مسنون ہے۔ بعض نمازوں میں صرف جلوس آخر ہوتا ہے۔ جلوس اول نہیں ہوتا جیسا کہ صبح اور جمعہ کی نمازوں میں۔

۱۴۔ تشہد:

آخری جلوس میں تشہد واجب ہے۔ تشہد دو شہادتوں کا نام ہے اور چوں کہ اس میں دو شہادتیں ہوتی ہیں اس لیے اس کو تشہد کہا گیا۔ ہجرت کے دوسرے سال تشہد فرض کیا گیا۔
ابن مسعود نے روایت کی ہے کہ تشہد کے فرض ہونے سے قبل: ''اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلٰى عِبَادِاللّٰهِ ،اَلسَّلَامُ عَلٰى جِبْرَئِيْلَ ،اَلسَّلَامُ عَلٰى مِيْكَائِيْلَ'' کہتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لَا تَقُوْلُوْا: اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَالسَّلَامُ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ إلخ'' ۔اللہ پر سلام مت کہو، اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ خود سلام ہے۔ لیکن کہو التحیات للہ آخر تک۔ (بیہقی ۲/ ۱۳۸، دار قطنی ۱/ ۳۵۰)
ابن مسعود کا یہ بیان کہ تشہد کے فرض ہونے سے قبل کا یہ واقعہ ہے، ظاہر کرتا ہے کہ تشہد فرض کیا گیا اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ایسا کہو، امر کا صیغہ ہے اور تشہد کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔
نماز کے فرض ہونے کا صحیح تر زمانہ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے کا ہے اور تشہد ہجرت کے دوسرے سال یعنی نماز کے فرض ہونے کے تقریباً تین سال کے بعد فرض ہوا۔
اقل تشہد یہ ہے: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ ۔أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔
اکمل تشہد یہ ہے: اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ (مسلم ۴۰۳)

جملہ علامت ہائے تعظیم جو پیدا ہوتے ہیں اور نمازیں اور نیک اعمال اللہ کے لیے ہیں۔اے نبی! تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں۔سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں۔

تحیات تحیہ کی جمع ہے اور تحیہ اس قول اور فعل کو کہتے ہیں جس سے دوسرے کی تعظیم کی جاتی ہے۔تحیہ اللہ کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی اللہ کی تعریف اور ثناء کے ہیں۔

مبارکات کے معنی نمو پانے والوں کے ہیں۔طیبات سے مراد نیک اعمال ہیں۔ سلام کے معنی نقائص اور آفتوں سے سلامتی کے ہیں۔اور اللہ تعالی کے ناموں میں سے ایک نام سلام ہے۔برکت کے معنی کسی چیز کی نیکی کے بھی ہیں۔

السلام علینا میں ہم سے مراد امام، ماموم، ملائکہ، انسان اور جنات جملہ حاضرین ہیں۔صالحین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے حقوق اور اس کے بندوں کے حقوق پر قائم ہیں۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ صالحین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کی اطاعت میں اپنی عمر اور اس کی مرضی پر اپنے مال کو صرف کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم پاک محمد کے ساتھ سید کا لفظ کہنا بلحاظ ادب افضل ہے، بعض نے حدیث میں وارد ہوئے سو الفاظ پر اکتفا کرتے ہوئے سید کے لفظ کو ترک کرنے کو اولی تصور کیا ہے لیکن معتمد پہلا قول ہے۔

بجیرمی نے حفنی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ معراج کی رات میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہی سے آگے بڑھے تو آپ پر نور کا ابر چھا گیا۔جبرئیل علیہ السلام وہیں ٹھہر گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیا تو آپ نے فرمایا: کیا تم میرا ساتھ چھوڑ دو گے اور میں تنہا جاؤں گا؟ تو جبرئیل نے جواب دیا کہ ہر ایک کے لیے ایک مقام مقرر ہے۔آپ نے فرمایا: ذرا تو بڑھو ایک قدم ہی سہی۔جبرئیل ایک قدم آگے بڑھے تھے کہ اللہ تعالی کے نور اور جلال اور ہیبت سے قریب تھا کہ جل جاتے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ خطاب الہی کے

مقام تک پہنچیں تو اپنے پروردگار پر سلام بھیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اس مقام پر پہنچے تو آپ نے کہا: **اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ** ۔ اللہ تعالی نے فرمایا: **اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ** ۔ اس خیال سے کہ اللہ تعالی کے نیک بندوں کو اس مقام سے بھی کچھ حصہ نصیب ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: **اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ** ۔ اس پر آسمان کے رہنے والوں نے کہا: **أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ** ۔

اس مقام پر جو مشقت اور عدم طاقت جبرئیل کو حاصل ہوئی تھی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہیں ہوئی، اس لیے کہ نبی مراد اور مطلوب تھے۔ اللہ تعالی نے ان کو اس مقام کے برداشت کرنے کی قوت اور قابلیت عنایت کی تھی۔ اسی لیے جب اللہ تعالی کی تجلی کوہ طور پر پڑی تو پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور پہاڑ زمین میں دھنس گیا۔ موسی علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس لیے کہ موسی طلب اور تلاش میں تھے۔ اور محمد علیہ السلام بلائے گئے تھے۔ ان دونوں مقامات میں بڑا فرق ہے۔

شرائط تشہد

شرائط تشہد چھ ہیں:

۱۔ خود سن سکے۔

۲۔ موالات سے پڑھے یعنی مسلسل اور بغیر خلل کے۔

۳۔ جلوس کی حالت میں پڑھے سوائے اس کے کہ کوئی عذر ہو۔

۴۔ عربی میں پڑھے بصورت قدرت۔

۵۔ عدم صارف یعنی تشہد کے ارادہ کے علاوہ کسی اور ارادے سے نہ پڑھے۔

۶۔ حروف اور تشدیدوں کی رعایت رکھے۔

تشہد میں ترتیب مشروط نہیں ہے، اس لیے کہ عدم ترتیب سے معنی کا تبدیل ہونا لازم نہیں ہے۔ اگر معنی تبدیل ہو جائیں تو صحیح نہ ہوگا اور نماز باطل ہوگی۔

۱۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جلوس آخر میں تشہد کے بعد درود واجب ہے۔ آیت کریمہ ''صَلُّوْا عَلَیْہِ'' میں صلوا امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا نماز میں واجب ہے اور نماز کے باہر واجب نہیں ہے۔

درود بمنزلۂ دعا کے ہے اور دعا کا موقع اخیر میں ہوتا ہے، اس لیے نماز میں بھی درود کا موقع آخر میں ہے۔ دوسرا امر یہ ہے کہ جب درود واجب ہے تو اس کی اتباع میں بیٹھنا بھی واجب ہے۔ تشہد اور درود میں ترتیب ضروری ہے، درود تشہد کے بعد پڑھا جائے گا۔

اقل درود یہ ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

اکمل درود یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی إِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ إِبْرَاھِیْمَ۔ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی إِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ إِبْرَاھِیْمَ فِی الْعَالَمِیْنَ إِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ (ابن حبان ۵۱۵، حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ۱/ ۲۶۸)

اے اللہ نازل محمد پر رحمت نازل کر اور محمد کی آل پر جیسا کہ تو نے ابراہیم اور ابراہیم کی اولاد پر رحمت نازل کی۔ محمد اور محمد کی اولاد کو برکت دے، جیسا کہ ابراہیم اور ابراہیم کی اولاد کو تمام جہانوں میں برکت دی، بیشک تو تعریف کیا ہوا بزرگ ہے۔

درود میں خاص طور پر ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سوائے کسی اور نبی کے لیے قرآن میں ایک جگہ رحمت اور برکت کی دونوں نعمتیں جمع نہیں کی گئی۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَیْكُمْ أَهْلَ الْبَیْتِ ﴾ (ہود: ۷۳)

یہ قول قرآن کی حد تک ہے، ورنہ عام طور پر ہر ایک نبی کے لیے رحمت اور برکت دونوں چیزیں ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آل بنی ہاشم اور بنی مطلب ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی آل اسماعیل اور اسحاق اور ان کی اولاد ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے انبیا گزرے ہیں اسحاق کی اولاد سے ہیں سوائے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

صل علی کے معنی یہ ہیں: اے اللہ! اتار رحمت کو محمد پر۔

جلوس آخر میں آل پر درود واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے، پہلے اور درمیانی جلوس میں آل پر درود اس لیے مسنون نہیں ہے کہ اس میں تخفیف مطلوب ہے۔

دعا: درود کے بعد اور سلام سے پہلے اس دعا کا پڑھنا مندوب ہے۔ گو یہاں ارکان بیان کئے جارہے ہیں مگر اس دعائے مندوب کا ذکر یہاں ضمناً کیا گیا ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِوَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ۔ (مسلم عن أبی ہریرۃ ۵۵۸)

اے اللہ! میں بے شک تجھ سے پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور دوزخ کے عذاب سے اور زندگی اور موت کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے۔

ہیئات صلاۃ کے اخیر میں تتمہ میں مزید تفصیل درج ہے۔

۱۶۔ پہلا سلام

یعنی پہلا سلام جلوس کی حالت میں ہونا واجب ہے۔

مسلم کی روایت کردہ حدیث ہے کہ "**تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ**" (ترمذی ۳۔ ابوداود ۶۱) تحریم کے معنی احرام کرنے اور عبادت میں داخل ہونے اور تحلیل کے معنی عبادت سے خارج ہونے کے ہیں اور حدیث کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تکبیر کہہ کر نماز میں داخل ہونا اور تسلیم کہہ کر نماز سے نکلنا چاہیے۔

سلام میں حکمت یہ ہے کہ مصلی نماز کی حالت میں عامۃ الناس سے غافل تھا اور نماز کے ختم ہونے پر سلام کرتے ہوئے عامۃ الناس کی جانب متوجہ ہوا۔

سلام کی شرطیں

سلام کی شرطیں نو ہیں:

۱۔لفظ سلام معرف ہو، یعنی اس پر ''ال'' ہو، لفظ سلام تنوین کے ساتھ نکرہ اور غیر معرفہ ہوتا ہے، اس لیے السلام کے عوض سلام کہنا جائز نہیں ہے

۲۔حاضرین سے خطاب ہو، نہ کہ غائبین سے، یعنی علیکم کے عوض علیہم نہ کہے

۳۔اتصال ہو، السلام علیکم کے دونوں لفظوں میں اوران کے درمیان دوسرا لفظ نہ کہے

۴۔جمع کی ضمیر کہے، نہ کہ واحد کی۔علیکم کے عوض علیک نہ کہے

۵۔موالات یعنی دونوں لفظوں کے درمیان سکوت نہ ہو

۶۔سلام کرتے وقت مصلی کا سینہ قبلہ کے رخ میں ہی رہے، سینے کو نہ موڑے

پہلے سلام میں داہنی جانب سر کو اس طرح موڑ نا مسنون ہے کہ داہنا رخسار نظر آئے اور دوسرے سلام میں بائیں جانب اس طرح موڑنا چاہیے کہ بایاں رخسار نظر آئے۔

۷۔سلام سے خبر مقصود نہ ہو یا کہ نماز کو ختم کرنا مقصود ہو یا نماز کو ختم کرنے کے ارادے کے ساتھ خبر دینا بھی مقصود ہو یا کسی خاص ارادے کے بغیر مطلق طور پر عمل کرے، مطلق خبر دینے کے ارادے کے ساتھ سلام کرے تو نماز باطل ہوگی۔

۸۔قعود یعنی بیٹھنے کی حالت میں سلام کرے۔

۹۔کم سے کم اتنی آواز میں السلام علیکم کے الفاظ کہے کہ خود سن سکے۔

اقل سلام: السلام علیکم کے الفاظ کا ایک مرتبہ کہنا واجب ہے۔ان میں سے ایک حرف کا چھوڑنا یا تبدیل کرنا جائز نہیں ہے، علیکم السلام کہنا جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ چوں کہ ترتیب کے بغیر بھی معنی ادا ہوتے ہیں اس لیے الفاظ کی ترتیب مشروط نہیں ہے۔

اکمل سلام یہ ہے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔پہلی مرتبہ داہنی اور دوسری مرتبہ بائیں جانب کہا جائے۔معتمد یہ ہے کہ ''وبرکاتہ'' کا اضافہ عام نماز میں یا نماز جنازہ میں مندوب نہیں ہے۔سبکی نے اس بارے میں تین قول بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ غلبہ اسی طرف ہے کہ مسنون نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مسنون ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ پہلے سلام میں وبرکاتہ مسنون ہے، نہ کہ دوسرے میں۔

ماموم کے لیے مسنون ہے کہ امام کے دونوں سلاموں سے فارغ ہونے تک سلام نہ کرے، سلام کے لیے سر کو قبلہ کے رخ سے اتنا موڑے کہ داہنا رخسار پیچھے کے لوگوں کو نظر آئے اور پھر سر کو قبلہ کے رخ میں واپس لائے اور اسی طرح دوسرا اسلام بائیں جانب کرے لیکن دونوں سلاموں میں سینہ قبلہ کے رخ میں قائم رہے۔

دونوں سلاموں کے درمیان سکتہ کر کے فصل کرنا مسنون ہے۔ اگر پہلے سلام کے بعد حدث واقع ہو تو دوسرا اسلام حرام ہے۔ دوسرا اسلام اگرچہ نماز میں داخل نہیں ہے لیکن نماز کے مکملات اور توابع میں سے ہے اور مسنون ہے۔

۱۷۔ ترتیب

ارکان میں مذکورہ بالا ترتیب ضروری ہے، یہاں تک کہ تشہد آخر اور درود میں بھی ترتیب واجب ہے۔ ترتیب کے رکن شمار کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ترتیب فرض ہے۔

ترتیب کے فرض ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے: ''صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ أُصَلِّیْ '' (بخاری: باب الأذان للمسافر إذا کانوا جماعۃ والإقامۃ ۶۳۱۔ یہ روایت ابوسلیمان مالک بن حویرث سے ہے۔ باب رحمۃ الناس والبھائم ۶۰۰۸) نماز پڑھو جیسا کہ تم نے مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

اگر نماز کے ارکان میں ترتیب ملحوظ نہ رکھی جائے تو نماز باطل ہوتی ہے۔ اگر کسی جزء فعلی کو دوسرے جزء فعلی یا قولی کے پہلے خلافِ ترتیب جان بوجھ کر ادا کیا گیا تو نماز باطل ہو جاتی ہے جیسا کہ رکوع سے پہلے سجدہ کیا گیا یا سورہ فاتحہ کی قراءت سے پہلے رکوع کیا گیا۔ البتہ سلام کا رکن ایسا ہے جو نماز سے نکال دیتا ہے، اس لیے سلام پہلے کیا جائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

تشہد اخیر اور درود؛ دونوں کے درمیان ترتیب ہے مگر ان دونوں اور جلوس کے درمیان ترتیب نہیں ہے۔

بعض کا قول ہے کہ صرف آغاز میں ترتیب ہے اور اس کے بعد مقارنت یعنی ساتھ ساتھ ہے اور یہی شکل قیام اور قراءت کی ہے۔ نماز کی نیت اور تکبیر احرام کے درمیان کوئی

ترتیب نہیں ہے بلکہ نیت تکبیر کے ساتھ ہونا واجب ہے۔

نماز سے نکلنے کی نیت

ابوشجاع نے سلام کے ساتھ نماز سے نکلنے کی نیت کو بھی رکن شمار کر کے جملہ ارکان کی تعداد اٹھارہ بتائی ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ نماز کے شروع اور اخیر میں دو رکن قولی یعنی تکبیر تحریمہ اور سلام واجب ہیں، جس طرح نماز کے شروع میں تکبیر کا ذکر واجب ہے۔ اسی طرح اخیر میں سلام کا ذکر واجب ہے اور جب سلام کا ذکر واجب ہے تو اس کے ساتھ نماز سے نکلنے کی نیت بھی واجب ہے۔

ابن قاسم، خطیب، بیجوری اور بجیرمی نے اس قول کو مرجوح قرار دیا ہے اور بیان کیا ہے کہ اصح یہ ہے کہ نماز سے نکلنے کی نیت واجب نہیں ہے۔تمام عبادتوں کا اصول یہ ہے کہ عبادت کے آغاز کے لیے نیت کی ضرورت ہے، عبادت ختم کرنے یا اس کو ترک کرنے کے لیے کسی نیت کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ نماز کے آغاز میں جو نیت کی گئی وہ پوری نماز کو شروع سے اخیر تک شامل ہے، اس لیے نکلنے کی نیت کی ضرورت نہیں ہے۔لیکن وجوب کے قول کی رعایت کرتے ہوئے سلام کرتے وقت نماز سے نکلنے کی نیت کرنا مسنون ہے۔اگر نکلنے کی نیت نہ کی جائے تو سنت فوت ہوگی۔لیکن نماز باطل نہ ہوگی اور یہی قول معتمد ہے۔

بجیرمی کا قول ہے کہ مطلق نفل نماز میں زیادہ رکعتوں کی نیت کرنے کے بعد اس سے کم رکعتوں پر نماز کو ختم کرنا چاہے تو نکلنے کی نیت واجب ہوتی ہے۔

اذان اوراقامت

اذان کے معنی اعلان کرنے اورآ گاہ کرنے کے ہیں ۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:
﴿وَأَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (التوبۃ۳) یعنی اعلان اورآ گاہی ہےاللہ اوراس کے رسول کی طرف سے۔دوسری جگہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ (حم سجدہ ۳۳) اوراس سے بہتر کس کی بات ہے جس نے بلایا اللہ کی طرف اور نیک کام کیا۔

امام غزالی کہتے ہیں کہ یہ آیت موذنین کے بارے میں نازل ہوئی۔

شرع میں وقت والی فرض عین نماز کے لیے خاص الفاظ کے ذکر کو اذان کہتے ہیں۔ ہجرت کے پہلے سال اور بعض کا قول ہے کہ دوسرے سال اذان شریعت میں داخل ہوئی۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ اذان اوراقامت اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔

ابوداؤد نے عبداللہ بن زید سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کرنے کے لیے ناقوس لانے کے لیے فرمایا۔عبداللہ بن زید رات میں سورہے تھے کہ خواب میں ایک شخص کو ناقوس لے جاتے دیکھا اوراس سے ناقوس خریدنا چاہا تو اس نے جواب دیا: ہم تم کو نماز کے لیے مسلمانوں کو جمع کرنے کے لیے اس سے بہتر طریقہ بتاتے ہیں۔ یہ کہا اوراذان کے الفاظ اللہ اکبر اللہ اکبر سے اخیر تک سنائے اور پھر ذراہٹ کر کھڑا رہا اوراقامت کے الفاظ اللہ اکبر اللہ اکبر سے آخر تک کہے۔سویرے عبداللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اورخواب میں جو کچھ دیکھا اورسنا تھا بیان کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند کیا اورفرمایا بے شک یہ سچا خواب ہے۔ بلال کی آواز بلند تر ہے۔تم بلال کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ اور جو کچھ سنا ہے کہتے جاؤ۔(ابوداود ۴۹۹) اس طرح بلال نے پہلی اذان صبح کی دی۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں یہ آواز سنی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے۔

اس سوال کا جواب کہ شرعی احکام خواب سے ثابت قرار نہیں دئے جاسکتے، یہ ہے کہ خواب وحی کے موافق تھا اور حکم وحی پر صادر ہوا، نہ کہ خواب پر۔

بلال رضی اللہ عنہ اسلام کے پہلے موذن تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ نے سوائے ایک مرتبہ کے پھر کبھی اذان نہیں کہی اور وہ بھی ادھوری ہی رہی۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم کی خواہش اور اصرار پر بلال اسی مقام پر اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں اذان دیا کرتے تھے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ بلال اذان دیتے ہوئے زاروقطار رونے لگے اور اذان پوری نہ کرسکے۔ اس واقعہ کے بعد انھوں نے اپنی زندگی بھر پھر اذان دینے کی جرأت نہیں کی۔ (المنتخب من مسند عبد بن حمید ح ۳۶۱ میں روایت ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی اذان دی، البتہ عمر کے عہد میں نہیں دی، جب ان سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کو سب سے افضل کہا ہے۔ پھر وہ شام چلے گئے)

اسی ضمن میں ایک دوسرا واقعہ بھی لائق ذکر ہے۔ ایک مرتبہ صبح کی نماز کے وقت بلال نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام فرماتے دیکھا اور بہت سوچا کہ کس طرح بیدار کرے؟ آخر یہ فقرہ آپ کے ذہن میں آیا اور آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے آہستہ سے کہا: ’’**اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ**‘‘ (بخاری ومسلم) نماز نیند سے بہتر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور اس فقرہ کو آپ نے پسند فرمایا اور بلال کو حکم دیا کہ آئندہ سے اس فقرہ کا فجر کی اذان میں اضافہ کردیں۔

نماز کی سنتیں دو ہیں: اذان اور اقامت۔ نماز میں داخل ہونے سے پہلے بطور کفایہ دو امور اذان اور اقامت مسنون ہیں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ’’**وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ**‘‘ (المائدۃ:۵۸) جب تم پکارے جاؤ نماز کے لیے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’**إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ**

فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ ''(بخاری ۶۰۲، مسلم ۶۷۴) جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے ایک اذان دے اور جو بزرگ تر ہو وہ امامت کرے۔

یہاں نماز سے مراد خاص فرض نماز ہے۔ اس لیے کہ اذان اور اقامت فرض نماز کے لیے مسنون ہیں۔ بخلاف نماز کے ارکان کے جو ہر ایک نماز کے لیے ہیں، چاہے نماز فرض ہو یا نفل۔

فرض عین کی قید کی وجہ سے نماز جنازہ خارج ہو جاتی ہے جو فرض کفایہ ہے۔

اذان و اقامت کا حکم

اذان اور اقامت دونوں سنت کفایہ ہیں۔ ایک وقت اور ایک مقام پر ایک شخص کے اذان دینے اور اقامت کہنے کے بعد اس جماعت کے دوسرے اشخاص کے لیے اذان دینا اور اقامت کہنا مندوب نہیں ہے۔ جماعت کے لیے اذان اور اقامت دونوں سنت ہیں لیکن منفرد کے لیے سنتِ عین ہے۔

ایک مقام پر ایک شخص کے اذان دینے کے بعد اسی نماز کے وقت کے اندر دوسروں کو اسی نماز کے لیے اذان دینا مسنون نہیں ہے تا کہ ان لوگوں کو غلط فہمی نہ پیدا ہو جنھوں نے پہلے نماز پڑھی تھی۔ غلط فہمی اس بارے میں کہ انھوں نے وقت سے پہلے نماز پڑھی تھی یا یہ کہ دوسری نماز کا وقت آ گیا۔

سنن کفایہ

سنن کفایہ وہ امور جو ہر ایک کے لیے مسنون ہیں مگر ایک کا قول یا عمل دوسروں کے لیے کافی ہے، یہ جملہ چھ ہیں:

۱۔ اذان اور اقامت

۲۔ چھینکنے پر الحمد للہ کہنا

۳۔ جنازہ کے ساتھ جانا

۴۔ کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنا

۵۔گھر کے تمام متعلقین کی طرف سے قربانی دینا

۶۔سلام کی ابتداء

الفاظ اذان

الله اكبر الله اكبر ۔ الله اكبر الله اكبر۔ أشهد أن لا إله إلا الله ۔ أشهد أن لا إله إلا الله ۔ أشهد أن محمداً رسول الله ۔ أشهدأن محمداً رسول الله ۔ حى على الصلاة ۔ حى على الصلاة ۔ حى على الفلاح۔ حى على الفلاح۔ الله أكبر الله اكبر ۔ لا إله إلا الله۔

اللہ بزرگ تر ہے۔اللہ بزرگ تر ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں۔آ ؤ نماز کے لیے۔آ ؤ نماز کے لیے۔آ ؤ بھلائی کے لیے۔آ ؤ بھلائی کے لیے۔

صرف فجر میں حی علی الفلاح کے بعد تثویب یعنی **الصلاة خير من النوم ۔الصلاة خير من النوم** کہا جائے۔

اذان کے الفاظ اکثر دوہرے ہیں، استثناء یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے الفاظ چار مرتبہ اور توحید آخر کے الفاظ ایک مرتبہ ہیں۔اذان کے الفاظ جہاں دوہرے ہیں وہاں اقامت کے الفاظ اکہرے ہیں۔حدیث میں ہے: ''**أُمِرَ بِلَالٌ أَن يَّشْفَعَ الْأَذَانَ وَيُوْتِرَ الْإِقَامَةَ**'' (بخاری ۵۸۰، مسلم ۳۷۸) بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان کے الفاظ جفت میں اور اقامت کے الفاظ طاق میں کہیں۔

اذان سے مقصود یہ ہے کہ غائب لوگوں کو آگاہ کیا جائے ۔جس کے لیے الفاظ کی تکرار زیادہ مناسب ہے۔

ترتیل اور ترجیع عام طور پر ہر اذان میں اور تثویب صبح کی اذان میں مسنون ہے۔

ترتیل؛اذان کے ہر ایک کلمہ کو ایک ایک آواز میں کہنے کو کہتے ہیں،سوائے تکبیر

کے۔دوتکبیروں کوایک آواز میں کہا جائے۔

ترجیع؛دوکلمات شہادت کو پکارنے سے پہلے دومرتبہ آہستہ کہنے کو کہتے ہیں۔

اذان کے جملہ کلمات ترجیع ملاکرانیس اورتثویب کوشامل کرکے اکیس ہیں۔

قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ اذان کے کلمات ایمان کے عقلی اورسماعی دونوں عقائد پر مشتمل ہیں۔اللہ اکبر کے معنی ہیں اللہ تعالی ہرایک شئے سے بزرگ ترین ہے۔ان الفاظ سے اللہ تعالی کی ذات کا اثبات اوراس کے کمال کا اظہار ہوتا ہے۔''**أشهد أن لا إله إلا الله**'' سے اللہ تعالی کی وحدانیت کی گواہی مقصود ہے۔''**أشهد أن محمداً رسول الله**'' سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق مراد ہے۔''**حي على الصلاة**'' کے معنی ہیں کہ نماز کی طرف بڑھو،سستی مت کرو۔غرض یہ ہے کہ نماز کے لیے بلایا جائے۔''**حي على الفلاح**'' کے معنی ہیں: آؤفلاح کی طرف۔فلاح؛بہبودی،کامیابی اورغلبہ کو کہتے ہیں اورنماز سببِ فلاح ہے۔ان الفاظ سے اموراآخرت کی طرف اشارہ ہے۔اس کے بعدالفاظ تکبیر کوتعظیماً دہراتے ہوئے کلمہ توحید پراذان کوختم کیا جاتا ہے،اس لیے کہ ہر ایک چیز کادارومدارتوحید پر ہے۔

اقامت

اقامت کے معنی کھڑے رہنے کے ہیں اورشرع میں فرض عین نماز کے لیے حاضرین کوتیارکرنے کے لیے خاص الفاظ کے ذکرکواقامت کہتے ہیں۔اقامت سے غرض یہ ہے کہ حاضرین کونماز پرآمادہ کیا جائے۔اسی لیے اقامت کے الفاظ میں تکرارنہیں ہے اورنہ زیادہ بلندآواز میں پکارنے کی ضرورت ہے۔اقامت کے الفاظ کوجلدی سے ادا کرنا مسنون ہے۔دودوکلموں کوایک ایک آواز سے کہا جائے۔سوائے آخری کلمہ کے جوایک ہی آواز سے کہا جائے گا۔اس کو''ادراج''یا''اسراع'' کہتے ہیں۔

الفاظ اقامت: **الله اكبر الله اكبر ۔ أشهد أن لا إله إلا الله ۔ أشهد أن محمداً رسول الله ۔ حي على الصلاة ۔ حي على الفلاح۔ قد قامت**

الصلاۃ ، قد قامت الصلاۃ ۔ اللہ أکبر اللہ اکبر ۔ لا إلہ إلا اللہ ۔ ۔اقامت کا خاص کلمہ **قَدْ قَامَتِ الصَّلَاۃُ** ہے جس کے معنی ہیں، نماز کے قیام کا وقت قریب آیا۔ عربی میں لفظ 'قد' زمانہ کی قربت کا اظہار کرتا ہے۔ اقامت کے جملہ فقرے گیارہ ہیں۔

اذان واقامت کی شرطیں

اذان اور اقامت کی صحت کے لیے آٹھ شرائط ہیں:

۱۔اسلام: کافر کی اذان صحیح نہ ہوگی۔ اگر کافر اذان دے تو اس کی نسبت اسلام لانے کا حکم لگایا جائے گا، اس لیے کہ اس نے توحید اور رسالت دونوں کی تصدیق کی۔

۲۔تمیز: کم سن لڑکے کی اذان اور اقامت میں کراہت ہے۔

۳۔ترتیب: اذان اور اقامت کے الفاظ جس ترتیب سے مقرر ہیں اسی ترتیب سے کہے جائیں۔

۴۔اذان اور اقامت کے فقروں کے درمیان طویل سکوت یا گفتگو نہ ہو۔ اقامت اور نماز کے درمیان طویل فصل نہ ہو۔

۵۔مقصود اذان اور اقامت ہو، کوئی دوسری چیز مقصود نہ ہو۔

۶۔اتنی آواز میں کہے جائیں کہ جماعت میں کم از کم ایک شخص سن سکے۔

۷۔نماز کا وقت ہونے پر کہے جائیں گے۔ سوائے صبح کی اذان کے، جس کا وقت نصف شب سے شروع ہوتا ہے۔

۸۔اذان دینے والا مرد ہو، عورت پر حرام ہے کہ بلند آواز میں اذان دے، عورت کے لیے اذان دراصل اذان نہیں ہے، بلکہ بمنزلہ ذکر ہے۔ عورت، عورت کے لیے اذان اور اقامت کہہ سکتی ہے۔

اسلام، تمیز اور مرد ہونے کی شرطوں کا تعلق اذان اور اقامت کہنے والے کی ذات سے ہے اور بقیہ شرائط کا تعلق اذان اور اقامت سے ہے۔

اذان واقامت کی سنتیں

اذان اور اقامت کہنے والے کے لیے مسنون ہے کہ کھڑا رہے اور ضرورت ہو تو اذان کے لیے بلند مقام پر کھڑے رہنا بھی مسنون ہے۔ اقامت کے لیے بلند مقام پر کھڑے رہنا مسنون نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ مسجد بہت بڑی ہو۔

قبلہ کی طرف رخ کیا جائے۔

''حی علی الصلاۃ'' کہتے ہوئے گردن کو داہنی جانب اذان میں دو مرتبہ اور اقامت میں ایک مرتبہ موڑے اور اسی طرح حی علی الفلاح کہتے ہوئے گردن کو بائیں جانب موڑے۔ لیکن سینے اور پاؤں کو قبلہ کے رخ پر رکھے۔ ہر ایک مرتبہ گردن کو قبلہ کے رخ سے جس قدر موڑنا ممکن ہو موڑے تاکہ اس جانب کا رخسار نظر آسکے۔

مؤذن اور اقامت کہنے والا گواہی میں عادل ہوں، بلند اور اچھی آواز رکھتے ہوں۔ گواہی دینے کے لیے شرع میں جن صفات کی ضرورت ہے وہ صفات اس میں پائی جائیں۔

حدث کی حالت میں اذان دینا مکروہ ہے۔ اور جنابت میں کراہت میں شدت ہے۔ اذان کی حالت میں حدث واقع ہو جائے تو افضل یہ ہے کہ اذان کی تکمیل کرے۔ اقامت چوں کہ نماز سے قریب تر ہوتی ہے اس لیے حدث کی حالت میں اقامت کہنے میں کراہت میں شدت ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**لَا تُـؤَذِّنْ إِلَّا أَنْـتَ مُتَـوَضِّئٌ**'' (ثویر سے روایت ہے کہ میں نے مجاہد کے ساتھ سفر کیا، میں ان کا موذن تھا، تو مجاہد نے مجھ سے کہا: ''لا تؤذن حتی تتوضأ''۔ الصلاۃ لأبي نعیم ۱/۱۶۵ حدیث ۳۹)

مسنون ہے کہ اذان دینے کے بعد مقام اذان اور اقامت پر آئے اور اذان اور اقامت کے درمیان اتنی دیر بیٹھے کہ لوگ جمع ہو جائیں سوائے مغرب کے۔ مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان نہایت تھوڑا فصل کیا جائے، اس لیے کہ مغرب کا وقت تنگ ہے۔

اذان واقامت کا جواب

سامع: سامع کے معنی سننے والے کے ہیں۔ اس میں دونوں اشخاص شریک ہیں،

وہ شخص جو ارادے کے ساتھ سن رہا ہو اور وہ شخص جو بغیر ارادے کے سن رہا ہو مگر جہاں ارادہ شامل ہو وہاں تاکید بھی ہے۔ اذان اور اقامت سننے والے کے لیے مسنون ہے کہ اذان اور اقامت کے الفاظ دہرائے، سوائے حیعلتین، تثویب اور کلمات اقامت کے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ'' (مسلم ۳۸۴، یہ روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے)

حیعلتین **حی علی الصلاۃ** اور **حی علی الفلاح** کو کہتے ہیں، اس کے جواب میں حوقل یعنی **لا حول ولا قوۃ إلا باللہ**۔ کہا جائے۔

تثویب ''الصلاۃ خیر من النوم'' کو کہتے ہیں جو صبح کی اذان میں کہی جاتی ہے۔ اس کے جواب میں'' صدقت وبررت''۔ (تو نے سچ کہا اور نیکی کی) کہنا چاہیے۔

کلمات اقامت **قد قامت الصلاۃ** کو کہتے ہیں۔ اس کے جواب میں کہنا چاہیے: ''أَقَامَهَا اللّٰهُ وَأَدَامَهَا (ابوداود ۵۲۸) وَجَعَلَنِيْ مِنْ صَالِحِيْ أَهْلِهَا''۔ اس (نماز) کو اللہ تعالی قائم رکھے اور ہمیشہ رکھے اور مجھ کو اس نماز کے نیک لوگوں میں سے بنائے۔

سامع کے لیے درمیان میں بات چیت کرنا مکروہ نہیں ہے۔

نماز کی حالت میں اذان اور اقامت کا جواب نہیں دیا جائے گا۔

اذان کی دعا

اذان دینے والے، اقامت کہنے والے، اور سننے والے کے لیے مسنون ہے کہ اذان اور اقامت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجے اور یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ

اے اللہ! اے اس دعوت تامہ اور صلاۃ قائمہ کے رب! تو ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ دے اور بزرگی اور بلند مرتبہ اور انھیں مقامِ محمود پر بھیج جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ (بخاری ۵۷۹، یہ روایت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے)

بعض نے یہ بھی اضافہ کیا ہے: **وَأَوْرِدْنَا حَوْضَهُ وَأَسْقِنَا مِنْ يَدِهِ الشَّرِيفَةِ شُرْبَةً هَنِيئَةً مَّرِيئَةً لَا نَظْمَأُ بَعْدَهَا أَبَدًا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔**

اور ہم کو اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوض پر اتار اور ہم کو اس کے شریف ہاتھ سے گھونٹ خوشگوار اور خوش کن پلا اور سیراب کر کہ ہم اس کے بعد کبھی پیاسے نہ ہوں، اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

جنت کی ایک منزل کا نام وسیلہ ہے۔ قیامت کے دن فضل، قضا، سزا و جزا کی تجویز کی جانے کے وقت جس مقام پر امت کی شفاعت اور سفارش نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے اس کو مقام محمود کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''**اَلدُّعَاءُ لَا يُرَدُّ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْإِقَامَةِ**'' (ترمذی: باب الدعا لا یرد بین الأذان والإقامة ۲۱۲۔ حدیث حسن صحیح۔ مسند احمد: ۱۲۲۲۱) اذان اور اقامت کے درمیان دعا مسترد نہیں کی جاتی۔

اذان اور اقامت کے درمیان دعا کرنے سے کوئی خلل نہیں ہوتا، اس لیے دعا مسنون ہے اور اس دعا میں تاکید یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں عافیت چاہی جائے۔

اذان کی فضیلت

تنہا اذان امامت سے افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''**إِنَّ الْمُؤَذِّنَ اَمِيْنٌ وَالْإِمَامُ ضَمِيْنٌ**'' (ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نہیں ملی، مسند احمد وغیرہ میں یہ الفاظ ہیں: ''الإمام ضامن والمؤذن أمين''۔ ۷۸۰۵ مسند ابی ھریرۃ، شیخ ارناؤوط نے کہا ہے: صحیح علی شرط الشیخین۔ مسند عبد الرزاق: باب المؤذن أمين والإمام ضامن ۱۸۳۸)

علی کا قول ہے: ''**لَوْ لَا الْخِلَافَةُ مَا تَرَكْتُ الْاَذَانَ**'' خلافت کے فرائض نہ ہوتے تو اذان کو ترک نہ کرتا۔

بعض نے کہا ہے کہ اذان اور اقامت دونوں مل کر امامت سے افضل ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ امامت انجام دیتے تھے، اذان اور اقامت کہتے نہیں تھے۔ البتہ ایک مرتبہ سفر

میں آپ نے اذان بھی دی تھی۔ حدیث میں ہے: ''**مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهٖ** '' (مسلم: باب فضل إعانة الغازی ۵۰۰۷۔ یہ روایت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے ہے) جس نے نیکی کی طرف رہنمائی کی اس کو اس نیکی کے کرنے والے کے اجر کے برابر اجر ملے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موذن کو ان مصلیوں کے اجر کے برابر اجر ملے گا۔ جنھوں نے اس کی اذان کی آواز سن کر نماز پڑھی۔ حدیث میں ہے: ''**اَلْمُؤَذِّنُوْنَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ** '' (مسلم: باب فضل الأذان ۸۷۸، یہ روایت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہے) قیامت کے دن مؤذنین کی گردنیں دوسروں کی گردنوں سے زیادہ لمبی ہوں گی۔

گردن کے لمبی ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ زیادہ کامیاب اور سرخ رو ہوں گے۔ بعض نے اس کو حقیقی معنی میں اس لیے لیا ہے کہ عام طور پر لوگ قیامت کے دن سرنگوں رہیں گے۔

متفرق مسائل:

اذان ہونے کے بعد نماز پڑھنے سے پہلے بغیر کسی عذر کے مسجد سے باہر جانا مکروہ ہے۔

میت کے قبر میں اتارنے کے وقت اذان دینا مسنون نہیں ہے۔

نماز کے علاوہ بھی بعض موقعوں پر اذان دینا مسنون ہے:

اس شخص کے کان میں اذان دینا مسنون ہے جو نہایت ہی غصہ یا غم یا شرارت کی حالت میں ہو۔ شرارت کی حالت میں جانور کے کان میں اذان دی جائے۔

فوج کے حملہ آور ہونے کے وقت، جلے ہوئے شخص پر، مرگی کی بیماری سے بے ہوش شخص پر اور جب جنات اور شیاطین مختلف اشکال میں نظر آئیں۔

نومولود کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا مسنون ہے تاکہ پہلی چیز جو نومولود کے کان میں پہنچے وہ اللہ تعالی کا ذکر ہو۔ شوبری کا قول ہے کہ دایہ بھی یہ اذان دے سکتی ہے۔

مسافر کے سفر پر روانہ ہونے کے بعد اذان دی جائے۔

نداء

فرض کے علاوہ نفل نمازوں کے لیے جن کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے اور جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں یہ نداء (آواز) دی جائے گی: **الصلاۃُ جامعۃٌ**۔ صلاۃ مبتدا اور جامعۃ خبر ہے۔ الصلاۃَ جامعۃً۔ جمع ہو کر نماز کو حاضر ہوں۔

اَلصَّلَاۃُ جَامِعَۃٌ صلاۃ مبتدا جملہ فعلیہ، أَحْضِرُوْھَا خبر محذوف اور جامعۃ حال اور **الصلاۃَ جامعۃٌ** یعنی حاضر ہوں نماز کو، جامعۃ خبر ہے اور جس کا مبتداء ھی محذوف ہے۔ جتنے اعراب کے ساتھ یہ فقرہ صحیح ہو سکتا تھا درج کر دیئے گئے ہیں۔

ایسی نفل نماز جس میں جماعت مطلوب ہے مگر جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی جا رہی ہے تو پھر یہ ندا بھی نہ دی جائے گی۔

تراویح کی نماز میں یہ قول بھی نداء کا کام دیتا ہے: ''**صَلَاۃُ الْقِیَامِ أَثَابَکُمُ اللّٰہُ**'' رات کی نماز ہے خدا تم کو ثواب دے۔

ابن حجر کا قول ہے کہ یہ فقرہ اذان اور اقامت دونوں کا کام دیتا ہے اور دو مرتبہ کہا جائے گا: ایک مرتبہ وقت کے داخل ہونے پر تا کہ لوگ جمع ہو جائیں اور دوسری مرتبہ عین نماز کے وقت اقامت کے لیے۔ رملی کا قول ہے کہ نہیں، یہ ندا صرف اقامت کے بدل ہے اور اسی پر عمل ہے۔

اذان اور اقامت کے لحاظ سے نماز کی صورتیں

خلاصہ یہ کہ اذان اور اقامت کے تعلق کے لحاظ سے نماز کی چار صورتیں ہیں:

۱۔ اذان اور اقامت دونوں مطلوب ہیں، یہ فرض نماز میں ہے، سوائے اس کے کہ چند فرض نمازیں ادا اور قضا ایک دوسرے کے ساتھ اور سلسلہ میں پڑھی جا رہی ہوں۔

۲۔ اقامت مطلوب ہے اور اذان مطلوب نہیں ہے، اس صورت میں جب کہ اذان اور اقامت کے بعد ایک فرض نماز پڑھی گئی اور اس کے بعد ہی دوسری فرض نماز پڑھی گئی تو صرف اقامت کہی جائے گی۔

۳۔ندادی جائے گی’’**الصلاۃ جامعۃ**‘‘ ۔نفل نمازوں میں جن میں جماعت مطلوب ہےاور جماعت کے ساتھ پڑھی جائے۔

۴۔وہ نمازیں جن میں اذان اور اقامت اور نداء تینوں مطلوب نہیں ہیں، جیسا کہ عام سنن راتبہ اور دیگر نوافل جن میں جماعت مطلوب نہیں ہے۔اس میں وہ نفل نماز بھی داخل ہے جس میں جماعت مطلوب ہے مگر تنہا پڑھی جارہی ہے۔

نماز کی سنتیں (سنن ابعاض)

نماز میں داخل ہونے کے بعد اور نماز کی حالت میں دو قسم کی سنتیں ہیں: ابعاض اور ہیئات۔
ابعاض نماز کی وہ سنتیں ہیں جن کے چھوٹ جانے پر سجود سہو سے تلافی کی جاتی ہے اور **هیئات** ان سنتوں کا نام ہے جن کے چھوٹنے پر سجود سہو نہیں کئے جاتے۔

نماز کی سنن ابعاض دو ہیں: تشہد اول اور قنوت۔

ابوشجاع نے اپنے متن میں ابعاض کی تعداد صرف دو درج کی ہے، ابن قاسم نے اسی تعداد پر اکتفا کیا ہے، لیکن خطیب نے ان کی ذیلی تقسیم کر کے ابعاض کی تعداد آٹھ لکھی ہے، بیجوری نے ذیلی تقسیم میں اضافہ کرتے ہوئے جملہ تعداد بیس بیان کی ہے اور بجیرمی نے مزید تجزی کرتے ہوئے تعداد میں اور اضافہ کیا ہے، مگر ظاہر ہے کہ سوائے دو کے جملہ اقسام یا تو تشہد اول میں شامل ہوتے ہیں یا قنوت میں۔

صرف دو اقسام ایسے ہیں جن کا تعلق تشہد آخر سے ہے، بیجوری کے قول کے لحاظ سے بیس ابعاض یہ ہیں:

تشہد اول اور اس کے لیے قعود۔ اس کے بعد درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس کے لیے قعود۔ اس کے بعد درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر تشہد کے آخر کے بعد اور اس کے لیے قعود۔ قنوت اور اس کے لیے قیام۔ درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قنوت کے بعد اور اس کے لیے قیام۔ اس کے بعد درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر اور اس کے لیے قیام۔ اس کے بعد درود صحابہ پر اور اس کے لیے قیام۔ اس کے بعد سلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس کے لیے قیام، اس کے بعد سلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر اور اس کے لیے قیام۔ اس کے بعد سلام صحابہ پر اور اس کے لیے قیام۔

درود کو تشہد اول میں شامل کر لیا جائے اور قعود کو تابع تصور کیا جائے تو تشہد اول میں ابتدائی چار ابعاض داخل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح قنوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل اور اصحاب پر درود اور سلام کو شامل کر لیا جائے اور قیام کو ان سب کا تابع قرار دیا جائے تو قنوت میں آخری چودہ ابعاض داخل ہو جاتے ہیں۔

پہلے چار اور یہ چودہ ملا کر اٹھارہ ابعاض ہو گئے۔ اب رہ گئے صرف دو ابعاض، درود آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تشہد آخر میں اور اس کے لیے قعود جو ابوشجاع کی تقسیم میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ان مذکورہ بالا بیس ابعاض میں سے کسی ایک کے بھی ترک ہونے پر سجود سہو کرنا مسنون ہے۔ ابعاض خواہ کتنے ہی ترک ہو جائیں، سجود سہو کی تعداد دو ہی ہے۔

تشہد اول:

دو سے زیادہ رکعت والی نماز میں پہلی رکعت کے بعد تشہد ''التحیات المبارکات'' سے ''اللھم صل علی سیدنا محمد'' تک پڑھنا مسنون ہے۔ یہ تشہد وہی ہے جو نماز کے ختم پر آخری نشست میں پڑھا جاتا ہے۔ ارکان صلاۃ میں اس تشہد کو تحریر کیا گیا ہے، یہاں پھر اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں، مگر فرق یہ ہے کہ آخری نشست میں یہ تشہد واجب ہے اور نشست اول میں مسنون ہے۔

تشہد اول کے بعد آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا مسنون نہیں ہے، بلکہ آل پر درود بھیجنے میں کراہت اور اولویت کے خلاف ہے، اس لیے کہ تشہد اول میں تخفیف مقصود ہے، اگر ماموم تشہد سے فارغ ہو جائے اور امام لکنت وغیرہ کی وجہ سے ابھی تشہد سے فارغ نہ ہو تو ماموم کے لیے مسنون ہے کہ آل پر بھی درود بھیجے۔

دعائے قنوت

قنوت کے معنی دعائے خیر کے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ مطلق دعا کو قنوت کہتے ہیں، شرع میں قنوت ایک خاص ذکر کو کہتے ہیں جو دعا اور ثناء دونوں پر مشتمل ہے جیسا کہ **اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ یَا غَفُوْرُ، اِغْفِرْلِیْ** دعا ہے، **یَا غَفُوْرُ** ثنا ہے، اسی طرح **اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ**

يَا رَحِيْمُ اور **اَللّٰهُمَّ الْطُفْ بِيْ يَا لَطِيْفُ۔**

قنوت کے ارادے سے ایسی آیت پڑھی جاسکتی ہے جس میں دعا اور ثنا دونوں شریک ہیں۔مثلاً فرمانِ الٰہی ہے:''**رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ**''(الحشر۱۰)
پروردگار! ہم کو بخش دے،اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دل میں ان لوگوں کے لیے کینہ نہ رکھ جو ایمان لائے ہیں۔ہمارے پروردگار! بے شک تو مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

اسی طرح سورہ بقرہ کا آخری حصہ۔

وہ قنوت جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اکمل ہے اور اس کا پڑھنا افضل ہے۔

قنوت پڑھنے کا موقع: آخری رکعت میں رکوع کے بعد اعتدال کی حالت میں سجدہ سے پہلے قنوت پڑھا جاتا ہے۔

قنوت پڑھنے کے لحاظ سے نماز کی قسمیں

قنوت پڑھنے کے لحاظ سے نماز کی تین قسمیں ہیں: صبح، وتر اور ہر ایک فرض نماز میں قنوتِ نازلہ۔

صبح: فرض نماز کی دوسری رکعت کے رکوع کے بعد اعتدال کی حالت میں **سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ** اور **رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ** کہنے کے بعد قنوت پڑھا جائے گا۔

وتر :رمضان کے مہینے کے آخری نصف حصہ میں وتر کی آخری رکعت کے اعتدل میں قنوت پڑھنا مسنون ہے۔یہ قنوت بھی صبح کی طرح **سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ** اور **رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ** کہنے کے بعد پڑھا جائے گا۔

اگر رمضان کے مہینے کے آخری نصف حصہ کے علاوہ کسی دوسری تاریخ جیسے گیارھویں اور بارھویں میں وتر میں قنوت پڑھا جائے تو سجود سہو کرنا ہوگا۔اسی طرح اگر رمضان کے آخری نصف حصہ کی وتر میں قنوت چھوٹ جائے تو بھی سجود سہو کرنا ہوگا۔

رمضان کے وتر کی قید ہے۔ غیر رمضان کی وتر رمضان میں قضا کی جائے تو قنوت نہ پڑھا جائے۔ اسی طرح رمضان کی وتر غیر رمضان میں قضا کی جائے تو بھی قنوت نہیں ہے جیسا کہ عید کی قضا میں تکبیر نہیں ہے۔ رمضان کی وتر میں قنوت پڑھنے کے لیے تراویح کے پڑھنے یا نہ پڑھنے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

نماز پنجگانہ : ہر ایک فرض نماز کی آخری رکعت کے اعتدال میں کسی مصیبت کے نازل ہونے پر قنوت پڑھنا مسنون ہے۔ اس کو قنوتِ نازلہ کہتے ہیں۔ نازلہ صفت کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں اس مصیبت کے جو نازل ہوئی ہے جیسا کہ قحط، وبا، طاعون اور دشمن کی مصیبت۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بئر معونہ میں قرآن پڑھنے پڑھانے والے اصحاب کے قتل کئے جانے پر قاتلین کے خلاف بددعا کے طور پر ایک مہینے تک نماز میں قنوت پڑھتے رہے۔

(بخاری: ۴۰۸۸، یہ روایت انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔ ابن حبان، ابویعلی)

اسی پر قیاس کرتے ہوئے مصیبت کے دوسرے مواقع پر قنوت کو مسنون قرار دیا گیا۔ قنوت نازلہ کے لیے کوئی خاص الفاظ نہیں بتائے گئے ہیں۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ قنوتِ نازلہ وہی قنوت ہے جو نماز صبح میں پڑھا جاتا ہے۔ ابن حجر کا قول ہے کہ ہر ایک مصیبت کی نوعیت و کیفیت کی مناسبت سے دعا کرنا اولی ہے۔

قنوت نازلہ ابعاض میں شریک نہیں ہے، اس لیے اگر کسی فرض نماز میں قنوت نازلہ چھوٹ جائے تو اس کے لیے سجود سہو نہیں ہے۔

نفل نمازوں میں اور جنازہ کی نماز میں یا نذر کی ہوئی نماز میں قنوت پڑھنا مسنون نہیں ہے۔

امام قنوت نازلہ ہمیشہ جہر سے پڑھے گا۔ نماز جہری ہو یا سری، ادا ہو یا قضاء۔ اور تنہا نماز پڑھنے والا ہمیشہ آہستہ پڑھے گا، اگر چہ کہ نماز جہری ہو۔

قنوت نبی: جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور اکمل و افضل ہے یہ ہے،

شافعیہ میں مطلق قنوت کہنے سے مراد یہی قنوت ہے۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ (جمع إِهْدِنَا) فِیْمَنْ هَدَیْتَ ۔ وَعَافِنِیْ (عَافِنَا) فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ (تَوَلَّنَا) فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ لِیْ (لَنَا) مِنَ الْخَیْرِ فِیْمَا أَعْطَیْتَ وَقِنِیْ (وَقِنَا) شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ وَإِنَّهُ لَایَذِلُّ مَن وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ ۔ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ۔ (ابوداود ۱۴۲۵، یہ روایت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور کہا ہے کہ وتر میں قنوت کے دوران پڑھی جانے والی دعاؤں میں اس سے بہتر ہمیں معلوم نہیں ہے ۴۶۴۔ مستدرک حاکم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے) فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰی مَا قَضَیْتَ ۔ أَسْتَغْفِرُكَ (نَسْتَغْفِرُكَ) وَأَتُوْبُ (نَتُوْبُ) إِلَیْكَ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ ۔
(ان کا اضافہ علماء نے مستحب کہا ہے، دیکھا جائے: ''مغنی المحتاج'' ۱/۱۶۶۔۱۶۷)

یا اللہ ہدایت دے مجھ کو (ہم کو) ان کے ساتھ جن کو تو نے ہدایت دی ہے اور عافیت دے مجھ کو (ہم کو) ان کے ساتھ جن کو تو نے عافیت دی۔ اور حفاظت کر میری (ہماری) ان لوگوں کے ساتھ جن کی حفاظت کی تو نے کی ہے اور اس چیز کی بھلائی میں برکت دے جو تو نے عطا کی اور بچا تو مجھ کو (ہم کو) برے اثر سے اس چیز کے جو تو نے مقرر کیا، بے شک تو حکم دیتا ہے اور تجھ پر کسی کا حکم نہیں چلتا اور وہ شخص ذلیل نہیں ہوتا جس کا تو دوست بنا اور وہ شخص عزت نہیں پاتا جس نے تجھ سے دشمنی کی۔ تو بلند و بالا ہے۔ پس تیرا شکر ہے اس پر جو تو نے مقرر کیا ہے، میں بخشش چاہتا ہوں (ہم بخشش چاہتے ہیں) تجھ سے، میں توبہ کرتا ہوں (ہم توبہ کرتے ہیں) تجھ سے۔

بیجوری نے لکھا ہے کہ درود میں امر کا صیغہ 'صلِّ' اور ماضی کا صیغہ 'صلی' دنوں کہے جا سکتے ہیں۔ امر کے صیغے کے لیے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی اور ماضی کے صیغہ کے لیے وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی کہا جائے گا۔

ہدایت کے معنی ایسے راستے کی رہنمائی کرنے کے ہیں جو منزل مقصود کو پہنچائے۔

فِيْمَنْ هَدَيْتَ، فِيْمَنْ عَافَيْتَ اور فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ میں ''فی''، ''مع'' کے معنی میں ہیں مگر چوں کہ حدیث میں لفظ ''فی'' وارد ہوا ہے، اس لیے ''فی'' کے عوض ''مع'' کہا جائے تو سجود سہو کرنے ہوں گے۔ ''فِيْمَا أَعْطَيْتَ'' میں ''فی'' اپنے اصلی معنی میں ہے۔ اس قنوت کے کلمات شرع میں ثابت ہیں، اس لیے اس کا کوئی کلمہ تبدیل نہیں ہوسکتا۔ کسی کلمہ کے تبدیل ہونے کی صورت میں سجود سہو کرنا ہوگا۔

جماعت میں امام قنوت جہراً پڑھے اور منفرد آہستہ پڑھے۔

قنوت کے تین اجزاء دعا، ثنا اور درود ہیں۔ ان میں سے امام جب دعا پڑھے تو ماموم جہراً آمین کہے۔

ثنا کی نسبت تین اقوال ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ امام کے ثنا پڑھنے کے ساتھ ماموم بھی ثنا آہستہ آواز میں پڑھے اور امام کے ساتھ شریک ہوجائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ماموم امام کی ثنا کو صرف سنتا رہے اور پڑھنے میں امام کا ساتھ نہ دے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ امام کے ثنا پڑھنے پر ماموم ''**أَشْهَدُ**'' یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہے۔

پہلا قول اولی ہے۔

درود میں بھی دو اقوال ہیں:

ایک تو یہ کہ دعا کی طرح درود میں ماموم آمین کہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ثنا کی طرح امام کے ساتھ ماموم بھی درود پڑھے اور امام کے ساتھ شریک رہے۔

لیکن اولی یہ ہے کہ ماموم آمین کہے اور درود بھی پڑھے اور شریک رہے۔

قنوت نازلہ امام جہر سے پڑھے، اگر چہ کہ نماز سری ہو، اسی طرح منفرد بھی قنوت نازلہ ہر ایک نماز میں جہر سے پڑھے، جماعت میں امام جمع کے صیغے جو قوسین میں لکھے گئے

ہیں پڑھے، ورنہ منفرد واحد کے صیغے پڑھے۔ **تَبَارَكْتَ رَبَّنَا** کے **رَبَّنَا** میں جمع کا صیغہ منفرد کے لیے بھی رہے گا۔ منفرد **رَبَّنَا** ہی کہے گا اور اس کے بجائے **رَبِّی** نہیں کہے گا۔

قنوت عمر

قنوت عمر یہ ہے جیسا کہ رملی نے لکھا ہے، بعض کا قول ہے کہ یہ ابن عمر کا قنوت ہے۔ عمر یا ابن عمر دونوں میں سے کسی کی طرف منسوب کیا جائے صحیح ہے اور یکساں ہے۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَهْدِيْكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ كُلَّهُ نَشْكُرُكَ وَلَانَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَن يَّكْفُرُكَ. اَللّٰهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَإِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ نَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ إِنَّ عَذَابَكَ الْجِدَّ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ. (السنن الکبری للبیھقی: باب دعاء القنوت ۳۲۶۷، یہ روایت خالد بن ابی عمران رضی اللہ عنہ سے ہے) **اَللّٰهُمَّ عَذِّبِ الْكَفَرَةَ وَالْمُشْرِكِيْنَ أَعْدَائَكَ أَعْدَاءَ الدِّيْنِ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُوْنَ أَوْلِيَائَكَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ اَلْأَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْأَمْوَاتِ. اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْإِيْمَانَ وَالْحِكْمَةَ وَثَبِّتْ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِكَ وَأَوْزِعْهُمْ أَنْ يُّوْفُوْا بِعَهْدِكَ الَّذِيْ عَاهَدْتَّهُمْ عَلَيْهِ وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ إِلٰهَ الْحَقِّ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ. وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلِّمْ.** (الدعوات الکبیر للبیھقی میں یہ قنوت الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ ہے: باب القول والدعاء فی قنوت ......۲/ ۹۴۵۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے)

اے اللہ! ہم تجھ سے مدد اور ہدایت چاہتے ہیں اور مغفرت چاہتے ہیں اور تجھ پر ہم ایمان لاتے ہیں اور تجھ پر ہم توکل کرتے ہیں، ہم تیری ثنا کرتے ہیں۔ بالکلیہ خیر سے ہم تیرا شکر بجالاتے ہیں، ہم تجھ سے انکار نہیں کرتے ہیں اور چھوڑتے ہیں اور ترک کرتے ہیں ان کو جو تجھ سے انکار کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی

لیے نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔ اور تیری ہی طرف دوڑتے ہیں اور جلدی کرتے ہیں، ہم تیری امید کرتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک تیرا عذاب حق ہے، کافروں کو پہنچے گا۔ اے اللہ! کافروں اور مشرکوں کو عذاب دے، تیرے دشمن دین کے دشمن ہیں، جو لوگ تیرے راستے سے روکتے ہیں اور تیرے پیغمبر کو جھٹلاتے ہیں اور تیرے ولیوں کو قتل کرتے ہیں۔ اے اللہ! مومنین اور مومنات کو اور مسلمین اور مسلمات کو بخش دے جو زندہ ہیں اور جو مر چکے ہیں۔ اے اللہ! ان کے درمیان تعلقات کو درست کر اور ان کے دلوں میں محبت پیدا کر اور ان کے دلوں میں ایمان اور حکمت ڈال دے اور تیرے پیغمبر کے مذہب پر ثابت قدم رکھ اور اس وعدہ کو پورا کرنے کی توفیق دے جو تو نے ان سے لیا ہے اور ان کو تیرے دشمنوں پر کامیاب کر، اے سچے معبود اور ہم کو ان میں سے بنادے۔

فضیلت: قنوتِ نبی اور قنوت عمر دونوں کا پڑھنا منفرد کے لیے مسنون ہے اور فضیلت اس میں ہے کہ قنوتِ نبی کے بعد قنوت عمر پڑھے۔ دونوں میں سے ایک پر اکتفا کرنے کی صورت میں قنوتِ نبی پر اکتفا کرنے میں فضیلت ہے۔

جماعت میں امام دونوں قنوت صرف اس صورت میں جمع کر کے پڑھ سکتا ہے جب کہ دشمن کی قید میں ہوں اور قنوت کی طوالت پر رضا مند ہوں۔ قنوت میں طوالت اسی طرح مکروہ ہے جس طرح کہ تشہد اول میں مکروہ ہے، مگر قنوتِ نبی کے ساتھ قنوتِ عمر کا جمع کرنا مسنون ہے۔

قنوت کے وقت ہاتھوں کا اٹھانا مسنون ہے۔ خیر کے حصول کے لیے ہتھیلیوں کا رخ آسمان کی طرف اور شر کے دور کرنے کے لیے ہاتھ کے پنجوں کی پشت آسمان کی طرف ہو۔ اسی طرح عام دعاؤں میں عمل کیا جائے۔

نماز میں قنوت کے بعد ہاتھوں سے چہرہ کا چھونا مسنون نہیں ہے، بلکہ نہ چھونا اولی ہے۔ نماز کے باہر دعا کے بعد چہرے کا چھونا مسنون ہے، نہ کہ سینے کا۔ مالکی امام کے پیچھے رکوع سے پہلے قنوت پڑھے یا حنفی امام کے پیچھے قنوت چھوڑ دے یا قنوت کے محل پر قنوت پڑھے تو بھی سجود سہو نہ کرے، شافعیہ قنوتِ نبی پڑھتے ہیں اور حنفیہ قنوت عمر۔

سنن ہیئات

نماز کی سنن ہیئات پندرہ ہیں:

۱۔رفع یدین کرنا

۲۔ہاتھ باندھنا

۳۔توجیہ پڑھنا

۴۔استعاذہ یعنی اعوذ باللہ کہنا

۵۔جہراوراسرار یعنی جہری نمازوں میں تلاوت جہراً کرنااورسری نمازوں میں سراً

۶۔تامین یعنی سورہ فاتحہ کے اختتام پر آمین کہنا

۷۔قراءت سورہ یعنی سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسرا سورہ تلاوت کرنا

۸۔تکبیرات انتقالی یعنی ایک رکن سے دوسرے رکن میں جاتے وقت تکبیر کہنا

۹۔تسمیع وتحمید، رکوع سے اٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد کہنا

۱۰۔تسبیح؛ رکوع اور سجدہ میں تسبیح پڑھنا

۱۱،۱۲۔ہاتھ رانوں پر رکھنا اور انگلی سے توحید کا اشارہ کرنا

۱۳۔افتراش

۱۴۔تورک

۱۵۔دوسرا سلام

تعداد شمار کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہراوراسرار کو ایک اور تسبیح رکوع اور تسبیح سجود کو دو شمار کیا جائے۔

ہیئات جمع ہے اور اس کی واحد ہیئت ہے۔ ہیئت کسی شئے کی صفت کو کہتے ہیں جیسا

کہ سفیدی جو کسی جسم پر ہو۔

شرع میں ہیئت اس سنت کو کہتے ہیں جو ابعاض میں سے نہ ہو اور جس کے چھوٹنے پر سجود سہو نہیں کیئے جاتے۔ اس لیے کہ شرع میں اس کے تدارک وتلافی کے لیے حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اگر کسی سنت ہیئت کے چھوٹنے پر جان بوجھ کر سجود سہو کئے جائیں تو نماز باطل ہوتی ہے۔

ہیئاتِ نماز میں نماز سے مراد ہر ایک نماز ہے؛ فرض ہو یا نفل۔

ابوشجاع نے ہیئات کی تعداد پندرہ درج کی ہے مگر اس تعداد پر حصر نہیں ہے، اس سے زیادہ ہے۔

رفع یدین

رفع کے معنی اٹھانے کے ہیں۔ یدین ید کا تثنیہ ہے جس کے معنی دو ہاتھوں کے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع کرنے کے وقت اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے۔ (بخاری ۷۰۵، مسلم ۳۹۰)

بخاری نے روایت کی ہے کہ سترہ صحابہ نے رفع یدین کی روایت کی اور کسی صحابی کے قول سے اس کے خلاف ثابت نہیں ہوا۔ (فتح الباری: باب رفع الیدین إذا کبر ۲/۲۲۰۔ بخاری کی یہ روایت صحیح البخاری میں نہیں ہے، بلکہ بخاری کی کتاب ''قرۃ العینین فی رفع الیدین فی الصلاۃ'' میں ہے۔ ص ۷)

رفعِ یدین کا طریقہ

رفع یدین کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اس طرح اٹھایا جائے کہ انگلیوں کے کنارے کان کے اوپر کے حصہ کے مقابلہ میں اور انگوٹھے کان کی لولکیوں کے مقابلہ میں، ہتھیلیاں قبلہ کے رخ میں کندھے کے مقابلہ میں، انگلیاں کھلی ہوئیں اور اوسط طور پر پھیلی ہوئی اور ہتھیلی کی طرف ذرا خمی ہوئی ہوں۔

رفع یدین کا یہ عمل مرد اور عورت دونوں کے لیے عام ہے۔ بعض کا قول ہے کہ عورت سینے تک ہاتھ اٹھائے۔ رفع یدین امام و ماموم منفرد سب کے لیے مسنون ہے، بیٹھ کر نماز

پڑھنے اور لیٹ کر نماز پڑھنے میں بھی رفع یدین کیا جائے گا۔

نماز میں داخل ہونے کے اظہار کے لیے دو علامتیں ہیں؛ قولی اور فعلی۔ قولی علامت تکبیر تحریمہ ہے اور فعلی علامت رفع یدین۔ اندھا شخص تکبیر تحریمہ کو سن کر اور بہرہ شخص رفع یدین کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ مصلی نماز میں داخل ہوا، اسی لیے تکبیر تحریمہ کو آواز سے کہنے کی ضرورت ہے۔

رفع یدین سے اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ تعالی کے سوائے سب کو ترک کر کے پورے طور پر اللہ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ بندہ اور معبود کے درمیان حجاب برخاست ہو گیا۔

رفع یدین کا موقع

رفعِ یدین چار موقعوں پر کیا جاتا ہے:

۱۔ تکبیر تحریمہ کے وقت

۲۔ رکوع میں جاتے ہوئے

۳۔ رکوع سے اٹھتے ہوئے

۴۔ تشہد اول سے اٹھتے ہوئے

تکبیر تحریمہ کے آغاز کے ساتھ ہاتھ اٹھانا شروع کر کے تکبیر کے ختم ہونے تک ہاتھ کو بھی اٹھایا جائے۔ تکبیر تحریمہ اور رفع یدین دونوں ایک ساتھ شروع ہو کر ایک ساتھ ختم ہوتے ہیں۔ تکبیر کے پوری ہونے سے قبل ہاتھوں کو اٹھا لینا سنت کے خلاف ہے۔

رکوع میں جاتے ہوئے رکوع کی ابتداء اور رفع یدین کی ابتداء دونوں ایک ساتھ ہیں، مگر رفع یدین پہلے ختم ہوگا اور رکوع کا فعل اور تکبیر کا قول دونوں جاری رہیں گے۔

رکوع سے اور تشہد اول سے اٹھ کر قیام کی حالت میں آتے ہوئے رفع یدین کیا جائے۔

رکعتوں کی تعداد کا لحاظ مصلی کی نماز کے لحاظ سے ہے، نہ کہ امام کی نماز کے لحاظ سے۔

جلسہ استراحت کے بعد قیام میں آتے ہوئے رفع یدین نہ کیا جائے۔ پہلی اور تیسری رکعت کے سجود کے بعد، قیام سے قبل کی مختصر نشست کو جلسہ استراحت کہتے ہیں۔

بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنے کی صورت میں بھی تشہد اول کے بعد رفع یدین کیا جائے، مقررہ موقع پر رفع یدین کا نہ کرنا اور بے موقع رفع یدین کرنا دونوں مکروہ ہیں۔

اختلاف: رفع یدین میں شافعیہ اور حنابلہ میں اتفاق ہے۔امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین مسنون نہیں ہے۔

ہاتھ باندھنا

ہاتھ باندھنے کے تین طریقے ہیں:

پہلا طریقہ یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے پنجے کی پشت پر سینے اور ناف کے درمیان رکھے اور داہنے ہاتھ کے پنجے سے بائیں ہاتھ کے پہونچے یا کلائی کے کچھ حصہ کو پکڑے اور یہی افضل طریقہ ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں پہونچے کے عرض میں پھیلا کر رکھے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی کلائی کی طرف لمبی رکھے۔

دوسرا طریقہ بھی معتمد ہے۔

ہاتھ باندھنے سے غرض یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو سکون رہے۔اگر ہاتھ نیچے چھوڑ دیے جائیں اور بیکار نہ ہلاتے رہیں تو بھی مضائقہ نہیں، مگر ہاتھ باندھنے میں سنت حاصل ہوتی ہے۔سینے اور ناف سے مراد تمام وہ جگہ ہے جو سینے کے نیچے اور ناف کے اوپر ہے۔

اختلاف: حنفیہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں اور مالکیہ کے نزدیک ہاتھوں کو نیچے چھوڑنے میں فضیلت ہے۔

دعاء التوجہ

توجہ کے معنی کسی چیز کی طرف متوجہ ہونے کے ہیں اور اس سے مراد دعائے توجہ ہے، اس کو دعائے افتتاح یا استفتاح بھی کہتے ہیں۔افتتاح اور استفتاح کے معنی ابتداء کرنے کے ہیں۔تکبیر احرام کے بعد، تعوذ اور سورہ فاتحہ سے پہلے اس دعا کا پڑھنا مسنون ہے:

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (مسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے یہ دعا نقل کی ہے ۱۷۷) میں نے اپنے چہرے کو اس کی طرف یکسو ہو کر اسلام لا کر پھیر لیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو بنایا، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، بے شک میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے، جو تمام دنیاؤں کا پروردگار ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے۔ اور میں اسلام لانے والوں میں سے ہوں۔

وجهت وجهي کے معنی چہرے سے متوجہ ہونے کے ہیں، مگر اس سے پوری ذات مراد ہے۔ ''فطر'' کے معنی بغیر کسی مثال کے جدید طور پر پیدا کرنے کے ہیں۔ وأنا من المسلمين کے عوض وأنا أول المسلمين بھی کہہ سکتے ہیں، جو آیت قرآنی میں ہے، مگر اس سے یہ ارادہ نہ ہونا چاہیے کہ درحقیقت اسلام لانے والوں میں وہ پہلا شخص ہے۔ اس لیے کہ اس سے سابق میں گزرے ہوئے مسلمانوں کے اسلام کی نفی لازم آتی ہے۔

حنیف کے معنی باطل ادیان سے روگرداں ہو کر دینِ حق کی طرف مائل ہونے کے ہیں۔ حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی ملت پر ہو۔ مسلماً آیت قرآنی میں نہیں ہے مگر حدیث میں آیا ہے۔ نسک کے معنی عبادت کے ہیں۔

دعائے توجہ فرض اور نفل دونوں نمازوں میں پڑھی جائے۔ امام، مأموم، منفرد یا عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ عورت بھی ''وما أنا من المشركين وأنا من المسلمين'' اور ''حنيفاً'' کے عام الفاظ کہے، جو حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔

تشہد کی طرح دعائے توجہ میں بھی ترتیب اور موالات کا لحاظ رکھا جائے۔

آسمان اور زمین میں کون افضل ہے؟

آسمان اور زمین میں فضیلت کس کو ہے اس بارے میں اختلاف ہے۔ رملی کا قول ہے کہ آسمان سے زمین افضل ہے، اس لیے کہ وہ انبیاء اور علماء کا مقام ہے۔ ابن حجر کا قول

ہے کہ زمین سے آسمان افضل ہے، اس لیے کہ آسمان میں کبھی اللہ تعالی کے احکام کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ لیکن اس خطہ زمین کی نسبت جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک ہے سب کو اتفاق ہے کہ یہ قطعہ زمین سب سے افضل ہے۔ اسی طرح وہ قطعات جہاں دوسرے انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں۔

دیگر دعائیں

نماز کے افتتاح کے لیے ''وجہت وجہی'' ہی پڑھنے کی قید نہیں ہے، اس کے عوض کوئی دوسری دعا جو افتتاح کے بارے میں وارد ہوئی پڑھی جاسکتی ہے۔ دیگر دعائیں یہ ہیں:

۲-سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكۡبَرُ۔

اللہ تعالی پاک ہے، اللہ ہی کے لیے تمام تعریف ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ بزرگ تر ہے۔

۳-اَللّٰهُ أَكۡبَرُ كَبِيۡرًا وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ كَثِيۡرًا وَسُبۡحَانَ اللّٰهِ بُكۡرَةً وَّأَصِيۡلًا۔

اللہ تعالی بزرگ تر ہے بلحاظ بزرگی کے، اللہ کے لیے بہت سی تعریف ہے اور پاک ہے اللہ تعالی صبح اور شام۔

۴- اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ حَمۡدًا كَثِيۡرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيۡهِ۔

تعریف ہے اللہ کے لیے بہت سی تعریف پاک اور برکت والی۔

۵-اَللّٰهُمَّ بَاعِدۡ بَيۡنِيۡ وَبَيۡنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدۡتَ بَيۡنَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيۡ مِنَ الۡخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوۡبُ الۡأَبۡيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اَللّٰهُمَّ اغۡسِلۡنِيۡ بِالۡمَاءِ وَالثَّلۡجِ وَالۡبَرَدِ۔

یا اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان دوری کر، جیسا کہ تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری کی، یا اللہ! تو مجھ کو گناہوں سے پاک کر جیسا کہ سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے۔ یا اللہ! مجھ کو پانی، اولے اور برف سے دھودے۔

ان جملہ دعاؤں کو جمع کر کے پڑھنا منفرد کے لیے مستحب ہے، لیکن امام کے لیے مستحب اس شرط پر ہے کہ قیدیوں کی جماعت کو نماز پڑھا رہا ہو اور جماعت والے طوالت پر رضامند بھی ہوں۔ قیدیوں کی جماعت کا امام اس ذکر کا بھی اضافہ کر سکتا ہے۔

٦- اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ رَبِّيْ وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ وَاهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ فَإِنَّهُ لَا يَهْدِيْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا فَإِنَّهُ لَا يَصْرِفُ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ، لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ بِيَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ تَبَارَكْتَ رَبِّيْ وَتَعَالَيْتَ فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا قَضَيْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔

یا اللہ تو ہی بادشاہ ہے، نہیں کوئی معبود سوائے تیرے، تو میرا پروردگار ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور میں نے میرے گناہ کا اقرار کیا، پس میرے سبھی گناہوں کو بخشش دے، بے شک گناہوں کو سوائے تیرے کوئی نہیں بخشتا ہے اور عمدہ اخلاق کی طرف میری ہدایت فرما، بے شک عمدہ اخلاق کی طرف سوائے تیرے کوئی ہدایت نہیں کرتا اور مجھ سے برے اخلاق کو پلٹا دے، پس برے اخلاق کو سوائے تیرے کوئی نہیں پلٹاتا، میں تیری دعوت کی اجابت پر قائم ہوں اور میں تیرا پورا احترام کرتا ہوں، نیکی ساری تیرے ہاتھ میں ہے اور برائی تیری طرف نہیں، میں تجھ سے اور تیری طرف ہوں، میرا پروردگار برکت والا ہے اور بلند ہے، پس تیرے ہی لیے تعریف اس چیز پر ہے جو تو نے مقرر کی ہے، میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیری طرف رجوع ہوتا ہوں۔

توجیہ کے مستحب ہونے کے شرائط

دعائے افتتاح کے مستحب ہونے کے لیے پانچ شرائط ہیں:

ا۔ نماز جنازہ نہ ہو۔ نماز جنازہ میں دعائے افتتاح نہیں پڑھی جاتی اور نہ قبر پر بخلاف تعوذ کے۔ نماز جنازہ میں تعوذ مسنون ہے۔

۲۔وقت نکلنے کا خوف نہ ہو۔اگرایک رکعت بھی اندرون وقت ہونے کا احتمال ہوتو دعائے افتتاح پڑھی جائے گی،ورنہ نہیں۔

۳۔ماموم کوسورہ فاتحہ چھوٹنے کا خوف نہ ہو۔

۴۔امام کوغیرقیام کی حالت میں نہ پایا ہو۔اگراعتدال کی حالت میں امام کے ساتھ ملےتو دعائے افتتاح نہیں پڑھے گا۔اگرامام کوتشہد کی حالت میں پائے اورامام سلام پھیر دے یااس کے بیٹھنے سے پہلے امام کھڑا ہوجائےتو دعائے افتتاح پڑھنا مسنون ہے۔

۵۔تعوذاورتلاوت نہ شروع کی ہو۔

استعاذہ

نمازمیں ہرایک رکعت میں قراءت سے پہلےاورپہلی رکعت میں دعائے توجہ کے بعد سراً تعوذ پڑھنا مسنون ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾(نحل ۹۸)جب تم قرآن پڑھنے کاارادہ کروتواللہ تعالی کے حضورمردودشیطان سے پناہ مانگو۔

استعاذہ کےمعنی پناہ مانگنے کے ہیں اوراستعاذہ کے لیے جوکلمات بولے جاتے ہیں ان کوتعوذ کہتے ہیں۔تعوذیہ ہے: أعوذ بالله من الشيطان الرجيم ۔نسائی کی روایت کردہ حدیث کی بناءپربعض نے’’السميع العليم ‘‘ کااضافہ کلمات تعوذ کے درمیان کیا ہے۔(یہ اضافہ ترمذی کی روایت میں ہے:۲۹۲۲،روایت معقل بن یساررضی اللہ عنہ سے ہے)’’أَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ‘‘۔

نووی نے یہ کلمات معین کئے ہیں:’’أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ‘‘۔

استعاذہ ہرایسےالفاظ سے حاصل ہوتا ہےجس میں تعوذ کے معنی ہوں،مگرافضل وہی الفاظ ہیں جووارد ہوئے ہیں۔

ہرایک نمازمیں تعوذسراًپڑھاجائے،نمازجہری ہویاسری۔

نماز کے باہر قراءت جس آواز میں پڑھی جائے گی اسی آواز میں تعوذ پڑھا جائے گا۔

تعوذ سورہ فاتحہ سے پہلے پڑھا جائے گا۔

اگر تعوذ سے سے پہلے سورہ فاتحہ شروع کر دی جائے تو تعوذ فوت ہوجائے گا اور نہ پڑھا جائے گا۔

اگر نماز میں دعائے افتتاح اور تعوذ سے پہلے سورہ فاتحہ شروع کر دی جائے تو تعوذ فوت ہوجائے گا اور نہ پڑھا جائے گا۔

اگر نماز میں دعائے افتتاح اور تعوذ میں سے کسی ایک کے پڑھنے کی گنجائش ہو تو تعوذ پڑھے۔

اگر جماعت کے ساتھ ایسے وقت میں ملے کہ سورہ فاتحہ کو پورا نہ کر سکنے کا ڈر ہو تو تعوذ کو ترک کرے۔

امام کے ساتھ جلوس میں شریک ہو کر قیام میں آئے یا امام کے سلام کے بعد قیام میں آئے تو تعوذ پڑھے، اس لیے کہ تعوذ ہر قراءت سے پہلے مسنون ہے۔ دوسرے مسنون اذکار کی طرح افتتاح اور تعوذ دونوں آہستہ پڑھے جائیں گے، نماز سری ہو یا جہری۔

شیطان سے مراد

شیطان ہر ایک متمرد اور سرکش کو کہتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ جنس شیطان کے ہر ایک فرد کو شیطان کہتے ہیں، بعض نے کہا ہے کہ شیطان ابلیس کا نام ہے۔ بعض کا قول ہے کہ شیطان سے مراد قرین کے ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَقَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ﴾ (ق ۲۷) قرین کے معنی ساتھ رہنے والے کے ہیں۔

ابن عقیل حنبلی نے لکھا ہے کہ جن کی جنس کے گنہ گار افراد کو جو ابلیس کی اولاد سے ہیں شیطان کہا جاتا ہے۔

ابن عبدالبر نے بیان کیا ہے کہ اہلِ کلام کے پاس جن کے کئی مراتب ہیں۔ اگر خالی جن مراد ہو تو ''جنی'' کہلائیں گے۔ اگر مراد اس سے وہ ہو جو انسان کے ساتھ رہتا ہو تو اس کو ''عامر'' کہیں گے، اگر اس سے مراد وہ ہے جو بچوں پر عارض ہوتا ہے تو اس کو ''ارواح'' کہتے ہیں اور

مراد خبیث ہو تو اس کو "شیطان" کہتے ہیں اور خباثت میں شدت ہو تو "عفریت" کہتے ہیں۔

متفرق مسائل

استعاذہ نماز میں ترک ہو جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی۔ نماز میں یا بیرون نماز ہر دو حال میں قراءت کے ساتھ استعاذہ مسنون ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ استعاذہ کا تعلق تلاوت قرآن سے ہے۔ استعاذہ ہر ایسی چیز سے قلب کو پاک کرتا ہے جو انسان کے قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھیر دے۔

سکتات

نماز میں سنت سکتے چھ ہیں:

۱۔ تکبیر تحریمہ اور توجیہ کے درمیان

۲۔ توجیہ اور تعوذ کے درمیان

۳۔ تعوذ اور بسملہ کے درمیان

۴۔ سورہ فاتحہ اور آمین کے درمیان

۵۔ آمین اور سورہ کے درمیان

۶۔ سورہ اور تکبیر رکوع کے درمیان

سکتہ کے معنی سکوت اور خاموشی کے ہیں۔ سکتہ اس مقدار میں مسنون ہے کہ سبحان اللہ کہا جا سکے، سوائے اس سکتہ کے جو آمین اور سورہ کے درمیان ہو، یہ سکتہ جہری نماز میں ہو تو امام آمین کہنے کے بعد اتنی دیر توقف کرے کہ ماموم سورہ فاتحہ پڑھ لے۔ امام کے لیے مسنون ہے کہ اس اثناء میں تلاوت کرے یا دعا پڑھتا رہے لیکن تلاوت کرنا اولیٰ ہے۔

جہراً یا سراً

نماز میں قراءت بعض جگہ بلند آواز سے مسنون ہے اور بعض جگہ آہستہ مسنون ہے۔ بیجوری اور بجیرمی نے لکھا ہے کہ بعض جگہ متوسط آواز میں تلاوت کرنا بھی مسنون ہے۔

سراً اتنی آواز سے پڑھنے کو کہتے ہیں کہ خود سن سکے، محض زبان ہلانا کافی نہیں ہے۔
جھر اتنی آواز میں پڑھنے کو کہتے ہیں جس کو خود کے علاوہ قریب کا شخص بھی سن سکے۔
متوسط آواز جہراً اور اسراً کی درمیانی آواز کو کہتے ہیں۔ جو خود کے سننے سے کسی قدر زیادہ ہو مگر دوسرا شخص نہ سن سکے۔

زرکشی نے متوسط آواز کی تعریف یہ کی ہے کہ قراءت کبھی جہر سے اور کبھی سراً پڑھی جائے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا﴾ (الإسراء ١١٠) اپنی نماز کو نہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ آہستہ آواز سے بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرو۔ یعنی نہ تو پوری نماز آواز سے پڑھو اور نہ پوری نماز آہستہ پڑھو بلکہ کچھ حصہ آواز سے اور کچھ حصہ آہستہ پڑھو۔

بجیرمی نے یہ حکمت ظاہر کی ہے کہ رات کا وقت تنہائی اور سکون کا ہوتا ہے اور آواز سے قراءت کے پڑھنے میں ایک خاص لذت حاصل ہوتی ہے اور دن کا وقت کاروبار اور مصروفیت کا ہوتا ہے، اس لیے دن کی نمازوں کو آہستہ پڑھنے کے لیے حکم دیا گیا۔

نمازوں کے جہر اور اسرار میں سب کو اتفاق ہے۔

نماز میں صرف قراءت کا حصہ جہر سے پڑھا جائے گا۔

سورہ فاتحہ اور دوسرا سورہ پڑھنے کو قراءت کہتے ہیں، ان دونوں سورتوں میں تسمیہ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی داخل ہے۔ تسمیہ بھی جہر سے پڑھی جائے گی۔

جہری نماز میں امام اور منفرد قراءت جہر سے پڑھیں گے۔ امام کے پیچھے ماموم ہمیشہ اسرار سے پڑھے گا۔

بجیرمی نے لکھا ہے کہ جہری نماز کی پہلی دو رکعتوں میں امام کے سورہ فاتحہ سے فارغ ہونے تک ماموم سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ سری نماز میں بھی ماموم اس انداز سے سورہ فاتحہ پڑھے کہ امام سورہ فاتحہ سے فارغ ہو جائے۔

عورت کے لیے مسنون ہے کہ اجنبی مرد کی موجودگی میں اتنی آواز میں پڑھے کہ

اجنبی مرد نہ سن سکے۔

کسی دوسرے شخص کو تکلیف ہوتی ہو تو جہر سے پڑھنا مکروہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حرام ہے۔

جس نماز میں جہر مسنون ہے اسرار سے پڑھنا اور جہاں اسرار مسنون ہے جہر سے پڑھنا بغیر کسی عذر کے مکروہ ہے۔

مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں جہر ترک ہو جائے تو مغرب کی آخری رکعت اور عشاء کی آخری دو رکعتوں میں جہر سے پڑھ کر تدارک نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ ان رکعتوں کا اسرار سے پڑھنا مسنون ہے۔

بخلاف اس کے کہ اگر پہلی دو رکعتوں میں ضم سورہ ترک ہو جائے تو بقیہ رکعتوں میں ضم سورہ کر کے تدارک کیا جائے گا۔ کیوں کہ اس سے نماز کی صفت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

جہری نمازیں

فرض نمازوں میں صبح کی دو رکعت، مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعت اور جمعہ کی دو رکعت، نوافل میں عیدین، استسقاء، خسوف قمر اور طواف کی دو رکعتیں، تراویح اور رمضان کی وتر جہر سے پڑھنا مسنون ہے، استسقاء کی نماز دن میں بھی جہر سے پڑھی جائے گی۔ طواف کی دو رکعتوں کی نسبت یہ حکم ہے کہ رات میں جہر سے پڑھی جائیں گی۔ رمضان کی وتر منفرد بھی جہر سے پڑھے گا۔ قنوت کو امام مطلق طور پر جہر سے اور منفرد مطلق طور پر اسرار سے پڑھے گا۔

سری نمازیں

فرض نماز میں ظہر اور عصر کی پوری نمازیں، مغرب کی آخری ایک رکعت اور عشاء کی آخری دو رکعت اور نوافل میں جملہ سنن راتبہ جو فرض کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں، کسوف شمس اور دن کی مطلق نوافل کو اسرار سے پڑھنا مسنون ہے۔

متوسط نمازیں

رات کی مطلق نوافل کو جہر اور اسرار کے درمیان متوسط آواز میں پڑھنا مسنون ہے بشرطیکہ کسی دوسرے شخص کی نیند یا دوسرے مصلی کی نماز میں یا طالب علم کے مطالعہ میں خلل نہ ہو۔

قضا

قضا نماز دن میں اسرار سے اور رات میں جہر سے پڑھی جائے گی، اگر چہ کہ اصل فرض اسرار سے پڑھی جائے۔ظہر کو رات میں جہر سے قضا کیا جائے اور صبح کو دن میں اسرار سے قضا کیا جائے۔صبح کی پہلی رکعت وقت میں اور دوسری رکعت وقت کے باہر واقع ہو تو پہلی رکعت جہر سے اور دوسری رکعت اسرار سے پڑھی جائے گی۔

عید کی نماز کو دن کے وقت جہر سے پڑھنے کا حکم ہے۔اس لیے عید کی قضا نماز دن کو بھی جہر سے پڑھی جائے گی۔

عام اصول یہ ہے کہ فرض نماز کی قضا غروب سے طلوع تک جہر سے اور اس کے سوا دوسرے اوقات میں سراً پڑھی جائے گی۔

تامین

سورہ فاتحہ کے بعد نماز میں یا نماز کے باہر، قاری اور سامع دونوں کے لیے آواز سے آمین کہنا مسنون ہے، لیکن نماز میں تاکید ہے۔ ماموم بھی امام کے ساتھ آمین کہے۔

جس طرح سورہ فاتحہ سے قبل افتتاح اور تعوذ دو سنتیں ہیں اسی طرح فاتحہ کے بعد بھی تامین اور کوئی دوسرا سورہ پڑھنا دو سنتیں ہیں۔

تامین مصدر ہے اور اس کے معنی آمین کہنے کے ہیں۔آمین کی نسبت مشہور قول یہ ہے کہ اسم فعل ہے، جس کے معنی ہیں: ''اِستَجِبْ یَا اَللّٰہُ'' یا اللہ! قبول کر۔

بعض کا قول ہے کہ اللہ تعالی کے اسماء میں سے ایک اسم آمین ہے۔

سورہ فاتحہ کے بعد ہی آمین کہنے کی قید ہے۔اگر سورہ فاتحہ کے بعد کوئی اور لفظ زبان

سے سہواً بھی نکل جائے یا رکوع کا آغاز کر دیا جائے تو آمین کہنے کا موقع فوت ہو جائے گا۔

جہری نماز میں امام کے ساتھ ماموم بھی آمین جہر کے ساتھ کہے، نماز میں سوائے آمین کے کسی اور چیز میں امام کے ساتھ ماموم کی مقارنت یعنی ساتھ ساتھ پڑھنا یا رہنا مطلوب نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ'' (بخاری ۷۸۰، مسلم ۴۱۰، یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) جب امام آمین کہے تو آمین کہو۔ جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہوگی اس کے اگلے گناہ اللہ بخش دے گا۔

یہاں امام کے آمین کہنے سے مراد یہ ہے کہ آمین کہنے کے موقع پر آمین کہو، اگر چہ کہ امام آمین نہ کہے یا آمین کہنے میں تاخیر کرے۔

جہری نماز میں امام، ماموم اور منفرد آمین بھی جہر سے کہیں گے، سری نماز میں آمین بھی اسرار سے کہیں گے۔

جہر کے مواقع

جہر جہاں ماموم بھی امام کے پیچھے آواز سے کہتا ہے پانچ ہیں:

۱۔ سورہ فاتحہ کے بعد آمین

۲۔ صبح کے قنوت میں آمین

۳۔ رمضان کے نصف آخر کے قنوت میں آمین۔

۴۔ پانچوں نمازوں کے قنوت نازلہ میں آمین

۵۔ جب امام کو لقمہ دے

قراءت سورہ

سورہ فاتحہ کے بعد پہلی دو رکعتوں میں کوئی دوسرا سورہ پڑھنا مسنون ہے۔

سورہ کے معنی شہر کی فصیل کے ہیں جس سے شہر کے حدود معین ہوتے ہیں۔ قرآن

کے سورہ میں بھی ابتداء اور انتہا کے حدود متعین ہیں، اس لیے اس کو سورہ کہا گیا۔

قراءت سورہ میں سورہ سے مراد اس مفہوم سے زیادہ عام مفہوم ہے۔ سورہ قرآن مجید کے ہر ایسے ٹکڑے کو کہتے ہیں جس میں کم از کم تین آیتیں ہوں۔

اعتماد اس پر ہے کہ کامل سورہ کسی سورہ کے بعض حصہ سے افضل ہے اور زیادہ آیتوں والا ٹکڑا کم آیتوں والے کامل سورہ سے افضل ہے، جیسا کہ آیت دین ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ ...... إلى آخرها﴾ (البقرۃ ۲۸۲) سورۃ الکوثر سے افضل ہے۔ ابن حجر کا قول اس کے خلاف یہ ہے کہ کامل سورہ کو عام طور پر ترجیح حاصل ہے۔

ایک بڑی آیت بھی تین آیتوں کے مساوی ہوسکتی ہے جیسا کہ آیت الکرسی۔

قراءت سورہ کے معنی دوسرے سورہ کے پڑھنے کے ہیں، اس کو ضم سورہ بھی کہتے ہیں۔ ضم کے معنی ملانے کے ہیں۔ قراءت سورہ امام اور منفرد دونوں کے لیے مسنون ہے۔ ماموم کے لیے قراءت سورہ مسنون نہیں ہے۔ ماموم امام کی قراءت سنتا رہے، نقل سماعت یا امام کی دوری یا سراً پڑھنے کی وجہ سے امام کی قراءت نہ سنائی دیتی ہو تو ماموم بھی سورہ پڑھ سکتا ہے۔ اس لیے کہ خاموش رہنے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

پہلی دو رکعتوں کے بعد ماموم امام کے ساتھ شریک ہوا اور امام کے سلام کے بعد بقیہ دو رکعتوں کی تکمیل کرے تو ان رکعتوں میں ضم سورہ کرے تاکہ اس کی نماز، بغیر کسی عذر کے ضم سورہ سے خالی نہ ہو۔ (شوافع کا مفتی بہ قول یہ نہیں ہے، بلکہ بقیہ دو رکعتوں میں ضم سورہ نہیں کرے گا۔)

ماموم رکوع میں جماعت کے ساتھ ملے تو ماموم کو اس رکعت کی قراءت حاصل ہوجاتی ہے اور اس کے تدارک کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر کسی رکعت میں ضم سورہ فوت ہوجائے تو دوسری رکعت میں ضم سورہ کیا جائے۔

تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ سے فارغ ہوجائے اور امام کی قراءت سنائی نہ دیتی ہو تو ماموم دعا یا قراءت میں مصروف رہ سکتا ہے۔

تشہد اول کا بھی یہی حال ہے۔ تشہد اول ختم ہونے کے بعد امام کے انتظار میں دعا یا

قراءت میں مصروف رہ سکتا ہے۔مگر قیام میں قراءت اور قعود میں دعا اولی ہے۔

فاتحہ کے بعد کی قید کا یہ نتیجہ ہے کہ سورہ فاتحہ سے قبل دوسرا سورہ نہ پڑھے۔ جو سورہ فاتحہ سے قبل پڑھا جائے گا وہ ضم سورہ میں شمار نہ ہوگا۔

امام سورہ فاتحہ کے بعد تھوڑی دیر توقف کرے تا کہ ماموم سورہ فاتحہ پڑھ لے۔امام اس اثناء میں آہستہ آواز سے قراءت یا دعا پڑھتا رہے۔قراءت کا پڑھنا اولی ہے۔

فرض نمازوں میں قراءت سورہ مسنون ہے جیسا کہ ظہر،عصر،مغرب،عشاء میں، جس قدر نفل رکعتیں ایک تکبیر تحریمہ اور ایک تشہد کے ساتھ پڑھی جائیں گی،ان کی ہر ایک رکعت میں ضم سورہ کرنا چاہیے۔اگر نفل نماز میں تشہد اول اور تشہد آخر دونوں پڑھیں تو تشہد اول سے پہلے کی رکعتوں میں ضم سورہ کیا جائے،تشہد اول کے بعد جو رکعتیں ہوں گی ان میں ضم سورہ نہ کیا جائے۔ضم سورہ کے لیے سری اور جہری نمازوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

سورہ پڑھنے کی شرطیں:

قراءت سورہ کی شرطیں سات ہیں:

۱۔تطویل؛ پہلی رکعت کی قراءت میں بہ نسبت دوسری رکعت کی قراءت کو طول کرنا مسنون ہے،سوائے اس خاص صورت کے جس میں اس کے برعکس حکم دیا گیا ہے۔اس کی تفصیل صلاۃ الخوف میں آئے گی۔ جہاں امام کے لیے دوسری رکعت میں قراءت میں طول دینا مسنون ہے۔

۲۔دوسرا سورہ جو پڑھا جائے گا سورہ فاتحہ کے علاوہ ہوگا۔اس لیے کہ سورہ فاتحہ کو دوبارہ پڑھنا مسنون نہیں ہے اور پھر ایک ہی چیز فرض اور نفل دونوں کو ادا نہیں کر سکتی اور آخری وجہ یہ ہے کہ سورہ فاتحہ نماز کے ارکان میں سے ہے اور رکن کی تکرار نہیں ہوسکتی، یہ بات اور ہے کہ کسی کو سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی دوسرا سورہ یاد ہی نہ ہو تو اس کے لیے سورہ فاتحہ کا دوبارہ پڑھنا مسنون ہے۔

۳۔قراءت اس ترتیب کے ساتھ پڑھی جائے جو قرآن مجید میں ہے۔اگلے سورہ کو

پچھلی رکعت میں اور پچھلے سورہ کو اگلی رکعت میں نہ پڑھا جائے۔ ترتیب کے ساتھ موالات بھی اولی ہے۔ یعنی پہلی رکعت میں ایک سورہ پڑھا گیا تو دوسری رکعت میں اس کے بعد آنے والا سورہ پڑھا جائے۔ ترتیب اور موالات کی خلاف ورزی اولویت کے خلاف ہے۔

قراءت سورہ جملہ نمازوں میں مسنون ہے، سوائے جنازہ کی نماز کے اور سوائے اس شخص کی نماز کے جو جنابت کی حالت میں ہو اور فاقد الطہورین ہو۔

سجدہ والی آیتوں کی تلاوت کا حکم

سجود کے ارادے سے سجدہ کی آیت کا نماز میں پڑھنا مسنون نہیں ہے بلکہ کراہیت کے علاوہ دوسرے وقت میں مکروہ ہے۔ اور مکروہ وقت میں حرام ہے۔

اگر سجدہ کے ارادے سے آیت سجدہ پڑھے اور سجدہ کرے تو نماز باطل ہوگی، اس عام حکم سے جمعہ کی صبح کی نماز مستثنی ہے، جمعہ کی صبح کی نماز میں رملی کا قول ہے کہ سورہ ''الم تنزیل'' پڑھا جاسکتا ہے۔ جس میں آیت سجدہ ہے۔ ورنہ ابن حجر کا قول ہے کہ مطلق کوئی آیت سجدہ بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ جمعہ کی صبح میں پہلی رکعت میں ''الم تنزیل'' اور دوسری رکعت میں ''ھل اتی'' پڑھنا مندوب ہے۔ اگر پہلی رکعت میں ھل اتی پڑھے تو دوسری رکعت میں ''الم تنزیل'' پڑھ کر سجدہ کرے۔ جمعہ کی صبح کا استثناء اس لیے ہے کہ فی الجملہ جمعہ کی صبح سجود کا موقع ہے۔

کون سے سورے کن نمازوں میں پڑھے جائیں؟

صبح میں وہ سورے جو طوال مفصل کہلاتے ہیں پڑھنا مسنون ہے، طوال مفصل ان سورتوں کو کہتے ہیں جو ''حجرات'' سے ''بروج'' تک ہیں، ان کو طوال مفصل اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی ابتداء اور انتہاء میں فصل زیادہ ہے اور لمبی سورتیں ہیں۔

صبح میں لمبی سورتوں کے پڑھنے کا اس لیے حکم ہے کہ صبح کا وقت زیادہ ہے اور نماز مختصر۔ طوال مفصل کا پڑھنا صرف منفرد کے لیے مسنون ہے۔

ظہر میں ان سورتوں کا پڑھنا مسنون ہے جو طوال مفصل کے قریب ہیں۔ وجہ یہ ہے

کہ ظہر کا وقت زیادہ ہے اوراس میں نماز میں بھی طوالت ہے۔

عصر اور عشاء میں اوساط کا پڑھنا مسنون ہے، اس لیے کہ عصر اور عشاء کا وقت طویل ہے اور نماز بھی طویل ہے۔اسی وجہ سے متوسط سورے مناسب تصور کئے گئے۔ ''سورہ بروج'' سے سورہ ''لم یکن'' تک اوساط کہلاتے ہیں۔

مغرب میں قصار کا پڑھنا مسنون ہے۔اس لیے کہ مغرب کا وقت مختصر ہے۔ ''لم یکن'' سے آخر تک کی سورتوں کو ''قصار'' کہتے ہیں۔

بجیرمی نے لکھا ہے کہ صبح میں ''سبح اسم'' اور ''ھل اَتاک'' اور شب جمعہ کی عشاء میں ''الجمعہ'' اور ''المنافقون'' پڑھیں، یہ سب سورتیں غیر مسافر کے لیے مسنون ہیں، ورنہ مسافر سفر کی حالت میں صبح کی نماز میں اور بعض کا قول ہے کہ پنجگانہ نمازوں میں ''الکافرون'' اور ''الاخلاص'' تخفیف اور سہولت کے لیے پڑھ سکتا ہے۔

قراءت سورہ کا ترک کرنا مکروہ ہے۔بجیرمی نے ابن عبدالسلام کا قول نقل کیا ہے کہ قرآن کی تقسیم دو حصوں میں ہوتی ہے، ایک وہ حصہ ہے جو فاضل ہے اور دوسرا مفضول ہے جیسا کہ آیت الکرسی اور ''تبت یدا''؛ پہلے میں اللہ کا کلام اس کی ذات کی نسبت ہے اور دوسرے میں غیر کی نسبت۔مفضول کو چھوڑ کر صرف فاضل کو پڑھتے رہنا نہیں چاہیے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا تھا۔اس میں بعض قرآن کے ترک کرنے اور بھول جانے کا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔

تکبیرات انتقالی

رکوع اور سجود کے لیے جھکتے اور سجود اور تشہد اول سے اٹھتے وقت اللہ اکبر کہنا مسنون ہے۔ ہر ایک رکعت میں پانچ تکبیرات انتقالی ہیں، تکبیر تحریمہ جو نیت باندھتے وقت کہی جاتی ہے ان کے علاوہ ہے۔

تکبیر انتقالی اس تکبیر کو کہتے ہیں جو ایک رکن کی ہیئت سے دوسرے رکن کی ہیئت میں تبدیل ہوتے وقت کہی جاتی ہے۔تکبیر انتقالی کو دوسرے رکن تک پہنچنے تک کھینچنا مسنون ہے تاکہ نماز کا کوئی جزء اللہ کے ذکر سے خالی نہ رہے۔اگر اس تکبیر کو نہ کھینچے تو دوبارہ تکبیر نہ

کہے بلکہ خاموشی کے بجائے کسی اور ذکر میں مشغول رہے۔اس لیے کہ نماز میں سکوت اور خاموشی مطلوب نہیں ہے۔طوالت صرف تکبیر انتقالی میں مطلوب ہے۔تکبیر تحریمہ میں جلدی مندوب ہے تا کہ نیت سے جدا نہ ہو۔

امام کو چاہیے کہ تکبیروں کو بلند آواز سے کہے تا کہ جماعت میں نماز پڑھنے والے اس کو سن سکیں اور امام کی نماز سے باخبر رہیں۔اگر پوری جماعت کو امام کی آواز نہ سنائی دے تو جماعت میں سے کوئی ایک شخص تکبیروں کو امام کے ساتھ پکار کر کہے۔اس شخص کو مبلغ کہتے ہیں۔مبلغ امام کے پیام کو دوسروں تک پہنچاتا ہے اور امام کی نقل کرتا ہے۔

تکبیروں کو پکار کر کہنے سے امام اور مبلغ کا مقصد صرف ذکر ہوسکتا ہے یا ذکر کے ساتھ ساتھ دوسروں کو آگاہ کرنے کا ارادہ شامل ہوسکتا ہے، محض آگاہ کرنے کا ارادہ جو عبادت سے خالی ہے نماز کو نقصان پہنچاتا ہے۔

منفرد اور ماموم کو چاہیے کہ تکبیروں کو آہستہ آواز سے کہیں۔بلند آواز سے کہنا ان کے لیے مکروہ ہے، اگر کوئی عورت عورتوں ہی کی امامت کرے تو تکبیروں کو اتنی آواز میں کہے کہ کوئی اجنبی مرد نہ سن سکے۔

رکوع سے اٹھتے وقت تکبیر نہ کہی جائے گی، بلکہ ''**سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ**'' کہا جائے گا۔جس کی تفصیل اس کے بعد بیان کی جائے گی۔

تسمیع وتحمید

تسمیع کہنا رکوع سے اٹھتے وقت اور **تحمید** کہنا اعتدال میں مسنون ہے۔ امام، ماموم اور منفرد تینوں کے لیے یہی حکم ہے۔ **تسمیع** یہ ہے: ''**سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ**'' اللہ نے اس کو سن لیا جس نے اس کی تعریف بیان کی۔

کسی بات کو سننے سے مقصد اس کو قبول کرنا ہوتا ہے یا رد کرنا۔ یہاں اللہ کے سننے سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے اس کی تعریف کو قبول کیا اور اس کا صلہ اس کو دیا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور کوئی

نماز آپ کے ساتھ ناغہ نہیں ہوئی تھی۔ایک مرتبہ عصر کی نماز کے لیے صدیق اکبر دیر سے نکلے اور گمان ہوا شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں نہ ملیں۔اسی خیال میں ملول اور تیز قدم آ رہے تھے۔مسجد میں داخل ہوتے ہی دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں جانے کے لیے تکبیر کہہ رہے ہیں۔ابوبکر صدیق نے بے ساختہ الحمد للہ کہا اور خدا کا شکر بجالایا اور تکبیر کہہ کر نماز میں داخل ہوگئے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی رکوع میں تھے کہ جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمد! اللہ نے سنا اس شخص کو جس نے اس کی تعریف کی پس اس لیے آپ بھی کہیں: **سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ**۔

دوسری روایت میں ہے کہ جبرئیل نے کہا تھا: ''**اِجْعَلُوْھَا فِیْ صَلَاتِکُمْ**''۔() اس کو تمہاری نماز میں شریک کردو۔چناں چہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے اٹھتے ہوئے **سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ** کہا اور صدیق اکبر کے طفیل و برکت میں اس وقت سے **تسمیع** کہنا مسنون ہوگیا، ورنہ اس سے قبل رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے تکبیر ہی کہی جاتی تھی۔

تحمید: ''**ربنا لک الحمد**'' اے ہمارے پروردگار! تیرے ہی لیے تعریف ہے۔

امام **تسمیع** بلند آواز سے اور **تحمید** آہستہ آواز میں، ماموم اور منفرد دونوں آہستہ آواز سے کہیں۔مبلغ صرف ان چیزوں کو بلند آواز سے کہے جو امام بلند آواز سے کہتا ہے اور ان چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے جو امام آہستہ آواز سے کہتا ہے۔یہ غلط رواج ہے کہ مبلغ **تحمید** کو بھی پکار کر کہتے ہیں۔

امام شافعی نے اپنی کتاب ''الأم'' میں ''**رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ**'' کو ترجیح دی ہے اور بیجوری نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔دلیل یہ ہے کہ یہ جملہ دعا اور اعتراف دونوں معنی کو شامل ہے۔محذوفات کے ظاہر کرنے کے بعد اصل جملہ یہ ہوجاتا ہے: ''**رَبَّنَا اسْتَجِبْ لَنَا وَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰی هِدَايَتِكَ إِيَّانَا**'' پروردگار! ہماری دعا قبول کر۔تیرا شکر ہے جو تو نے ہمیں ہدایت دی ہے۔

اس تحمید پر یہ اضافہ بھی مسنون ہے۔ ''وَلَکَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمَاوَاتِ وَمِلْءَ الْأَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ'' تیرے لیے آسمان بھر اور زمین بھر اور جس قدر بھی تو چاہے کسی چیز سے اس کے بعد۔ (مسلم: باب مایقول إذا رفع رأسہ ۱۰۹۵۔ راوی: ابن ابی اوفی)

منفرد اور محصورین کے امام کے لیے مسنون ہے کہ اس کا بھی ضافہ کرے: '' وَکُلُّنَا لَكَ الْعَبْدُ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجِدُّ ''۔ (مسلم: باب مایقول إذا رفع رأسہ ۱۰۹۹۔ ابوسعید خدری سے یہ روایت ہے) ہم سب تیرے بندے ہیں، تو نے جو دیا اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور کوئی نہیں دے سکتا جس کو تو نے روکا۔ تیرے پاس تونگری کی تونگری کام نہیں آتی (اس کے نیک اعمال کام آتے ہیں)

تحمید کے لیے قیام کی قید نہیں۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا، اعتدال کی حالت میں بیٹھ کر **تحمید** کہے۔

محصورین سے مراد وہ مسلمان ہیں جو محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور جن کو دنیاوی کاروبار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ جماعت میں کوئی شخص محصورین کے علاوہ شریک نہ ہو اور جو محصورین بھی جماعت میں شریک ہوں نماز کی طوالت پر رضامند ہوں۔

اختلاف: امام مالک کے نزدیک امام **تسمیع** کو جہر سے اور مبلغ **تحمید** کو جہر سے کہے گا۔

تسبیح

رکوع اور سجود میں تسبیح مسنون ہے۔ کم از کم ایک مرتبہ تسبیح پڑھنے سے سنت حاصل ہوتی ہے۔ ادنی کمال تین یا پانچ یا سات یا نو مرتبہ۔ گیارہ مرتبہ تسبیح پڑھنا اکمل درجہ ہے۔ تین مرتبہ تسبیح پڑھنا امام، ماموم اور منفرد تینوں کے لیے مسنون ہے۔ لیکن تین مرتبہ سے زیادہ تسبیح پڑھنا صرف منفرد کے لیے مسنون ہے یا اس امام کے لیے جو محصورین کو نماز پڑھا رہا ہو۔ جماعت میں نماز پڑھنے والوں کی سہولت کے مدنظر امام کے لیے مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ تین مرتبہ سے زیادہ تسبیح پڑھے۔

تسبیح کا ترک کرنا مکروہ ہے، یہ بھی قول ہے کہ رکوع اور سجود وغیرہ میں قراءت قرآن مکروہ ہے۔عقبہ بن عامر نے روایت کی ہے کہ جب آیت ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴾ (الحاقۃ ۵۲) نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِجْعَلُوْهَا فِيْ رُكُوْعِكُمْ'' اس کو رکوع میں شامل کر دو اور جب آیت ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى﴾ (الأعلی ۱) نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''اِجْعَلُوْهَا فِيْ سُجُوْدِكُمْ'' (ابوداود: باب مایقول الرجل فی السجود ۸۶۹، ابن ماجہ: ۸۸۷، مسند احمد: ۱۷۴۵۰، یہ روایت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے ہے)

سجود رکوع سے افضل ہے اور صفت ''اعلیٰ'' صفت ''عظیم'' سے زیادہ بلیغ ہے، اس لیے صفت ''اعلیٰ'' کو سجود کے لیے اور صفت ''عظیم'' کو رکوع کے لیے مختص کیا گیا۔

رکوع کی تسبیح: ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمُ''۔میں پاکی بیان کرتا ہوں میرے پروردگار کی جو بزرگ ہے۔اس پر ''وَبِحَمْدِهِ'' کا اضافہ کرنا بھی مسنون ہے۔ منفرد اور محصورین کا امام اس دعا کا بھی اضافہ کرسکتا ہے:

''اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ وَمَا اسْتَقَلَّتْ بِهِ قَدَمِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ'' (مسند احمد میں علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے۔۹۶۰ ص ۱/ ۱۱۹۔اور 'عصبی' تک مسلم میں ہے: باب الدعاء فی صلاۃ اللیل ۱۸۴۸)

اے اللہ! میں نے تیرے لئے رکوع کیا اور میں تجھی پر ایمان لایا اور میں تیرے ہی لئے اسلام لایا، تیری طرف میری سماعت اور میری بصارت متوجہ ہوگئی۔اور میرا دماغ اور میری ہڈیاں اور میرے اعصاب اور میرے بال اور میرا چمڑا تیرے سامنے جھک گئے اور میرے پاؤں اللہ کے لئے قائم ہوگئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

خشوع: حضور قلب اور اعضاء کے سکون کو کہتے ہیں۔ایک شخص نماز میں فضول حرکات کر رہا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لَوْ سَكَنَ قَلْبُ هٰذَا لَسَكَنَتْ جَوَارِحُهُ'' (''سکن'' کے لفظ کے ساتھ یہ روایت نہیں ملی، اس کی جگہ ''خشع'' کا لفظ آیا ہے، حدیث کے

الفاظ اس طرح ہیں: ''لو خشع قلب ھذا خشعت جوارحہ''۔ مصنف عبدالرزاق: باب العبث فی الصلاۃ ۳۳۰۹، السنن الکبری للبیھقی: باب کراھۃ مسح الحصی ۳۳۶۵) اگر اس کے دل کو سکون ہوتا تو اس کے اعضاء بھی سکون میں رہتے۔

سجدوں کی تسبیح: سبحان کے معنی پاکی بیان کرنے کے ہیں اور عظیم رب کی صفت ہے جس کے معنی ایسی ذات کے ہیں جو ذات اور صفات کے لحاظ سے کامل ہے۔

''سبحان ربی الاعلی''. میں پاکی بیان کرتا ہوں میرے پروردگار کی جو بلند تر ہے۔

یہاں درجہ اور رتبہ میں بلندی مراد ہے، نہ کہ مکانیت میں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مکانیت محال ہے۔ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' پر ''و بحمدہ''. کا اضافہ کرنا مسنون ہے۔ منفرد اور محصورین کا امام اس دعا کا بھی اضافہ کرسکتا ہے:

''اَللّٰھُمَّ لَکَ سَجَدْتُ وَ بِکَ آمَنْتُ وَلَکَ أَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ تَبَارَکَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ''

(مسلم: باب الدعاء فی صلاۃ اللیل ۱۸۴۸، یہ روایت علی رضی اللہ عنہ سے ہے)

اے اللہ! میں نے تیرے لئے سجدہ کیا اور میں تجھ پر ایمان لایا اور میں تیرے لیے اسلام لایا۔ میرا چہرہ اس کے لئے جھکا جس نے اس کو پیدا کیا، اور اس کی صورت بنائی اور اس کی سماعت اور بصارت کو کھول دیا، اللہ بڑا بر کت والا ہے اور خالقین میں سب سے اچھا ہے۔

یہاں خالقین سے مصورین یعنی تصویر بنانے والے مراد ہیں، ورنہ سوائے اللہ کے کوئی خالق اور پیدا کرنے والا نہیں ہے۔

سجود میں دعا مانگنے کی تاکید ہے، مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''أَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِن رَّبِّهِ وَھُوَ سَاجِدٌ فَأَکْثِرُوا الدُّعَاءَ'' (مسلم: باب مایقول فی الرکوع ۱۱۱۱، ابوداود ۸۷۵، نسائی ۱۱۳۷، مسند احمد ۹۴۴۲۔ یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) بندہ سجدہ میں اپنے پروردگار سے زیادہ قریب ہوتا ہے، پس دعا زیادہ کرو۔

تَبَارَکَ سے پیشتر ''بِحَوْلِهِ وَ قُوَّتِهِ'' کا اضافہ کرنا مستحب ہے۔ برکت کے معنی بلندی اور نمو کے ہیں اور برکت سے تفاعل کے وزن پر تبارک کے معنی بھلائی میں کثرت

اور زیادتی کے ہیں۔

أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ کے بعد ''سُبُّوحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلائِكَةِ وَالرُّوحِ '' کا اضافہ کیا جائے۔ سبوح کے معنی اس ذات کے ہیں جو پورے طور سے پاک ہو ان چیزوں سے جو اس کے لئے سزاوار نہیں ہیں۔ قدوس وہ ذات جو طہارت میں کامل ہو۔ اور روح سے مراد جبرئیل یا ایک ایسا طبقہ مراد ہے جو ملائکہ سے بالاتر ہے۔

اختلاف: ۔ امام احمد کا قول ہے کہ جان بوجھ کر تسبیح چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ بھول جائے تو سجود سہو کرے۔

جلوس میں ہاتھ رکھنے کا طریقہ

دونوں ہاتھ نماز میں بیٹھتے وقت رانوں پر رکھنا مسنون ہے۔ یہاں ہاتھ سے مراد ہتھیلی ہے اور ران سے مراد ران کا آخری حصہ ہے جو گھٹنے کے جوڑ کے قریب ہے۔ لیٹے ہوئے شخص کے لئے بھی جتنا ہو سکے اس پر عمل کرنا مسنون ہے۔ ''لِأَنَّ الْمَيْسُوْرَ لَا يَسْقُطُ بِالْمَعْسُوْرِ''۔

بیٹھنے میں تشہد آخر اور دو سجدوں کے درمیان کا جلوس اور استراحت کا جلوس داخل ہیں۔ سجدوں کے درمیان جلوس اور استراحت کے جلوس میں دنوں ہاتھ کھلے ہوئے رانوں پر اس طرح رکھے جائیں کہ انگلیوں کے سرے گھٹنوں پر ہوں اور انگلیاں آپس میں کھلی ہوئی نہ ہوں اور ان کا رخ قبلہ کی طرف رہے۔ لیکن بعض کا قول ہے کہ انگلیاں آپس میں اوسط طور پر کھلی ہوئی ہوں۔

دونوں تشہد کے جلوس میں دونوں ہاتھ رانوں پر اس طرح رکھنے کے بعد داہنے ہاتھ کی انگلیاں سوائے کلمہ کی انگلی کے اس طرح بند کر لی جائیں کہ انگھوٹا کلمہ کی انگلی کے نیچے اور ہتھیلی کے بازو میں لگا ہوا ہو اور کلمہ کی انگلی کھلی ہوئی ہو۔ انگھوٹے سے متصل انگلی کو کلمہ کی انگلی کہا جاتا ہے اور اس کو عربی میں ''مُسبّحہ''، ''سبّابہ'' اور ''شاھد'' کہتے ہیں۔ کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرتے وقت توحید کی طرف اشارہ کی نیت کی جائے اور اس سے معبود کی توحید مطلوب

ہوتا کہ دل، زبان اور اعضاء سب میں اتحاد عمل رہے۔

اِلا اللہ پر کلمہ کی انگلی اس طرح اٹھائے کہ انگلی کا سر تھوڑا قبلہ کی جانب جھکا ہوا ہو اور اس انگلی کو اسی حالت میں تشہد اول میں دوبارہ قیام تک اور تشہد آخر میں سلام تک قائم رکھے۔ اِلا اللہ میں اِلا کے پہلے الف (ہمزہ) کے تلفظ کے وقت انگلی کو اٹھانا شروع کرے، نہ کہ اس سے قبل اور یہی قول اصح ہے۔ بعض کا قول ہے کہ آغاز تشہد سے ہی انگلی اٹھائے۔

انگلی کو حرکت دینا مسنون نہیں ہے، اس لئے کہ نماز میں خشوع مطلوب ہے اور حرکت سے خشوع میں خلل واقع ہوتا ہے، مگر انگلی کو حرکت دینے سے نماز باطل نہیں ہوتی، اس لئے کہ انگلی کی حرکت خفیف فعل میں داخل ہے، اس قول کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ انگلی کو حرکت دینا مکروہ ہے، بعض کا قول ہے کہ انگلی کو حرکت دینا مسنون ہے، یہ اختلاف صرف انگلی کی حرکت کی نسبت محدود ہے، ورنہ ہتھیلی کو حرکت دینے سے نماز باطل ہوگی۔

کسی عذر کی وجہ سے کلمہ کی انگلی سے اشارہ نہ کرسکے تو دوسری انگلی سے اشارہ کرے۔ مگر بائیں ہاتھ کی انگلی سے اشارہ نہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کلمہ کی انگلی بیچ کی انگلی سے لمبی تھی۔

اختلاف: مالکیہ میں کلمہ کی انگلی کو حرکت دینا مسنون ہے۔

افتراش

جملہ نشستوں میں سوائے آخری نشست کے مفترش بیٹھنا مسنون ہے، گذشتہ صفحات میں افتراش کی صراحت کی گئی ہے، افتراش ایسی درمیانی نشست ہے جس کے بعد سجدہ میں جانا یا حرکت کرنا آسان ہوتا ہے، برخلاف تورک کی نشست کے، اسی لئے تورک کی نشست صرف نماز کے اختتام کے لئے ہے اور بقیہ ساری نشستیں جو اندرون نماز ہیں ان میں افتراش کی نشست مسنون ہے۔

افتراش ان چھ نشستوں میں مسنون ہے:

۱۔ استرحت کی نشست میں جو دوسرے سجدے کے بعد اور قیام سے قبل بیٹھی جاتی ہے اور اس کے بعد تشہد نہیں ہوتا۔ اس نشست کی پابندی مستحب ہے۔

نماز میں سجدہ تلاوت کے بعد یہ نشست مستحب نہیں ہے، افضل ہے کہ استراحت کی نشست میں تشہد اول کی نشست سے زیادہ دیر تک نہ بیٹھے لیکن اس میں طوالت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رملی نے طوالت کو مکروہ قرار دیا ہے، بخلاف ابن حجرؒ کے. یہ نشست کسی رکعت کا جزء نہیں ہے بلکہ دو رکعتوں کے درمیان حدفاصل ہے۔

۲۔ دو سجدوں کے درمیان کی نشست میں۔

۳۔ تشہد اول کی نشست میں۔

۴۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے لئے قراءت کی نشست میں۔

۵۔ مسبوق کی نشست میں، مسبوق وہ شخص ہے جو کسی رکعت کے بعد جماعت میں شریک ہو۔

۶۔ ساہی یعنی بھولنے والے کی نشست میں، ساہی اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کو سجود سہو کرنا ہے۔

نماز کی نشستیں

نماز میں جملہ چار نشستیں ہیں: جن میں سے دو واجب ہیں:

۱۔ سجدوں کے درمیان کی نشست

۲۔ آخری تشہد کی نشست

دو نشستیں مسنون ہیں:

۱۔ استراحت کی نشست

۲۔ تشہد اول کی نشست

تورک آخری نشست میں مسنون ہے، اس سے قبل تورک کی صراحت کی گئی ہے، آخری نشست وہ ہے جس کے بعد سلام کیا جاتا ہے۔

افتراش اور تورک کی نشستوں میں اس لئے امتیاز کیا گیا ہے کہ ماموم امام کی نماز سے واقف ہو سکے کہ امام تشہد اول میں ہے یا تشہد آخر میں۔

آخری نشست میں امام تورک کی نشست میں بیٹھے اور مسبوق جس کو بعض رکعات کا تدارک کرنا ہے یا ساہی جس کو سجود سہو کرنا ہے تورک کی نشست میں نہ بیٹھے بلکہ مفترش بیٹھے۔

نماز کے باہر سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر کے بعد اور سلام سے پہلے تورک کی نشست مسنون ہے۔

دوسرا سلام

دوسرا سلام نماز میں مسنون ہے۔ پہلا سلام ارکان میں داخل ہے اور ارکان میں اس کا ذکر ہو چکا ہے اور دوسرا سلام مسنون ہے۔ اگر امام دوسرا سلام ترک کرے تو ماموم کے لئے دوسرا سلام مسنون ہے، دو سلاموں کے درمیان فصل کرنا مسنون ہے، پہلا سلام داہنی جانب اور دوسرا سلام بائیں جانب کیا جائے۔

سلام کا خطاب فرشتوں اور مومن جناتوں اور مسلمانوں کی طرف ہوگا مگر غیر مصلی کے لیے اس کا جواب دینا واجب نہیں ہے، ماموم کے سلام میں امام اور دیگر مامومین کے سلام کا جواب بھی مراد ہوگا، ماموم کے لئے مسنون ہے کہ امام کے دونوں سلام سے فراغت پانے تک سلام نہ کرے۔ اگر امام کے ساتھ ماموم بھی سلام کرے تو نماز کے دوسرے ارکان کی طرح کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

امام کے ساتھ ماموم کی مقارنت یعنی برابری کی نسبت مختلف احکام ہیں، جن کا خلاصہ بحوالہ بجیرمی درج کیا جاتا ہے:

۱۔ تکبیر تحریمہ میں امام کے ساتھ ماموم کی مقارنت حرام ہے اور اس سے ماموم کی نماز باطل ہوتی ہے۔

۲۔ نماز کے افعال اور سلام میں مقارنت مکروہ ہے۔

۳۔ تامین یعنی آمین کہنے میں مقارنت مسنون ہے۔

۴۔ سورہ فاتحہ کی حد تک ماموم کی قراءت کی مقارنت امام کی قراءت کے ساتھ واجب ہے بشرطیکہ ماموم کو خوف ہو کہ امام کی قراءت کے بعد سورہ فاتحہ کی قراءت کے لئے

گنجائش نہ رہے۔

۵۔ بقیہ صورتوں میں مقارنت مباح ہے۔

تتمہ:

تشہد آخر کے بعد عذاب اور حشر کے فتنہ سے پناہ مانگنا بھی مسنون ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''إِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنْ أَرْبَعٍ؛ فَيَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَ الْمَمَاتِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ '' (مسلم ۵۵۸، یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) جب تم میں سے کوئی تشہد پڑھے تو اللہ سے چار باتوں سے پناہ مانگے اور کہے: اے اللہ بیشک میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور دوزخ کے عذاب سے اور جینے اور مرنے کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے۔

اس کے عوض دوسری دعا بھی مانگی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَ مَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ.

اے اللہ! بخش دے مجھ کو جو (گناہ) پہلے کیے تھے اور جو بعد میں گزریں گے اور جو پوشیدہ کیا اور جو برملا کیا۔ تو ہی مقدم ہے، اور تو ہی آخر میں آنے والا ہے، نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے، پس مجھ کو اپنے پاس کی بخشش سے بخش دے، اور مجھ پر رحم کر، بیشک تو ہی بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

نماز کے بعد ان اذکار اور دعاؤں کا پڑھنا بھی مسنون ہے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں، اس لئے کہ نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔

اختلاف: حنفیہ کے نزدیک عام طور پر افتراش کی نشست اور مالکیہ کے پاس عام طور پر تورک کی نشست نماز میں مسنون ہے۔

مرداورعورت کی نمازمیں فرق

مرداورعورت میں پانچ امورایسے ہیں جن میں فرق ہے:

مرددونوں کہنیاں پہلو سے اور پیٹ رانوں سے رکوع وسجود میں جدار کھے۔ جہر کے موقع پر جہر سے پڑھے، جب نماز میں کوئی کام پڑ جائے تو تسبیح پڑھے، مرد کا ستر ناف اور گھٹنے کے درمیان میں ہے۔

تعداد کے شمار کرنے میں کہنیوں کے جدار کھنے کو پہلا امراور پیٹ کے جدار کھنے کو دوسرا امر شمار کیا جائے تو مرداورعورت میں پانچ امور میں اختلاف ہوتا ہے اوراگر کہنیوں اور پیٹ دونوں کو جدار کھنے کے عنوان کے تحت ایک امر شمار کیا جائے تو امور اختلافی چار ہوتے ہیں۔ صرف اعداد کے شمار کرنے میں فرق ہے، ورنہ اصل اختلافی مسائل میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مرداورعورت کے درمیان فرق نماز کی ہیئات یا صفات کے لحاظ سے ہے۔ ارکان اور شرایط کے لحاظ سے مرداورعورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

روزے میں یہ اختلاف ہے کہ عورت حیض اور نفاس کے زمانے میں روزہ نہیں رکھ سکتی، حج میں یہ اختلاف ہے کہ عورت سرکوڈھانپے اور چہرہ کھلا رکھے۔ البتہ زکاۃ میں جس کا تعلق صرف مال سے ہے مرداورعورت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ہیئات کے اختلاف کے لئے مرداورعورت کے لیے عمر کی قید نہیں ہے۔ کم سن لڑکا اور لڑکی جو سن تمیز کو نہ پہنچے ہوں ان کے حق میں بھی یہی احکام ہوں گے۔

مرد کہنی کو پہلو سے اور پیٹ کوران سے رکوع اور سجود میں جدار کھے، قلیوبی کا قول ہے کہ یہی حکم قیام کی نسبت بھی ہے اور بیجوری نے بھی اس کی تائید کی ہے، پیٹ کوران سے علٰحدہ رکھنے میں عبادت میں سستی دور ہوتی ہے اور مستعدی کا اظہار ہوتا ہے اور محل سجدہ پر پیشانی کا

بوجھ پڑتا ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''وَإِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوْا كُسَالٰى''
(النساء ۱۵۲) جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں۔
جہر کے موقع کے تعیُّن کی وجہ سے جہر کے علاوہ دوسرے مواقع پر مرد سراً نماز پڑھے گا۔

تسبیح پڑھنے کے مواقع

تسبیح سُبْحان اللہ کو کہتے ہیں۔ مصلی کو نماز میں تین نوعیت کے کام پیش آسکتے ہیں جس کے لئے تسبیح کہی جاتی ہے۔ کام کی نوعیت کے لحاظ سے تسبیح کی نسبت بھی احکام ہیں:

۔ گھر میں داخل ہونے کے لئے کوئی شخص اجازت چاہے تو تسبیح پڑھنا مباح ہے

۔ امام کو سہو سے آگاہ کرنے کے لیے تسبیح پڑھنا مندوب ہے

۔ اندھے کو خطرے سے آگاہ کرنے کے لیے تسبیح پڑھنا واجب ہے

۔ ہلاکت کا خطرہ بات کئے یا عمل کئے بغیر دور نہ ہو سکتا ہو تو قول و عمل دونوں واجب ہو جاتے ہیں اور واضح یہ ہے کہ اس صور میں نماز ٹوٹتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ تسبیح امر مباح کے لئے مباح، مندوب کے لیے مندوب اور واجب کے لیے واجب ہے۔

صحیحین کی حدیث ہے: ''مَنْ رَابَهُ شَيْءٌ فِيْ صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ'' (بخاری ۶۵۲، مسلم ۴۲۱، یہ روایت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے ہے) جس کو نماز میں کوئی کام پڑے تو تسبیح کہے۔

اگر مرد تسبیح کہنے کے عوض تالی بجائے تو اولویت کے خلاف ہے اور معتمد یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔ تسبیح ذکر کے ارادہ سے کہے یا ذکر کے ارادے کے ساتھ اطلاع کی نیت کو بھی شریک کرے۔

محض اطلاع کی نیت سے تسبیح کہے یا بغیر کسی ارادے کے تسبیح کہے تو نماز باطل ہوتی ہے۔ ابو شجاع کا قول ہے کہ بغیر کسی ارادے کے مطلق طور پر تسبیح کہے تو نماز باطل نہیں ہوتی۔ یہ قول ضعیف ہے مگر عوام کے لئے سہولت کا باعث ہے۔

عالم شخص جان بوجھ کر محض اطلاع کے ارادے سے تسبیح کہے تو نماز ٹوٹتی ہے، ورنہ

ناواقف شخص کی نماز نہیں ٹوٹتی۔ بجیرمی نے لکھا ہے کہ کہ تسبیح سے تنبیہ مقصود ہے۔ تنبیہ کے لئے سبحان اللہ کہے یا کچھ اور جیسا کہ آیت کریمہ ہے: ''**اُدْخُلُوْهَا بِسَلامٍ**'' (الحجر ۴۶) داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ۔

یہ بھی آیت کریمہ ہے: ''**يَا يَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ**'' (مریم ۱۲) یحیی! کتاب کو مضبوطی کے ساتھ لو۔

ان دونوں آیتوں سے کنایۃً اجازت کا اظہار ہوتا ہے۔

ستر عورت

مرد بدن کے اس حصہ کو ڈھانپے جو ناف اور گھٹنے کے درمیان ہے۔ ستر کے لائق بدن کے حصہ کو شرعی اصطلاح میں عورت کہتے ہیں۔ ناف اور گھٹنا ستر میں داخل نہیں ہیں۔ لیکن ناف اور گھٹنے کے کچھ نہ کچھ حصہ کا ستر کرنا واجب ہے۔ اصول یہ ہے کہ جس چیز کے بغیر واجب کی تکمیل نہیں ہوتی ہو وہ بھی واجب ہے۔ ''**مَالَا يَتِمُّ الْوَاجِبُ إِلَّا بِهِ فَهُوَ وَاجِبٌ**''۔

ناف اور گھٹنے کے درمیان کے حصہ کا ستر نماز، طواف، عام مردوں کی صحبت میں اور محرم عورتوں کے سامنے ضروری ہے، لیکن اجنبی عورت کے سامنے مرد کا پورا بدن ستر کے لائق ہے اور تنہائی میں صرف دونوں شرمگاہیں ستر کے لائق ہیں۔

عورت کہنی کو پہلو سے اور پیٹ کو ران سے رکوع اور سجود میں ملائے رکھے۔

آواز کو پست کرے۔

جب نماز میں کوئی کام پڑے تو اجنبی مرد کی موجودگی میں تالی بجائے۔

سوائے چہرے اور ہاتھ کے عورت کا سارا بدن ستر کے لائق ہے۔

اجنبی مرد کی موجودگی میں آواز کو اتنی پست کرے کہ کہ اجنبی مرد نہ سن سکے، یہ حکم تو نماز کی نسبت ہے، مگر عام اور اصح قول یہ ہے کہ عورت کی آواز کو پردہ نہیں ہے، عورت کی آواز کو سننا خواہ گانے کی کیوں نہ ہو حرام نہیں ہے، سوائے اس کے کہ کسی فتنہ کے برپا ہونے کا خوف ہو۔

اگر اجنبی مرد نہ ہو، عورت تنہا ہو یا عورتوں یا محرم مردوں کی صحبت میں ہو تو جہر کے

موقع پر جہر سے ہی نماز پڑھے۔

تصفیق یعنی تالی بجانا

عورت کے لئے تالی بجا کر اشارہ کرنا موقع کی نوعیت اور اہمیت کے لحاظ سے مباح، مندوب، یا واجب ہے. تالی بجانے میں داہنے ہاتھ کی پشت بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر یا اس کے برعکس بائیں ہاتھ کی پشت داہنے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارے۔

داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر یا اسکے برعکس نہ مارے، اس لئے کہ کھیل میں اس طرح تالی بجانے کی عادت ہے۔

خلاصہ یہ کہ تالی بجانے کی جملہ آٹھ صورتیں ہوسکتی ہیں، جن میں چھ صورتیں مطلوب ہیں اور دو غیر مطلوب؛ نماز میں ہتھیلی پر ہتھیلی مار کر لہو ولعب کے ارادے سے تالی بجانے سے نماز ٹوٹتی ہے اور اگر لہو ولعب کا ارادہ شامل نہ ہو تو نماز نہیں ٹوٹتی۔

بیجوری کا قول ہے کہ تالی بجانے کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب کہ عورت تنہا ہو یا صرف دوسری عورتوں یا محرم مردوں کے ساتھ ہو، اجنبی مرد کی موجودگی میں تالی بجانے کے عوض عورت بھی تسبیح کہے گی۔ اس کے خلاف بجیرمی کا قول ہے کہ عورت کو نماز میں کام پڑے تو تالی ہی بجانا چاہئے، اگرچہ کہ اجنبی مرد وہاں موجود ہوں۔

بلحاظ ضرورت تالی ایک بار سے زیادہ یا مسلسل بجانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، معتمد یہ ہے کہ تالی محض آگاہ کرنے کے ارادے سے بجائے تو بھی نماز نہیں ٹوٹتی۔ بخلاف تسبیح کے، وجہ یہ ہے کہ تسبیح میں ذکر کی صلاحیت ہے جو تالی میں نہیں ہے۔

ستر

ابوشجاع نے عورت کا سارا بدن سوائے پنجوں کے ستر کے لائق ظاہر کیا ہے، ابن قاسم نے اس کو نماز کی حد تک محدود کر کے بیرون نماز عورت کا سارا بدن ستر کے لائق ظاہر کیا ہے، ہاتھ میں انگلیوں کی نوک سے پہونچے تک اس کا ظاہری اور باطنی حصہ داخل ہے۔ اللہ

تعالی کا فرمان ہے: ’’ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ‘‘ (النور۳۱) اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت کو سوائے اس کے جو ظاہر ہوتا ہو۔

حضرت ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اس آیت میں ’’ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ‘‘ سے مراد چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ہیں۔

اجنبی مرد کے سامنے عورت کا سارا بدن ستر کے لائق ہے، مسلمان عورت اور محرم کے سامنے ناف سے گھٹنے تک کا حصہ ستر کے لائق ہے اور تنہائی میں بھی عورت کا یہی ستر ہے۔

متفرقات

وصلی کا قول ہے کہ مرد کے پاؤں اور گھٹنے آپس میں جدا اور ایک بالشت کے فصل سے رہیں اور عورت کے پاؤں اور گھٹنے ملے رہیں، لیکن ابن قاسم کا قول اس کے خلاف ہے کہ عورت کے پاؤں اور گھٹنے بھی مرد کی طرح ایک بالشت کی فصل سے رہیں، بیجوری نے اپنے رجحان کا اظہار نہیں کیا ہے، لیکن بجیرمی نے ابن قاسم کے قول کی تائید کی ہے جس کا نتیجہ یہ کہ پاؤں اور گھٹنوں کے فصل میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

سجود کی ہیئت میں مرد اور عورت دونوں کے لئے مسنون ہے کہ ہاتھ کی کلائیاں زمین سے اٹھا کر رکھیں۔

مبطلات صلاۃ

مبطلات صلاۃ گیارہ ہیں:

۱۔کلام یعنی نماز میں گفتگو کرنا

۲۔عمل کثیر یعنی نماز کے علاوہ دوسرے اعمال زیادہ کرنا مثلاً کھجلانا

۳۔حدث یعنی وضو ٹوٹ جائے

۴۔نجاست

۵۔ستر کھل جائے

۶۔نیت بدل جائے

۷۔قبلہ سے رخ بدل جائے

۸،۹۔کھانا پینا

۱۰۔قہقہہ

۱۱۔ارتداد

نماز کو توڑنے والے امور کو مبطلات صلاۃ کہتے ہیں۔اگر یہ امور نماز کی ابتداء کے ساتھ ہی ہوں تو نماز ہی نہیں ہوگی، اگر نماز شروع ہونے کے بعد پیش آئیں تو نماز ٹوٹ جائے گی۔نماز میں فرض اور نفل شامل ہیں۔

کھانے اور پینے کو علٰحیدہ شمار کرنے سے گیارہ کی تعداد ہوتی ہے، ورنہ دس جیسا کہ متن کے بعض نسخوں میں درج ہے، ابوشجاع نے مبطلات صلاۃ کی تعداد گیارہ لکھی ہے، مگر اس تعداد پر حصر نہیں ہے، مبطلات اس سے زیادہ ہیں، اخیر میں بعض کا اضافہ کیا جائے گا۔

کلام

عمداً ایسے کلام سے جیسا کہ لوگوں کے درمیان ہوتا ہے اس کا تعلق نماز کی مصلحت سے ہو یا نہ ہو نماز ٹوٹتی ہے، نماز میں بات نہ کرنے کا حکم اس امت کی خصوصیات میں سے ہے جو قدیم شریعتوں میں نہ تھا۔ زید ابن ارقمؓ نے بیان کیا ہے کہ ہم نماز میں باتیں کیا کرتے تھے، یہ آیت نازل ہوئی: ''وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ'' (البقرة ۲۳۸)۔أی ساکتین ۔اور کھڑے ہو نماز میں اللہ تعالیٰ کے لئے خاموش۔

امام بخاری زید بن ارقمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے پر ہم کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔ (بخاری ۴۲۶۰، مسلم ۵۳۹) مسلم میں یہ اضافہ ہے: ہم کو بات کرنے سے منع کیا گیا۔

معاویہ بن الحکم مسلمی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص کے چھینکنے پر میں نے ''یرحمک اللہ'' کہا۔ سب کی آنکھیں میری طرف لگ گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ'' بیشک یہ نماز ہے، اس میں لوگوں کی گفتگو نہیں ہوسکتی۔ (مسلم ۵۳۷، یہ روایت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے ہے)

کلام سے مراد ہر ایسا لفظ جس میں فقط دو حرف بے معنی یا فقط ایک حرف بامعنی ہو جیسا کہ عربی میں ''وقایۃ'' سے امر کا صیغہ ''ق'' اور ''وعی'' سے ''عِ'' ہے۔ بے معنی حرف نماز کو توڑنے کے ارادے سے کہا جائے تو نماز ٹوٹتی ہے ورنہ نہیں۔

کلام کی قید سے وہ آواز جس سے حروف نہ بنتے ہوں خارج ہو جاتی ہے، بشرطیکہ آواز دل لگی کے طور پر نہ نکالی گئی ہو۔ ہنسنے، آہ کھینچنے اور رونے سے، اگرچہ آخرت کے خوف سے روئے اور کھیلنے اور کراہنے، منہ اور ہوا پھونکنے اور کھانسنے چھینکنے سے نماز ٹوٹتی ہے، بشرطیکہ اس سے دو حروف بے معنی یا ایک حرف بامعنی ظاہر ہو، ورنہ نہیں، البتہ طبیعت کے غلبہ کی وجہ سے یا مجبوری کی حالت میں کچھ الفاظ نکل جائیں تو مضائقہ نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور بعض فقہائے شوافع کا قول ہے کہ آخرت کے خوف سے روئے یا آہ کھینچے تو نماز نہیں ٹوٹتی۔

عمداً سے مراد یہ ہے کہ تحریم کے علم کے ساتھ اور اس علم کے ساتھ کہ وہ نماز کی حالت میں ہے بات کی جائے تو نماز ٹوٹتی ہے، اگر کوئی بات زبان سے بے ساختہ نکل جائے تو نماز نہ ٹوٹے گی۔

بجیرمی نے لکھا ہے کہ جاہل کو رعایت کے طور پر معذور ٹھہرایا گیا ہے، نہ کہ جہل کی وجہ سے، ورنہ جہل علم سے بہتر تصور کیا جاتا۔

اگر ایسا کلام بولے جو عرف عام میں قلیل کہلایا جائے تو کوئی نقصان نہیں۔ چھ کلمات یا اس سے کم کو عرف عام میں قلیل کہتے ہیں۔ یہ رخصت ذوالیدین (ذوالیدین کا نام خرباق تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی بہت دنوں زندہ رہے۔ یا تو آپ کے ہاتھ دراز تھے یا آپ بہت دینے والے تھے جس کی وجہ سے آپ کو ذوالیدین پکارا گیا) کے واقعے پر مبنی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ظہر کی نماز میں دو رکعت نماز پڑھ کر سلام پھیر لیا اور چند قدم چلے اور مسجد کے کنارے ایک درخت کو ٹیک دے کر کھڑے تھے کہ ذوالیدین نے عرض کیا "أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ؟" کیا آپ نے قصر کیا یا بھول گئے؟ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ" ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اس پر ذوالیدین نے پھر عرض کیا: "بَعْضُ ذٰلِكَ قَدْ كَانَ" اس میں سے کچھ نہ کچھ ہوا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے استفسار فرمایا: "أَحَقٌّ مَا يَقُولُ ذُو الْيَدَيْنِ؟" کیا یہ واقعہ ہے جو ذوالیدین کہتے ہیں۔ تو صحابہ نے عرض کیا: ہاں۔ اتنی بات ہوئی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یاد آ گیا اور قبلہ رو ہو کر کھڑے ہوئے اور بقیہ دو رکعت ادا کیں اور سجود سہو کیے اور سلام پھیرے۔ (مسلم: باب السهو في الصلاة ۱۳۱۸۔ بخاری: باب هل يأخذ الإمام إذا شك بقول الناس ۱۴۷۔ یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے)

اس واقعے میں چھ الفاظ شمار کیے جاتے ہیں، اگر چھ کلمات سے زیادہ بات کی جائے تو نماز کا تسلسل قائم نہیں رہتا۔ کلام کثیر میں زبان سے نکل جانے یا بھول جانے کا کوئی عذر لحاظ کے قابل نہیں ہے کہ نماز میں خلل ڈالتا ہے بخلاف روزے کے۔ اصح قول یہ ہے کہ

روزہ میں بھول کر زیادہ کھانا کھالے یا پانی زیادہ پی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

وہ کلام جو لوگوں کے درمیان گفتگو میں ہوتا ہے مبطل نماز ہے، اس قید کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن، ذکر اور دعا اس سے خارج ہیں، ذکر اور دعا کا خطاب اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو نماز نہیں ٹوٹتی۔

اگر ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی طرف خطاب ہو تو نماز ٹوٹتی ہے جیسا کہ کسی کے چھینک آنے پر ''یَرْحَمُکَ اللّٰہُ''۔ اللہ تجھ پر رحم کرے کہنا۔ بخلاف اس کے اللہ کی طرف خطاب کر کے ''إِیّاکَ نعبُدُ وَ إِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کہے۔

اگر کوئی شخص قراءت اور اجازت دونوں کے ارادے سے کسی چیز کے لینے کی اجازت چاہنے کے لیے یہ آیت: ''یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ'' کہنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

اگر محض اجازت کے ارادے سے کہے تو نماز کی چال یہ ہے کہ امام ایک زائد رکعت کے لئے کھڑا رہا ہو تو اس کو کہا جائے ''نہ کھڑے رہو بیٹھ جاؤ'' نماز باطل کرے گا۔

ایسا کلام جو نماز کی مصلحت میں شامل نہ ہو تو بالا جماع نماز کو توڑتا ہے۔ والدین کی نداء پر جواب دینا فرض نماز میں حرام اور نفل نماز میں جایز ہے۔ اگر جواب نہ دینا والدین پر شاق گزرے تو اولیٰ یہ ہے کہ جواب دیا جائے اور جواب دینے سے نماز ٹوٹے گی، چونکہ نفل نماز کا بغیر سبب کے توڑنا جایز ہے، اس لئے نفل نماز میں جواب دینا جایز ہے۔

عمل کثیر

مسلسل عمل کثیر عمداً یا سہواً کیا جائے تو نماز ٹوٹتی ہے۔ عمل کثیر عمل کی زیادتی کو کہتے ہیں اور عمل کے معنی کام کے ہیں، کثیر سے مراد اتنی مقدار جس کو عرف عام میں کثیر کہا جائے اور جس میں تین یا اس سے زیادہ مرتبہ عمل کیا جائے۔

کودنا عمل کثیر میں داخل ہے۔ پورے بدن کو یا بدن کے بالائی حصہ کو حرکت دینا عمل کثیر ہے، اگر چہ کہ دونوں پاؤں اپنی جگہ پر قائم ہوں۔

ان ہی اعضاء کا عمل موثر ہوگا جو بڑے ہوں، کسی چھوٹے عضو سے عمل کیا جائے تو

نماز نہ ٹوٹے گی۔

ہتھیلی کو ہٹائے بغیر تسبیح کے پھیرنے یا گرہ کے باندھنے یا کھولنے میں صرف انگلیوں کو حرکت دینے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ ایسی خفیف حرکات سے نماز کے خشوع اور تعظیم میں خلل نہیں ہوتا، اس لیے اس کو عملِ قلیل تصور کیا گیا۔

عمل میں کثیر کی قید ہے جو کلام میں نہیں ہے، عمداً قلیل بات کرنے سے بھی نماز ٹوٹتی ہے، بخلاف اس کے قلیل عمل عمداً بھی کیا جائے تو نماز نہیں ٹوٹتی۔ قلیل عمل اس لئے معاف ہے کہ اس سے احتراز کرنا دشوار ہے۔

مسلسل عمل سے مراد وہ عمل ہے جو عرف عام میں مسلسل سمجھا جائے، اس طرح کہ دوسرا عمل پہلے عمل سے منقطع نہ ہو اور تیسرا عمل دوسرے عمل سے اور اعتماد اسی پر ہے۔

بعض نے مسلسل کی تعریف یہ کی ہے کہ دو عمل کے درمیان اتنا وقت نہ گزرے کہ جو نماز کی خفیف ترین رکعت کے ادا کرنے کے لئے کافی ہو سکے۔

بعض نے کہا ہے کہ دو عمل کے درمیان طمانینت نہ ہو۔ طمانینت اس مقدار میں سکون کرنے کو کہتے ہیں جس میں سبحان اللہ کہا جائے۔

مسلسل کی قید کی وجہ سے غیر مسلسل عمل شمار نہ ہوگا۔ غیر مسلسل عمل خواہ کتنی ہی مرتبہ وقوع میں آئے کوئی اثر نہیں رکھتا۔ عمل کثیر کی مثال تین قدم چلنا ہے۔ تین قدم چلنے سے نماز ٹوٹتی ہے۔

عمل قلیل سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ عمل قلیل کی مثال یہ ہے کہ لباس کو برابر کرے، عمل قلیل سے نماز اسی صورت میں نہیں ٹوٹتی جب کہ وہ عمل نماز کی نوعیت سے نہ ہو۔ اگر کوئی عمل نماز کی نوعیت کا عمداً زیادہ کیا جائے تو نماز ٹوٹتی ہے جیسا کہ جان بوجھ کر نماز میں ایک رکوع کا اضافہ کرے۔ عمل قلیل میں عمداً اور سہواً دونوں برابر ہیں، لیکن عمل قلیل دل لگی کے طور پر کیا جائے تو نماز ٹوٹے گی۔

بجیرمی نے لکھا ہے کہ بعض عمل قلیل مستحب ہے جیسا کہ نماز پڑھتے پڑھتے بچھو کو مارنا یا

مسواک کرنا۔

حدث اکبر یا اصغر پیش آئے

حدث اکبر یا اصغر پیش آنے سے نماز ٹوٹتی ہے۔

مقعد کے غیر متمکن حالت میں نیند لگ جائے تو نماز ٹوٹتی ہے۔ متمکن؛ مقعد کے زمین پر ٹکی ہوئی حالت کو اور غیر متمکن؛ زمین پر نہ ٹکی ہوئی حالت کو کہتے ہیں۔

نماز کے ٹوٹنے کا موقع پہلے سلام سے قبل ہے، اگر پہلے سلام کے بعد اور دوسرے سلام سے پہلے حدث واقع ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، اس لیے کہ پہلے سلام کے ساتھ نماز ختم ہوگئی اور حدث اس کے بعد واقع ہوا۔ پہلے سلام کے بعد حدث واقع ہو تو دوسرا سلام حدث کی حالت میں کرنا حرام ہے۔

حدث کے واقع ہونے سے طہارت ٹوٹ جاتی ہے، بخلاف امام ابو حنیفہؒ کے، جن کا قول ہے کہ نماز صحیح ہو جاتی ہے، جب حدث واقع ہو تو طہارت کرے اور جہاں سے نماز چھوٹی تھی وہیں سے شروع کر کے ختم کرے، امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی تھا۔

غیر معفو عنہا نجاست لگے

نجاست غیر معفو عنہا (یعنی نجاست مغلظہ یا متوسطہ جو معاف نہیں ہے) لگے تو نماز ٹوٹتی ہے ۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:" وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" (المدثر۴) اور اپنے لباس کو پاک کرو۔

معفو عنہا سے مراد وہ نجاست ہے جو معاف ہے، اور وہ نجاست جو معاف نہیں ہے غیر معفو عنہا کہلاتی ہے۔ معفو عنہا نجاست کے لگنے سے نماز نہیں ٹوٹتی، بدن اور لباس دونوں کی نسبت حکم یکساں ہے۔

ستر کھل جائے:

جس حصہ کا ستر لازم ہے اس کے کھول دینے سے نماز ٹوٹتی ہے۔ پورے ستر کے کھل جانے کی قید نہیں ہے۔ ستر کا بعض حصہ بھی کھل جائے تو نماز ٹوٹتی ہے۔

عمداً ستر کھول دینے سے نماز ٹوٹتی ہے، اگر سہواً یا ہوا کی وجہ سے ستر کھل جائے اور فوراً درست کیا جائے تو مضائقہ نہیں۔

نیت تبدیل ہو جائے

نماز سے نکلنے کا ارادہ کرنے سے نماز ٹوٹتی ہے، ایک فرض نماز کو پڑھتے ہوئے دوسری فرض نماز کا ارادہ کرنے سے بھی نماز ٹوٹتی ہے۔ نفل نماز کو ایک رکعت کے بعد بھی ختم کر کے جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں۔

قبلہ سے رخ بدل جائے

قبلہ سے رخ بدل جانے سے مراد یہ ہے کہ قبلہ کے رخ سے سینہ ذرا بھی داہنی یا بائیں جانب مڑ جائے تو نماز ٹوٹتی ہے۔

اگر ناواقفیت کی بناء پر یا بھول کر غلط رخ میں نماز پڑھی جا رہی ہو اور فوراً علم ہوتے ہی صحیح رخ پر آ جائے تو نماز ٹوٹتی نہیں۔

قبلہ سے انحراف دو صورتوں میں جائز ہے:

۱۔ سفر میں نفل نماز میں

۲۔ شدت خوف میں جیسا کہ نماز کی شرائط میں بیان کیا گیا ہے۔

ضرورت کے بغیر چہرے کو داہنی یا بائیں جانب موڑنا مکروہ ہے، مگر ضرورت پر مکروہ نہیں ہے۔ استدبار قبلہ: قبلہ کی طرف پشت کرنے کو کہتے ہیں۔ ابوشجاع نے استدبار قبلہ کو مبطل نماز بتایا ہے، مگر استدبار کی قید نہیں ہے۔ سینے کو پھیرنا بھی کافی ہے۔

کھانا پینا

تھوڑا کھانے سے بھی نماز ٹوٹتی ہے، کھانے کا فعل عمل کثیر میں داخل ہے۔

نماز اور روزے میں یہ فرق ہے کہ نماز ترتیب وار افعال کا مجموعہ ہے اور فعل کثیر سے اس کی ترتیب میں خلل واقع ہوتا ہے، بخلاف روزے کے، جس میں صرف بعض چیزیں

ہیں جو روزے کو توڑتی ہیں نماز کو بھی توڑتی ہےں۔

قہقہہ

قہقہ آواز کے ساتھ ہنسنے کو کہتے ہیں، بیجوری کا قول ہے کہ یہاں قہقہ سے ایسی ہنسی مراد ہے جس سے دو یا زیادہ حروف کی مقدار تصور کی جائے۔ ہنسی سے نماز صرف اس صورت میں ٹوٹتی ہے جب کہ اس سے دو یا زیادہ حروف ظاہر ہوں، یا ایک حرف بامعنی۔

اس اصول کے لحاظ سے نماز کے ٹوٹنے کی اصل علت کلام ہے، اگر طبیعت کے غلبہ کی وجہ سے تھوڑی سی ہنسی آجائے تو نماز نہیں ٹوٹتی، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ نماز میں مسکرائے اور دریافت فرمانے پر فرمایا کہ میکائیل مجھ پر سے ہنستے ہوئے گزرے تو میں مسکرایا۔ ()

ارتداد

ارتداد (خدا پناہ میں رکھے) ایسی بات کہنا یا ایسا کام کرنا یا ایسا مستقل ارادہ کرنا جس سے اسلام سے انحراف متصور ہو، نماز ٹوٹتی ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''**وَمَن يَّرتَدِدُ مِنكُم عَنْ دِيْنِهِ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ**'' (البقرۃ ۲۱۷) اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے منحرف ہو جائے اور مر جائے، اس حال میں کہ وہ کافر ہے، پس اس کے سارے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔

ارتداد کی مثالیں یہ ہیں: اللہ تین میں کا ایک ہے، عملی ارتداد مثلاً بت کو سجدہ کرنا، مستقل ارادہ کرنا کہ کل کافر ہوگا۔

دیگر مبطلات صلاۃ

ابوشجاع نے مبطلات صلاۃ کی تعداد گیارہ لکھی ہے مگر اس تعداد پر حصر نہیں ہے، بعض امور اور بھی ہیں جن سے نماز ٹوٹتی ہے:

رکن قصیر کو طویل کرنا: نماز کے چھوٹے اور مختصر ارکان کو طویل

کرنے سے نماز ٹوٹتی ہے، نماز کے یہ ارکان قصیر اور مختصر کہلاتے ہیں:

۔اعتدال یعنی رکوع کے بعد قیام

۔دوسجدوں کا درمیانی جلوس

۔اعتدال میں جس ذکر کے پڑھنے کی ہدایت دی گئی ہے اس کے علاوہ اتنی دیر طول دینے سے نماز ٹوٹتی ہے جس میں سورہ فاتحہ پڑھا جاسکے۔

۔سجدوں کے درمیان کے جلوس میں بھی مقررہ ذکر کے علاوہ اتنی دیر کرنے سے نماز ٹوٹتی ہے جس میں تشہد اول پڑھا جاسکے۔

۔**تخلف**: بغیر کسی عذر کے ماموم کا امام کے اتنا پیچھے رہ جانا کہ امام دو ارکان آگے بڑھ جائے۔

۔**تقدم**: بغیر کسی عذر کے ماموم کا امام کے اتنا پیچھے رہ جانا کہ امام دو ارکان پیچھے رہے۔

۔بلغم نگلنا، جب کہ بلغم حد ظاہر تک آگیا ہو اور اس کو تھوک دینا ممکن ہو، نووی کا قول ہے کہ حد ظاہر سے مراد خاء کا مخرج اور رافعی کا قول ہے کہ خاء کا مخرج ہے۔

۔چھلانگ مارنا اور کودنا۔

مکروہات صلاۃ

مکروہات صلاۃ یہ ہیں:

۱۔التفات یعنی ادھر ادھر دیکھنا
۲۔ارتفاع نظر یعنی نظریں اوپر کرنا
۳۔بالوں اور کپڑوں کو سمیٹنا
۴۔منہ پر ہاتھ رکھنا
۵۔ایک پاؤں پر کھڑے رہنا
۶۔حوائج کو روکنا یعنی پیشاب پاخانہ کو روکے رکھنا
۷۔کھانا پینا ملتوی کرنا
۸۔آگے اور داہنی جانب تھوکنا
۹۔کمر پر ہاتھ رکھنا
۱۰۔رکوع میں سر کو زیادہ جھکانا
۱۱۔حمام وغیرہ میں نماز پڑھنا
۱۲۔قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا
۱۳۔دھاٹہ باندھنا اور نقاب چھوڑنا
۱۴۔پیشانی سے گرد صاف کرنا، کنکریوں کو برابر کرنا
۱۵۔سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورہ نہ پڑھنا
۱۶۔ٹیک لگانا
۱۷۔جلسۂ استراحت کو طویل کرنا

۱۸۔امام کے ساتھ ساتھ نماز کرنا

۱۹۔ جہراور اسرار کی خلاف ورزی

۲۰۔ نیند کے غلبہ میں نماز پڑھنا

۲۱۔دوسرے شخص کے استقبال کی حالت میں نماز پڑھنا

شیخ ابوشجاع نے اپنے متن میں مکروہات صلاۃ کے نام سے کوئی بیان نہیں لکھا ہے اور نہ ابن قاسم غزّی کی شرح میں اور نہ بیجوری کے حاشیہ میں اس کا ذکر ہے، خطیب شربینی نے اپنی شرح میں مستقل طور پر اس کا اضافہ کیا ہے اور اس پر بجیرمی کا حاشیہ ہے، منہاج اور اس کی شرح میں مستقل طور پر اس کا ذکر ہے، ان ہی کتب سے یہ مسائل یہاں درج کئے گئے ہیں۔

التفات: چہرے اور سر کو پھیر کر داہنی اور بائیں جانب بغیر ضرورت کے دیکھنا مکروہ ہے۔ضرورت پر دیکھنا مکروہ نہیں ہے، حضرت عائشہؓ نے نماز میں التفات کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ'' (بخاری ۷۱۸) شیطان بندہ کی نماز کے ثواب سے کچھ حصہ چھین لیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''لَا يَزَالُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مُقْبِلاً عَلَى الْعَبْدِ فِي صَلَاتِهِ مَالَمْ يَلْتَفِتْ فَاِذَا الْتَفَتَ اِنْصَرَفَ عَنْهُ'' (ابوداود ۹۰۹ وغیرہ) بندہ جب نماز میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک کہ وہ منھ نہ موڑے اور جب منھ موڑا تو اس نے بھی منھ موڑ لیا۔

نماز میں التفات اسی صورت میں مکروہ ہے جب کہ دل لگی کے طور پر نہ ہو۔اگر التفات دل لگی کے طور پر ہو تو حرام ہے اور اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

کراہت چہرے کو ادھر ادھر موڑنے میں ہے، سینہ کو قبلہ کی طرف سے موڑنا حرام ہے اور اس سے نماز ٹوٹتی ہے۔

اگر التفات کسی ضرورت پر ہو تو مکروہ نہیں ہے مثلاً سامان کی حفاظت کی خاطر نماز پڑھتے وقت مڑ کر دیکھنا مکروہ نہیں ہے، ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نماز پڑھ رہے تھے اور منہ پھیر کر اس پہاڑی راستے کی طرف دیکھ رہے تھے جس کی حفاظت کے لئے آپ نے ایک سوار کو روانہ کیا تھا۔(ابوداود نے صحیح سند سے یہ روایت کی ہے ۹۱۶، یہ روایت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے ہے)

ارتفاع نظر: نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا مکروہ ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**مَابَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِيْ صَلَاتِهِمْ**'' (بخاری نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس کے اخیر میں یہ الفاظ ہیں (۷۱۷) ''ثم قال: لينتهُنّ عن ذلک أو لتخطفن أبصارهم''، اسی طرح کی روایت مسلم ۴۲۸۔ ۴۲۹ نے جابر بن سمرہ اور ابوہریرہ سے کی ہے) لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ نماز میں اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔

وضو کے بعد دعا پڑھتے وقت نظر کا آسمان کی طرف اٹھانا مسنون ہے، نماز اور وضو؛ ان دونوں موقعوں کے علاوہ دعا کے دوسرے مواقع پر آسمان کی طرف نظر اٹھانا جائز ہے۔ مگر بعض نے اس کو بھی مکروہ قرار دیا ہے۔

ابن عربی نے فتوحات مکیہ جلد سوم میں لکھا ہے کہ نماز میں آنکھوں کو بند رکھنا مکروہ ہے۔

بالوں کو یا کپڑوں کو سمیٹنا یا بٹنا نماز میں مکروہ ہے۔ بالوں کو ہاتھ سے ہٹانا یا عمامہ میں بٹُونا مکروہ ہے، حدیث میں ہے: ''**أُمِرْتُ أَنْ لَّا أَكُفَّ الشَّعْرَ أَوِ الثِّيَابَ**'' (بخاری ۷۷۷) مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ بالوں یا کپڑوں کو نہ سمیٹوں۔

یہ حکم سجدہ والی نماز میں ہے، ورنہ نماز جنازہ، طواف اور اعتکاف میں بالوں اور کپڑوں کو سیمٹنا جائز ہے۔

بالوں کے سمیٹنے میں کراہت مرد کے لئے ہے، ورنہ عورت کے لیے مکروہ نہیں۔

آستین چڑھا کر اور لباس کو لپیٹ کر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے، بغیر کسی ضرورت کے کمر باندھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، ضرورت پر کمر باندھ کر نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے، پاجامہ میں ازار بند یا لنگی پر کمر بند کا باندھنا اس حکم میں داخل نہیں ہے، بلکہ لباس کے قائم رکھنے کے لئے اس کی ضرورت ہے اور واجب ہے۔

عمامہ کی دم کو عمامہ میں اٹکانا مکروہ ہے۔ یہ کراہت بیرون نماز بھی ہے۔ حدیث میں ہے: ''إِنَّ اللّٰهَ يَكْرَهُ الْعَمَامَةَ الصَّمَّاءَ'' (یہ روایت نہیں ملی) بیشک اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے بے دم کے عمامہ سے۔ عمامہ کی دم کو کھلی چھوڑنا مسنون ہے۔

بغیر ضرورت کے نماز میں ہاتھ منھ پر رکھنا مکروہ ہے، ضرورت پر مکروہ نہیں، جمائی آنے پر بائیں ہاتھ کو منھ پر رکھنا مسنون ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''إِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهِ عَلٰى فِيهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ'' (مسند احمد: ۱۱۹۳۵۔ ابوداد میں ''فليمسك على فيه'' کے الفاظ ہیں''۔ باب ماجاء فی التثاؤب ۵۰۲۸۔ یہ روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے) تم جمائی لو تو منھ پر ہاتھ رکھو ورنہ شیطان داخل ہوتا ہے۔

ایک پاؤں پر بغیر عذر کے کھڑے رہنا نماز میں مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ خشوع اور آداب نماز کے خلاف ہے۔ درد وغیرہ کی وجہ سے ایک پاؤں پر کھڑا رہنا مکروہ نہیں ہے۔

حوائج یعنی پاخانہ پیشاب یا ہوا کو روک کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ امور توجہ بٹاتے ہیں اور خشوع میں خلل ڈالتے ہیں۔ اگر وقت میں گنجائش ہو تو ان امور سے فارغ ہو کر نماز پڑھنا چاہئے، چاہے جماعت فوت ہو جائے۔ ان امور کی وجہ سے فرض نماز کو توڑنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ ان کے روکنے میں نقصان کا خوف ہو۔

کھانے پینے کی چیزوں کی طرف شدید رغبت ہونے کی حالت میں کھائے پئے بغیر نماز پڑھنا مکروہ ہے، بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو۔ بقدر ضرورت ان چیزوں کے کھانے اور پینے سے کراہت زائل ہوتی ہے۔

آگے اور داہنی جانب نماز میں تھوکنا مکروہ ہے۔ حدیث میں ہے: ''إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ عَزَّوَجَلَّ فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ لَا عَنْ يَمِينِهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ'' (بخاری: ۴۱۳۔ مسلم: باب النھی عن البصاق بین یدیہ ۱۲۵۸۔ یہ روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے) جب تم نماز میں ہو اور پروردگار عزوجل سے مناجات کرتے ہو تو اپنے آگے اور داہنی جانب نہ تھوکو، لیکن بائیں جانب تھوکو۔

کراہت کا یہ حکم عام جگہ کی نسبت ہے ورنہ مسجد میں تھوکنا حرام ہے۔ کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اَلْبُصَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ وَ كَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا (نسائی: باب البصاق فی المسجد ۷۲۳۔ ابن حبان: باب المساجد ۱۶۳۷۔ یہ روایت انس رضی اللہ عنہ سے ہے) بَلْ يَبْصُقُ فِيْ طَرَفِ ثَوْبِهِ مِنْ جَانِبِهِ الْأَيْسَرِ'' (مصنف عبدالرزاق میں اس معنی کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں: ''ولكن عن يساره فإن لم يفعل فليبصق فى طرف ثوبه''۔ باب النخامۃ فی المسجد ۱۶۹۲۔ یہ روایت انس رضی اللہ عنہ سے ہے) مسجد میں تھوکنا غلطی ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کر دینا ہے۔ بلکہ اپنے بائیں جانب کے کپڑے پر تھوک لینا چاہئے۔

نماز کے باہر بھی اپنے آگے اور داہنی جانب اور قبلہ کے رخ میں تھوکنا مکروہ ہے۔

کمر پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنا بغیر ضرورت کے مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ عمل کبر و غرور کی علامت ہے۔ نماز کے باہر بھی یہ عمل مکروہ ہے۔

رکوع میں سر کو پیٹھ سے زیادہ جھکانا یا بلند کرنا مکروہ ہے۔ خطیب نے سر کے جھکانے اور مبالغہ کرنے میں کراہت ظاہر کی تھی مگر بجیرمی نے بغیر مبالغہ کے محض سر کو پیٹھ سے زیادہ پست کرنے کو مکروہ قرار دیا۔

مقامات مکروہ یعنی وہ جگہیں جہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے

بازار میں، راستوں میں، مسجد سے باہر کھلی جگہ میں، حمام میں، کوڑے کرکٹ کی جگہ، اکیلے میں، دوسروں کی عبادت گاہوں میں، اونٹوں کے جمع ہونے کی جگہ پر، قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''لَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ'' (مسلم: باب النھی عن بناء المساجد علی القبور ۱۲۶۱) قبروں کو مسجدیں مت بناؤ۔

کعبۃ اللہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ شیخ عمیرہ نے شرح منہاج میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا حرام ہے۔

دھاٹہ باندھ کر نماز پڑھنا مرد کے لئے اور نقاب ڈال کر نماز پڑھنا عورت کے لئے

مکروہ ہے۔

نماز ختم کرنے سے پہلے پیشانی سے گرد صاف کرنا مکروہ ہے۔

نماز میں سجدہ کے وقت کنکریوں کو سجدہ گاہ کے برابر کرنا مکروہ ہے۔

پہلی اور دوسری رکعت میں قراءت سورہ کا ترک کرنا مکروہ ہے۔

نماز میں اس طرح ٹیک دینا کہ ٹیکنے کی چیز کے گرنے سے گر جائے مکروہ ہے۔

جلسہ استراحت کو اقل جلوس بین السجدتین سے زیادہ طویل کرنا مکروہ ہے۔

تشہد اول میں آل پر درود پڑھتے ہوئے یا دعا کرتے ہوئے طویل کرنا اور آخری تشہد کے اخیر میں دعا ترک کرنا مکروہ ہے۔

امام کے ساتھ ہی نماز کے افعال اور اقوال بجالانا مکروہ ہے۔

جہر یا اسرار میں خلاف ورزی کرنا یا امام کے پیچھے جہر سے پڑھنا مکروہ ہے۔

نیند کے غلبہ کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے، بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو اور اندرون وقت بیدار ہونے کا یقین ہو، ورنہ نماز کو ملتوی کر کے سونا حرام ہے۔

مستقبل مرد یا عورت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے، مستقبل وہ شخص ہے جس کا رخ اپنی طرف ہو۔ (شیخ عمیرہ حاشیہ محلی)

سترۃ المصلی

سترہ ڈھانپنے اور مصلی نماز پڑھنے والے کو کہتے ہیں، اور شرع میں سترہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کو آگے رکھ کر یا جس کی آڑ میں نماز پڑھی جائے۔

دیوار کی طرف یا تیر کو گاڑھ کر یا جائے نماز بچھا کر یا لکیر کھینچ کر پڑھنا اور اس کے درمیان سے گزرنے والے کو روکنا مسنون ہے، مصلی کے سامنے سے گزرنا حرام ہے۔ یہ بیان عبداللہ بافضل کے مختصر اور منہاج اور خطیب شربینی کی شرح سے اخذ کیا گیا ہے۔ ابو شجاع کے متن میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ شیخین نے روایت کی ہے کہ کسی چیز کی آڑ سے نماز پڑھنا مسنون ہے۔ (بخاری ۴۷۲، مسلم ۵۰۱، یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے)

حاکم کی روایت کردہ حدیث یہ ہے: ''اِسۡتَتِرُوۡا بِصَلَاتِکُمۡ وَ لَوۡ بِسَهۡمٍ'' (مستدرک حاکم: باب التأمین۔ صحیح علی شرط مسلم۔ یہ روایت ربیع بن سبرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) نماز میں آڑ کرو، چاہے ایک تیر سے کیوں نہ ہو۔

یہ حکم فرض، نفل اور نماز جنازہ کے لیے عام ہے۔ سجدہ تلاوت اور شکر کے لئے بھی اس پر عمل کرنا مسنون ہے۔ کسی چیز کی آڑ سے نماز پڑھنے کو ''استتار'' اور اس چیز کو جس کی آڑ سے نماز پڑھی جاتی ہے ''ساتر'' کہتے ہیں۔

ساتر کے مدارج

ساتر کے چار درجے ہیں اور ان میں ترتیب بھی مسنون ہے۔ حدیث میں ہے: ''إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ أَمَامَ وَجْهِهِ شَيْئًا فَإِن لَّمْ يَجِدْ فَلْيَنْصُبْ عَصًا فَإِن لَّمْ يَكُنْ مَعَهُ عَصًا فَلْيَخُطَّ خَطًّا ثُمَّ لَا يَضُرُّهُ مَا مَرَّ أَمَامَهُ'' (ابوداود: باب الخط إذا لم یجد

عصا۶۸۹۔ابن ماجہ۹۴۳۔مسند احمد:۷۳۸۶۔ یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے)تم نماز پڑھو تو اپنے سامنے کوئی چیز رکھو، اگر کوئی چیز نہ ہو تو اپنی چھڑی کو گاڑو، اگر چھڑی ساتھ نہ ہو تو ایک لکیر کھینچو اور پھر کوئی سامنے سے گزرے تو مضائقہ نہیں۔

اس حدیث میں ساتر کے صرف تین مدارج بیان کئے گئے ہیں، مگر فقہاء نے خط یعنی لکیر پر قیاس کرتے ہوئے مصلی اور سجادہ کو بھی شامل کیا ہے۔اور اس کو ترتیب میں خط پر ترجیح دی ہے۔

دیوار یا کھمبے کو سامنے کر کے نماز پڑھنا مسنون ہے، یہ مستقل ساتر ہیں، ان کی موجودگی میں کسی ساتر کے پیچھے نماز پڑھی جائے تو سنت حاصل نہ ہوگی۔عصا وغیرہ کو زمین میں اپنے آگے گاڑھ کر یا کسی چیز کو سامنے جما کر نماز پڑھنا مسنون ہے، جب کہ دیوار، عصا یا جائے نماز نہ ہو تو لمبی لکیر کھینچنا اولیٰ ہے، مگر چوڑی لکیر کھینچنے سے بھی سنت حاصل ہو سکتی ہے، نماز پڑھنے والا قبلہ کی جانب طول میں لکیر کھینچے۔

ساتر کی مقدار

مقدار میں صرف لمبائی کی شرط ہے، چوڑائی کی شرط نہیں ہے، دیوار یا ستون کی بلندی دوتہائی ہاتھ کے برابر یا اس سے زیادہ ہونا چاہئے، دوتہائی ہاتھ سولہ انگلی کے مساوی ہے اور مروجہ پیمانہ کے لحاظ سے بارہ انچ یا ایک فٹ کے مساوی ہے۔

عصا، تیر یا کوئی اور چیز یا سامان جو سامنے جمایا جائے اس کی بلندی بھی کم سے کم ایک فٹ ہونا چاہئے، یہ بھی شرط ہے کہ ساتر مصلی سے زیادہ سے زیادہ تین ہاتھ یعنی ساڑھے چار فٹ فاصلہ پر ہو۔ساڑھے چار فٹ سے کم فاصلہ پر ہو تو مضائقہ نہیں، مگر ساڑھے چار فٹ سے زیادہ فاصلہ پر ہو تو وہ ساتر معتبر نہیں ہوگا۔اس فاصلہ کی ضرورت سجدہ کے لئے ہے اور یہی فاصلہ دوصفوں کے درمیان ہے۔

نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو روکنے کا حکم

مذکورہ بالا چاروں ساتروں کے سہارے سے جو شخص نماز پڑھ رہا ہو اس کے لئے

مسنون ہے کہ ساتر اور اپنے درمیان سے کوئی شخص گزرنا چاہے تو اس کو روکے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ إِلٰى شَيْئٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَأَرَادَ أَنْ يَّجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ'' (بخاری:۵۰۹۔ یہ روایت ابوسعید خدری سے ہے) جب تم میں سے کوئی کسی چیز کو لوگوں سے ساتر بنا کر نماز پڑھے اور کوئی سامنے سے گزرنا چاہے تو اس کو روکے۔

روکنے کے لئے شرط ہے کہ روکنے میں مسلسل تین افعال نہ ہوں۔ تین مسلسل افعال پیش آنے سے نماز ٹوٹتی ہے۔ روکنے کے لئے نماز پڑھنے والے کے لئے جو اجازت ہے وہی دوسرے شخص کو بھی حاصل ہے۔

نمازی کے سامنے سے گزرنے کی ممانعت

ساتر اور مصلی کے درمیان سے عمداً گزرنا مکلّف اور واقف کار کے لئے حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَّقِفَ أَرْبَعِيْنَ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ'' (بخاری:۵۱۰، مسلم: باب منع المار بین یدی المصلی ۱۱۶۰۔ یہ روایت ابوجہم رضی اللہ عنہ سے ہے) نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنے میں کتنا گناہ ہے معلوم ہو تو آدمی چالیس برس تک توقف کرنا بہتر سمجھتا، بہ نسبت اس کے کہ سامنے سے گزرے۔

مصلی اور ساتر کے درمیان سے گزرنا حرام ہے اور گناہ کبیرہ میں داخل ہے، چاہے کوئی دوسرا راستہ نہ ہو۔

اگر ساتر میں کوئی نقص ہو تو سامنے سے گزرنا حرام نہیں ہے، لیکن نہ گزرنا اولیٰ ہے۔

اگر کوئی شخص بغیر ساتر کے نماز پڑھ رہا ہو یا ساتر تین ہاتھ سے زیادہ دور ہو اور ساتر کی شرعی صفات اس میں نہ ہوں تو گزرنے سے روکنے کا حق نہیں ہے۔

اگر اگلی صف میں اپنے آگے جگہ چھوڑ کر نماز پڑھے تو اس خالی جگہ پر سے گزرنا حرام نہیں ہے، گزرنے کے لئے پورے بدن سے گزرنا ضروری نہیں ہے، بدن کا کوئی حصہ ہاتھ وغیرہ سامنے آجائے تو کافی ہے، سامنے بیٹھنا، پاؤں پھیلانا، لیٹ جانا بھی گزرنے میں داخل ہے۔

استثناء

کسی شخص کو ہلاکت سے بچانے کے لئے گزرنا جائز ہے، بلکہ واجب ہے، نماز اور عرفات کا وقت گزر رہا ہو اور بغیر گزرنے کے چارہ نہ ہو تو بھی گزر سکتا ہے۔

متفرق مسائل

نماز میں ساتر کو داہنی جانب یا بائیں جانب رکھے، ٹھیک چہرے کے مقابل نہ رکھے، حدیث میں ''أَمَامَ وَجْهِهِ'' کے الفاظ سے مراد آگے اور سامنے کے ہیں، نہ کہ چہرے کے مقابل کے، چونکہ آدمی میں ساتر ہونے کی صلاحیت نہیں ہے، اس لئے ایک صف دوسری صف کے لئے ساتر نہیں ہے، اسی سے صفوں کے درمیان گزرنے کے عدم جواز کا مسئلہ لیا گیا ہے۔

رکعات صلاۃ

فرض نمازوں میں جملہ سترہ رکعات ہیں: صبح میں دو، ظہر میں چار (جمعہ میں دو)، عصر میں چار، مغرب میں تین، عشاء میں چار۔

امام رازی نے بیان کیا ہے کہ دن اور رات میں تقریباً سات گھنٹے نیند کے اور سترہ گھنٹے بیداری کے ہیں اور ان بیداری کی ساعتوں کے گناہوں کے کفارہ کے لئے سترہ رکعتیں فرض کی گئیں۔

فرض نماز سے مراد وہ نماز ہے جو اصلیت میں فرض ہے، ورنہ نذر کرنے کے بعد (منذورہ) نماز بھی فرض ہو جاتی ہے اور اس کی تعداد متعین نہیں ہے، رکعتوں کی یہ تعداد ایک دن اور ایک رات کی نماز کی نسبت ہے۔

دن اور رات کا وقت حقیقی ہوتا ہے اور تقدیری بھی۔

وقت تقدیری اس وقت کو کہتے ہیں جس کا قیاس کیا جائے جیسا کہ ایام دجال کے تین دن اور وہ رات جب کہ مغرب سے سورج طلوع ہوگا، ان دونوں موقعوں پر حقیقی دن اور رات کے موافق تقدیری دن اور رات کا قیاس کیا جائے گا۔

جن ممالک میں دن اور رات غیر معمولی طور پر لمبے یا چھوٹے ہوتے ہیں، ان کے اوقات بھی تقدیری ہوں گے۔

رکعتوں کی یہ تعداد اقامت یعنی سفر نہ ہونے کی حالت میں ہے، ورنہ قصر کیا جائے تو جملہ رکعتیں گھٹ کر گیارہ ہو جاتی ہیں۔ صبح، ظہر، عصر اور عشاء ہر ایک کی دو رکعت اور مغرب کی تین رکعت۔ جمعہ کی دو رکعت فرض ہیں، اس لئے جمعہ کے ساتھ ظہر نہ پڑھی جائے تو جملہ رکعتوں کی تعداد پندرہ ہوگی۔

ان میں چونتیس سجدے، چورانوے تکبیریں، نو تشہد، دس سلام اور ایک سو ترپن تسبیحیں ہیں، تفصیل یہ ہے:

سجدے: ہر ایک رکعت میں دو سجدے کے حساب سے سترہ رکعتوں میں چونتیس سجدے ہوئے۔ صبح میں چار، ظہر عصر اور عشاء ہر ایک میں آٹھ اور مغرب میں چھ۔

تکبیرات: ہر رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں: رکوع میں جاتے ہوئے، پہلے سجدہ میں جاتے ہوئے، پہلے سجدے سے اٹھتے ہوئے، دوسرے سجدے کو جاتے ہوئے اور دوسرے سجدے سے اٹھتے ہوئے۔ ان پانچ تکبیروں کو سترہ رکعتوں میں ضرب دیا جائے تو پچاسی ہوئے۔ ان میں پانچ نمازوں کی پانچ تکبیریں اور چار تکبیریں جو ظہر، عصر، مغرب اور عشاء میں تشہد اول کے بعد قیام کے لئے کہی جاتی ہیں شامل کیا جائے تو چورانوے ہوئے۔

صبح میں گیارہ، مغرب میں سترہ اور ظہر، عصر اور عشاء ہر ایک میں بائیس۔ ان چورانوے تکبیروں کی مزید تفصیل یہ ہے کہ احرام کی پانچ تکبیریں واجب ہیں، بقیہ ہیئات ہیں۔

تشہدات: صبح میں ایک تشہد اور بقیہ چار نمازوں میں دو دو تشہد تو جملہ نو تشہد ہوئے، ان میں سے نماز کے آخر کے پانچ تشہد واجب ہیں اور چار تشہد جو چار نمازوں کے درمیان پڑھے جاتے ہیں مسنون ہیں، صبح کی نماز میں صرف آخری تشہد ہے، تشہد اول نہیں ہے۔

سلام: ہر فرض نماز میں دو سلام ہیں، اس لئے پانچ نمازوں کے دس سلام ہوئے، ان میں سے پہلے پانچ سلام واجب ہیں اور دوسرے پانچ سلام مسنون۔

تسبیحات: تسبیحات کی تعداد ایک سو پینتیس ادنی کمال ہے، یعنی یہ تعداد مکمل اور کم سے کم ہے۔ ہر ایک رکعت میں نو تسبیحیں؛ تین رکوع میں، تین پہلے سجدے میں اور تین دوسرے سجدے میں۔ رکعتوں کی تعداد سترہ کو نو میں ضرب دیا جائے تو ایک سو پینتیس تسبیحیں ہوئیں؛ صبح میں اٹھارہ، مغرب میں ستائیس اور ظہر، عصر، عشاء ہر ایک میں چھتیس تسبیح۔

کمال کی اعلی تعداد گیارہ ہے اور ہر ایک رکعت میں تینتیس تسبیحیں اور سترہ رکعتوں میں جملہ تسبیحیں پانسو اکسٹھ ہوں گی۔

نماز کے جملہ ارکان

نماز میں جملہ ارکان دوسوانتالیس ہیں؛ صبح میں اکتیس، مغرب میں ترے تالیس اور ظہر، عصر، عشاء؛ ہر ایک میں پچپن۔

اس کی تفصیل یہ ہے؛ ہر ایک رکعت کے عام ارکان بارہ ہیں: قیام، قراءت فاتحہ، رکوع، رکوع میں طمانینت، اعتدال، اعتدال میں طمانینت، پہلا سجدہ، پہلے سجدے میں طمانینت، دو سجدوں کے درمیان جلوس اور جلوس میں طمانینت، دوسرا سجدہ اور دوسرے سجدے میں طمانینت۔

یہ ارکان عام ہیں، ہر ایک رکعت میں ہوں گے، ان پر سات ایسے ارکان کا اضافہ ہوتا ہے جو ہر ایک رکعت کے لئے لازم نہیں ہیں: نیت اور تکبیر تحریمہ جو ہر نماز کے آغاز میں ہوتے ہیں۔ جلوس آخر اور جلوس آخر میں تشہد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود، پہلا سلام اور ارکان میں ترتیب۔

اس حساب سے صبح کی دو رکعتوں میں عام ارکان چوبیس اور دوسرے ارکان سات، جملہ اکتیس۔ مغرب کی تین رکعتوں میں عام ارکان چھتیس اور دوسرے ارکان سات، جملہ تینتالیس، ظہر، عصر، عشاء؛ ہر ایک میں عام ارکان اڑتالیس اور دوسرے ارکان سات، جملہ پچپن اور ان سب کی میزان دوسوسینتالیس ہوئی۔ یہ اعداد خطیب بیجوری اور بجیرمی سے درج کئے گئے ہیں۔

ابوشجاع نے ارکان کی تعداد ایک سو چھبیس تحریر کی ہے۔ ترتیب کو اس لیے شمار نہیں کیا کہ اس پر عمل کرنے میں احساس نہیں ہوتا اور پھر چار رکعت والی نمازیں ظہر، عصر اور عشاء میں سے صرف ایک نماز کے اعداد ۵۴ شمار کئے، ۱۲۶/ ارکان کا حساب یوں ملتا ہے: صبح میں بیالیس۔ مغرب، ظہر، عصر اور عشاء ہر ایک میں چون۔

صلاۃ مریض

فرض نماز میں قیام سے عاجز ہوتو مریض بیٹھ کراور بیٹھنے سے عاجز ہوتو کروٹ لیٹ کر پڑھے۔حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بواسیر میں مبتلا تھے،ان کے سوال پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''**صَلِّ قَائِمًا فَإِن لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِن لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ**'' (بخاری ۱۰۶۶، یہ روایت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ہے) کھڑے رہ کر نماز پڑھو، اگر نہ ہوسکے تو بیٹھ کر، اگر نہ ہوسکے تو کروٹ کے بل۔

نسائی نے اس پر اضافہ کیا ہے:''**فَإِن لَّمْ تَسْتَطِعْ فَمُسْتَلْقِيًا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا**'' (نسائی میں یہ روایت نہیں ملی۔اس معنی کی بہت سی روایتیں ہیں جن میں سے ایک اوپر ہی مذکور ہے) اگر نہ ہوسکے تو چت لیٹ کر، اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے مطابق۔

فرض میں پنجوقتہ فرض نمازوں کے علاوہ فرض کفایہ اور نذر کی ہوئی نمازیں بھی داخل ہیں، یہی حکم فوت شدہ نماز کی قضا کی نسبت بھی ہے۔نفل اس سے خارج ہے، اس لیے کہ نفل میں قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر اور بیٹھنے پر قدرت کے باوجود کروٹ لیٹ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔لیکن باوجود قدرت چت لیٹ کر نماز پڑھنا نفل میں بھی جائز نہیں ہے۔

قیام نماز کے اور ارکان کی طرح ہے۔دوسرے ارکان کو چھوڑ کر صرف قیام کی نسبت حکم لگانے کی وجہ یہ ہے کہ قیام کی نسبت اکثر ایسا عذر پیدا ہوتا ہے۔

عذر سے مراد

عجز یا عذر سے مراد یہ ہے کہ کھڑے رہ کر نماز پڑھنے میں ایسی تکلیف محسوس کی جائے کہ جس سے خشوع میں کمی آئے۔رافعی نے تکلیف کی شدت کی قید عاید کر کے کہا ہے کہ عجز

سے مراد صرف عدم امکان نہیں ہے بلکہ ایسی تکلیف مراد ہے جو مرض میں زیادتی یا شدید تکلیف کی مدت بڑھنے کا اندیشہ ہو۔

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ

بیٹھنے میں یہ اختیار حاصل ہے کہ جس ہیئت میں چاہے بیٹھے۔ بیٹھنے کی ساری نشستیں اس میں داخل ہیں، لیکن افتراش کی ہیئت میں بیٹھنا افضل ہے سوائے آخری نشست کے، جس میں تورک افضل ہے۔ افتراش تربع سے افضل ہے، اقعاء کی نشست نماز میں مکروہ ہے، ان نشستوں کی صراحت گزر چکی ہے۔

کروٹ لیٹ کر نماز پڑھنے کا طریقہ

بیٹھنے سے عاجز ہو تو کروٹ لیٹ کر نماز پڑھے۔ یہاں بھی عجز سے مراد یہ ہے کہ بیٹھنے میں تکلیف محسوس کی جائے، داہنی کروٹ پر لیٹ کر نماز پڑھنا افضل ہے، کروٹ لیٹ کر نماز پڑھنے میں چہرے اور بدن کے بالائی حصہ کو قبلہ کے رخ میں رکھنا واجب ہے، اسی ہیئت میں میت کو قبر میں داہنی کروٹ پر لٹایا جاتا ہے۔ اگر تکلیف نہ ہو تو رکوع اور سجود کو بیٹھنے کے بعد ادا کرنا واجب ہے۔

کروٹ لیٹ کر نماز پڑھنے سے عاجز ہو تو صرف رکوع اور سجود کے لیے سر سے اشارہ کرے۔ سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارے سے زیادہ پست ہونا چاہیے، اگر سر سے اشارہ نہ کر سکے تو آنکھوں اور پلکوں سے اشارہ کرے اور دل سے نیت کرے جب کہ زبان سے نیت کے الفاظ نہ بول سکے، اس لئے کہ قدرت کی صورت میں نیت کے الفاظ کا بولنا مسنون ہے۔

واجب ہے کہ سر کے نیچے کوئی چیز رکھ کر قبلہ کی طرف منھ کرے، اگر یہ نہ ہو سکے تو تلووں کو قبلہ رخ کرنا واجب ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو قولی ارکان زبان سے بولے اور فعلی ارکان دل میں جاری کرے اور اگر قولی ارکان بھی زبان سے نہ بول سکے تو ان کو بھی دل میں جاری کرے، دل میں ارکان کو جاری کرنے سے مراد یہ ہے کہ دل میں ارکان کا خیال

کرے۔نماز کی سنتوں کو بھی اسی طرح دل میں جاری کرے۔

بہرحال جب تک عقل ثابت ہے نماز کو ترک نہ کرے، عقل شرعی تکلیف کی حد ہے اور جب تک عقل ہے نماز ساقط نہیں ہوتی۔عذر کی وجہ سے نماز اس طرح پڑھی جائے تو اس کی قضا نہیں اور نہ اس کے ثواب میں کمی ہے۔

فائدہ: شیخ عزالدین بن عبدالسلام سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص شبہات سے محفوظ رہنے کے لئے ایسا پرہیز کرے کہ جان بچانے کے لئے ساگ پات وغیرہ کھا کر جئے اور اس کے باعث اتنا کمزور ہوجائے کہ فرائض میں قیام نہ کرسکے اور نماز جمعہ یا نماز جماعت میں حرکت نہ کرسکے تو انھوں نے فرمایا: ''**لَا خَيْرَ فِيْ وَرَعٍ يُوَدِّيْ إِلٰى تَرْكِ فَرَائِضِ اللّٰهِ تَعَالٰى**'' ایسی پرہیز گاری میں کوئی خوبی نہیں ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فرض کئے ہوئے امور چھوٹ جائیں۔

متروکات صلاۃ

متروکات صلاۃ تین ہیں: فرض، سنت، اور ہیئت۔

متروکات صلاۃ سے مراد وہ امور ہیں جو نماز میں ترک ہو جائیں۔ ترک ہونے میں عمداً اور سہواً دونوں داخل ہیں۔ امور سے مراد وہی ہیں جو نماز کے جزء ہیں اور نماز کی ہیئت میں داخل ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نماز کے شرائط خارج ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ شرائط نماز کا جزء نہیں ہیں۔

نماز جنازہ اس میں داخل نہیں ہے، نماز کی تکمیل کے لیے جو امور انجام پاتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ارکان اور سنن۔ ارکان وہی ہیں جو فرض ہیں۔

سنن پھر دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن کے ترک ہونے پر سجود سہو سے تدارک کیا جائے، اس کو ''بعض'' کہتے ہیں، دوسرے وہ جن کے ترک ہونے پر سجود سہو نہیں ہے، اس کو ''ہیئت'' کہتے ہیں، قولی اور فعلی دونوں قسم کے امور متروکات صلاۃ میں داخل ہیں اور فرض اور نفل دونوں نمازوں میں حکم یکساں ہے۔

جس کام کے لئے نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کے کرنے کا وہی اثر ہے جو حکم دئے ہوئے کام کو کرنے کا ہے۔ ایک رکوع یا سجدہ کا زیادہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ مقررہ رکوع یا سجدہ کا ترک کرنا ہے۔

فرض چھوٹ جائے

فرض کی تکمیل سجدہ سہو سے نہیں ہو سکتی، بلکہ جب یاد آ جائے اور زمانہ قریب ہو اس کو ادا کرے اور سجود سہو کرے۔

فرض سے مراد رکن ہے اور رکن اس فرض کو کہتے ہیں جو نماز کی ماہیت میں داخل ہے اور نماز کا جزء ہے، اس قید سے نماز کے شرائط خارج ہو جاتے ہیں، جو فرض ہیں مگر نماز کے جزءنہیں ہیں۔

یہاں سہواً ترک مراد ہے، ورنہ کوئی رکن عمداً ترک کیا جائے تو اس کا تدارک نہیں ہوسکتا اور نماز ہی باطل ہوجاتی ہے، یاد آنے سے مراد یہ ہے کہ ترک ہونے کا علم ہو، شک اس سے خارج ہے۔

کسی چھوٹے ہوئے رکن کے یاد آنے کی دو صورتیں ہیں، سلام سے پہلے یا سلام کے بعد۔ سلام کے بعد کی حالت کی دو قسمیں ہیں: سلام کے بعد قریب زمانہ میں یاد آئے یا دیر سے یاد آئے، اس طرح جملہ تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

۔سلام سے پہلے اور نماز کی حالت میں علم ہو کہ کوئی رکن ترک ہو گیا ہے تو واجب ہے کہ فوراً چھوٹے ہوئے رکن کو ادا کرے اور اس کے بعد بقیہ نماز پوری کرے جب کہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو۔

اگر چھوٹے ہوئے رکن کے تدارک کرنے میں کوئی زیادتی نہ ہوئی ہو تو سجود سہو کی ضرورت ہی نہ ہوگی، اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی آخری رکعت میں دوسرے سجدے کو بھول گیا پھر سلام سے پہلے یاد کیا تو فوراً اس سجدے کو ادا کرے اور سجود سہو نہ کرے، اس لیے کہ کسی رکن کی زیادتی نہیں ہوئی۔

اگر چھوٹے ہوئے رکن کے ادا کرنے میں کسی رکن کی زیادتی ہو تو سجود سہو بھی کرنے ہوں گے جیسا کہ رکوع کرنے سے پہلے بھول کر سجدہ میں چلا جائے اور پھر یاد آ جائے تو کھڑا ہو کر رکوع کرے اور سجدہ میں جائے اور نماز کے آخر میں سجود سہو کرے۔

اگر امام کے تابع نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی اتباع واجب ہے، امام کے سلام کرنے کے بعد اس چھوٹے ہوئے رکن کے تدارک کے لئے ایک رکعت نماز پڑھے اور سجود سہو کرے۔

سلام کے بعد قریب زمانہ میں یاد آئے کہ کوئی رکن ترک ہوا ہے تو اس کو ادا کرے اور

وہیں سے دوبارہ بقیہ نماز پوری کرے اور سجود سہو کرے۔

زمانہ قریب ہونے یا دیر ہونے کی نسبت عرف عام پر اعتبار کیا جائے گا اور بعض کا قول ہے کہ مدت کا اعتبار کیا جائے گا اور بعض کا قول ہے کہ مدت کا اعتبار ذوالیدین کی بیان کردہ حدیث سے ہوگا۔ جو گزر چکی ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرے اور اپنی جگہ سے ہٹ کر مسجد کے ایک درخت کو ٹیک دے کر کھڑے تھے کہ ذوالیدین نے آپ کو یاددلایا اور آپ نے فوراً قبلہ رو ہو کر بقیہ دو رکعت ادا کی اور سجود سہو کئے اور سلام پھیرا۔

سلام کے بعد تھوڑی گفتگو کرنے اور قبلہ سے رخ پھیرنے کے باوجود قریب زمانہ تصور کیا جاسکتا ہے۔

سجود سہو ادا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نماز پوری ہونے سے قبل سلام پھیرا تھا۔

سلام کے بعد دیر سے یاد آئے کہ کوئی رکن ترک ہوا ہے تو نماز ہی دوبارہ پڑھے، کونسی مدت قریب یا دیر شمار ہوگی؛ عرف عام کا لحاظ کیا جائے گا یا اس مدت کو معیار بنایا جائے گا جو ذوالیدین کے قصہ میں گزری۔

شک: اگر کسی ایسے رکن کے چھوٹ جانے کے بارے میں شک ہو جس سے نماز شروع ہوتی ہے، جیسا کہ نیت یا تکبیر احرام تو نماز کو شروع سے دوبارہ پڑھے، اس لیے کہ نیت اور تکبیر تحریمہ کے بغیر نماز ہی منعقد نہیں ہوتی۔

اگر شک اس بارے میں ہو کہ فرض کی نیت کی تھی یا نفل کی تو بھی نماز شروع سے پڑھے، عام طور پر امام کی اتباع کی نیت میں شک ہو تو مضائقہ نہیں، بخلاف نماز جمعہ کے۔

اگر کس دوسرے رکن کے ترک ہونے کی نسبت سلام کے بعد شک پیدا ہو تو ایسے شک کا کوئی اثر نہیں ہے، چاہے سلام پھیرے ابھی زیادہ وقت نہ ہوا ہو۔

اگر سلام سے پہلے شک ہو تو اس کو اسی طرح ادا کرے جس طرح کہ رکن چھوڑنے کا علم ہونے پر کیا جاتا ہے۔

کوئی شرط چھوٹنے کا شک ہو

یہ تو ارکان کی نسبت ہوا، اگر نماز کے شرائط کی نسبت سلام کے بعد شک پیدا ہو تو اس کا بھی کوئی اثر نہیں۔ سلام سے پہلے یا نماز ہی سے پہلے کسی شرط کی نسبت شک پیدا ہو جائے تو نماز میں خلل واقع ہوگا، نماز شروع کرنے سے پہلے طہارت کی نسبت شک ہوا تو نماز شروع ہی نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن شک سے پہلے طہارت کا علم ہوا تو نماز شروع کرنا جائز ہے جیسا کہ امام غزالیؒ کی رائے ہے۔

کوئی سنت چھوٹ جائے

سنت چھوٹ جائے اور فرض میں مصروف ہو جائے تو غور نہ کرے، لیکن سجود سہو کرے۔ سنت کی دو قسمیں ہیں: ابعاض اور ہیئات۔ ابعاض ان سنتوں کو کہتے ہیں جن کے چھوڑنے پر سجود سہو کا حکم دیا گیا ہے۔ ہیئات ان سنتوں کو کہتے ہیں جن کے چھوٹنے پر سجود سہو کا حکم نہیں ہے۔

اس مسئلہ میں سنت سے مراد سنت بعض ہے، سنن ابعاض چھ ہیں:

تشہد اول اور اس کے لئے قعود، قنوت اور اس کے لئے قیام، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تشہد اول میں درود، آل نبی پر تشہد آخر میں درود۔

اختصار کے لیے یہاں چھ ابعاض شمار کئے گئے ہیں، ورنہ ابعاض کے بیان میں معلوم ہو چکا ہے کہ ان کی تعداد بیس بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے، قنوت اور تشہد اول ان اقسام کے اصول ہیں اور بقیہ ان کی فروعات ہیں، سنن ابعاض چھوٹنے میں عمداً اور سہواً دونوں داخل ہیں۔

فرض کی ادائیگی میں مصروف ہو جانے کے بعد چھوٹی ہوئی سنت کی ادائیگی کے لیے غور کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ سنت کے لیے فرض کو چھوڑنا حرام ہے، لیکن اس کے تدارک کے لئے سجود سہو کرے۔

فرض دو قسم کے ہیں: فعلی اور قولی۔ اور بجیرمی نے بیان کیا ہے کہ یہاں فرض سے مراد

فعلی فرض ہے۔ فعلی فرض میں مصروفیت شروع ہوجانے کے بعد سنت کی طرف لوٹا نہیں جاسکتا، بخلاف اس کے فرضِ قولی کی مصروفیت بیچ میں روکی جاسکتی ہے۔ سورۃ فاتحہ آغاز کرنے کے بعد دعائے استفتاح یا تعوذ کے لئے سورہ فاتحہ منقطع ہوسکتا ہے۔

اگر فرض قولی بے محل پڑھا جائے جیسا کہ سورۃ فاتحہ رکوع میں پڑھے تو سجود سہو کرے۔ ہیئت ہوتو سجود سہو نہ کرے، سنت کے ترک ہونے کے بعد مگر فرض کی مصروفیت سے پہلے یاد آجائے تو لوٹ جائے۔

مصلی کی دو حالتیں ہیں:

ایک وہ جو مستقل اور آزاد ہے جیسا کہ امام یا منفرد۔

دوسرا وہ جو مستقل اور آزاد نہیں ہے جیسا کہ ماموم۔

پہلے ہم امام اور منفرد کی نسبت تشہد اول اور قنوت کی تفصیلی صورتیں ذیل میں بیان کرتے ہیں:

امام اور منفرد سے تشہد اول چھوٹ جائے اور اعتدال میں سیدھا کھڑا ہونے کے بعد یاد آئے تو تشہد کی طرف نہ لوٹے۔ رملی اور خطیب نے دو صورتیں بیان کی ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ قیام اور اقل رکوع دونوں کے درمیان ہو یعنی ابھی اقل رکوع کی حالت میں نہ پہنچا ہو بلکہ تھوڑا سا جھکا ہو۔ اس حالت کو پہنچنے سے قبل یاد آجائے تو لوٹ جائے۔ مگر سجود سہو اس صورت میں بھی ادا کرے جب کہ قیام اور قعود دونوں میں سے قیام کے زیادہ قریب ہو تو لوٹ جائے۔

قنوت ترک ہوجائے اور سجدہ میں جھک جانے کے بعد یاد آئے تو قنوت کی طرف نہ لوٹے، سجدہ میں جانے سے مراد یہ ہے کہ پورے اعضائے سجود زمین پر تحامل کے ساتھ ٹیکے جائیں، چاہے طمانینت نہ حاصل ہو، تحامل سے یہاں مراد یہ ہے کہ بدن کا وزن زمین پر پڑے۔ اگر اعضائے سجود زمین پر بدن کے بوجھ کے ساتھ نہ ٹیکے گئے ہوں تو سنت کی طرف واپس ہونا جائز ہے، مگر سجود سہو صرف اس صورت میں ادا کرے جب کہ جھکتے ہوئے

اقل رکوع کی حالت تک پہونچ کر لوٹ جائے۔

صبح کی دوسری رکعت کے اعتدال میں اور رمضان کے آخری نصف میں وتر کی آخری رکعت کے اعتدال میں قنوت پڑھا جاتا ہے، اگر حنفی امام کی اتباع میں قنوت کو چھوڑ دے تو سجود سہو کرے اور قنوت پڑھے تو بھی سجود سہو کرے۔قنوت نازلہ اس میں داخل نہیں ہے اور اس کے لیے سجود سہو بھی نہیں ہیں۔

قنوت کے لیے قیام مسنون ہے، اس لئے مصلی کو بھی جس کو قنوت یاد نہ ہو، اعتدال کی حالت میں اتنی دیر کھڑا رہنا چاہئے جتنی دیر میں قنوت پڑھا جاسکتا ہے۔قنوت نبی، قنوت عمر اور قنوت نازلہ کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

ماموم یعنی امام کے تابع نماز پڑھنے والے کے لئے واجب ہے کہ امام کی پیروی کرے اور امام کے لوٹنے کے ساتھ خود بھی لوٹ جائے، اس لیے کہ فرض کی مصروفیت کے مقابلہ میں امام کی پیروی کی زیادہ تاکید ہے۔

اگر امام کے لوٹنے کے باوجود جان بوجھ کر ماموم نہ لوٹے تو ماموم کی نماز باطل ہوگی۔ البتہ امام سے جدا ہونے کی نیت کرے تو نماز باطل نہیں ہوگی۔

اگر ماموم بھول کر امام سے پہلے رکوع میں چلا جائے تو اس کو اختیار ہے کہ وہ لوٹ جائے یا اسی حالت میں امام کا انتظار کرے، اگر امام سے پہلے ماموم عمداً رکوع میں چلا گیا ہو تو اس کے لئے مسنون ہے کہ لوٹ جائے۔

یہی شکل ہے جب کہ ماموم تشہد اول چھوڑ دے اور امام تشہد اول کو نہ چھوڑے۔اگر امام تشہد اول چھوڑ دے اور ماموم نہ چھوڑے تو ماموم کے لئے امام سے پیچھے رہ جانا جائز نہیں ہے۔اگر عمداً پیچھے رہ جائے تو نماز باطل ہوگی۔

امام کے تشہد چھوڑنے پر ماموم پر واجب ہے کہ تشہد کو چھوڑ دے، امام قنوت چھوڑ دے تو ماموم کے لیے مندوب ہے کہ اس طرح پیچھے رہے کہ قنوت پڑھ کر امام کے ساتھ پہلے سجدے میں جاملے۔دو سجدوں کے درمیانی جلوس میں بھی ملنا جائز ہے۔

اگر یہ علم ہو کہ قنوت پڑھ کر دوسرے سجدہ سے پہلے امام کے ساتھ نہیں ملے گا تو اس پر واجب ہے کہ قنوت چھوڑ دے یا علحید گی کی نیت کرے۔

قنوت سے پیچھے رہنے اور تشہد سے پیچھے رہنے میں فرق ہے؛ قنوت میں ماموم کی جانب سے جو عمل ہوا ہے امام کی جانب سے نہیں ہوا ہے، اس لیے کہ امام تشہد اول کے بغیر قیام کی حالت میں چلا گیا، اگر تشہد ختم ہونے سے پہلے امام سجود سہو کرے تو ماموم بھی سجود سہو کرے۔ اگر ماموم جان بوجھ کر امام کے ساتھ سجود سہو نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہوگی۔ ورنہ سہواً پیچھے رہنے سے نماز باطل نہ ہوگی۔ اس حکم میں ماموم میں مسبوق بھی داخل ہے، مسبوق اس شخص کو کہتے ہیں جو جماعت میں پہلی رکوع کے بعد شریک ہوا ہو۔

ماموم کی حالتیں

خلاصہ یہ ہے کہ ماموم کی پانچ حالتیں ہیں:

۱۔ امام تشہد اول کے بغیر کھڑا ہو جائے تو ماموم بھی امام کی پیروی کر کے کھڑا ہو جائے یا علحد گی کی نیت کرے ورنہ نماز باطل ہوگی۔

۲۔ امام تشہد اول کو بھول کر سیدھا کھڑا ہو جائے اور پھر یاد کر کے تشہد اول کی طرف لوٹ جائے اور ماموم پیچھے رہ جائے اور قعود کی حالت میں پیچھے رہ جائے تو ماموم بھی امام کی پیروی میں فوراً کھڑا ہو جائے، مگر جان بوجھ کر تشہد اول کی طرف امام کی طرح واپس نہ ہو، اگر واپس ہو تو نماز باطل ہوگی، بھول کر واپس ہو تو مضائقہ نہیں۔

۳۔ امام اور ماموم تشہد اول چھوڑ کر کھڑے ہو جائیں اور پھر امام واپس آئے تو ماموم اس کا ساتھ نہ دے۔

۴۔ ماموم بھول کر کھڑا ہو جائے اور امام بیٹھا رہے تو ماموم کو چاہئے کہ لوٹ جائے۔

۵۔ ماموم عمداً کھڑا ہو جائے تو ماموم کیلئے مسنون ہے کہ لوٹ جائے۔

متفرق مسائل:

ماموم نے سجدہ سے سر اٹھایا اور امام کو سجدہ میں دیکھ کر تصور کیا کہ امام دوسرے سجدہ میں

ہے اور اس تصور میں ماموم دوسرے سجدہ میں چلا گیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ امام پہلے ہی سجدہ میں تھا تو ماموم کا دو سجدوں کے درمیان کا جلوس اور دوسرا سجدہ دونوں شمار نہیں ہوں گے، بلکہ امام کی پیروی کرنا ہوگا اور امام ماموم کی بھول کو برداشت کرے گا۔

اتباع کی حالت میں ماموم سے جس قدر بھول ہو، اس کو امام برداشت کر لیتا ہے اور ماموم کی نماز میں کوئی کمی باقی نہیں رہتی۔ امام صرف اسی صورت میں ماموم کی بھول کو برداشت کرتا ہے، جب کہ اس کی اقتدا صحیح ہو۔

بھول کے علاوہ بعض دوسرے امور بھی امام ماموم کی جانب سے برداشت کرتا ہے جیسا کہ جہری نماز میں جہر، سورہ کو شامل کرنا، قنوت اور بعض صورت میں تشہد اول وغیرہ۔

سنن ہیئت چھوٹ جائے

سنن ہیئت کے چھوٹ جانے پر نہ لوٹے اور نہ سجود سہو کرے، ہیئت اس سنت کو کہتے ہیں جس کے ترک ہونے پر عود نہیں کیا جاتا اور نہ سجود سہو کئے جاتے ہیں، تسبیحات، تکبیرات انتقالی، دعائے افتتاح، تعوذ اور قراءت سورہ وغیرہ کو ہیئات کہا جاتا ہے۔ (اس کی تفصیلات بیان کی جا چکی ہیں)

ان کے چھوٹ جانے پر نہ واپس ہونے کی ضرورت ہے اور نہ سجود سہو کی۔ چھوٹ جانے میں عمداً اور سہواً، امام، ماموم یا منفرد سب مساوی ہیں۔

ہیئت کے چھوٹ جانے پر سجود سہو کی ضرورت نہیں ہے، اگر جان بوجھ کر سجود سہو کرے تو نماز باطل ہوگی اور اگر بھول کر سجود سہو کرے تو نماز باطل نہیں ہوگی۔ مگر ان سجود سہو کی وجہ سے خلل ہوگا، البتہ اس کا تدارک دوسرے سجود سہو سے نہیں ہوگا۔

اصول یہ ہے کہ سجود سہو خود اپنی ذات کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ البتہ ان سے پہلے اور ان کے بعد اور ان کے اثناء میں جو سہو ہوگا اس کی اصلاح ان سے ہو جاتی ہے۔

پہلے کی مثال تو عام ہے کہ کسی نے ذرا سی بات غلطی سے کی اور نماز کے آخر میں سجود سہو کئے۔ دوسرے کی مثال یہ ہے کہ کسی نے نماز کے آخر میں سجود سہو بھی کر لئے مگر سلام سے

پہلے ذراسی بات کی اور تیسرے کی مثال یہ ہے کہ سجود سہو کے درمیان میں بھول کر ذراسی بات کی۔ان تینوں شکلوں کے لئے مکرر سجود نہیں ہیں، ورنہ تسلسل لازم آئے گا، اسی طرح اگر کسی نے غلطی سے سہو کے تین سجدے کئے تو پھر دوبارہ سجود سہو نہیں کرے گا۔

امام ابو یوسف اور امام محمد؛ امام ابوحنیفہ کے خاص شاگرد تھے، جو ''صاحبین'' کہلاتے ہیں، فقہ حنفی ان ہی کے توسط سے پہنچا ہے۔اسی زمانہ میں علم ادب میں کسائی اہل کوفہ کے امام اور سیبویہ اہل بصرہ کے امام مانے جاتے تھے۔کسائی کا دعویٰ تھا: کسی کو ایک علم میں کمال حاصل ہو تو دوسرے علوم میں اس سے مدد لے سکتا ہے۔

ابو یوسف کو کسائی کا یہ دعویٰ ناگوار گزرتا تھا۔انھوں نے ایک مرتبہ کسائی سے کہا: تم شعر اور ادب میں امام ہو، کیا فقہ میں دسترس رکھتے ہو؟ کسائی نے جواب دیا: جو چاہو پوچھ لو۔اس پر ابو یوسف نے ایک پیچیدہ فقہی سوال کیا: اگر سہو کے سجدے تین کئے تو کیا پھر دوبارہ سجود سہو کئے جائیں گے۔کسائی نے جواب دیا: نہیں، اس لیے کہ اسم کی ایک مرتبہ تصغیر کی جائے تو دوبارہ نہیں ہوسکتی۔ایک مستند صرفی مسئلہ کی طرف اشارہ کر کے کسائی نے جواب دیا کہ سجود سہو کے اثناء میں اگر سہو ہو تو پھر دوبارہ سجود نہیں کئے جائیں گے۔

تعدادِ رکعات میں شک ہو

پڑھی ہوئی رکعتوں کی تعداد میں شک ہو تو یقین پر عمل کرے جو کم تعداد ہے اور سجود سہو کرے۔عام اصطلاح میں دو امور کے درمیان تردد کی حالت برابر ہو تو اس کو شک کہتے ہیں، مگر یہاں ایسا مطلق تردد مراد ہے جو وہم اور ظن یعنی غالب گمان دونوں کو شامل ہے۔

رکعتوں کی تعداد کی نسبت شک یوں بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ ایک شخص جماعت میں رکوع میں شریک ہوا اور شک ہوا کہ آیا امام کے ساتھ اس کو رکوع ملا یا نہیں تو صحیح رائے یہ ہے کہ شک کی وجہ سے وہ رکعت شمار نہ ہوگی۔اس لیے اس رکعت کو ادا کر کے سجود سہو کئے جائیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایسی رکعت ادا کی جائے جس کی زیادتی کا احتمال بھی ہو جیسا کہ چار رکعتوں والی نماز میں شک ہو کہ چار رکعتیں پڑھیں یا تین تو اس تعداد پر عمل کرے جو

یقین کے درجہ کو پہنچتی ہو اور وہ اقل تعداد تین ہے، اسی طرح تین رکعتوں والی نماز میں شک ہو کہ تین رکعتیں پڑھیں یا دو اور دو رکعتوں والی نماز میں شک ہو کہ دو رکعت پڑھیں یا ایک تو علی الترتیب دو رکعتوں اور ایک رکعت پر عمل کرے اور مزید ایک رکعت پڑھے، اگر شک پیدا ہونے کے بعد اور زیادہ رکعت پڑھنے سے پہلے شک زائل ہو جائے تو سجود سہو نہ کرے۔

اگر شک پیدا ہونے کے بعد دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے کے بعد یاد آئے تو سجود سہو کرے۔

اصول یہ ہے کہ کوئی رکعت تردد کے ساتھ پڑھی جائے یا کسی رکعت کی زیادتی کا احتمال ہو تو سجود سہو کیے جائیں گے، ورنہ نہیں۔

کسی دوسرے کے قول پر سوائے تواتر کے عمل نہ کرے، معتمد یہ ہے کہ تواتر پر عمل ہو سکتا ہے۔ تواتر متعدد اشخاص کے بیان کو کہتے ہیں۔ رکعتوں کی تعداد کی نسبت غالب گمان کوئی چیز نہیں ہے یعنی اس کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ یقین کا ہی اعتبار ہوگا۔

سجود سہو

سہو کے معنی کسی چیز کو فراموش کرنے یا کسی چیز سے غفلت کرنے کے ہیں، اور شرع میں نماز میں کسی چیز سے غفلت کرنے کو سہو کہتے ہیں۔ کسی چیز کی صورت قوت مدرکہ سے زائل ہو جائے مگر قوت حافظہ میں باقی رہے تو سہو کہتے ہیں اور کسی چیز کی صورت قوت مدرکہ اور قوت حافظہ دونوں سے ایک ساتھ زائل ہو جائے تو نسیان کہتے ہیں۔ حواس دس ہیں: پانچ ظاہری؛ سماعت، بصارت، ذائقہ، شامہ (سونگھنا) اور لامسہ (چھونا) اور پانچ باطنی؛ حس مشترک اور حس مدرک، یہ دونوں سر کے اگلے حصہ میں اور حس واہمہ اور حس حافظہ یہ دونوں سر کے پچھلے حصہ میں اور پانچویں حس متفکرہ ہے جو سر کے وسط میں ہے۔

سہو انبیاء

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے حق میں بھی سہو جائز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سہو ہوا ہے۔ عام انسانوں سے سہو اس طرح پیش آتا ہے کہ ان کا دل دیگر امور کی طرف

متوجہ اور نماز سے غافل ہوتا ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سہو کی نسبت فقہاء نے یہ تعبیر کی ہے کہ ان کے دل بعض اوقات ما سوی اللہ (اللہ تعالیٰ کے سوائے ہر ایک چیز) سے غائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی عظمت میں مشغول و منہمک ہو جاتے ہیں اور ما سوی اللہ کی نسبت ان سے سہو ہو سکتا ہے۔ اسی مضمون کا اظہار ذیل کے اشعار میں کیا گیا ہے۔

یَا سَائِلِیْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ کَیْفَ سَھَا
وَالسَّھْوُ مِنْ کُلِّ قَلْبٍ غَافِلٍ

اے وہ شخص جو مجھ سے سوال کرتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے سہو ہوا حالانکہ سہو ایسے قلب سے ہوتا ہے جو غفلت اور لہو میں ہو۔

قَدْ غَابَ عَنْ کُلِّ شَیْئٍ سِوَاہُ فَسَھَا
عَمَّا سِوَی اللّٰہِ فِی التَّعْظِیْمِ لِلّٰہِ

بعض وقت آپ کا قلب ہر ایک چیز سے سوائے اللہ کے غائب ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں مشغول ہو گیا اور آپ سے سہو ہو گیا۔

محی الدین ابن عربی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ مرتبہ سہو ہوا اور آپ نے سجود سہو کئے:

ایک مرتبہ رکعتوں کی تعداد کی نسبت شک ہوا۔
دوسری مرتبہ دو رکعتوں کے بعد تشہد کے بغیر آپ کھڑے ہو گئے۔
تیسری مرتبہ دو رکعت پڑھنے کے بعد آپ نے سلام پھیرا اور پھر لوٹ آئے۔
چوتھی مرتبہ تین رکعت پڑھ کر سلام پھیرا اور لوٹ آئے۔
پانچویں مرتبہ سہواً پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے۔

سجود سہو کی حیثیت

سجود سہو سنت ہیں اور ان کی تعداد دو ہے، ان کا محل نماز کے آخر میں اور سلام سے پہلے ہے۔ سجود سہو مسنون ہیں، واجب نہیں ہیں۔

حج میں واجب چھوٹنے کی بھرپائی ہوسکتی ہے اور نماز میں واجب چھوٹ جائے تو اس کو ادا کرنا ضروری ہے، جنازہ کی نماز میں اگر کوئی سہو ہو جائے تو اس کے لئے سجود سہو نہیں ہیں، اس لیے کہ جنازہ کی نماز میں خود تخفیف مقصود ہے۔

سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر میں سہو ہو جائے تو سجود سہو کرنا چاہئے۔ جابر یعنی بھرپائی کرنے والا عمل مجبور یعنی جس کی بھرپائی کی جارہی ہے سے زیادہ ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مجبور وہ امر ہے جو ترک ہو گیا اور جابر وہ امر ہے جس کے ذریعہ جبر کیا جاتا ہے۔

کسی چیز کا تدارک اس کی مقدار سے زیادہ کے ساتھ کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ تلاوت یا شکر کا سجدہ ایک ہے اور سہو کے سجدے دو ہیں، تلاوت اور شکر کے سجدے میں سہو اس طرح ہوسکتا ہے کہ سجود میں طمانینت نہ کرے اور سجدہ سے اٹھ جائے تو پھر سجدے میں جائے اور اس کے بعد سجود سہو کرے۔

سجود سہو سنت ہیں اور سنت کے ترک ہونے پر نماز باطل نہیں ہوتی، امام اگر سجود سہو کرے تو ماموم پر سجود سہو واجب ہو جاتے ہیں۔ امام کے ساتھ سجود سہو ماموم نہ کرے اور امام کے سلام کے بعد ماموم بھی سہواً سلام پھیر دے تو اس کو سجود سہو دوبارہ کرنا چاہیے۔

اگر وقت زیادہ ہو گیا ہو تو نماز کا اعادہ کرنا ہوگا، اس لیے کہ امام کی اتباع میں ماموم پر سجود سہو واجب ہیں۔

مسبوق پر لازم ہے کہ شافعی امام کے ساتھ سجود کرے اور اپنی نماز کے ختم پر بھی سلام سے پہلے سجود سہو کرے۔ اگر امام حنفی ہو تو امام کے ساتھ سجود سہو نہ کرے بلکہ اپنی نماز کے اختتام پر سجود سہو کرے۔

مسبوق اس شخص کو کہتے ہیں جس کی کم از کم ایک رکعت امام کے ساتھ چھوٹ جائے۔

اگر مسبوق بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیرے اور قریب میں یاد آئے تو نماز پوری کرے اور آخر میں سجود سہو کرے، وقت زیادہ ہو جائے تو نماز کا اعادہ کرے۔

امام سلام سے پہلے سجود سہو کرے تو ماموم پر سجود سہو واجب ہو جاتے ہیں۔ اگر امام سلام

کے بعد سجود سہو کرے تو ماموم پر سجود سہو اس لیے واجب نہیں ہیں کہ امام کے سلام کے ساتھ ماموم پر اس کی اتباع ختم ہو جاتی ہے اور سجود سہو ماموم کے لئے مسنون رہ جاتے ہیں۔ جیسا کہ حنفی امام سلام کے بعد سجود سہو کرے۔

اگر امام سجود سہو چھوڑ دے اور سلام پھیر دے تو ماموم بطور سنت سجود سہو کر سکتا ہے۔

نیت: سجود سہو کے لئے نیت دل میں ضروری ہے، مگر زبان سے نہ بولے۔

اگر نیت کے بغیر سجود سہو کرے یا نیت کے الفاظ زبان سے بولے تو نماز باطل ہوتی ہے۔ جماعت میں ماموم چونکہ امام کے تابع نماز پڑھتا ہے اس لئے سجود سہو کے لیے ماموم پر نیت لازم نہیں ہے۔

تعداد: سہو کتنی بھی مرتبہ ہو مگر سہو کے سجدے دو ہیں۔ اجماع اس پر ہے کہ سجود سہو میں تکرار نہیں ہے۔ اگر کمی کے ارادہ سے جان بوجھ کر ایک ہی سجدہ کرے تو نماز باطل ہوگی، نماز میں زیادتی یا کمی کی وجہ سے خلل واقع ہو تو سجود سہو دو ہی ہوں گے، سجود سہو کے وقت کسی خاص کمی دور کرنے کی نیت کرے تو وہی کمی دور ہوگی۔ اور دوسری کوئی کمی ہو تو باقی رہے گی۔

سجود سہو کے برخلاف سجدہ تلاوت ہر ایک تلاوت کی آیت کے لئے ایک سجدہ علحدہ ہے، سجود سہو ان ساری کمیوں کو دور کرتے ہیں جو ان سے پہلے یا اثناء میں یا بعد واقع ہوں۔

اگر کسی نے سجود سہو کئے اور سلام سے پہلے سہواً بات وغیرہ کی یا یہ کہ سہو کے تین سجدے کئے تو پھر دوبارہ سجود سہو نہ کرے، اس لیے کہ تسلسل ہوگا۔ ذوالیدین کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں دو رکعت کے بعد سلام پھیرے، چند قدم چلے اور بات کی اور ان تینوں اسباب کے لیے آپ نے سجود سہو صرف دو کیے۔

محل: سجود سہو کا محل نماز کے آخر اور سلام سے پہلے ہے، سجود سہو کو بھول کر سلام پھیرے اور وقت زیادہ نہ گزرے تو اختیار ہے کہ سجود سہو کرے یا نہ کرے۔ شیخان نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں پہلی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بیٹھے نہیں اور کھڑے ہو گئے اور آپ کے ساتھ دوسرے لوگ بھی کھڑے ہو گئے اور نماز مکمل ہونے پر

لوگ سلام کا انتظار کر رہے تھے کہ بیٹھے ہوئے ہی آپ نے تکبیر کہی اور سلام سے پہلے دو سجدے کیئے اور پھر سلام پھیرا۔ (بخاری ۱۱۶۶، مسلم ۵۷۰، یہ روایت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے ہے)

یہ واقعہ آخر میں ہوا اور اس سے قبل سلام کے بعد آپ نے سجود سہو کیئے تھے۔

اصول یہ ہے کہ آخری عمل سے پہلے والے عمل کی تنسیخ ہوتی ہے، سجود سہو کا محل تشہد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے پورا ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ اگر ان دونوں سے پہلے سجود سہو کرے تو نماز باطل ہوتی ہے۔

امام کے سجود سہو کے وقت ماموم تشہد اور درود سے فارغ نہ ہو تو اس پر پیچھے رہنا واجب ہے، ان دونوں امور کو پورا کرنے کے بعد سجود سہو کرنا اس پر واجب ہے، اس لیے کہ امام نے سجود سہو کیئے تھے۔ امام کے دوسرے سجدے میں جانے تک پیچھے رہ سکتا ہے، نہ کہ اس سے زیادہ، سلام کرنے کے بعد زیادہ وقت گزر جائے تو سجود سہو فوت ہو جائیں گے۔ اگر سہواً سلام کیا ہو اور وقت کم گزرا ہو تو اختیار ہے کہ سجود سہو کرے یا نہ کرے۔

سجود سہو کے واجبات و مسنونات

سجود سہو میں وہی چیزیں واجب اور مسنون ہیں جو نماز کے سجدوں میں واجب اور مسنون ہیں جیسا کہ پیشانی اور بقیہ دوسرے اعضاء کا زمین پر ٹیکنا، طمانینت، تحامل (بوجھ ڈالنا) تنکیس (اوندھے منھ جھکنا) اور نماز کے سجدے کی تسبیح پڑھنا۔

تسبیح سجود سہو: سجود سہو میں نماز کے سجدے کی تسبیح پڑھی جاسکتی ہے مگر زیادہ موزوں یہ تسبیح ہے: "سُبُحَانَ مَن لَّا یَنَامُ وَلَا یَسُهُوُ" پاک ہے اللہ تعالیٰ جو نہ سوتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

اگر سہو کا اصل سبب دور کرنے کا ارادہ کرے تو استغفار پڑھنا زیادہ بہتر ہے، دو سجدوں کے درمیان کیا ذکر کرنا چاہئے کسی نے بیان نہیں کیا ہے، مگر اوزاعی کا قول ہے کہ عام سجدوں میں جو ذکر پڑھا جاتا ہے اس میں بھی پڑھا جائے۔

سجود سہو کے اسباب

خلاصہ یہ ہے کہ پانچ اسباب کی وجہ سے سجود سہو کئے جاتے ہیں:

۱۔ جب سنن ابعاض میں سے کوئی سنت چھوٹ جانے کا یقین ہو۔

۲۔ جب کسی سنت بعض کے چھوٹنے کا شک ہو۔

۳۔ جب کسی منہی عنہ یعنی منع کردہ فعل کے سہواً عمل میں آنے کا یقین ہو۔

۴۔ جب کسی فعل منہی عنہ کی زیادتی کا شک کے ساتھ احتمال ہو۔

۵۔ کوئی قولی رکن اس کے محل کے علاوہ دوسرے محل پر عمل میں آئے۔

منہی عنہ کے عمل میں لانے کا وہی اثر ہے جو مامور بہ کے ترک کرنے کا ہے، مامور بہ اس امر کو کہتے ہیں جس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور منہی عنہ اس امر کو کہتے ہیں جس کو عمل میں لانے سے منع کیا گیا ہے۔

اختلاف: امام احمد اور حنفیہ کے نزدیک سجود سہو واجب ہیں، امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے مسنون بتایا ہے، امام مالکؒ کا قول ہے کہ سجود سہو نقصان کی صورت میں واجب اور زیادتی کی صورت میں مسنون ہیں، امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ سجود سہو مطلق طور پر مسنون ہیں۔

حنفیہ میں سلام کے بعد سجود سہو کیے جاتے ہیں، مالکیہ کے نزدیک کمی میں سلام سے پہلے اور زیادتی میں سلام کے بعد اور کمی اور زیادتی دونوں میں سلام سے پہلے سجود سہو کئے جاتے ہیں، امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ سلام سے پہلے سجود سہو کیے جائیں۔

سجدہ تلاوت

سجدہ تلاوت پندرہ آیتوں پر مسنون ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ، اِعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي، يَقُولُ: يَا وَيْلَهُ أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَأُمِرْتُ بِالسُّجُودِ فَعَصَيْتُ فَلِيَ النَّارُ'' (مسلم ۸۱، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے) جب ابن آدم آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان رو کر کہتا ہے: وائے افسوس! ابن آدم کو سجدہ کرنے کے لئے حکم دیا گیا اور اس نے سجدہ کیا اور اس کے لئے جنت ہے، مجھ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا، میں نے نافرمانی کی اور میرے لئے دوزخ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے قرآن پڑھتے اور جب سجدہ کی آیت آتی تو تکبیر کہتے اور ہم ان کے ساتھ سجدہ کرتے تھے۔ (بخاری ۱۰۲۵)

سجدہ تلاوت واجب نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ زید بن ثابتؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورہ والنجم آیت (۲۷۔۵) پڑھی اور سجدہ نہیں کیا (بخاری: ۱۰۷۲۔ مسلم: باب سجود التلاوۃ ۱۳۲۵۔ یہ روایت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے)، حضرت عمر بن خطاب نے صراحت فرمائی کہ منبر پر خطبہ میں سجدہ واجب نہیں ہے۔ (بخاری ۱۰۲۷) فرمانِ الٰہی ہے: ''وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ'' (الانشقاق ۲۱) جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔

اس آیت میں کفار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یہ سجدہ واجب ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

سجدہ کی آیتوں کا عام اصول یہ ہے کہ ستائش کی نعمت سے سرفراز کرتے ہوئے سرزنش سے محفوظ رکھا جائے، بعض میں سجدہ کرنے والوں کی صاف طور پر ستائش کرتے ہوئے، ضمنی طور پر سجدہ نہ کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ یا اس کے برعکس کھلے بند سجدہ نہ کرنے

والوں کی مذمت کرتے ہوئے ضمنی طور پر سجدہ کرنے والوں کی ستائش کی گئی ہے۔

ہمارے لئے چودہ آیتوں پر سجدہ کرنا مسنون ہے، ورنہ ان کے علاوہ بعض دوسری آیتیں بھی ہیں جن پر صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کے لیے حکم دیا گیا تھا، جیسا کہ ''الحجر'' اور ''ھل أتی'' کی سورتوں کی آخری آیتیں، ان آیتوں پر ہم سے سجدہ مطلوب نہیں ہے۔ ان آیتوں پر سجدہ کیا جاتا ہے جن کے مفہوم میں عمومیت ہے۔

''يَتْلُوْنَ آيَاتِ اللّٰهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ''(الزمر۹) لیکن وہ لوگ رات میں خدا کی نشانیاں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔

اس آیت میں اہل کتاب کی ایک خاص جماعت کی فضیلت بیان کی گئی ہے جنھوں نے ایمان لایا تھا، اس لئے اس پر سجدہ نہیں ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ''(العلق۱۹) ہرگز اس کی بات نہ سنو اور سجدہ کرو اور نزدیک ہو جاؤ۔

گو اس آیت کا خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے لیکن ہم سب سجدہ کرتے ہیں۔

آیات سجدہ

سجدہ کے آیتوں کی تفصیل جزء، سورہ، رکوع اور آیت کے حوالہ کے ساتھ ذیل کے جدول میں درج کی جاتی ہے:

ش	نام جزء	نام سورہ	رکوع	آیت	آخر آیت	کیفیت
۱	قال الملأ ۹	الاعراف ۷	۲۴	۲۰۶	وله يسجدون (آخر سوره)	
۲	وما أبرئ ۱۳	الرعد ۱۳	۲	۱۵	با لغدو والآصال	
۳	ربما ۱۴	النحل ۱۶	۶	۵۰	يؤمرون	
۴	سبحان الذی ۱۵	بنی اسرائیل یا الإسراء ۱۷	۱۲	۱۰۹	ويزيدهم خشوعا	

۵	قال الم اقل ۱۶	مریم ۱۱	۲	۵۸	خرو سجداو بکیا	
۶	اقترب للناس ۱۷	الحج ۲۲	۲	۱۸	ما یشاء	
۷	اقترب للناس ۱۷	الحج	۱۰	۷۷	تفلحون	حنفیہ میں اس آیت پرسجدہ نہیں ہے
۸	قال الذین ۱۹	الفرقان ۲۵	۵	۶۰	وزادھم نفورا	
۹	قال الذین ۱۹	النمل ۲۷	۲	۹۲	العظیم	
۱۰	اتل ما اوحی ۲۱	الم تنزیل یا سورہ سجدہ	۲	۱۵	لا یستکبرون	
۱۱	فمن اظلم ۲۴	حم سجدہ یا حم	۵	۳۸	یسأمون	مالکیہ میں اس آیت پرسجدہ نہیں ہے
۱۲	قال فما خطبکم	النجم ۵۳	۳	۶۲	واعبد آخر سورہ	
۱۳	عم یتساءلون ۳۰	الانشقاق	۱	۲۱	لا یسجدون	
۱۴	عم یتساءلون ۳۰	العلق یا اقرأ	۱	۱۹	واقترب	

سورہ ص اڑتیسواں سورہ جزء تیئیس 'ومالی' میں سورہ کے دوسرے رکوع میں چوبیسویں آیت ہے۔ جو 'أناب' پر ختم ہوتی ہے اور بعض کا قول ہے کہ پچیسویں آیت ہے، جو 'مآب' پر ختم ہوتی ہے، اس آیت پر سجدہ شکر شافعیہ میں بیرون نماز مسنون ہے۔ نماز میں اس پر سجدہ جایز نہیں ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ سجدہ غیر موکدہ ہے۔

حنفیہ میں نماز میں بھی اس آیت پر سجدہ واجب ہے، اگر حنفی امام اس آیت پر سجدہ کرے تو شافعی ماموم کو اختیار ہے کہ علحیدہ ہوجائے یا انتظار کرے اور انتظار علحیدہ ہونے سے اولیٰ ہے، نماز میں اس آیت پر سہواً سجدہ کرے تو اس کی تلافی کے لئے سجود سہو کرے۔

حکم: پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدہ مسنون ہے، سننے والے میں وہ شخص بھی داخل ہے جو سننے کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور آیت سجدہ سنی ہو، مگر فرق یہ ہے کہ جس نے ارادے سے سنی اس پر سجدے کی تاکید ہے۔

سجدہ کے شرائط

چھ شرطوں کی موجودگی میں سجدہ مسنون ہے:

۱۔قراءت شرع کے موافق ہو جیسا کہ نماز میں قیام کی حالت میں، قراءت حرام نہ ہو جیسا کہ جنابت کی حالت میں مسلم کی قراءت، قراءت مکروہ نہ ہو جیسا کہ رکوع میں، ممیّز لڑکے اور عورت کی قراءت شرعی ہے، قرآنی آیت جو عربی میں نازل ہوئی ہے اسی پر سجدہ مسنون ہے، کسی دوسری زبان میں ترجمہ پڑھا جائے تو سجدہ مسنون نہیں ہے۔

۲۔قراءت ارادہ سے ہو۔

۳۔ پوری آیت کی قراءت پر سجدہ مسنون ہے، نامکمل آیت کی قراءت پر سجدہ نہیں ہے، ہر ایک آیت سجدہ پر ایک سجدہ مسنون ہے، ایک ہی آیت سجدہ کو بار بار دہرایا جائے تو ہر ایک مرتبہ کی قراءت پر ایک سجدہ مسنون ہے، آیت سجدہ کی قراءت اور سجدہ کے درمیان طویل فصل ہو جائے تو بقیہ مرتبہ کی قراءت کی نسبت بھی سجدہ مسنون ہے۔

۴۔قراءت ایک شخص کی زبانی ہو، ایک آیت کے چند ٹکڑے ایک سے زیادہ اشخاص پڑھیں تو سجدہ مسنون نہیں ہے۔

۵۔قراءت نماز جنازہ میں نہ ہو، نماز جنازہ میں سجدہ نہیں ہو سکتا۔

۶۔آیت سجدہ کی قراءت سورہ فاتحہ کے عوض نہ ہو، سورہ فاتحہ کے یاد نہ رہنے کی وجہ سے آیت سجدہ پڑھی جائے تو سجدہ مسنون نہیں ہے۔

سجدہ کے ارکان

سجدہ کے ارکان بیرونِ نماز چار ہیں:

۱۔نیت کے ساتھ تکبیر تحریمہ　　۲۔سجدہ

۳۔جلوس　　۴۔سلام

نیت کے ساتھ تکبیر کہی جائے اور تکبیر کے وقت رفع یدین بھی کیا جائے۔ سجدہ میں

جاتے ہوئے اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے بھی تکبیر کہی جائے۔

نماز پڑھنے والے پر؛ امام ہو یا منفرد، سجدہ میں جاتے وقت سجدہ تلاوت کی نیت دل میں کرنا واجب ہے، زبان سے نیت نہ کرے اور تکبیر تحرمہ کے الفاظ نہ کہے جائیں، اس حکم سے ماموم اور مقتدی خارج ہیں۔

تکبیر انتقالی سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے بغیر رفع یدین کے مسنون ہے۔ سجدہ تلاوت کے بعد استراحت نہیں ہے۔ سجدہ کے بعد کی اور قیام سے پہلے کی نشست کو استراحت کہتے ہیں۔

مصلی اپنی قراءت پر سجدہ کرے گا، نہ کہ دوسرے کی، ورنہ نماز باطل ہوگی۔ ماموم امام کے سجدہ کرنے پر سجدہ کرے گا، چاہے امام کی قراءت نہ سنی ہو۔ امام آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ نہ کرے تو ماموم بھی سجدہ نہیں کرے گا۔ امام کے سجدہ کرنے پر ماموم سجدہ کرے گا، اس کا نتیجہ یہ کہ ماموم محض امام کی قراءت پر سجدہ نہیں کرسکتا، اسی طرح ماموم کسی غیر امام کی قراءت پر بھی بدرجہ اولیٰ سجدہ نہیں کرسکتا۔

سجدۂ تلاوت صحیح ہونے کی شرطیں

سجدۂ تلاوت صحیح ہونے کی شرطیں وہی ہیں جو نماز میں ہیں: طہارت، ستر عورت، استقبالِ قبلہ اور دخولِ وقت۔ یہاں دخولِ وقت سے مراد یہ ہے کہ سجدہ کی آیت پوری ہو چکی ہو۔ آیت سجدہ کے حروف کے پورے ہونے سے پہلے سجدہ جایز نہیں ہے۔

سجدہ تلاوت کی دعا: ''سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ وَ صَوَّرَهُ وَ شَقَّ سَمْعَهُ وَ بَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ'' میرا چہرہ اللہ تعالیٰ کے لئے جھکا، جس نے اس کو پیدا کیا، اس کی صورت بنائی اور اس کی سماعت اور بصارت اپنی طاقت اور قوت سے کھول دی، اللہ تعالیٰ کیا ہی برکت والا ہے اور سب پیدا کرنے والوں میں اچھا ہے۔ (ابوداود (باب مایقول إذا سجد ۱۴۱٦) اور ترمذی (باب مایقول فی سجود القرآن) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ رات کے وقت قرآن کی سجدہ والی آیتوں میں سجدہ میں بار بار کہا کرتے تھے:......)

سجدہ تلاوت میں خواہ نماز میں ہو یا بیرون نماز، اس تسبیح کو پڑھنا مسنون ہے، نووی کا قول ہے کہ سورہ ص کے سجدہ شکر میں اس دعا کا اضافہ کرنا بھی مسنون ہے:

''اَللّٰھُمَّ اکْتُبْ لِیْ بِھَا عِنْدَکَ أَجْرًا وَ ضَعْ بِھَا عَنِّیْ وِزْرًا وَاجْعَلْھَا لِیْ عِنْدَکَ ذُخْرًا وَ تَقَبَّلْھَا مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَھَا مِنْ عِنْدِ دَاوُدَ''۔ یا اللہ اس کا اجر اپنے پاس میرے لئے لکھ دے، اور اس کی وجہ سے مجھ سے بوجھ کو اتار دے اور اس کو اپنے پاس میرے لئے جمع رکھ اور اس کو میری طرف سے قبول کر جیسا کہ تو نے اپنے بندہ داود سے قبول کیا تھا۔

ایک مرتبہ داؤد علیہ السلام کے دل میں خطرہ آیا کہ ان کا وزیر ''اوریا'' فوت ہو جائے تو اس کی بیوی کے ساتھ آپ نکاح کریں گے۔ یہ خیال اولویت کے خلاف تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ، فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَا کِعًا وَأَنَابَ '' (ص:۲۴) داود نے گمان کیا ہم نے اس کی آزمائش کی تھی، یہ خیال آیا ہی تھا کہ داود سجدہ میں گر پڑے، توبہ کی اور پروردگار سے معافی طلب کی۔

سجدۂ شکر

سجدۂ شکر مسنون ہے، کسی نعمت کے حاصل ہونے یا تلف ہونے یا کسی مرض میں مبتلا ہونے یا اس سے شفایاب ہونے یا کسی ایسے شخص پر نظر پڑنے سے جو کسی مصیبت یا گناہ میں مبتلا ہو، نعمت میں مال اور رتبہ اور بچے کی ولادت؛ ہر قسم کی نعمت داخل ہے جو خلاف توقع حاصل ہوئی ہو، یا دشمن پر غلبہ پائے، بارش کے رک جانے کی وجہ سے قحط سالی ہو اور بارش برسے، ڈوبتا ڈوبتا بچے، جلتا جلتا بچ نکلے تو سجدہ شکر ادا کرنا مسنون ہے۔ کسی شخص کو کسی غیر معمولی بلا یا مصیبت میں گرفتار یا علانیہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا دیکھے تو اس سے محفوظ رہنے کے لیے شکر میں سجدہ کرے۔

اگر مختلف اسباب ایک وقت جمع ہو جائیں تو بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہر ایک سبب کے لئے ایک سجدہ کرے، ورنہ سب کے عوض ایک سجدہ سے بھی سنت حاصل ہو جاتی ہے۔

سجدہ شکر کیفیت اور شرائط میں سجدہ تلاوت کے مانند ہے۔ سجدہ شکر کے لئے بھی طہارت، ستر عورت اور استقبال قبلہ کی شرط ہے، مگر فرق یہ ہے کہ سجدہ شکر صرف بیرون نماز ادا کیا جاتا ہے۔ سورہ ص کی آیت سجدہ پر سجدہ بطور شکر کیا جاتا ہے۔

نماز میں اگر سجدہ شکر ادا کیا جائے تو نماز باطل ہوتی ہے۔ فصل طویل ہونے سے بھی یہ سجدہ فوت ہوتا ہے۔

نووی کا قول ہے کہ سجدۂ تلاوت کی دعا کے بعد اس دعا کا سجدہ شکر میں اضافہ کیا جائے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِهِ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلاً'' تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے مجھ کو اس چیز سے عافیت دی جس میں تجھ کو مبتلا کیا ہے اور مجھ کو اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت دی۔ (ترمذی: باب مایقول اذا

رأی مبتلی ۳۴۳۱، یہ روایت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے۔ ابن ماجہ نے یہی روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کی ہے: باب ما یدعو بہ الرجل إذا نظر إلی أھل البلاء)

سجدہ شکر کے ساتھ صدقہ دینا مسنون ہے۔

تنبیہ :ابن حجر کا قول ہے کہ بغیر سبب کے صرف تقرب الی اللہ کے خیال سے سجدہ کرنا حرام ہے۔ سجدہ کی شرعی صورتیں یہ ہیں: سجود نماز، سجود سہو، سجدہ تلاوت، سجدہ شکر۔ ان سجدوں کے علاوہ دوسری کسی نیت سے سجدہ کرنا ممنوع ہے۔ مکروہ اوقات میں سجدہ تلاوت حرام ہے۔ اوقاتِ مکروہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

اختلاف :سجدہ تلاوت حنفیہ میں واجب ہے اور وقت کے گزرنے پر فوت بھی نہیں ہوتا۔ سورہ ص (پارہ ۲۳) کی آیت پر سجدہ نماز میں حنفیہ کے پاس واجب ہے، سورۃ الحج کی دوسری آیت "تفلحون" پر حنفیہ میں، حٰم السجدہ کی آیت "یسأمون" پر مالکیہ میں سجدہ نہیں ہے۔

مکروہ اوقات

پانچ اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ اس سے وہ نماز مستثنیٰ ہے جس کا کوئی سبب ہو:

۱۔صبح کی نماز کے بعد
۲۔سورج طلوع ہوتے وقت
۳۔استواء کے وقت
۴۔عصر کی نماز کے بعد
۵۔غروب کے وقت

مسلم نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے:

''ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا أَنْ نُصَلِّيَ فِيْهِنَّ أَوْ نُقْبِرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا؛ حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَحِيْنَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ وَحِيْنَ تَضِيْفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰى تَغْرُبَ'' (مسلم: باب الأوقات التی نھی عن الصلاۃ فیھا ۱۹۲۶)

تین وقتوں میں ہم کو نماز پڑھنے سے اور مُردوں کو قبر میں رکھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا؛ جب کہ سورج نکلتا ہو یہاں تک کہ بلند ہوجائے اور جب کہ سورج سر پر ہو یہاں تک کہ ڈھل جائے اور جب کہ غروب کی طرف مائل ہو یہاں تک کہ غروب ہوجائے۔

اس حدیث سے صرف تین اوقات کی کراہت معلوم ہوتی ہے اور بقیہ دو کی نسبت صحیحین کی حدیث ہے۔ (بخاری: ۵۸۲۔ مسلم: باب الأوقات التی نھی عن الصلاۃ فیھا ۱۹۶۲۔ یہ روایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے)

کراہت کی قسمیں

کراہت کی دو قسمیں ہیں:

کراہت تحریمی اور تنزیہی۔ کراہت تحریمی میں گناہ ہے اور تنزیہی میں گناہ نہیں ہے۔

قول معتمد یہ ہے کہ ان اوقات میں نماز پڑھنے میں کراہت تحریمی ہے۔

حرام اور کراہت تحریمی دونوں میں گناہ ہے، مگر فرق یہ ہے کہ حرام وہ ہے جو قرآن، سنت، اجماع یا قیاس کی کسی ایسی قطعی دلیل سے ثابت ہے جس میں تاویل کا احتمال نہیں ہے اور کراہت تحریمی وہ ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہے جس میں تاویل کا احتمال ہے۔

ان اوقات میں نماز پڑھنا اس طرح مکروہ ہے کہ نماز منعقد ہی نہیں ہوتی۔ پہلی والی حدیث میں قبر میں رکھنے سے جو منع کیا گیا ہے اس میں کراہت تنزیہی ہے اور وہ بھی ایسی صورت میں جب کہ ایسے وقت میں دفن کرنے کے لئے انتظار کیا جائے۔

سبب کے لحاظ سے نماز کی قسمیں

سبب کے لحاظ سے نماز کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ نماز کے لئے کوئی سبب ہو یا نہ ہو، اور پھر سبب کی تین قسمیں ہیں:

۲۔ سبب متقدم یعنی سبب پہلے پایا جائے۔

۳۔ مقارن یعنی سبب ساتھ میں ہو۔

۴۔ متاخر یعنی سبب بعد میں ہو۔

ان ہی اسباب کے لحاظ سے احکام بھی مختلف ہیں۔

سبب متقدم ہو تو ان اوقات میں نماز جایز ہے جیسا کہ فائتہ یعنی فوت شدہ نماز۔ فائتہ کا سبب یہ ہے کہ اس کی ادا کا وقت زمانہ ماضی میں گزر چکا، فائتہ عام ہے؛ فرض ہو یا نفل، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا کہ یہ دو رکعتیں ظہر کی تھیں۔ (بخاری ۱۱۷۶، مسلم ۸۳۴، یہ روایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہے) نمازِ جنازہ، نذر کی ہوئی نماز، نمازِ طواف، نمازِ معاد (یعنی اعادہ کے طور پر پڑھی

جانے والی نماز)، سنت وضو، تحیۃ المسجد، اور سجود تلاوت وشکر بھی اسی طرح ہیں۔

نماز جنازہ کا سبب غسل میت سے فارغ ہونے پر، نذر کی ہوئی نماز کا سبب نذر کے بعد، نماز طواف کا سبب طواف سے فراغت پر، نماز معاد کا سبب فاقد الطہورین کی نماز کے بعد پانی کی دستیابی پر، سنت وضو کا سبب وضو سے فراغت پر، تحیۃ المسجد کا سبب مسجد میں داخل ہونے کے بعد، سجدہ تلاوت کا سبب سجدہ کی آیت کی تلاوت پر، اور سجدہ شکر کا سبب کسی نعمت کا حصول ہے۔

مگر ان جملہ امور میں کراہت اسی صورت میں ہے جب کہ خاص طور پر وقت کراہت پر ادا کرنے کے ارادے سے ملتوی نہ رکھا ہو۔

سبب مقارن ہو تو اوقات مکروہ میں نماز جائز ہے، سبب مقارن والی نماز اس نماز کو کہتے ہیں جس کا سبب اور نماز دونوں ایک ساتھ واقع ہوں جیسا کہ کسوف اور استسقاء کی نمازیں، مقارن کے معنی نزدیک ہونے کے ہیں اور نزدیکی نماز سے ہوسکتی ہے اور وقت سے بھی۔

کسوف کا سبب مقارن یہ ہے کہ سورج یا چاند گہن کی وجہ سے تغیر شروع ہو۔ وقت کراہت میں کسوف ہو تو کسوف کی نماز پڑھنے میں کراہت نہیں ہے، اسی طرح استسقاء کا سبب مقارن یہ ہے کہ بارش کی حاجت ہو۔

سبب متاخر ہو تو وقت مکروہ میں نماز پڑھنے میں کراہت تحریمی ہے۔ سبب متاخر کی مثال احرام اور استخارہ کی نمازیں ہیں، ان نمازوں میں نماز کے بعد احرام یا استخارہ کی نیت کی جاتی ہے، نماز پہلے اور مقصد بعد میں ہوتا ہے۔

غیر سبب کی نماز اوقات مکروہ میں پڑھنے میں کراہت تحریمی ہے۔ غیر سببی نماز اس نماز کو کہتے ہیں جس کے لئے کوئی سبب ہی نہ ہو جیسا کہ مطلق نفل نماز جس کی مثال صلاۃ التسابیح ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا'' (بخاری نے انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت کی ہے: ''من نسی صلاة فليصل إذا ذكرها، لا كفارة لها إلا ذلك'' ۵۹۷۔ مسلم: باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ ۱۵۹۸۔ مسلم کی دوسری روایت میں انس رضی اللہ عنہ ہی سے یہ الفاظ ہیں: ''من نسی صلاة أو نام عنها فكفارتها أن يصليها إذا

ذکرھا''۔باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ ۱۶۰۰) جوشخص سوگیا یا بھول گیا تو نماز یاد آجانے پر پڑھ لے۔

یہاں قضاء نماز مراد ہے جو اوقات مکروہ میں جائز ہے،فوت شدہ سنت نمازیں فرض کے بعد پڑھی جاسکتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:''لَا تَحَرَّوْا بِصَلَاتِكُمْ طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبَهَا''(بخاری:۵۸۲۔مسلم:باب الأوقات التی نھی عن الصلاۃ فیھا ۱۹۶۲۔یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے)سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز کا ارادہ مت کرو۔

مگر جنازہ کی نماز میں تاخیر کر کے عصر کے بعد اس امید میں پڑھنا کہ نمازیوں کی تعداد میں زیادتی ہو جائز ہے۔اگرچہ اولیت اس میں ہے کہ عصر سے پہلے نماز جنازہ پڑھی جائے۔

اسی طرح نماز جمعہ سے پہلے نماز جنازہ کا پڑھنا اولیٰ ہے اور عام طور پر نماز جمعہ کے بعد نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے جو خلاف اولیٰ ہے۔

نماز عصر میں اس طرح تاخیر کی جائے کہ اصفرار کے وقت ادا کرے تو جایز ہے،اس لیے کہ اندورن وقت ہے۔اصفرار اس وقت کو کہتے ہیں جب کہ سورج میں زردی آجائے۔ مکروہ وقت سے پہلے متعین مقدار میں نماز کے لئے تکبیرِ تحریمہ کہے،اور اس کے بعد کراہت کا وقت آجائے تو اس متعینہ مقدار کو پوری کرے، ورنہ معتمد یہ ہے کہ جس قدر چاہے پڑھے۔قلیوبی کا قول ہے کہ اگر تعین نہ کیا ہو تو دو رکعتوں پر اکتفا کرے۔

مکروہ اوقات

ا۔صبح کی نماز کے بعد

نماز صبح کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک نماز پڑھنے میں کراہت تحریمی ہے۔یہ حکم صحیحین کی حدیث پر مبنی ہے۔(بخاری ۵۸۱،عن ابن عباس۔۵۸۸عن أبی ہریرۃ۔مسلم عن قتادۃ: باب الأوقات التی نھی عن الصلاۃ فیھا ۱۹۵۸) صبح کی نماز کے بعد سورج کے طلوع ہونے سے پہلے کسی دوسری نماز کے پڑھنے میں صرف ایک نوعیت کی کراہت ہے،جس کا تعلق نماز سے ہے مگر

سورج طلوع ہوجائے تو نماز کے پڑھنے میں کراہت کی دونوں نوعیتیں جمع ہوجائیں گی، نماز کے تعلق سے اور وقت کے تعلق سے یہ کراہت جاری رہتی ہے۔

اس وقت جب کہ سورج پورے طور پر طلوع ہو اور ایک نیزہ برابر بلند ہوجائے، ایک نیزے سے مراد اتنی مسافت ہے جو آدمی کے سات ہاتھ برابر ہے اور حالیہ پیمانہ کے لحاظ سے ساڑھے دس فٹ ہوتے ہیں، آسمانوں پر سورج کی ایک نیزہ بلندی سے مراد ایسی بلندی ہے جو معمولی طور پر بظاہر آنکھوں سے دکھائی دے، ورنہ اصل میں یہ مسافت بہت زیادہ ہے۔

۲۔سورج طلوع ہوتے وقت

سورج طلوع ہوتے وقت نماز پڑھنے میں کراہت تحریمی ہے، یہاں تک کہ پورے طور پر طلوع ہونے کے بعد ایک نیزہ بلند ہوجائے۔

طلوع سے مراد یہ ہے کہ سورج کا طلوع ہونا شروع ہوجائے۔مطلقاً سورج کے طلوع کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس سے تعلق نہیں ہے کہ صبح کی نماز پڑھی تھی یا نہیں۔اگر صبح کی نماز پڑھی تھی تو دونوں کراہتیں جمع ہوجائیں گی اور اگر نہیں پڑھی تھی تو صرف وقت کی کراہت رہے گی، یہ کراہت جاری رہتی ہے جب تک سورج پورے طور پر طلوع ہوکر ایک نیزہ بلند ہوجائے۔نیزہ سے مراد سات ہاتھ یعنی ساڑھے دس فٹ کی بلندی ہے۔

۳۔استواء کے وقت

آسمان کے وسط میں سورج پہنچ جائے تو اس وقت نماز پڑھنے میں کراہت تحریمی ہے، جو وسط آسمان سے سورج ڈھل جانے تک جاری رہتی ہے، وسط آسمان سے ڈھلنے سے مراد یہ ہے کہ سورج آسمان کے وسط سے مغرب کی طرف ڈھل جائے۔وقت استواء ایک مختصر اور نازک وقت ہے جس کا احساس دشوار ہے۔

جمعہ کا دن اس حکم سے مستثنیٰ ہے،سورج کے استواء پر ہونے کے باوجود جمعہ کی نماز کے پڑھنے میں کراہت نہیں ہے۔حدیث میں جمعہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔(جمعہ کو مستثنیٰ کرنے کی کوئی روایت نہیں ملی) دوسری حدیث یہ ہے: ''إِنَّ جَهَنَّمَ لَا تُسَجَّرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ'' (السنن الکبری

للبیھقی: باب ذکر البیان أن ھذا......۴۶۱۱۔ص۲/ ۴۶۵) دوزخ جمعہ کے روز نہیں بھڑکائی جاتی۔
معتمد یہ ہے کہ جمعہ کے روز مطلق کراہت نہیں ہے، مزید تفصیل زوال کے بیان میں درج ہے۔

۴۔عصر کی نماز کے بعد

عصر کی نماز کے بعد سے سورج کے غروب ہونے تک نماز پڑھنے میں کراہت تحریمی ہے، اگر قصر میں جمع کر کے ظہر اور عصر دونوں کو ظہر کے وقت پڑھے تو بھی عصر کی نماز کے بعد کسی اور نماز کا پڑھنا مکروہ ہے۔

پورے طور پر سورج کے غروب ہونے تک کراہت جاری رہتی ہے، جس میں اصفرار کا وقت بھی داخل ہے، اصفرار سورج میں زردی آنے کو کہتے ہیں۔اصفرار کے بعد دونوں قسم کی کراہتیں؛ نماز سے متعلق اور وقت سے متعلق جمع ہو جاتی ہیں۔

۵۔سورج غروب ہوتے وقت

سورج عین غروب کے قریب پہنچ جائے تو نماز پڑھنے میں کراہت تحریمی ہے اور یہ کراہت سورج کے پورے طور پر غروب ہونے تک جاری رہتی ہے۔

غروب کے قریب سے مراد اصفرار کا وقت ہے، اگر چہ کہ عصر نہ پڑھی ہو۔اگر عصر بھی پڑھ لی ہو تو دونوں کراہتیں؛ نماز سے متعلق اور وقت سے متعلق جمع ہو جاتی ہیں، اگر عصر نہیں پڑھی ہے تو صرف وقت کی کراہت رہے گی۔کراہت کا یہ وقت اصفرار سے سورج کے غروب تک ہے۔

اس حکم سے حرمِ مکہ مستثنیٰ ہے

حرم مکہ میں اوقاتِ مکروہ میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''يَا بَنِىْ عَبْدِ مَنَافٍ! لَا تَمْنَعُوْ ا أَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلّٰى أَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ '' (ترمذی ۸۶۸،ابوداود ۱۸۹۴) عبد مناف کے خاندان والو! کسی

کو اس گھر کا طواف کرنے اور نماز پڑھنے سے مت روکو، رات اور دن کے جس وقت چاہے۔

حرم مکہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ یہ استثناء صرف طواف کی نماز سے متعلق نہیں ہے بلکہ تمام نمازوں سے متعلق ہے۔

مسجد، شہرِ مکہ اور حرمِ مکہ؛ تینوں کے حدود خاص اور عام کی نسبت رکھتے ہیں۔ مسجد حرم کی وسعت سب سے کم ہے اور اس سے وسیع تر شہر مکہ ہے اور شہر مکہ سے وسیع تر حرم مکہ ہے جس کی تفصیل حج کے بیان میں آئے گی۔

جمعہ کے دن صرف استواء کا وقت کراہت سے مستثنیٰ ہے اور حرم مکہ کے لیے جملہ اوقات کراہت سے مستثنیٰ ہیں۔

مکروہ اوقات میں حرم مکہ میں نماز پڑھنا جایز ہے، مگر اولیت کے خلاف ہے، تا کہ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ سے صریح اختلاف نہ ہو۔

حرم مکہ کی قید کی وجہ سے حرم مدینہ اور بیت المقدس اس حکم سے خارج ہیں۔ حرم مدینہ اور بیت المقدس میں اوقات مکروہ میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

متفرقات

خطیب شربینی نے لکھا ہے کہ یہ کراہت اوقات کے لحاظ سے ہے، ورنہ نماز کی اقامت کے وقت، خطبہ جمعہ کے لئے امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ منبر پر امام کے چڑھنے اور اور منبر پر بیٹھنے کے بعد سے خطبہ کے ختم ہونے تک کسی فرض یا نفل نماز کا پڑھنا حرام ہے۔ یہ ممانعت حرمِ مکی میں بھی ہے، جمعہ کے علاوہ دوسرے خطبہ کے وقت نماز پڑھنے میں صرف کراہت ہے۔ خطبہ سے قبل نماز شروع کی ہو تو امام کے منبر پر بیٹھنے کے ساتھ ہی نماز میں تخفیف کر دی جائے۔

اختلاف: امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ اوقات مکروہ میں نماز پڑھنے میں مطلق کراہت ہے، یہاں تک کہ حرم مکہ میں بھی ان اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اسی لئے شافعیہ نے بالآخر اس کو خلاف اولیٰ قرار دیا ہے۔

جماعت

(حکم، شعار، نیت، جماعت چھوڑنے کے اعذار، مراتب امامت، شرائط اقتدا، تصنیف)

جماعت کے معنی فرقہ اور ٹکڑی کے ہیں اور شرع میں امام اور ماموم کی نمازوں میں ربط پیدا کرنے کو جماعت کہتے ہیں، ابن سراقہ نے بیان کیا ہے کہ جماعت اس امت کی خصوصیات میں سے ہے، ورنہ تنہا نماز پڑھنے کا طریقہ پہلے سے جاری تھا۔ جمعہ، عیدین، کسوفین اور استسقاء کی نمازیں بھی اس امت کی خصوصیات میں سے ہیں۔

مکہ کے قیام کے زمانہ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اپنے اپنے گھروں میں بغیر جماعت کے نماز پڑھتے تھے، حضرت علی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے۔ ابن درید کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جماعت کے ساتھ صبح کی نماز مکہ سے نکلنے کے بعد پڑھی تھی۔ مگر حکم کی بناء پر علانیہ طور پر مدینہ طیبہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔

جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنا فرض کفایہ ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ''وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ'' (النساء۱۰۲) جب تم ان کے ساتھ ہو اور ان کے ساتھ نماز پڑھو تو ان میں سے ایک فرقہ تمھارے ساتھ نماز پڑھے۔

یہ آیت لڑائی کے وقت نازل ہوئی اور جب لڑائی کے خوف کی حالت میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے حکم دیا گیا تو امن کی حالت میں یہ حکم بدرجہ اولیٰ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ مِنْ صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّ عِشْرِيْنَ دَرَجَةً'' و فی رواية: ''بِخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً'' (بخاری ۶۱۸، مسلم ۶۵۰) تنہا نماز پڑھنے سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ستائیس درجہ افضل ہے۔ اور ایک روایت میں ہے: پچیس درجہ۔

احیاء میں لکھا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز چھوٹ جانے سے گناہ لازم آتا ہے۔

سلف صالحین کا دستور تھا کہ اگر کوئی امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ چھوڑ دیتا تو تین دنوں تک اس کے ساتھ تعزیت کرتے۔ الفاظ تعزیت یہ ہیں: ''لَيْسَ الْمُصَابُ مَنْ فَارَقَ الْأَحْبَابَ، بَلِ الْمُصَابُ مَنْ حَرُمَ الثَّوَابَ''۔ دوستوں سے جدا ہونا مصیبت نہیں بلکہ ثواب سے محروم ہونا (بڑی) مصیبت ہے۔

جماعت دو یا زیادہ افراد سے ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے: ''اَلْجَمَاعَةُ إِمَامٌ وَ مَأْمُومٌ'' (حدیث میں یہ الفاظ نہیں ملے۔ شارحین حدیث نے احادیث جماعت کی تشریح اور مختلف احادیث کو جمع کرتے وقت کہا ہے: ''أقل الجماعة إمام ومأموم'') جماعت امام اور ماموم کو کہتے ہیں۔

مرد اپنے بیٹے یا بیوی کے ساتھ نماز پڑھے تو جماعت ہو جائے گی۔ ''اَلْإِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ'' دو اور اس سے زیادہ جماعت کہلاتے ہیں۔

شریعت میں جماعت کے لئے دو کی تعداد مقرر ہے اور لغت میں جمع کے لئے کم سے کم تین کی تعداد ہے۔ حنفیہ میں کم سے کم تعداد تین ہے۔ دو یا تین کی کم سے کم تعداد عام نمازوں کی جماعت کے لئے ہے، ورنہ جمعہ کی نماز چالیس کی تعداد کے بغیر نہیں ہوتی۔

جماعت کے حصول میں جماعت کی قلت اور کثرت دونوں برابر ہیں، لیکن کثرت میں فضیلت ہے۔ بعض وقت قلت کو کثرت پر فضیلت دی جاتی ہے جیسا کہ بڑی جماعت کے امام کے عقائد ٹھیک نہ ہوں یا بعض واجبات کے مندوب ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو، چھوٹی جماعت کا امام فضیلت کے وقت نماز پڑھتا ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے۔

کثیر جماعت کے ساتھ اخیر وقت نماز پڑھنے سے قلیل جماعت کے ساتھ اول وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

نماز کے لئے جائے تو سکون کی چال چلے۔ البتہ نماز کا وقت یا جمعہ چھوٹ جانے کا خوف ہو تو تیز چلنا واجب ہے، جس شخص کے ذمہ کسی مسجد کی امامت مقرر ہے اس کے لئے واجب ہے کہ فضیلت کے وقت نماز پڑھے، چاہے کوئی حاضر نہ ہو۔

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں یہ حکمت مضمر ہے کہ گنہگار اپنے مالک کے پاس عذر خواہی کرتا ہے اور دوسروں سے سفارش کرواتا ہے تاکہ عذر خواہی سے اس کی سفارش قبول ہو۔

مسجد میں مختصر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا، غیر مسجد؛ گھر وغیرہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''صَلُّوْا أَيُّهَا النَّاسُ! فِيْ بُيُوْتِكُمْ، فَإِنَّ أَفْضَلَ صَلَاةَ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ'' (بخاری: ۷۳۱۔ یہ روایت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ہے) اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو، بیشک مرد کی نماز اپنے گھر میں افضل ہے سوائے مفروضہ نمازیں، یہ مسجد میں افضل ہیں۔

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں شرف ہے اور اسلامی شعار کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ **شعار۔ شعرۃ** کی جمع ہے، جس کے معنی علامت کے ہیں اور اس سے مقصود یہ ہے کہ شہر والوں پر نماز کے لئے اجتماع کا اظہار ہو، ہر ایک چھوٹے گاؤں میں اور بڑے شہر کے محلّہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں اسلامی شعار کا اظہار ہوتا ہے۔

اگر نماز دکانوں میں پڑھی جائے تو اسلامی شعار کا اظہار نہیں ہوگا اور فرض ساقط نہیں ہوگا، شعار کے اظہار کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز میں شریک ہونے کے لئے مشقت نہ ہو، سہولت ہو، بڑے چھوٹے کا امتیاز نہ ہو۔

بڑے شہر میں اگر ایک ہی جگہ جماعت ہو جہاں دور کے رہنے والے کو پہنچنے میں مشقت ہو یا خانگی مکان میں جماعت ہو جہاں غیر شخص کو داخل ہونے میں تامل ہو تو شعار کا اظہار نہ ہوگا اور فرض ساقط نہ ہوگا۔

اگر مسلمان جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے روکے جائیں تو امام یا اس کا نائب لڑائی کا اعلان کرے گا، انفرادی طور پر کسی شخص کو بطور خود یہ اختیار نہ ہوگا۔

جماعت کا حکم

باجماعت نماز کی نسبت چار اقوال ہیں:

فرض عین، فرض کفایہ، سنت عین اور سنت کفایہ۔

لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ فرض نماز پڑھنا فرض کفایہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِیْ قَرْیَةٍ أَوْ بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِیْهِمُ الْجَمَاعَةُ إِلَّا اسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطَانُ فَعَلَیْکَ بِالْجَمَاعَةِ، فَإِنَّمَا یَأْکُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِیَةَ'' (ابوداود ۵۴۷، ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے ۴۲۵) کوئی تین آدمی کسی قریہ یا جنگل میں ہوں اور ان میں جماعت کے ساتھ نماز نہ ہوتی ہو تو ان پر شیطان غالب آتا ہے۔ پس تم جماعت کی پابندی کرو۔ بیشک بھیڑیا بھٹکی ہوئی بکری کو کھا جاتا ہے۔

''لا تقام'' کا لفظ فرض کفایہ پر دلالت کرتا ہے۔ اگر فرض عین مقصود ہوتا تو ''لا یقیمون'' کہا جاتا۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مردوں کے لئے فرض کفایہ ہے، مگر عورتوں کے لئے قطعی طور پر سنت ہے۔

شیخ ابوشجاع اور رافعی نے سنت موکدہ ظاہر کیا تھا۔ مگر نووی نے فرض کفایہ قرار دیا ہے اور ابن قاسم اور بیجوری نے اسی قول کی تائید کی ہے۔

کمسن لڑکے کو مسجد میں حاضر ہونے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے گا تاکہ اس کو جماعت کی عادت ہو جائے۔

نفل نمازوں کی قسمیں

نفل نمازیں دو قسم کی ہیں:

ایک وہ جن میں جماعت مسنون ہے جیسا کہ عیدین، کسوفین، استسقاء اور تراویح اور رمضان کے نصف آخر میں وتر کی نمازیں۔

دوسری وہ نفل نمازیں جن میں جماعت مسنون نہیں ہے، بلکہ انفراداً پڑھنا مسنون ہے جیسا کہ چاشت اور تہجد کی نماز، غیر رمضان میں وتر کی نماز اور سنن راتبہ؛ وہ سنت نمازیں جو فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔

فرض کفایہ کی شرطیں

فرض کفایہ کی شرطیں یہ ہیں:

مرد ہو، مقیم ہو، ستر کا لباس رکھتا ہو، معذور نہ ہو اور پہلی رکعت ہو۔

عورت کے لیے واجب نہیں ہے مگر مسنون ضرور ہے۔ مسافر کے لئے واجب نہیں ہے بلکہ مسنون ہے۔ ان لوگوں کے لیے جن کے پاس ستر کا لباس نہ ہو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ جماعت کے ساتھ اور انفراداً دونوں ان کے حق میں مساوی ہے، مگر تاریکی میں جماعت مستحب ہے۔

فرض نماز کا اعادہ دوسرے شخص کے ساتھ اندرون وقت مسنون ہے، چاہے ایک ہی ہو، اعادہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ پہلی نماز صحیح ہو اور ایسے شخص کے ساتھ پڑھے جو اعادہ کو جائز یا مندوب تصور کرتا ہو، حنفیہ اور مالکیہ میں اعادہ جائز نہیں ہے۔

اعادہ ایک دفعہ ہوسکتا ہے، اور نووی کا قول ہے کہ پچیس دفعہ اعادہ فرض نماز میں یا ایسی سنت نماز میں ہوسکتا ہے جس میں جماعت مسنون ہے سوائے وتر کے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''لَا وِتْرَانِ فِيْ لَيْلَةٍ'' (ابوداود: باب نقض الوتر ۱۴۴۱۔ ترمذی: ۴۷۰ حدیث حسن غریب۔ نسائی ۱۶۷۹ صحیح۔ یہ روایت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے ہے) ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔

فرض عین میں اعادہ ہوسکتا ہے، نہ کہ فرض کفایہ میں، اس لئے کہ نماز جنازہ میں اعادہ مسنون نہیں ہے، اگر اعادہ کیا گیا تو مطلق نفل ہو جائے گی۔ نماز جمعہ میں اعادہ مسنون ہے؛ اگر معذوری کی وجہ سے ظہر پڑھی ہو اور جمعہ کی جماعت پائے تو جمعہ کی جماعت میں شریک ہونا مسنون ہے۔

پہلی رکعت میں جماعت واجب ہے، پہلی رکعت کے علاوہ دوسری رکعتوں میں جماعت واجب نہیں ہے۔

قضا نماز میں جماعت واجب نہیں ہے، مگر مسنون ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ امام کی قضا نماز اور ماموم کی قضا نماز ایک ہو۔ امام ظہر کی قضا نماز پڑھ رہا ہو تو ماموم اس کے پیچھے ظہر کی قضا نماز پڑھ سکتا ہے، مگر عصر کے پیچھے ظہر پڑھنا مسنون نہیں۔

نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں جماعت فرض عین ہے۔ کم از کم ایک رکعت امام کے

ساتھ ملے بغیر جمعہ کی نماز حاصل نہیں ہوتی۔ گویا کہ جمعہ کی جماعت میں دو امور امتیازی ہیں؛ جماعت اور ایک رکعت۔

جمعہ میں جماعت فرض عین ہے اور دوسری فرض نمازوں میں فرض کفایہ۔

جمعہ میں جماعت کے ساتھ کم سے کم ایک رکعت کا حاصل ہونا لازم ہے اور دوسری نمازوں میں بغیر رکعت کے بھی جماعت حاصل ہوتی ہے۔ بافضل کا قول ہے کہ اگر دوسری رکعت کی طمانینت کے بعد جمعہ کی جماعت میں شریک ہو تو جمعہ کی نیت کرے، مگر فرض ظہر کی تکمیل کرے۔

جماعت میں تخفیف کا حکم

امام کے لئے مندوب ہے کہ نماز میں تخفیف کرے، لیکن تخفیف کے معنی یہ ہیں کہ ابعاض اور ہیئاتِ نماز کو ادا کرے یعنی جملہ واجبات اور مستحبات کے ساتھ نماز ادا کرے۔ تسبیح وغیرہ میں نہ کم سے کم پر اکتفا کرے اور نہ اکمل پر عمل کرے، ورنہ مکروہ ہوگا بلکہ ادنیٰ کمال پر اکتفا کرے۔ تین مرتبہ تسبیحات کا پڑھنا ادنیٰ کمال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''**إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمُ النَّاسَ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ، وَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ**'' (بخاری نے ابومسعود انصاری سے یہ روایت کی ہے: ۹۰۔ اس معنی کی روایت مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے: باب أمر الأئمة بالتخفيف ۱۰۷۴) اگر تم لوگوں کی امامت کرو تو تخفیف کرو۔ اس لیے کہ ان میں ضعیف بھی ہوں گے اور بیمار اور صاحب ضرورت بھی اور جب تم تنہا نماز پڑھو تو جس قدر چاہو طوالت دو۔

جماعت میں انتظار مکروہ ہے

دوسروں کی شرکت کے انتظار میں طوالت دینا مکروہ ہے۔ اگر امام کو رکوع میں یا آخری تشہد میں یہ معلوم ہوا کہ کوئی شخص جماعت میں شرکت کی غرض سے نماز کے مقام پر

داخل ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے انتظار کرے، مگر انتظار میں مبالغہ نہ کرے اور داخل ہونے والے افراد کی حیثیت میں امتیاز نہ کرے۔ حیثیت والے کا انتظار کرنا مکروہ ہے۔

امام کی طرف سے انتظار کے شرائط

امام کی طرف سے انتظار کے شرائط نو ہیں:

۱۔ انتظار رکوع میں یا تشہد آخر میں کیا جائے۔

۲۔ وقت نکلنے کا خوف نہ ہو۔

۳۔ جس شخص کا انتظار کیا جائے نماز کی جگہ آ چکا ہو، باہر نہ ہو۔

۴۔ انتظار اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جائے ورنہ مکروہ ہوگا۔

۵۔ انتظار میں مبالغہ نہ کیا جائے ورنہ مکروہ ہوگا۔

۶۔ نماز کے لیے آنے والوں کی حیثیت میں امتیاز نہ کیا جائے۔

۷۔ داخل ہونے والے کی نماز میں شرکت کا گمان ہو۔

۸۔ رکوع کے ملنے سے رکعت کے ملنے کا گمان ہو۔

۹۔ تکبیر تحریمہ میں شریک ہونے کا گمان ہو۔

رکعت پانے کا اصول

رکوع میں طمانینت کے ساتھ شریک ہو تو اس کو رکعت مل جائے گی۔ اگر رکعت نہ پائے مگر پہلے سلام سے پہلے شریک ہو تو جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

ماموم کی شرکت کے وقت امام نے سلام شروع کر دیا ہو تو تین اقوال ہیں:

رملی کا قول ہے کہ ماموم کی نماز انفرادی ہوگی اور عبدانی کا قول ہے کہ ماموم کی نماز ہی منعقد نہ ہوگی اور ابن حجر کا قول ہے کہ ماموم کو جماعت حاصل ہوگی۔

بعد میں شریک ہونے والے کے مقابلہ میں اس شخص کو زیادہ فضیلت حاصل ہوگی، جو شروع میں شریک رہا ہو، امام کے تکبیر احرام کے ساتھ ہی ماموم کا شریک ہونا زیادہ فضیلت

رکھتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا '' (مسندأبي يعلى:۲: ۶۵۷۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے) امام مقرر کیا گیا ہے تا کہ اس کی پیروی کی جائے، پس جب امام تکبیر تحریمہ کہے تو اس کے بعد ہی تکبیر تحریمہ کہو۔

اگر طہارت وغیرہ ایسے امور جو مصالح نماز میں سے ہوں ان کی وجہ سے تاخیر کی جائے تو بھی وہ فضیلت چھوٹ جائے گی جو امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کے وقت شریک ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔

جماعت ملنے کی قسمیں

جماعت ملنے کی چار قسمیں ہیں:

۱۔جماعت کی فضیلت کا حصول

۲۔جمعہ کی نماز کا حصول

۳۔رکعت کا حصول

۴۔تکبیر تحریمہ کی فضیلت کا حصول

جماعت ترک کرنے کے اعذار

عذر کی وجہ سے جماعت چھوڑنے کی رخصت ہے۔رخصت کا اثر یہ ہے کہ جماعت کی فرضیت کے قول کے لحاظ سے جماعت چھوڑنے کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے اور سنت ہونے کے قول کے لحاظ سے جماعت چھوڑنے کی کراہت ساقط ہو جاتی ہے۔

اسلامی شعار پر عمل نہ کرنے سے جو گناہ ہوتا تھا وہ زائل ہو جاتا ہے، بلکہ جس نے عذر کی بنا پر جماعت ترک کی تو اس کو جماعت کی فضیلت حاصل ہوگی، بشرطیکہ عذر نہ ہوتو جماعت میں شرکت کا ارادہ رکھتا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهُ مِثْلَ مَا كَانَ يَعْمَلُ صَحِيحًا مُقِيمًا '' (بخاری:۲۹۹۶۔مسند احمد ۱۹۶۹۴۔یہ روایت ابوموسی رضی اللہ عنہ سے

ہے) جب بندہ بیمار ہو یا سفر پر ہو تو اس کے لیے وہ اعمال جن پر تندرست یا مقیم ہونے کی حالت میں عمل کرتا تھا وہی عمل لکھے جاتے ہیں۔

جماعت چھوڑنے کے اعذار دو قسم کے ہیں: عام اور خاص۔

عام اعذار پانچ اور خاص اعذار گیارہ ہیں، جملہ سولہ اعذار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں مگر اس تعداد پر حصر نہیں ہے۔ اسی اصول کے تحت مزید اعذار بھی ہو سکتے ہیں۔

عام اعذار مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بارش کی وجہ سے زحمت ہو۔

۲۔ رات میں سخت ہوا چل رہی ہو۔

۳۔ راستے پر زیادہ کیچڑ ہو۔

۴،۵۔ شدید گرمی یا شدید سردی ہو۔

خاص گیارہ اعذار مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شدید بھوک اور پیاس ہو۔

۲۔ کھانے پینے کی چیزیں موجود ہوں۔

۳۔ مرض کی تکلیف۔

۴۔ رفع حاجت کی ضرورت، پیشاب اور ہوا کے اخراج کی ضرورت بھی اس میں داخل ہے۔

۵۔ معصوم بچے کو نقصان پہنچے کا خوف ہو۔

۶۔ قرض خواہ کا خوف۔

۷۔ ایسی سزا کا خوف جس کی معافی کا امکان ہو۔

۸۔ ساتھیوں کے چھوٹ جانے کا خوف ہو۔

۹۔ موزوں لباس کی عدم موجودگی، موزوں سواری کی عدم موجودگی بھی اس میں شامل ہے۔

۱۰۔ پیاز وغیرہ جیسی بدبودار چیزوں کے کھانے سے منھ میں بدبو پیدا ہوجائے اور زائل نہ ہوسکے۔ بدبودار چیزوں کا کھانا مکروہ اور اس بو کے ساتھ دوسرے اشخاص کی صحبت میں جانا مکروہ ہے، اسی اصول پر علماء کی رائے ہے کہ مجذوم اور ابرص کو دوسرے لوگوں سے ملنے جلنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ مسجد میں حاضری سے اور جمعہ کی شرکت سے بھی ان کو روکا جائے گا۔

۱۱۔ مریض کی موجودگی۔

دیگر اعذار

دوسرے اعذار بھی ایسے ہیں جن کی بناء پر جماعت کی شرکت سے معاف کیا جاتا ہے، جیسا کہ زلزلہ، نیند کا غلبہ، غیر معمولی جسامت اور اندھاپن، امام نماز طویل کرے اور قصداً سنتوں کو ترک کرے اور بدعتی یا معتزلی ہو جس کی اقتداء میں کراہت ہو تو ایسے امام کی جماعت میں شرکت سے معافی ہے۔

جماعت کے احکام

خلاصہ یہ ہے کہ جماعت کے احکام پانچ ہیں:

۱۔ واجب ہے؛ جماعت ان مردوں پر واجب ہے جو بالغ آزاد اور عاقل ہیں

۲۔ مکروہ ہے؛ بدعتی کے پیچھے۔

۳۔ مستحب ہے؛ برہنہ لوگوں کے لیے، جب کہ اندھے ہوں یا تاریکی ہو۔

۴۔ مباح ہے؛ جب کہ اندھے نہ ہوں، یا تاریکی نہ ہو۔

۵۔ حرام ہے جب کہ وقت تنگ ہو اور منفرد وقت کے اندر پڑھ سکے۔

جمعہ میں جماعت فرض عین ہے اور بقیہ فرض نمازوں میں فرض کفایہ، بعض مسنون نمازوں میں مسنون اور قضا نمازوں میں اختلاف کے ساتھ مکروہ ہے، برہنہ کے لیے مباح اور تنگ وقت میں حرام ہے۔

امام کے تابع ہونے کی نیت

ماموم پر واجب ہے کہ امام کے تابع ہو کر نماز پڑھنے کی نیت کرے، نہ کہ امام کے لیے واجب ہے، تابع ہونا امام کی پیروی کرنے کو کہتے ہیں۔تابع ہونا عمل ہے اور عمل کے لئے نیت کی ضرورت ہے، اس کا نتیجہ یہ کہ تابع ہونے کے لئے نیت کی ضرورت ہے۔نیت نہ کرنے پر نماز تو ہو جائے گی، مگر انفرادی طور پر، نہ کہ جماعت کے ساتھ، مگر جمعہ کی نماز جماعت کی نیت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی، اس لیے کہ جمعہ کی نماز جماعت پر موقوف ہے۔

البتہ وہ نمازیں جو جماعت کے بغیر بھی ادا ہو سکتی ہیں ان میں اگر جماعت کی نیت نہ کی جائے تو نماز ادا ہو جاتی ہے۔

نیت میں امام کے نام کا تعین کرنا واجب نہیں ہے۔صرف امام کی اقتدا کافی ہے، چاہے اس کو نہ جانتا ہو۔

ماموم امام کے ساتھ نماز پڑھنے کی نیت کر کے جماعت منقطع کر سکتا ہے، مگر مکروہ ہے، سوائے اس کے کہ بیماری کا عذر ہو یا امام نماز کو طویل کرے یا مطلوبہ سنت مثلاً تشہد اول وغیرہ کو ترک کرے، سنتِ مطلوبہ سے مراد وہ سنتیں ہیں جن کے لئے سجود سہو مقرر ہیں۔

امام کے لیے امامت کی نیت

امام کے لئے امامت یا جماعت کی نیت صرف نمازِ جمعہ میں واجب ہے، دوسری نمازوں میں واجب نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے، اگر امام امامت کی نیت نہ کرے تو صرف امام کو جماعت کی فضیلت حاصل نہ ہوگی، اس لیے کہ اصول یہ ہے کہ ''لَیْسَ لِلْمَرْءِ اِلَّا مَا نَوٰی'' آدمی کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔

امام کی امامت کی نیت نہ کرنے کی وجہ سے ماموم کے لئے فضیلت کے حصول میں کوئی کمی نہ ہوگی، ماموم کو جماعت کی فضیلت حاصل ہوگی، اگر امام نے دورانِ نماز میں امامت کی نیت کی تو نیت کے بعد اس کو فضیلت حاصل ہوگی اور اس میں کوئی کراہت بھی نہیں ہے۔

امام تکبیر تحریمہ کے ساتھ امامت کی نیت کرسکتا ہے، چاہے فی الوقت اس کے پیچھے کوئی نہ ہو، مگر توقع ہو کہ دوسرا شخص عنقریب شریک ہوگا، اگر کسی کی شرکت کا امکان نہ ہو تو بھی امامت کی نیت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر مستحب بھی نہیں ہے۔

امام کے لیے جمعہ کی نماز میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ امامت کی نیت واجب ہے۔ اگر امام نے امامت کی نیت نہیں کی تو اس کی جمعہ ہی نہیں ہوگی، خواہ جماعت کے افراد چالیس ہوں یا زیادہ۔

مفضول کے پیچھے فاضل کی اقتدا

آزاد شخص غلام کے پیچھے اور بالغ ممیّز کے پیچھے نماز ادا کرسکتا ہے، اور جائز ہے، مرد کے لئے عورت کی اقتداء اور قاری کے لئے امی کی اقتداء صحیح نہیں ہے۔ آزاد شخص غلام کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے مگر افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ آزاد شخص امامت کرے، مگر یہ کہ غلام فقہ سے زیادہ واقف ہو، مگر نماز جنازہ میں آزاد شخص ہی کو ترجیح ہے۔

ممیّز وہ لڑکا ہے جو سن بلوغ کے قریب پہنچا ہو اور جس میں تمیز کی قوت پیدا ہو چکی ہو، بالغ ممیّز کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے مگر اجماع اس پر ہے کہ اقتداء کے لیے بالغ اولیٰ ہے۔ غیر ممیّز لڑکے کی امامت صحیح نہیں۔ بینا اور نابینا دونوں امامت کے لئے مساوی ہیں۔ وضو کیا ہوا شخص تیمّم والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے، وضو میں پاؤں دھویا ہوا موزوں پر مسح کرنے والے کے پیچھے، کھڑا رہنے والا بیٹھے ہوئے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

مراتبِ امامت

حاکم کو اپنے حدودِ حکومت میں امامت کے لئے دوسروں پر ترجیح اس صورت میں حاصل ہے جب کہ اس کے فرائض میں نماز کی تولیت بھی شامل ہو۔

حاکم کے بعد اس شخص کا درجہ ہے جو امامت کی خدمت کے لئے مقرر ہے۔

اس کے بعد وہ شخص جو فقہ سے واقف ہو، پھر وہ شخص جو قاری ہو، پھر زاہد، پھر متورع، پھر

مہاجر، پھر عمر رسیدہ، پھر لباس، بدن اور پیشہ کے لحاظ سے صاف ستھرا شخص اور پھر خوش گلو۔

قاری وہ شخص ہے جو سورہ فاتحہ صحیح مخارج اور صحیح صفات کے ساتھ پڑھے، کسی تشدید یا حرف میں غلطی نہ کرے، گو فقہاء نے سورہ فاتحہ کی تخصیص کی ہے، مگر عرف عام میں قاری سے وہ شخص مراد ہے جو قرآن صحیح پڑھ سکے۔ غلط پڑھنے والے کے پیچھے نماز صحیح نہیں، ایسی غلطی میں جس سے معنی نہ بدلتے ہوں صرف کراہت ہے۔

اگر کوئی یہ جانتے ہوئے امامت کے لیے آگے بڑھے کہ اس کے پیچھے کوئی ایسا شخص ہے جو امامت کے لیے اس پر سبقت رکھتا ہے تو وہ قیامت کے روز ''سفال'' میں رہے گا، یہ اس وقت ہے، جب تک کہ افضل شخص اس کو خود آگے نہ بڑھائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ابوبکر صدیق اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کی امامت میں نماز۔

ماموم مسجد میں امام کے تابع نماز پڑھے اور امام کی نماز سے باخبر ہو اور امام سے آگے نہ ہو تو کافی ہے۔

امام مسجد میں ہو اور ماموم بیرون مسجد مگر قریب اور باخبر ہو اور درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو تو جائز ہے۔ مسجد کے لئے کسی خاص علامت کی قید نہیں ہے، مسجد ہونے کا قرینہ بھی کافی ہے۔ مسجد کا صحن بھی مسجد میں داخل ہے، صحن میں وہ سب جگہ شامل ہے جو مسجد کے باہر اور مسجد کے اطراف اور مسجد کی غرض کے لئے ہے۔

حریم اس جگہ کو کہتے ہیں جو مسجد سے خارج اور مسجد سے متصل ہے اور مسجد کے مصالح؛ پانی کے حوض وغیرہ اور کوڑے کرکٹ کے لئے ہو، حریم مسجد کے حکم میں داخل نہیں ہے، وقف کرتے وقت لازم ہے کہ صحن اور حریم میں تمیز کے لئے کوئی علامت قائم کی جائے۔

اقتداء

اقتداء کی شرطیں

اقتداء صحیح ہونے کے لئے بارہ شرائط ہیں:

ا۔موافقت	۲۔تبعیت یعنی امام کی پیروی
۳۔علم	۴۔اجتماع
۵۔مخالفت	۶۔عدم تقدیم
۷۔نیت	۸۔صحت نماز
۹۔تکمیل نماز	۱۰۔عدم اقتداء
۱۱۔جنسیت	۱۲۔صفت امام

ان میں سے بعض کا ذکر ابوشجاع نے کیا ہے۔مگر ہم یہاں خطیب اور بجیرمی کی شروح سے سبھی شرائط تفصیل سے درج کرتے ہیں۔

ا۔موافقت

امام اور ماموم دونوں کی نمازوں کے نظم میں افعال ظاہری کے لحاظ سے موافقت اور مطابقت ہو،نماز کے نظم سے مراد پوری نماز کی ظاہری صورت اور ہیئت ہے۔

افعال کی قید سے اقوال خارج ہوجاتے ہیں۔اقوال میں موافقت مشروط نہیں ہے، مثلاً امام سورہ فاتحہ پڑھے اور ماموم بوجہ معذوری سورہ فاتحہ کا بدل پڑھے۔

ظاہری کی قید سے باطنی افعال خارج ہوجاتے ہیں۔اوران میں موافقت کی قید نہیں ہے جیسا کہ ادا اور قضاء کے اقتدا کی نیت؛ نفل کے پیچھے فرض،قضا کے پیچھے ادا اور قصیر کے پیچھے طویل نماز پڑھی جاسکتی ہے۔قصیر کم رکعتوں والی نماز کو کہتے ہیں۔

مگر چونکہ نوعیت کے اختلاف کے ساتھ جماعت مسنون نہیں ہے، اس لئے بعض نے مکروہ قرار دیا ہے اور منفرد پڑھنے کو ترجیح دی ہے۔ امام اور ماموم کی نیت میں اختلاف ہو تو مضائقہ نہیں، اس لیے کہ نیت دل کا فعل ہے اور اس میں فاش مخالفت ظاہر نہیں ہوتی۔

۲۔تبعیتِ امام

ماموم امام کی پیروی اس طرح کرے کہ امام کی تکبیر کے بعد ماموم تکبیر تحریمہ کہے۔ کوئی دو رکن فعلی کی مقدار میں امام سے پیچھے نہ رہے۔ تکبیر تحریمہ امام سے پہلے کرے یا ساتھ ساتھ کرے تو نماز ہی صحیح نہ ہوگی۔ اور بقیہ ارکان میں بغیر کسی عذر کے آگے یا پیچھے کرے تو بھی نماز باطل ہوگی، جیسا کہ امام قراءت کے لیے کھڑا ہو اور ماموم سجدہ میں چلا جائے یا یہ کہ امام سجدہ میں جائے اور ماموم قراءت کے لیے کھڑا ہی رہے۔

تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر ارکان میں ساتھ ساتھ رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن افعال میں امام کے ساتھ ساتھ رہنا مکروہ ہے اور جماعت کی فضیلت ختم ہو جاتی ہے۔

آگے یا پیچھے کسی عذر کی بناء پر ہو تو نماز باطل نہ ہوگی۔ آگے بڑھنے میں بھولنے یا ناواقفیت کا عذر ہو سکتا ہے۔ پیچھے رہنے میں یہ عذر ہو سکتا ہے کہ ماموم قراءت میں سست ہو اور امام معتدل، تو ماموم قراءت کی تکمیل کے لئے پیچھے رہ سکتا ہے، لیکن اس کا لحاظ رہے کہ امام تین طویل ارکان سے زیادہ آگے نہ بڑھ جائے جیسا کہ رکوع اور دو سجدے۔ اعتدال اور دو سجدوں کے درمیان کا جلوس حساب میں شمار نہ ہوگا۔

امام اس قدر جلد قراءت پڑھے کہ ماموم معتدل ہونے کے باوجود سورۃ فاتحہ نہ پڑھ سکے تو ماموم پر واجب ہے کہ امام کے ساتھ رکوع میں چلا جائے۔

موافق اس شخص کو کہتے ہیں جو امام کے قیام سے اتنا وقت پائے جس میں ایک معتدل قاری کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنے کی گنجایش ہو۔

اس کے برخلاف مسبوق وہ شخص ہے جس کو امام کے قیام سے اتنا وقت نہ ملے جس میں سورہ فاتحہ پڑھ سکے۔

ماموم موافق ہو مگر دعائے افتتاح وغیرہ کی سنتوں میں اتنا مصروف رہے کہ قراءت مکمل کرنے کے لیے پیچھے رہے۔

ماموم مسبوق ہو تو اس کے لیے مسنون ہے کہ سنت میں مشغول نہ ہو بلکہ سورہ فاتحہ جتنا ہو سکے پڑھے اور امام کے ساتھ وجوباً رکوع میں چلا جائے۔ سورہ فاتحہ سے جو کچھ باقی رہے گا معاف ہے۔

اگر مسبوق سورہ فاتحہ نہ پڑھ سکا اور کسی سنت میں بھی مصروف نہ رہا تو امام کے ساتھ رکوع میں جانا اس پر واجب ہے۔

اگر مسبوق قراءت کی تکمیل میں پیچھے رہے، یہاں تک کہ امام رکوع سے اٹھ جائے تو رکعت فوت ہو جائے گی اور ماموم امام کی پیروی کرے گا اور امام کے سلام کے بعد چھوٹی ہوئی رکعت کو مسبوق کی طرح ادا کرے گا، مسبوق کو نماز کا جو حصہ ملے گا وہی اس کی نماز کی ابتداء ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا'' (ترجمہ بخاری باب ۲۱، ابوقتادہ سے یہ روایت ہے۔ مسند احمد میں ہے: ''ما أدركتم فصلوا وما فاتكم فاقضوا''۔ ۲/ ۲۷۰۔ حدیث ۷۶۵۱۔ شیخ ارناؤوط نے کہا ہے: صحیح علی شرط الشیخین) جو نماز مل جائے تو پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اس کو پوری کرو۔

کسی چیز کو پورا کرنا اس کے آغاز کے بعد ہوتا ہے۔ اس لیے صبح کی دوسری رکعت میں ماموم قنوت کا اعادہ کرے گا اور مغرب کی دوسری رکعت میں تشہد اول کا اعادہ کرے گا۔

اگر مسبوق کو امام کے ساتھ چار رکعت والی فرض نماز کی آخری دو رکعت ملیں تو مسبوق اپنی آخری دو رکعتوں میں سورہ شامل کرے گا تا کہ اس کی نماز سورہ کو شامل کرنے سے خالی نہ ہو، برخلاف مالکیہ کے جن کے پاس ماموم کی نماز کا حصہ وہی ہو گا جو امام کی نماز کا ہے اور فوت شدہ حصہ کی تکمیل ماموم کرے گا۔

اگر مسبوق امام کو رکوع میں پالے اور امام کے رکوع سے اٹھنے سے پہلے ماموم کو طمانینت بھی حاصل ہو تو رکعت مل جائے گی۔

مسبوق نیت باندھنے کے لیے تکبیر تحریمہ کہے گا اور رکوع میں جانے کے لیے دوسری

تکبیر کہے گا۔ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق کھڑا ہونے کے لیے تکبیر کہے گا۔

مسبوق کے لیے مسنون ہے کہ امام کے دونوں سلام پھیرنے سے پہلے کھڑا نہ ہو مگر پہلے سلام کے بعد جایز ہے۔

امامت میں نیابت کا حکم

امامت میں نیابت جایز ہے، جس طرح عام کاروبار میں واقف کی اجازت یا کسی عذر کی موجودگی کی ضرورت نہیں، اسی طرح امامت میں بھی ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ ایسا شخص مقرر کرے جو مساوی درجہ رکھتا ہو یا اپنے سے بہتر ہو۔ پورا مقررہ مشاہرہ نائب بنانے والے کو ملے گا اور نائب کو اسی قدر دے گا جو اس کے ساتھ مقرر کیا ہو۔

۳۔ مقارنت

نماز کے افعال اور اقوال میں امام کے ساتھ بالکل ساتھ ساتھ رہنے کو مقارنت کہتے ہیں۔ مقارنت کی نسبت پانچ احکام ہیں:

۱۔ مقارنت تکبیر احرام میں حرام ہے، ماموم کی نماز ہی منعقد نہ ہوگی

۲۔ مقارنت تامین یعنی آمین کہنے میں مندوب ہے

۳۔ افعال اور سلام میں مکروہ ہے، اس کی وجہ سے جماعت کی فضیلت فوت ہوتی ہے

۴۔ مباح ہے۔

۵۔ دیگر صورتوں میں مقارنت واجب ہے جب معلوم ہو کہ اگر امام کے ساتھ ساتھ سورہ فاتحہ نہ پڑے گا تو اس کے لئے وقت نہ ملے گا۔

۴۔ علم

ماموم امام کی نماز سے باخبر ہو۔ امام ایک رکن سے دوسرے میں جائے تو اس کا علم ماموم کو ہوتا رہے تا کہ امام کی اتباع کر سکے، امام کی حرکات اور سکنات سے واقف ہونے کے چار ذرائع ہیں:

۱۔ ماموم امام کو دیکھ رہا ہو۔

۲۔ یا بعض صف کو دیکھ رہا ہو جو امام کے پیچھے ہو۔
۳۔ ماموم امام کی تکبیروں کی آواز سن رہا ہو۔
۴۔ یا مبلغ کی تکبیروں کی آواز اس کو سنائی دیتی ہو، مبلغ اس شخص کو کہتے ہیں جو امام کے بعد تکبیروں کو پکار کر کہے۔

۵۔ اجتماع

امام اور ماموم کا اجتماع ایک مقام پر ہو۔ اجتماع کی چار صورتیں ہیں:
۱۔ امام اور ماموم دونوں مسجد میں ہوں
۲۔ دونوں مسجد میں نہ ہوں بلکہ کھلی جگہ یا عمارت میں ہوں
۳۔ امام مسجد میں ہو اور ماموم بیرون مسجد
۴۔ ماموم مسجد میں اور امام بیرون مسجد
امام اور ماموم دونوں مسجد میں ہوں تو تین شرائط ہیں:
۱۔ ماموم امام کی نماز سے باخبر ہو
۲۔ ماموم امام سے آگے نہ ہو
۳۔ ماموم کے لیے یہ ممکن ہو کہ امام تک پہنچ سکے

امام اور ماموم کا ایک سطح پر ہونا ضروری نہیں ہے۔ ایک اونچے اور دوسرا نچلے مقام پر ہوسکتا ہے مگر اس میں کراہت ہے، مگر یہ کہ ضرورت ہو، البتہ مبلغ بلند مقام پر کھڑا رہے۔

امام کے لئے نماز کی کیفیت وغیرہ بیان کرتے وقت کھڑے رہنا مسنون ہے۔

امام اور ماموم کے درمیان کوئی دیوار وغیرہ حائل نہ ہو، کوئی عمارت درمیان میں ہو مگر اس میں سے راستہ ہو تو مضائقہ نہیں۔

جماعت کے ثواب کا حصول اس پر موقوف ہے کہ ماموم امام سے تین ہاتھ سے زیادہ فاصلہ پر نہ ہو۔ امام کے برابر نہ ہو اور صف سے جدا نہ ہو، ورنہ جماعت کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔ امام سے آگے ہونے یا نہ ہونے کا تعین پاؤں کی ایڑھی سے ہوگا۔ پاؤں کی

انگلیاں آگے ہوں تو مضایقہ نہیں، بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں کولہے سے حساب ہوگا۔

کعبہ میں امام کے لیے مسنون ہے کہ مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھے اور ماموین کعبہ کے اطراف حلقہ بنائیں۔ ماموم امام کے برابر نہ ہو اور صف سے جدا نہ ہو، ورنہ جماعت کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی، امام سے آگے ہونے یا نہ ہونے کا تعین پاؤں کی ایڑھی سے ہوگا۔

امام کی سمت کے علاوہ دیگر سمتوں میں ماموم کعبہ سے زیادہ قریب ہوجائے تو مضائقہ نہیں۔ ایک ہی جہت میں ماموم امام کے آگے نہیں ہوسکتا۔ امام کعبہ میں ہو اور ماموم باہر ہو تو ماموم جس جہت کی طرف چاہے رخ کرسکتا ہے۔

ماموم کعبہ میں ہو اور امام باہر ہو تو ماموم اس جہت کی طرف رخ نہ کرے گا جس رخ کی طرف امام کھڑا ہو، تاکہ ایک ہی رخ میں ماموم امام کے آگے نہ ہوجائے۔

اگر ماموم نماز کی ابتداء ہی میں امام سے آگے ہو تو ماموم کی نماز ہی نہیں ہوگی اور اگر نماز کے اثناء میں آگے ہوجائے تو نماز باطل ہوجائے گی۔

ماموم امام کے برابر ہو تو امام کی پیروی کی جائے گی، مگر اس میں کراہت ہے اور جماعت کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔

مندوب یہ ہے کہ ماموم امام سے ذرا یعنی تین ہاتھ یا اس سے کم پیچھے رہے اور اس طرح پیچھے رہنے سے منفرد نہیں ہوتا۔ اور نہ جماعت کی فضیلت کھوتا ہے۔ اگر تین ہاتھ سے زیادہ پیچھے رہے تو جماعت کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔

اقامت کہنے والا

اقامت کہنے والے کے لیے مسنون ہے کہ کھڑا ہوکر اقامت کہے اور جو شخص اقامت کہنے کے وقت داخل ہو، اس کے لیے افضل ہے کہ کھڑا ہی رہے۔ عام طور پر جماعت کے لیے حکم ہے کہ اقامت کے ختم ہونے کے بعد ہی کھڑے ہوجائیں تاکہ تکبیر تحریمہ کے وقت امام کے ساتھ شریک ہونے کی فضیلت حاصل ہو۔

اقامت کے آغاز کے بعد کسی نفل نماز میں مصروف ہونا مکروہ ہے، خواہ وہ تحیۃ المسجد ہو یا سنن راتبہ، اگر اقامت کے وقت کوئی شخص نفل میں مصروف ہو تو اس کو پوری کرنا مندوب ہے۔ اگر یہ خوف ہو کہ امام سلام پھیرے اور امام کی نماز ختم ہو جائے تو نفل پڑھنے والے کے لیے اپنی نفل نماز منقطع کرنا مندوب ہے اور امام و ماموم کی نمازوں کے درمیان تضاد یعنی دونوں کی نمازیں الگ الگ ہوں تو اس کو منقطع کرنا خلاف اولی ہے۔

صف بندی

امام کی داہنی جانب مرد کھڑا ہو گا اور بطور ادب ذرا ہٹ کر کھڑا ہو گا اور اس کے بعد دوسرا مرد آئے تو بائیں جانب کھڑا رہ کر تکبیر احرام کہے گا اور نیت باندھے گا اور پھر یا تو امام آگے بڑھ جائے گا یا دونوں مقتدی پیچھے ہٹ جائیں گے۔

امام سے ذرا پیچھے ہٹ کر ماموم کے کھڑے رہنے میں شرط یہ ہے کہ تین ہاتھ سے زیادہ فصل نہ ہو، ورنہ جماعت کی فضیلت فوت ہو جائے گی، اگر دوسرے شخص کے لیے امام کی بائیں جانب جگہ نہ ہو تو امام کے پیچھے نیت باندھ کر کھڑا ہو تو امام اس کو پکڑ کر داہنی جانب کھڑا کرے گا۔ اسی اصول پر یہ حکم ہے کہ مقتدیوں میں سے اگر کوئی سنت کے خلاف عمل کرے تو امام کے لیے جائز ہے کہ ہاتھ وغیرہ کے ذریعہ ٹھیک عمل کروائے۔ یہ کام عملِ قلیل کی کراہت سے مستثنیٰ ہے، آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے کا عمل قیام، رکوع اور اعتدال میں کیا جائے گا۔

تشہد آخر میں یہ عمل اس لیے نہ ہو گا کہ بیٹھنے کی صورت میں تقدیم اور تاخیر میں عمل کثیر اور مشقت ہوتی ہے۔

مامومین کا پیچھے ہٹنا امام کے آگے بڑھنے سے افضل ہے۔ اس لیے کہ امام و متبوع کے لیے جگہ بدلنا مناسب نہیں ہے۔ اگر مقتدیوں کو پیچھے ہٹنے کی جگہ نہ ہو اور امام کے آگے جگہ ہو تو امام آگے بڑھے گا، بہر حال اصول یہ ہے کہ ممکن پر عمل کیا جائے گا۔

امام کے پیچھے دو مرد یا دو لڑکے یا ایک مرد اور ایک لڑکا کھڑے ہوں تو امام اور ان دونوں کے درمیان تین ہاتھ سے زیادہ فصل نہ ہو اور یہی فصل ہر دو صفوں کے درمیان ہو۔

عورت ایک آئے یا زیادہ؛ مرد کے پیچھے کھڑی ہوگی، محرم ہو یا بیوی۔ اگر امام کے ساتھ ایک مرد اور ایک عورت ہو تو امام کی داہنی جانب مرد اور اس مرد کے پیچھے عورت کھڑی ہوگی، مردوں کے بعد کمسن لڑکے کھڑے ہوں گے اور اگر مردوں کی صف میں گنجائش ہو تو اس کی تکمیل کریں گے اور ان کے بعد عورتیں کھڑی ہوں گی، عورتیں اگلی صفوں کی کمی کی تکمیل نہیں کریں گی۔

عورتوں کی امامت عورت ہی کرے تو پہلی صف کے بیچ میں کھڑی رہے گی اور اگر امام مرد ہو تو صف کے آگے مقررہ فاصلہ کے ساتھ کھڑا ہوگا۔

فضیلت

مردوں کی صفوں میں افضل پہلی صف، اس کے بعد اس کے پیچھے کی صف اور اسی طرح صف میں افضل جگہ داہنی جانب ہے۔ امام پر رحمت نازل ہوتی ہے پھر اس کی داہنی جانب کے اول شخص پر۔

نماز جنازہ میں صفوں کی تعداد کی قید ہے، اس لیے جملہ صفوف کی حیثیت مساوی ہے۔

صف بندی میں مندوب ہے کہ صف میں جگہ خالی نہ چھوڑی جائے اور ایک صف کی تکمیل کے بغیر دوسری صف شروع نہ کی جائے۔ کوئی شخص صف میں داخل ہو تو اس کو جگہ دی جائے، اگر ان مسنون امور کے خلاف عمل کیا جائے تو عمل کرنے والے کی نماز مکروہ ہوگی اور اس کو جماعت کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔

ماموم کے لیے مسنون ہے کہ پہلی صف میں جگہ پانے کے لیے جلدی کرے، تا کہ امام کی قراءت سن سکے۔ کسی شخص کو صف اول کی طرف سبقت کرنے سے روکنا جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ اس کے منھ یا بدن سے کریہہ بو آ رہی ہو جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔

عورت کو پہلی صف میں شامل ہونے سے روکا جائے گا۔ جاہل شخص کو امام کے پیچھے کھڑے رہنے سے روکا جائے گا، اس لیے کہ ضرورت کے وقت امام کی جگہ لینے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُوا الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ'' (مسلم: باب تسویۃ الصفوف و إقامتها ۱۰۰۰۔ ابوداود: ۶۷۴۔ یہ روایت

ابومسعود رضی اللہ عنہ سے ہے) تم میں سے سمجھدار لوگ میرے نزدیک ہوں اور پھر وہ لوگ جوان صفات میں قریب ہوں۔

ماموم کے لیے صف سے الگ رہنا مکروہ ہے، بلکہ صف میں گنجائش نہ پائے تو نماز کی نیت کرے اور اس کے بعد ایک شخص کو اگلی صف سے اپنی طرف کھینچ لے تا کہ اس کے ساتھ ہو جائے اور کھینچے ہوئے شخص کے لیے مندوب ہے کہ اس کی تعمیل کرے، تکبیر تحریمہ سے قبل کھینچنے میں کراہت ہے۔

صف سے ایک شخص کے چلے جانے سے جو صف میں خلل ہو گا اس کو ملا لینا چاہئے۔

کھینچنے کے مستحب ہونے کے لیے چار شرطیں ہیں:

۱۔ وہ شخص جنسیت میں موافق ہو، مرد عورت کو نہ کھینچے

۲۔ جس صف سے کسی شخص کو کھینچا جا رہا ہو اس صف میں دو سے زیادہ اشخاص ہوں

۳۔ تحریمہ کے بعد اور قیام کی حالت میں کھینچے

۴۔ امام اور ماموم کے درمیان کوئی چیز حایل نہ ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ ماموم امام تک آسانی سے پہنچ سکے۔

۶۔ فحش مخالفت نہ ہو

ماموم امام کی مخالفت ایسی سنتوں میں نہ کرے جس میں مخالفت علانیہ ظاہر ہو جائے جیسا کہ سجدہ تلاوت، امام کے ساتھ سجدہ تلاوت کرنے اور نہ کرنے دونوں میں موافقت کرنا واجب ہے۔ امام سجدہ کرے تو ماموم بھی سجدہ کرے۔ امام سجدہ نہ کرے تو ماموم بھی سجدہ نہ کرے۔

سجود سہو کرنے میں موافقت واجب ہے، نہ کہ ترک میں، اگر امام سجود سہو نہ کرے تو ماموم کے لیے مسنون ہے کہ امام کے سلام کے بعد اور اپنے سلام سے پہلے سجود سہو کرے۔

پہلا تشہد چھوڑنے میں موافقت واجب ہے، نہ کہ کرنے میں۔ امام پہلا تشہد چھوڑ کر کے عمداً قیام کی حالت میں آجائے، مگر امام کی اتباع کی خاطر تشہد اول کی طرف واپس آنا ماموم کے لیے مسنون ہے۔

قنوت میں امام کی موافقت نہ کرنے میں واجب ہے اور نہ چھوڑنے میں۔ اگر امام قنوت پڑھے تو ماموم کے لیے جائز ہے کہ چھوڑ دے اور اگر امام چھوڑ دے تو ماموم کے لیے جائز ہے کہ قنوت پڑھے۔

ایسی سنتوں میں امام سے اختلاف میں مضائقہ نہیں ہے جس میں علانیہ مخالفت کا اظہار نہ ہوتا ہو جیسا کہ جلسۂ استراحت۔

۷۔ امام سے آگے نہ ہو

جائے نماز پر ماموم امام کے آگے نہ ہو، پیچھے ہو یا برابر۔ اگر ماموم امام سے آگے رہے تو نماز باطل ہوگی۔ اگر ماموم امام سے اثنائے نماز میں آگے بڑھ جائے تو اس کی نماز باطل ہوگی، اگر تکبیر احرام کے وقت ہی آگے بڑھا ہوا ہو تو اس کی نماز ہی نہ ہوگی۔ البتہ جنگ میں خوف کی حالت میں جو نماز پڑھی جائے اس حکم سے مستثنیٰ ہے، امام اور ماموم آگے پیچھے ہو سکتے ہیں، جنگ میں انفرادی پڑھنے کے مقابلے میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں فضیلت ہے، مگر یہ کہ جنگ کی مصلحت منفرد نماز پڑھنے کی ہو۔

بجیرمی کا قول ہے کہ ماموم امام کے برابر رہنے میں کراہت ہے اور اس سے جماعت کی فضیلت فوت ہو جاتی ہے۔ مسنون یہ ہے کہ ماموم امام سے ذرا پیچھے رہے، قیام کی حالت میں آگے اور پیچھے ہونے کا شمار پاؤں کی ایڑھی سے ہوگا، نہ کہ انگلیوں یا گھٹنے سے۔ قعود میں سرین یعنی چوتڑ سے ہوگا اور سجود میں انگلیوں کے سرے سے اور یہی عمل سوار کے لیے بھی ہے۔

۸۔ اقتداء کی نیت

اس سے پہلے اصل متن کی تشریح کے ضمن میں اقتداء اور امامت کی نیت کی نسبت تفصیل سے بحث کی جا چکی ہے۔

۹۔ امام کی نماز صحیح ہو

امام کی نماز صحیح ہونے کی نسبت ماموم کو اعتقاد بھی ہو؛ ماموم کو یہ علم ہو کہ اس کے عقیدے کے موافق امام کی نماز باطل ہے تو اس امام کے پیچھے ماموم کا نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

شرمگاہ کو چھونے سے شافعیہ کے نزدیک وضوٹوٹتا ہے اوراس کے برخلاف حنفیہ کے نزدیک وضونہیں ٹوٹتا۔اس لیے شافعی ایسے حنفی کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا جس نے شرمگاہ کو چھوا ہے۔

اسی طرح دو برتنوں میں پانی ہواوراس کے طاہر یا نجس ہونے کی نسبت دوافراد میں اجتہادی اختلاف ہوتوایک دوسرے کی اقتداءنہیں کرسکتا ہے۔

۱۰۔امام کی نماز مکمل ہو

امام کی نماز ایسی ہوجس کے اعادہ کی ضرورت نہ ہو۔جس امام کے ذمہ اعادہ لازم ہو اس کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوسکتی جیسا کہ امام نے محض سردی کے عذر سے تیمّم کیا ہو۔

۱۱۔عدم اقتداء

امام خودمقتدی نہ ہو۔اس لئے کہ ایک ہی شخص تابع اور متبوع نہیں ہوسکتا۔رافعی نے منہاج کی شرح میں لکھا ہے کہ امام کے سلام کے بعد مسبوق کی اقتداءایسی ہے جیسے غیر مسبوق کی۔

۱۲۔امام ماموم سے جنسیت میں ادنی نہ ہو

جنسیت کے لحاظ سے امام ماموم سے ادنی نہ ہو،عورت کے پیچھے مرد نماز نہیں پڑھ سکتا۔

۱۳۔صفتِ امام

امّی یعنی ان پڑھ کے پیچھے قاری نماز نہیں پڑھ سکتا،اس کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔

جماعت کی فضیلت کے مدارج

جمعہ کی جماعت سب سے افضل ہے،اس کے بعد جمعہ کی صبح کی جماعت اور پھر عشاء کی اوراس کے بعد عام صبح کی اور پھر عشاء کی اوراس کے بعد عصر کی ،ظہر اور مغرب کی جماعتوں کا درجہ مساوی ہے۔

قصر

(قصر، شرائطِ قصر، جمع بقصر، جمع بمطر)

قصر کے معنی کم کرنے اور چھوٹا کرنے کے ہیں اور شرع میں چار رکعتوں والی فرض نمازوں میں دو رکعت پڑھنے کو قصر کہتے ہیں۔

ابن کثیر کا قول ہے کہ ہجرت کے چوتھے سال قصر کا حکم ہوا۔ دولابی کہتے ہیں کہ ہجرت کے دوسرے سال ماہ ربیع الثانی میں اور بعض کا خیال ہے کہ ہجرت کے چالیس روز کے بعد، شریعت نے سفر میں قصر کی اجازت غالباً اس وجہ سے دی کہ سفر میں ایک گونہ تکلیف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ'' (بخاری:۱۸۰۴۔ مسلم: باب السفر قطعۃ من العذاب ۵۰۷۰۔ یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔

یہاں عذاب سے مراد کلفت و ملال ہے۔ کلفت پیدل چلنے یا سواری پر بھی سفر کرنے میں ہوتی ہے اور اپنے وطن کو چھوڑنے میں ایک قسم کا ملال ہوتا ہے۔

قصر کی شرطیں

مسافر کے لیے چار رکعت والی نمازوں میں دس شرائط کے ساتھ قصر جائز ہے:

۱۔ سفر معصیت کے لیے نہ ہو

۲۔ مسافت سولہ فرسخ ہو (یعنی ۸۴ کلومیٹر) (۸۴ کلومیٹر مصنف کی عبارت نہیں ہے، سولہ فرسخ ہمارے حساب سے ایک سو پچہتر ۱۷۵ کلومیٹر ہوتے ہیں، تفصیل کے لئے راقم کی کتاب مسافت قصر ایک سو پچہتر ۱۷۵ کا مطالعہ کریں، محمد شفیع قاسمی بھٹکلی)

۳۔ ادا نماز ہو

۴۔قصر کی نیت نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت کی جائے
۵۔مکمل نماز پڑھنے والے کے تابع نہ پڑھی جائے
٦۔نماز سفر میں ادا ہو
۷۔منزل مقصود کا علم ہو
۸۔کوئی عمل قصر کے منافی نہ ہو
۹۔غرض صحیح ہو
۱۰۔قصر جائز ہونے کا علم ہو

آخری پانچ شرائط خطیب اور شیخ بیجوری سے اخذ کئے گئے ہیں، سفر میں قصر کی نسبت چاروں ائمہ کا اجماع ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:''وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ''(النساء۱۰۱) جب تم سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر نماز میں قصر کرو۔

سفر میں خشکی اور تری کے دونوں سفر داخل ہیں (مولف) اور ہوائی سفر بھی۔

ابن امیہ نے حضرت عمرؓ فارق سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قصر کی اجازت اس صورت میں دی ہے جب کہ خوف کا مقام ہو اور اب لوگ امن کی حالت میں ہیں، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ مجھ کو بھی اس بارے میں تعجب ہوا اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:''صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ''(مسلم: باب صلاۃ المسافرین وقصرھا۱۶۰۵۔یہ روایت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے) صدقہ (انعام) ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے، پس اس کا صدقہ قبول کرو۔

یعنی اس کے باوجود قصر کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام ہے۔خوف کی حالت کی قید نہیں ہے۔

ابن ابی شیبہ سے مروی ہے:''إِنَّ خِيَارَ أُمَّتِي مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ إِذَا أَحْسَنُوا اِسْتَبْشَرُوا،وَإِذَا أَسَاؤُوا اِسْتَغْفَرُوا

وَإِذَا سَافَرُوْا تَقْصُرُوْا'' (یہ روایت باوجود تلاش کے نہیں ملی) بیشک میری امت کے نیک لوگ وہ ہیں جو گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بیشک محمد اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور جب وہ احسان کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب برائی کرتے ہیں تو مغفرت مانگتے ہیں اور جب سفر کرتے ہیں تو قصر کرتے ہیں۔

قصر جائز ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اتمام میں فضیلت ہے، جب کہ مسافت دومنزل یعنی اڑتالیس میل (ہاشمی) ہومگر سفر کی مسافت تین منزل یعنی بہتر میل (ہاشمی) ہوتو قصر میں فضیلت ہے، اس لیے کہ اس میں ابوحنیفہؒ سے اختلاف نہ ہوگا۔ انھوں نے تین دن کے سفر میں قصر کو واجب قرار دیا ہے۔ سفر کی وجہ سے نماز میں قصر کرنے اور روزے کے افطار کرنے میں فرق یہ ہے کہ سفر میں روزے کو باقی رکھنا بہ نسبت روزے کے افطار کرنے سے مطلق طور پر افضل ہے، سوائے اس کے کہ کسی نقصان کا خوف ہو، اس لیے کہ روزہ رکھنے میں روزے کی ذمہ داری باقی نہیں رہتی اور افطار کرنے میں ذمہ داری باقی رہ جاتی ہے۔

اگر قصر اور جماعت دونوں میں تضاد ہوتو قصر کو ترجیح دی گئی ہے، اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قصر واجب ہے۔

ملاح کے لیے جو ہمیشہ سمندر میں کشتی رانی کرتا ہے اور دائمی سفر کرنے والے کے لئے مکمل نماز افضل ہے، تا کہ امام احمد کے خلاف نہ ہو جنھوں نے اتمام کو واجب قرار دیا ہے۔ اس صورت میں امام ابوحنیفہ کی رائے کی رعایت اس لئے نہیں کی گئی کہ امام احمد کی رائے اس کے موافق ہے جو اتمام کی نسبت ہے۔

شافعیہ میں بعض صورتوں میں قصر واجب ہے، جب کہ نماز میں اتنی تاخیر کی جائے کہ پوری نماز کے لیے وقت نہ رہے اور صرف قصر کی گنجایش ہو۔

بعض صورتوں میں قصر اور جمع دونوں ایک ساتھ واجب ہوتے ہیں، اس کی مثال یہ ہے کہ جمع کی نیت کے ساتھ نماز ظہر میں عصر کے وقت تک تاخیر کی جائے اور عصر کا وقت بھی اتنا گزر جائے کہ صرف چار رکعتوں کے پڑھنے کی گنجایش باقی رہے، ایسی صورت میں قصر اور جمع دونوں واجب ہیں۔

مسافر سے مراد وہ شخص ہے جو سفر کی حالت میں ہو، وہ شخص مراد نہیں ہے جو سفر کا ارادہ رکھتا ہو۔ سفر کے آغاز کے ساتھ ہی سفر کی حالت شروع ہو جاتی ہے اور قصر جائز ہے، مسافت طے کرنے پر موقوف نہیں ہے۔

قصر کی مدت

منزل مقصود کی سمت میں شہر یا گاؤں کی فصیل، خندق، پل یا ریلوے اسٹیشن یا ایرو ڈروم سے گزر جانے پر سفر کی ابتداء ہوتی ہے۔ اگر یہ سب کچھ نہ ہوں تو آبادی کے طے کر لینے کے بعد سفر شروع ہو گا۔ شہر کے ملحقہ باغوں اور کھیتوں کے طے کرنے کی شرط نہیں ہے۔ دو یا دو سے زیادہ گاؤں جو آپس میں متصل ہوں اور درمیان میں حد فاصل نہ ہو ایک ہی گاؤں کی تعریف میں داخل ہیں۔ ڈیرے یا عارضی قیام گاہ میں رہنے والوں کے لئے ٹھہری ہوئی جگہ سے گزرنے پر سفر کی ابتداء ہوتی ہے۔

سفر کی انتہا

اس مقام پر پہنچنے سے سفر ختم ہوتا ہے جہاں سے آغاز ہوا تھا۔ جس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ وطن کی واپسی کی صورت میں وطن پہنچتے ہی سفر ختم ہو گا، اقامت کی نیت کی جائے یا نہ کی جائے۔

غیر وطن کو سفر کرنے کی صورت میں قیام کے ارادے کے بعد اس مقام کی فصیل وغیرہ پر پہنچنے پر سفر ختم ہو گا۔ قیام کا ارادہ مستقل ہو سکتا ہے یا عارضی۔

آمد و رفت کے دنوں کے علاوہ خالص چار دنوں کے عارضی قیام کے ارادے سے قصر کی اجازت ختم ہو جاتی ہے۔ اگر پہلے سے کوئی ارادہ نہ کیا جائے اور کسی مقام کو پہنچ کر کسی ایسے کام کی وجہ سے ٹھہر جائے جس کی نسبت علم ہو کہ چار روز میں ختم نہ ہو سکے گا تو بھی قصر کی اجازت ختم ہو گی۔

اگر بغیر کسی کام کے ٹھیرے تو چار روز گزر جانے کے بعد ختم ہو گا۔ اگر کسی کام کی وجہ سے ٹھیرے اور یہ خیال کرے کہ کہ چار روز میں کام ختم ہو جائے گا تو سفر ختم نہ ہو گا اور نماز قصر کی جائے گی۔

اگر ہر وقت کام ختم ہونے کی توقع ہو اور قیام کی مدت کا تعین نہ ہو سکے تو کامل اٹھارہ دن تک نماز قصر ہو سکتی ہے۔

وطن یا غیر وطن میں قیام کے ارادے سے واپسی کے ساتھ ہی قصر کا حکم ختم ہوگا اور نماز قصر نہیں کی جائے گی۔ وہاں سے پھر اگر سفر کیا جائے تو جدید سفر ہوگا اور وہ سفر طویل ہو تو قصر ہوگا، ورنہ نہیں۔

نماز سے ایسی نماز مراد ہے جو اصل میں فرض ہے۔ فرض کی قید سے نفل نمازیں اور اصل کی قید سے نذر کی ہوئی نمازیں خارج ہو جاتی ہیں۔

اعادہ کی نماز میں قصر اس صورت میں ہوگا جب کہ اصل نماز قصر کی گئی ہو۔ قصر صرف چار رکعت والی نمازوں میں ہوگا۔ دو یا تین رکعت والی نمازوں میں قصر نہ ہوگا۔

قصر کے شرائط

معصیت کے لیے سفر نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ غیر معصیت کی غرض سے سفر کیا گیا ہو، چاہے اس سفر میں کوئی گناہ سرزد ہو جائے، معصیت کے لیے سفر نہ ہونے کی چار صورتیں ہیں:

۱۔ سفر واجب ہو، جیسا کہ قرض کی ادائی یا حج کے لئے

۲۔ سفر مندوب ہو جیسا کہ مزار نبوی کی زیارت یا رشتہ داروں پر احسان کرنے کے لیے

۳۔ سفر مباح ہو، جیسا کہ تجارت کے لیے

۴۔ سفر مکروہ ہو جیسا کہ کسی شخص کا تنہا سفر یا صرف دو آدمیوں کا سفر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اَلْمُسَافِرُ شَيْطَانٌ وَالْمُسَافِرَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ'' (ان الفاظ کے ساتھ روایت نہیں ملی، البتہ اس معنی کی روایت مستدرک حاکم میں ہے: ''الواحد شيطان والإثنان شيطانان والثلاثة ركب''۔ کتاب الجهاد ۲۴۹۶، یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ روایت علی شرط مسلم ہے۔ ان ہی کی دوسری روایت میں ''الراكب'' اور ''الراكبان'' کے الفاظ ہیں جو عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ سے مروی ہے۔ ۲۴۹۵۔ انھوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الإسناد ہے) ایک مسافر

شیطان ہے اور دو مسافر دو شیطان ہیں اور تین مسافر جماعت ہیں۔

تنہا سفر کرنے کی کراہت صرف اسی صورت میں ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس نہ رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسیت کی صورت میں کوئی کراہت نہیں ہے جیسا کہ صالحین کا سفر۔

سفر معصیت کی غرض سے ہو تو قصر جائز نہیں ہے اور نہ جمع جائز ہے جیسا کہ رہزنی وغیرہ کے لئے۔

قصر میں جمع کا بیان آگے آئے گا۔

سفر میں رخصت

سفر طویل ہو تو آٹھ سہولیتیں دی گئی ہیں جن کو رخصت کہا جاتا ہے:

۱۔ نماز میں قصر۔

۲۔ دو نمازوں کی جمع۔

۳۔ روزہ کا افطار۔

۴۔ موزوں پر مسح تین روز تک۔

۵۔ ترک جمعہ جب کہ جمعہ کی فجر سے پہلے سفر کیا گیا ہو۔

۶۔ مجبوری کی حالت میں مردار کھانے کی اجازت، مردار کھانے کی ضرورت بغیر سفر کے بھی ہو سکتی ہے، مگر چونکہ اس کا زیادہ تر وقوع سفر میں ہوتا ہے اس لیے اس کو سفر کی سہولتوں میں شمار کیا گیا۔

۷۔ نفل نماز میں استقبال قبلہ کو چھوڑ دینا، اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۸۔ تیمّم جس سے فرض کی ادائیگی ہو جائے۔

یہ صورت بھی سفر کے لیے مخصوص نہیں ہے، اس لیے کہ بغیر سفر کے حضر میں بھی پانی کا فقدان ہو سکتا ہے اور تیمّم کی ضرورت لاحق ہو سکتی ہے، مگر چونکہ بالعموم پانی کا فقدان سفر میں ہوتا ہے، اس لیے اس کو بھی سفر کی سہولتوں میں شمار کیا گیا۔

سفر طویل نہ ہو اور مختصر ہو تو صرف آخری چار سہولتوں سے استفادہ کی اجازت ہے اور ابتدائی چار سہولتیں طویل سفر کے لیے مخصوص ہیں۔

شرعی سہولتوں پر عمل اسی صورت میں جایز ہے جب کہ خاص حالات کسی معصیت کے تعلق سے نہ پیدا ہوئے ہوں۔ کیوں کہ یہ اصول ہے: ''**اَلرُّخَصُ لَا تُنَاطُ بِالْمَعَاصِی**''، اس لیے معصیت کی غرض سے سفر کیا جائے تو قصر نہیں ہوسکتا۔

قصر کے لیے ضروری مسافت

سفر کی مسافت کامل سولہ فرسخ ایک طرفہ ہو۔ اس مسافت میں واپسی کا سفر شامل نہیں ہے۔ ایک فرسخ کے تین میل کے حساب سے اڑتالیس میل ہوتے ہیں۔ میل سے ہاشمی میل مراد ہیں۔ (اڑتالیس میل ہاشمی ۵ ء ۷۷ کلومیٹر ہوتے ہیں، محمد شفیع قاسمی بھٹکلی) ایک میل کے چار ہزار خطوط اور ایک خطوط کے تین قدم (فٹ)۔ خطوط اونٹ کی چال کی مقدار کو کہتے ہیں اور قدم سے مراد آدمی کے پاؤں کے پنجے کا طول ہے۔ دو قدم ایک ہاتھ کے مساوی ہیں، یہ مسافت اس قدر ہے کہ دو معتدل دنوں یا دو معتدل راتوں یا ایک دن اور ایک رات میں کھانے، پینے، نماز پڑھنے اور آرام لینے کی عام ضروریات کی تکمیل کے ساتھ طے کی جائے۔

اڑتالیس میل (ہاشمی) کی مسافت تحدیدی ہے۔ اس میں تھوڑی سی بھی کمی ہوگی تو قصر جائز نہیں ہوگا۔ لیکن زیادتی میں کوئی مضائقہ نہیں، اس کے برخلاف امام اور ماموم کے درمیان کی مسافت ہے جس میں کمی ہو تو اقتدا جائز ہے، زیادہ ہو تو نہیں۔

قلتین کی مقدار تقریبی ہے تحدیدی نہیں ہے۔ تقریبی مقدار میں تھوڑی سی کمی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مسافت میں شرط یہ ہے کہ ایک طرفہ مسافت دو منزل کے سفر کے مساوی ہو، اگر مسافت ایک منزل کے مساوی ہو اور ارادہ کیا جائے کہ بغیر قیام کے واپس ہو جائے تو سفر پر جاتے ہوئے اور سفر سے واپس ہوتے ہوئے دونوں مرتبہ نماز میں قصر نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح اگر دو منزل کے سفر کی مسافت (خشکی، تری یا ہوائی سواری کے ذریعہ۔

مولف) ایک ہی روز یا ایک گھڑی میں طے ہو سکے تو بھی نماز میں قصر ہوگا۔ اس لیے کہ قصرامرِ توقیفی ہے۔ توقیف اس امر کو کہتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا گیا یا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عمل کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ اس معاملہ کا اجتہاد سے تعلق نہیں اور نہ اس میں قیاس کو دخل ہے۔

حنفیہ میں قصر کے لیے تین منزل سفر کی مسافت مقرر کی گئی ہے، مگر ہر ایک منزل کا سفر پورے دن پر شامل نہیں ہے بلکہ فجر سے زوال تک اور اس کی جملہ مقدار ساٹھ میل ہے۔

''ادا نماز ہو'' یعنی نماز ادا کرنے کے وقت نماز ادا کی جائے، جو نماز قیام کی حالت میں فوت ہو، اس کی قضا میں قصر نہ ہوگا، بلکہ پوری نماز پڑھی جائے گی، خواہ سفر میں پڑھی جائے یا قیام میں۔

جو نماز سفر میں فوت ہو اور سفر ہی میں قضا پڑھی جائے تو قصر کی جائے گی، چاہے یہ سفر پہلے سفر سے جداگانہ ہو، لیکن سفر میں فوت شدہ نماز کی قضا قیام کی حالت میں کی جائے تو پوری نماز پڑھی جائے گی۔

قصر کی نیت تکبیر احرام کے ساتھ کی جائے، نیت یہ ہے: ''نَوَیْتُ أُصَلِّی الظُّهْرَ مَقْصُوْرَةً''۔ ''نَوَیْتُ أُصَلِّی الظُّهْرَ رَکْعَتَیْنِ''۔ میں نیت کرتا ہوں کہ ظہر کی نماز پڑھوں قصر کر کے، یا ظہر کی دو رکعتیں۔

اگر ایسا نہ کہے اور پوری نماز کی نیت کرے یا مطلق طور پر چھوڑ دے اور کوئی ذکر ہی نہ کرے تو پوری نماز پڑھے۔

اگر نیت کے متعلق شک ہو کہ پوری نماز کی نیت کی تھی یا قصر کی تو پوری نماز پڑھنا واجب ہے۔ اگر تکبیر احرام کے بعد قصر کی نیت کرے تو کوئی فائدہ نہیں۔

مکمل نماز پڑھنے والی کی اتباع نہ کرے

مکمل نماز پڑھنے والے کے تابع نماز نہ پڑھے، مقیم تو پوری نماز پڑھتا ہی ہے مگر مسافر بھی مکمل نماز پڑھنے والا ہو سکتا ہے، جو سفر کی حالت میں قصر کے باوجود پوری نماز

پڑھے، مکمل نماز پڑھنے والے کی اتباع میں پوری نماز پڑھی جائے گی۔اس کے پیچھے نماز کے کسی جزء میں بھی شریک ہو جائے تو قصر نہیں کیا جائے گا۔

سفر جاری ہو

''سفر جاری ہو''؛ پوری نماز میں سفر کی حالت باقی رہے۔اگر نماز کے دوران سفر ختم ہو جائے جیسا کہ کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور سواری قیام گاہ پہنچ جائے تو پوری نماز پڑھی جائے گی، اس لیے کہ سہولت کی وجہ باقی نہیں رہی۔وہ شخص جو سفر کے دوران چار روز سے کم قیام کرے تو حکماً مسافر کہلائے گا اور قصر کرے گا۔

منزل مقصود کا علم ہو

منزل مقصود کا علم صرف اس حد تک ہو کہ کس سمت میں منزل مقصود ہے، کسی مقام کے تعین کی قید نہیں ہے۔چار سمتوں میں سے کسی ایک سمت میں دو منزل سفر کا ارادہ کرے تو قصر کر سکتا ہے۔کوئی شہر متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہائم یعنی جو بغیر کسی غرض کے بے راہ گھومتا ہے اس کے لئے قصر نہیں ہے، اس کی دو وجوہات ہیں: ایک تو یہ کہ اس کو مسافت کا علم نہیں اور دوسری وجہ یہ کہ اس کا سفر معصیت کا سفر ہو گا۔اس لئے کہ بغیر کسی غرض کے نفس کو تکلیف دینا حرام ہے۔

وہ شخص جو دوسرے کے تابع سفر کرتا ہو اور اس کو منزل مقصود یا مسافت کا علم نہ ہو تو دو منزل کے سفر کے بعد قصر کر سکتا ہے، اس سے پہلے نہیں کر سکتا۔

قصر کے منافی کوئی کام نہ ہو

نماز کے قصر کے دوران میں کوئی ایسا عمل نہ کرے جو قصر کی نیت کے خلاف ہو جیسا کہ نماز کے دوران میں مکمل نماز پڑھنے کا ارادہ کرے یا تردد کرے یا قصر کرے تو اس کے لیے بھی قصر نہیں ہے۔

غرض صحیح ہو

سفر کسی صحیح غرض کے لیے ہو جیسا کہ حج یا زیارت یا تجارت کے لیے، نہ کہ خالص تفریح کے لیے۔ ابن حجر کی رائے میں سیر و تفریح کے لیے بھی سفر جایز ہے، اس لیے کہ سفر سے نفس کی کدورت دور ہوتی ہے۔

قصر جائز ہونے کا علم ہو

نماز میں قصر جایز ہونے کے علم کے ساتھ قصر کرے۔ اگر لوگوں کو قصر کرتے دیکھ کر اور خود جانے پوچھے بغیر نماز میں قصر کرے تو صحیح نہیں ہے۔

جمع وقصر

مسافر کے لیے جایز ہے کہ ظہر اور عصر کو اور اسی طرح مغرب اور عشاء کو دونوں میں سے کسی ایک کے وقت میں جمع کرے۔ شیخان نے تین روایتیں بیان کی ہیں:

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں جلدی کرتے تو مغرب اور عشاء کو جمع کرتے تھے۔ (بخاری ۱۰۴۱)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ہم نے جنگ تبوک کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ظہر اور عصر کو جمع کرتے تھے۔ (ابوداود ۱۲۰۸، ترمذی ۵۵۳)

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ جمع دراصل رخصت ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جمع نہ کرنے میں فضیلت ہے۔

جمع کے جواز کے بھی یہ معنی ہیں کہ جمع نہ کرنے میں فضیلت ہے، اس لیے کہ بعض ائمہ کو اس سے اختلاف ہے، اس وجہ سے کہ نماز کے بعض اوقات عبادت سے خالی ہو جاتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ نے عرفہ اور مزدلفہ میں دو نمازوں کے جمع کرنے کو جایز قرار دیا ہے اور اس بارے میں چاروں ائمہ کو اتفاق ہے، اس لیے جمع میں فضیلت ہے۔

سفر سے مراد طویل سفر ہے جس میں قصر کی اجازت ہے، اگر کسی شخص نے ظہر کی نماز پڑھنے میں تاخیر اس ارادہ سے کی کہ عصر کے وقت پڑھے اور عصر کا وقت اتنا نہ رہے کہ ان دونوں نمازوں کو پوری کر سکے تو اس صورت میں جمع اور قصر دونوں واجب ہیں۔

دو نمازیں جمع کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایک نماز کو دوسری نماز کے ساتھ دونوں میں سے کسی ایک کے وقت ادا کرے، دونوں نمازیں پوری پڑھے یا دونوں میں قصر کرے۔

جمع تقدیم و جمع تاخیر

دو نمازوں میں سے پہلی نماز کے وقت جمع کرنے کو جمع تقدیم اور دوسری نماز کے وقت جمع کرنے کو جمع تاخیر کہتے ہیں۔

جمعِ تقدیم کی شرطیں

جمع تقدیم کی پانچ شرطیں ہیں:

۱۔ترتیب ۲۔نیت ۳۔موالات

۴۔دوامِ سفر ۵۔پہلی نماز کا صحیح ہونا

ترتیب

ترتیب یہ ہے کہ ظہر کو عصر سے پہلے اور مغرب کو عشاء سے پہلے پڑھے، اس کے برعکس اگر عصر کو ظہر سے پہلے اور عشاء کو مغرب سے پہلے پڑھے تو عصر اور عشاء کی نماز صحیح نہیں ہوں گی۔

جمع کی نیت:

جمع کی نیت پہلی نماز کے آغاز میں اس طرح کرے کہ احرام کے ساتھ جمع کی نیت کی جائے اور فضیلت اسی میں ہے، احرام سے پہلے یا پہلی نماز کے سلام کے بعد نیت نہیں ہو سکتی، البتہ پہلی نماز کے درمیان جمع کی نیت جائز ہے۔

موالات یعنی پے در پے

پہلی نماز کے بعد ہی دوسری نماز پڑھی جائے، دونوں نمازوں کے درمیان طویل فصل نہ ہو، اگر فصل اتنا ہو کہ معمولی طور پر اس کو طویل کہا جائے تو دوسری نماز میں اس کا وقت آنے تک تاخیر کی جائے۔تھوڑا فصل ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

دونوں نمازوں کے درمیان نفل نماز یا جنازہ کی نماز پڑھنے سے طویل فصل ہو جاتا ہے۔دونوں نمازوں کے درمیان میں نفل نمازوں کو پڑھنے کے بجائے دونوں نمازوں سے فارغ ہونے کے بعد پڑھی جائے گی۔

طویل فصل کا اعتبار

طویل فصل دو ہلکی رکعتوں کی مقدار ہے، فصل کے لیے نماز کی مصلحت اور غیر مصلحت دونوں یکساں ہیں۔

سفر جاری ہو

دوسری نماز کی نیت کرنے تک سفر جاری رہے، دوسری نماز کی نیت سفر کی حالت میں ہو تو کافی ہے۔نماز کے ختم ہونے تک سفر جاری رہنا شرط نہیں ہے، اگر دوسری نماز کی نیت سے پہلے سفر ختم ہو جائے تو جمع نہیں ہوسکتی ہے، کیوں کہ جمع کرنے کا جو سبب تھا یعنی سفر ختم ہو گیا ہے۔

پہلی نماز صحیح ہو

جمع کے لیے پہلی نماز صحیح ہونا شرط ہے، چاہے اس کا اعادہ لازم ہو۔فاقد الطہورین (یعنی پانی اور مٹی دونوں نہ ملنے والا شخص) دو نمازیں جمع کرسکتا ہے۔

جمع تاخیر

دوسری نماز کے ساتھ جمع کرنے کے لیے پہلی نماز کے وقت کے اندر ہی جمع تاخیر کی نیت کرنا ضروری ہے، جمع تاخیر میں ترتیب، موالات اور نیت واجب نہیں ہیں۔اس

لیے کہ ترتیب کے خلاف عصر کو ظہر سے پہلے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ عصر اپنے وقت کے اندر ہی ہے۔

واجب نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں بھی ترتیب اور موالات مسنون ہیں، جمع کی نیت واجب نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ پہلی نماز کے پڑھنے کے وقت جمع کی نیت کرنا لازم نہیں ہے۔ اصل شرط جو پہلی نماز کے وقت کے اندر جمعِ تاخیر کی نیت کرنے کی نسبت ہے باقی ہے۔ جمعہ میں جمعِ تاخیر نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ جمعہ صرف ظہر کے وقت میں ادا ہوتی ہے۔

تقدیم میں فضیلت ہے یا تاخیر میں؟

فضیلت کے لحاظ سے تقدیم اور تاخیر میں فرق ہے؛ اگر پہلی نماز کے وقت سکون کی حالت ہو اور دوسری نماز کے وقت حرکت کی حالت ہو تو جمعِ تقدیم کو فضیلت حاصل ہوگی۔ اگر پہلی نماز کے وقت حرکت کی حالت ہو اور دوسری نماز کے وقت سکون کی حالت یا دونوں نمازوں کے وقت حرکت یا دونوں نمازوں کے وقت سکون کی حالت ہو تو رملی کے بقول تقدیم میں ایک صورت میں اور تاخیر میں تین صورتوں میں فضیلت ہے اور ابن حجر کے بقول تاخیر میں ایک صورت میں اور تقدیم میں تین صورتوں میں فضیلت ہے۔

جمع کے سلسلہ میں اختلاف

شافعیہ میں طویل سفر میں جمع جائز ہے اور مالکیہ میں مختصر سفر میں بھی جمع جائز ہے، لیکن حنفیہ میں صرف عرفہ اور مزدلفہ میں جمع جائز ہے۔

بارش کی وجہ سے جمع

مقیم کے لیے جائز ہے کہ بارش میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی دو دو نمازیں پہلی نماز کے وقت جمع کرے۔ دوسری نماز کے وقت جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء ملا کر پڑھی تھی۔ مسلم نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ان نمازوں کو ایسی

حالت میں جمع کیا گیا تھا جب کہ جنگ یا سفر کی حالت نہ تھی۔(مسلم کی روایت میں ''من غیر خوف ولامطر'' بھی ہے: باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر ۱۶۶۷۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے)

شافعی اور مالک کا قول ہے کہ یہ واقعہ بارش کی وجہ سے پیش آیا۔

بارش کی مقدار کی نسبت شرط ہے کہ سب سے اوپر کا لباس یا نعل کے نیچے کا حصہ بھیگے، بارش کی زیادتی کی قید نہیں ہے، ہلکی بارش بھی کافی ہے۔ اولے اور برف باری کی صورت میں بھی یہی حکم ہے۔ اگر پانی کے قطروں کے ساتھ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چلیں تو بھی بارش میں داخل ہیں یعنی جمع کرنا صحیح ہے۔

کیچڑ اور دلدل وغیرہ کی وجہ سے نمازِ جمعہ اور جماعت چھوڑنا جائز ہے، البتہ یہ عذر جمع کے لیے جائز نہیں ہیں۔

بارش کی حالت میں جمعِ تاخیر اس لیے جائز نہیں ہے کہ بارش کا جاری رہنا غیر اختیاری ہے۔ جمع تقدیم کی شرطیں بارش کی وجہ سے جمع میں بھی باقی رہتی ہیں اور ان میں اس کا بھی اضافہ ہے کہ دونمازوں میں سے پہلی نماز کے وقت اور دونمازوں کے درمیان میں بارش پائی جائے۔ پہلی نماز یا دوسری نماز کے دوران یا دوسری نماز کے شروع کرنے کے بعد بارش رک جانے سے کوئی حرج نہیں ہے۔

بارش کی وجہ سے جمع کے لیے جماعت سے نماز پڑھنا شرط ہے، تنہا نماز پڑھنے والا بارش کے عذر کی بنا پر دونمازوں کو جمع نہیں کرسکتا ہے۔ جماعت کی قید دوسری نماز کے لیے ہے، پہلی نماز کے لیے نہیں، اس لیے کہ پہلی نماز اپنے وقت پر پڑھنے سے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا ہے۔

جماعت کے لیے مسجد کی قید نہیں ہے۔ ہر ایک مقام جہاں جماعت سے نماز پڑھی جائے اس میں داخل ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ جماعت کی جگہ گھر سے اتنی دور ہو کہ آمدورفت میں زحمت ہو۔ اگر کوئی شخص گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہو یا جماعت کی جگہ قریب ہو تو پھر جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

بیماری کی وجہ سے جمع

روضہ (روضۃ الطالبین امام نووی کی کتاب) میں لکھا ہے کہ بیماری کی وجہ سے جمعِ تقدیم ہے۔
ابن عقری نے اس قول کی تائید کی ہے، اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ''وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ'' (الحج ۷۸) اللہ تعالیٰ نے دین میں تم پر کوئی سختی نہیں کی ہے۔
یہ اصول شریعتِ محمدی کے محاسن میں داخل ہے اور اس کی تقلید جائز ہے۔ اپنی ضروریات کا لحاظ کرنا مسنون ہے، اگر کسی شخص کو دوسری نماز کے وقت بخار رہتا ہے تو جمعِ تقدیم کرے اور اگر پہلی نماز کے وقت اس کو بخار رہتا ہو تو جمعِ تاخیر کرے۔

جمعہ کی نماز

(واجب ہونے کی شرطیں، صحیح ہونے کی شرطیں، خطبہ، نماز، سنن وآداب)

جُمُعہ جیم کے پیش اور میم کے پیش یا سکون کے ساتھ ہفتے کے سات دنوں میں سے ایک دن کا نام ہے۔ چونکہ جمعہ کے دن میں نیکیاں جمع کی گئی ہیں۔ اس لیے اس کو جمعہ کہا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس دن آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ روئے زمین پر آدم اور حوّا علیہما السلام کے نازل ہونے کے چالیس دنوں کے بعد سراندیپ پر یہ دونوں جمعہ کے دن ملے تھے۔ اس دن میں نیکیوں کی زیادتی کی وجہ سے اس کو ''یومِ مزید'' بھی کہتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں جمعہ کے روز کو ''یوم العروبۃ'' کہتے تھے۔
جمعہ کو جمعہ کا نام دینے والا پہلا شخص کعب بن لوی ہے جس نے مکہ میں لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت دی اور مشورہ دیا تھا کہ آپ کے آنے پر آپ کی پیروی کریں۔
جمعہ کی نماز معراج کی رات مکہ میں فرض کی گئی، مگر مکہ میں تعداد کی تکمیل نہیں ہوئی تھی

یا یہ کہ جمعہ کی نماز کا شعار اظہار ہے اور نبی ﷺ مکہ میں ہنوز اس شعار کا اظہار نہ کر سکے تھے۔ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ہجرت سے پہلے مدینہ میں ''نقیع الخضمات'' کے مقام پر جو مدینہ سے ایک میل ہے نمازِ جمعہ پڑھی تھی۔ نمازِ جمعہ امت محمدی کی خصوصیات میں سے ہے۔

جمعہ کی فضیلت

ہفتے کے سات دنوں میں سب سے افضل جمعہ ہے۔ جو شخص جمعہ کے دن فوت ہو اس کو شہادت کا اجر ملے گا اور قبر کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ فتنہ سے مراد منکر نکیر کے پریشان کن سوالات ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ فتنہ سے مراد بندہ کا وہ رُکتا ہوا جواب ہے جو منکر نکیر کو دیا جاتا ہے۔ جمعہ کی رات بھی ہفتے کے دوسرے دنوں کی راتوں سے افضل ہے۔ لیکن سال کے جملہ دنوں میں عرفہ کا روزہ افضل ہے اور جملہ راتوں میں نبی ﷺ کے میلاد کی رات افضل ہے۔ نبی ﷺ کے ظہور کی وجہ سے عام فوائد اور برکات بندگانِ خدا کو نصیب ہوئی ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عام طور پر جمعہ کا دن افضل ہے، یہاں تک کہ عرفہ کے روزے سے بھی اور جمعہ کی رات عام راتوں سے افضل ہے۔ یہاں تک کہ لیلۃ القدر سے بھی۔

خلاصہ یہ کہ شافعیہ میں جملہ ایام میں عرفہ کا دن افضل ہے اور اس کے بعد جمعہ کا دن، پھر عید الاضحیٰ کا دن، پھر عید الفطر کا دن۔ جملہ راتوں میں نبی ﷺ کی میلاد کی رات افضل ہے، اور اس کے بعد شبِ قدر، پھر شبِ جمعہ، پھر معراج کی رات، فضیلت کے یہ مدارج تو ہم امتیوں کے تعلق سے ہیں، لیکن نبی ﷺ کی نسبت سے معراج کی رات جملہ راتوں میں افضل ہے، اس لیے کہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ نے رب العزت کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ عام طور پر رات دن سے افضل ہے۔

جس طرح دن جمعہ کہلایا، اسی طرح نماز جمعہ کو بھی جمعہ کہا گیا، جس کے لیے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ نمازِ جمعہ جملہ نمازوں میں افضل ہے۔

جمعہ کی فرضیت

جمعہ فرض عین ہے، اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: ''يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِىَ لِلصَّلَاةِ مِن يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوْا الْبَيْعَ ''(الجمعۃ ۹) ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو جلدی کرو اللہ کے ذکر کی طرف اور چھوڑ دو خرید وفروخت۔

پکار سے مراد دوسری اذان ہے جو امام کے سامنے دی جاتی ہے۔ جلدی کرنے کا حکم دینے کے معنی یہ ہیں کہ جلدی کرنا واجب ہے اور جب جلدی کرنا واجب ہے تو جس غرض سے جلدی کی جائے وہ بھی واجب ہے۔ بیچنے سے منع کیا گیا جو مباح تھا، کسی امرِ مباح سے اس وقت تک منع نہیں کیا جاتا جب تک کہ کوئی واجب مقصود نہ ہو، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''رَوَاحُ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ ''(نسائی: باب التشدید فی التخلف عن الجمعۃ ۱۳۷۱۔ یہ حدیث ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے) جمعہ کے لیے جانا ہر بالغ پر واجب ہے۔ جب جمعہ کی طرف جانا واجب ہے تو جمعہ خود بطریقِ اولی واجب ہے۔

جمعہ کی رکعتیں

جمعہ کی نماز کی دو رکعتیں فرض ہیں۔ یہ دو رکعتیں ظہر کی قصر کی رکعتیں نہیں ہیں، بلکہ خود ایک مستقل نماز ہے، امام احمد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: ''اَلْجُمُعَةُ رَكْعَتَانِ تَامٌّ غَيْرُ قَصْرٍ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ''(نسائی ۳/۱۱۱) جمعہ کی دو رکعتیں ہیں بطور تمام بغیر قصر کے تمھارے نبی کی زبان سے اور تحقیق کہ رسوا ہوا جس نے جھوٹ کہا۔

جمعہ فرض ہونے کی شرطیں

جمعہ فرض ہونے کی شرطیں سات ہیں:

مسلمان ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، آزاد ہو، مرد ہو، صحت مند ہو اور مقیم ہو۔

اسلام کی شرط کی وجہ سے کافر پر جمعہ فرض نہیں ہے، بلوغ کی شرط لگانے سے ممیّز لڑکے پر جمعہ فرض نہیں ہے، البتہ اگر وہ جمعہ پڑھ لے تو جمعہ صحیح ہوجاتا ہے۔ عقل کی قید لگانے سے مجنون اور بیہوش پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

سوئے ہوئے شخص کی تفصیل یہ ہے کہ اگر وقت سے پہلے سویا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر وقت ہونے کے بعد سویا ہے اور اس کو غالب گمان تھا کہ وہ وقت نکلنے سے پہلے بیدار ہوجائے گا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔

آزادی کی شرط کی وجہ سے غلام پر جمعہ واجب نہیں۔ مرد کی شرط لگانے سے عورت پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

صحت کی شرط سے مراد یہ ہے کہ جماعت ترک کرنے کی اجازت دینے والے اعذار موجود ہوں، مرض بھی ایک اہم عذر ہے۔ گرمی، سردی، کیچڑ، بھوک، پیاس وغیرہ اعذار میں شامل ہیں۔ اسی طرح امام طویل نماز پڑھائے تو اس شخص کے لیے عذر ہے جو صبر نہ کرسکتا ہو۔ میت کی تجہیز وتکفین میں مصروفیت، موزوں سواری کا فقدان جب کہ سواری کی ضرورت ہو۔

اقامت کی حالت میں جمعہ واجب ہے، سفر کی حالت میں جمعہ واجب نہیں ہے، اتنی مسافت کا سفر جہاں جمعہ کی اذان کی آواز نہ پہنچتی ہو شرعی سفر کہلاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''لَا جُمُعَةَ عَلٰی مُسَافِرٍ'' (السنن الکبری للبیھقی: باب من لا تلزمہ الجمعۃ ۵۸۴۷۔ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے) مسافر پر جمعہ نہیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے: ''یَحْرُمُ عَلٰی مَنْ تَلْزَمُهُ الْجُمُعَةُ السَّفَرُ بَعْدَ فَجْرِ یَوْمِهَا إِلَّا إِذَا أَمْکَنَهُ فِعْلُهَا فِیْ مَقْصَدِهِ أَوْ طَرِیْقِهِ أَوْ یَتَضَرَّرُ بِتَخَلُّفِهِ عَنِ الرُّفْقَةِ'' (یہ الفاظ حدیث میں نہیں ملے، البتہ شراح حدیث نے اس طرح کی تشریح کی ہے) جس شخص پر جمعہ واجب ہے اس پر جمعہ کی صبح کے بعد سفر حرام ہے، سوائے اس کے کہ راستے میں نمازِ جمعہ مل سکتی ہو یا یہ کہ ساتھیوں سے پیچھے رہ جانے میں نقصان ہونے کا اندیشہ ہو۔

خطیب اور بیجوری نے آیت ''نُوْدِیَ لِلصَّلَاةِ'' سے استدلال کرتے ہوئے لکھا

ہے کہ سارے کاروبارِ تجارت اور پیشہ کا زوال کے بعد سے اذان تک انجام دینا مکروہ ہے اور اذان کے بعد حرام ہے۔ یہاں اذان سے مراد وہ اذان ہے جو خطبہ سے پہلے خطیب کے روبرو کہی جاتی ہے۔

حدیث میں یہ بھی آیا ہے: ''إِنَّ الْمُسَافِرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ يَدْعُوْ عَلَيْهِ مَلَكَانِ يَقُوْلَانِ لَا نَجَّاهُ اللّٰهُ مِنْ سَفَرِهِ'' ۔() جو شخص جمعہ کو سفر کرتا ہے اس کے لیے دو فرشتے بددعا دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اُس کے سفر میں کامیابی نہ ہو۔

جس شخص کو جمعہ لازم نہ ہو اور ظہر صحیح ہو سکتی ہو تو اس کی جمعہ صحیح ہو سکتی ہے اور ظہر سے سبکدوش کرتی ہے جیسا کہ لڑکا، غلام، عورت، مریض اور مسافر۔

ان سات شرطوں کی موجودگی میں جمعہ کی نماز فرض ہوتی ہے۔ کسی ایک شرط کی عدم موجودگی میں جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے۔ پہلے تین شرائط جمعہ کے لیے مخصوص نہیں ہیں بلکہ جملہ نمازوں کے لیے عام ہیں۔

جمعہ کے احکام

جمعہ کے لحاظ سے لوگوں کی چھ قسمیں ہیں:

پہلا وہ شخص جس پر جمعہ فرض ہے اور جس سے جمعہ کی نماز منعقد ہوتی ہے اور جس میں جمعہ فرض ہونے کی جملہ شرطیں پائی جاتی ہیں۔

دوسرا وہ شخص جس پر جمعہ واجب ہے مگر جس سے جمعہ منعقد نہیں ہوتی ہے، البتہ اس کی جمعہ کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو مقیم ہے مگر متوطّن نہیں ہے۔ (جس جگہ ہے وہ اس کا وطن نہیں ہے)

تیسرا وہ شخص جس پر جمعہ واجب ہے مگر جس سے جمعہ کی نماز منعقد نہیں ہوتی اور نہ صحیح ہوتی ہے۔ وہ مرتد ہے۔

چوتھا وہ شخص ہے جس پر جمعہ واجب نہیں اور جس سے جمعہ کی نماز منعقد نہیں ہوتی ہے اور نہ صحیح ہوتی ہے، اس کی مثال کافرِ اصلی، کم سن ممیّز لڑکا، مجنون اور بیہوش ہے۔

پانچواں وہ شخص ہے جس پر جمعہ واجب نہیں ہے اور نہ اس سے جمعہ منعقد ہوتی ہے، البتہ صحیح ہوتی ہے جیسا کہ ممیّز لڑکا، غلام، عورت اور مسافر۔

چھٹا وہ شخص جس پر جمعہ واجب نہیں ہے مگر منعقد ہوتی ہے اور صحیح ہے جیسا کہ مریض اور دیگر اشخاص جن کو ترکِ جماعت کے عذر حاصل ہیں۔

جمعہ صحیح ہونے کی شرطیں

جمعہ صحیح ہونے کے لیے آٹھ شرطیں ہیں:

۱۔ دار الاقامہ ہو۔

۲۔ اہلِ جمعہ کی تعداد چالیس ہو۔

۳۔ ظہر کا وقت ہو۔

۴۔ پہلا خطبہ۔

۵۔ دوسرا خطبہ۔

۶۔ جماعت کے ساتھ دو رکعت نماز۔

۷۔ دوامِ تعداد (یعنی نماز مکمل ہونے تک چالیس افراد موجود ہوں)

۸۔ عدمِ مسابقت (یعنی شہر میں کسی دوسری جماعت کی تکبیر تحریمہ اس سے پہلے یا اس کے ساتھ نہ ہوئی ہو)

شیخ ابوشجاع نے اپنے متن میں دار الاقامہ، اہلِ جمعہ کی چالیس کی تعداد اور وقت ظہر کے تین امور کو شرائطِ جمعہ کے تحت اور خطبوں اور دو رکعت جمعہ کی نماز کو جمعہ کے فرائض کے تحت بیان کیا ہے۔ مگر خطیب شربینی اور بجیری نے یہ استدلال کرتے ہوئے کہ شرائط اور فرائض میں کوئی فرق نہیں ہے اور دونوں کے بغیر فرض ادا نہیں ہوسکتا، ان دونوں کو ایک جگہ جمع کیا ہے اور ان پر مزید شرائط؛ چالیس کی تعداد میں دوام اور عدمِ مسابقت کا اضافہ کر کے آٹھ شرطیں درج کی ہیں۔

ا۔ دار الاقامہ ہو

دارالاقامہ سے مراد ایسا شہر یا گاؤں ہے جس میں نماز جمعہ کے اہل اشخاص متوطن ہوں۔ عارضی قیام گاہیں اور خیمہ جات اس سے خارج ہیں۔ مدینہ کے اطراف بہت سے قبیلے خیموں میں قیام کرتے تھے اور جمعہ کی نماز نہیں پڑھتے تھے، مگر چونکہ فصل اتنا تھا کہ وہ لوگ جمعہ کی اذان سن نہیں سکتے تھے، اس لیے نبی ﷺ نے ان کو جمعہ کے لیے حکم نہیں دیا۔

آبادی کی قسمیں

آبادی کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں:

مدینہ، مصر یا شہر ایسی آبادی کو کہتے ہیں جہاں حاکم شرعی اور حاکمِ شرطی (کوتوالی) موجود ہو اور خرید و فروخت کے لیے بازار ہو۔ امام ابو حنیفہ نے جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے مصر کی قید لگائی ہے۔

جامع صغیر میں بخاری سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''لَا تَسْكُنِ الْكُفُوْرَ، فَإِنَّ سَاكِنَ الْكُفُوْرِ كَسَاكِنِ الْقُبُوْرِ''۔ (الأدب المفرد: باب ساكن القرى ۹۷۹۔ یہ روایت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ہے)

کفور سے ایسا گاؤں مراد ہے جو شہر اور علماء سے دور ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے گاؤں میں رہنے والوں کو قبروں میں رہنے والوں سے تشبیہ دی ہے۔

بلدیہ یا قصبہ ایسی آبادی کو کہتے ہیں جس میں ان تینوں چیزوں میں سے بعض موجود ہوں اور بعض موجود نہ ہوں۔

قریہ اور گاؤں ایسی آبادی کو کہتے ہیں جہاں یہ تینوں چیزیں موجود نہ ہوں۔

دارالمقامہ سے وہ مقام خارج ہے جہاں سے سفر شمار ہوتا ہے اور نماز قصر کی جاتی ہے۔

نمازِ جمعہ آبادی کے اندر کھلے مقام پر بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ اگر آبادی کے اندر خالی مقامات پر کچھ لوگ خیموں میں سکونت رکھتے ہوں اور متوطن ہوں تو ان پر جمعہ واجب ہے

اوران کو جمعہ کی تعداد میں شمار کیا جاتا ہے۔ضابطہ یہ ہے کہ جس مقام پر نماز قصر نہیں کی جاتی وہاں جمعہ صحیح ہوگی اور جس مقام پر نماز قصر کی جاتی ہے وہاں جمعہ صحیح نہیں۔

متوطن سے مراد ایسے اشخاص ہیں جو مستقل سکونت رکھتے ہیں، تجارت وغیرہ کی ضرورت کے بغیر نقل مقام نہیں کرتے۔اگر کسی آبادی کے مکانات منہدم ہو چکے ہوں اور ان کی تعمیر کا ارادہ ہوتو وہ مقام دارالاقامہ کی تعریف میں داخل ہے، مگر کوئی ایسا جدید مقام جس کے بسانے کا ارادہ ہواس تعریف میں داخل نہیں ہوتا، جب تک کہ اس میں عمارتوں کی بنیاد نہ پڑے۔اگر آبادی سے باہر مسجد بنائی جائے تو آبادی سے الگ ہونے کی وجہ سے اس میں نماز جمعہ نہیں پڑھی جاسکتی۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے زمانہ میں جمعہ کے دن عرفہ پہنچے تو آپ نے جمعہ نہیں پڑھی اور بروایت مسلم ظہر اور عصر کو جمعِ تقدیم کے ساتھ پڑھا تھا۔(مسند أبی یعلی ۲۱۸۸۔معرفۃ السنن والآثار للبیھقی ۱۷۱۶۔یہ روایت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے) حالانکہ عرفہ کے بعد مکہ میں چند دنوں آپ کا قیام کا ارادہ بھی تھا۔اس واقعہ سے شافعیہ کا استدلال یہ ہے کہ آپ سفر کی حالت میں تھے اور عرفہ میں مستقل آبادی اور عمارتیں نہ تھیں، اس لیے آپ نے جمعہ نہیں پڑھی اور ظہر وعصر میں تقدیم کی۔اور حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ مکہ میں قیام کا ارادہ تھا اور آپ مقیم تھے اور صرف مناسک حج کے لیے تقدیم کی تھی۔

۲۔اہلِ جمعہ کی تعداد چالیس ہو

جمعہ میں کم سے کم چالیس اشخاص شریک ہوں جو جمعہ کے اہل یعنی مکلّف، مرد، آزاد اور ایسے مقیم ہوں جو اپنے وطن اور اقامت گاہ سے گرما اور سرما میں تجارت وغیرہ کی عارضی ضرورت کے بغیر باہر نہ جائیں۔چالیس کی تعداد میں امام بھی شریک ہے۔

ان چالیس میں اگر کوئی امّی ہوتو بھی نماز جمعہ صحیح ہوتی ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ سیکھنے میں اس نے لاپرواہی اور غفلت نہ کی ہو۔قلیوبی کا یہ قول ضعیف ہے کہ ان چالیس میں سے ہر ایک امامت کا اہل ہو۔ممیّز لڑکے، مسافر اور غلام کے پیچھے نماز جمعہ صحیح ہوتی ہے، البتہ شرط

یہ ہے کہ یہ لوگ چالیس کی تعداد کے علاوہ ہوں۔

چالیس کی تعداد کی وجوہات یہ ہیں کہ جہاں چالیس مسلمان جمع ہوں گے ان میں کوئی نہ کوئی خدا رسیدہ ہوگا۔ چالیس کی تعداد اکملِ تعداد ہے۔ انسان چالیس سال کی عمر تک پڑھتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیے گئے۔

تعداد کے سلسلہ میں اختلاف

جمعہ کی جماعت کے افراد کی تعداد کے بارے میں علماء میں بڑا اختلاف ہے، اس سلسلہ میں پندرہ اقوال نقل کیے گئے ہیں:

۱۔ ابن حزمؒ کا قول ہے کہ ایک شخص سے بھی جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے اور اس قول کے لحاظ سے جماعت کی شرط ہی باقی نہیں رہتی۔

۲۔ نخعیؒ کا قول ہے کہ دو آدمیوں سے جمعہ کی جماعت ہوسکتی ہے۔

۳۔ ابو یوسف، محمدؒ اور لیثؒ کا قول ہے کہ بشمول امام تین آدمی کافی ہیں۔

۴۔ ابوحنیفہؒ، سفیانؒ اور ثوریؒ کا قول ہے کہ بشمولِ امام چار آدمی کافی ہیں۔

۵۔ عکرمہؒ کا قول ہے کہ سات کی تعداد کافی ہے۔

۶۔ ربیعہؒ کا قول نو کی تعداد کی نسبت ہے۔

۷۔ امام مالکؒ کا قول بارہ کی نسبت ہے اور یہی ان کا مذہب ہے۔

۸۔ اسحاقؒ کا قول ہے کہ امام کے سوائے بارہ اشخاص ہوں۔

۹۔ ابن حبیبؒ نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ بیس کی تعداد کی ضرورت ہے۔

۱۰۔ ایک قول تیس کی تعداد کا بھی ہے۔

۱۱۔ امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ بشمول امام چالیس کی تعداد کافی ہے اور یہ قول دوسرے قول کی بہ نسبت صحیح تر ہے۔

۱۲۔ امام شافعیؒ کا دوسرا قول ہے کہ امام کے علاوہ چالیس کی تعداد ہو اور اس کی تائید عمر بن عبدالعزیز اور ایک جماعت نے کی ہے۔

۱۳۔امام احمدؒ کی ایک روایت کی رو سے پچاس کی ضرورت ہے۔
۱۴۔ماذریؒ نے اسّی کی ضرورت ظاہر کی ہے۔
۱۵۔فتح الباری میں بغیر کسی تحدید کے ایک کثیر جماعت کی ضرورت بتائی گئی ہے۔

۳۔ظہر کا وقت ہو

ظہر کی نماز کے وقت کے اندر جمعہ کی نماز پڑھی جائے گی، اس لیے کہ جمعہ اور ظہر کا وقت یکساں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ'' (بخاری: باب الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة والإقامة ۶۳۱ ۔ یہ روایت ابوسلیمان مالک بن حویرث سے ہے۔ باب رحمة الناس والبهائم ۶۰۰۸) نماز پڑھو تم جیسا کہ تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

وقت تنگ ہو یا شرایط پوری نہ ہوں تو ظہر کی نماز پڑھی جائے گی۔ نماز ظہر کا وقت باقی رہنے کے بارے میں یقین یا گمان ہو۔ ظہر کا وقت نکل جانے کے بعد جمعہ کی قضا نہ اُس روز ہوگی اور نہ دوسری جمعہ کو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ فوت ہو جائے تو بطورِ جمعہ قضا نہ ہوگی بلکہ ظہر قضا پڑھی جائے گی۔ ظہر کے وقت کے اندر پورا جمعہ ادا ہونا ضروری ہے۔

۴، ۵۔ پہلا اور دوسرا خطبہ

خطیب کو چاہیے کہ دونوں خطبوں میں قیام کرے اور ان کے درمیان بقدرِ طمانینت بیٹھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز دو خطبے کہتے اور ان دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے (موطا مالک: عن جعفر بن محمد عن أبيه'' أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب خطبتين يوم الجمعة وجلس بينهما''۔ باب القراءة فی صلاة الجمعة ۲۴۷) اور یہ دونوں خطبے اسلام کے آغاز میں نماز کے بعد کہے جاتے تھے، حضرت دحیہ کلبی جو تجارت کے لیے ملک شام گئے ہوئے تھے، واپس ہوئے۔ قافلہ والے دف اور تالی بجاتے اور خوشی میں شور وغل کرتے اپنے قبیلہ کو آ رہے تھے۔ یہ وقت ایسا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز کے بعد خطبہ دے رہے تھے۔ اکثر حاضرین شور وغل سن کر تماشہ دیکھنے

کے لیے بھاگ نکلے۔ نبی علیہ وسلم صلی اللہ کے خطبہ میں صرف بارہ یا آٹھ یا چالیس اشخاص باقی رہ گئے۔آپ نے فرمایا: ''وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ، لَوْ تَتَابَعْتُمْ حَتّٰی لَایَبْقٰی مِنْکُمْ أَحَدٌ، لَسَالَ لَکُمُ الْوَادِیْ نَارًا''۔(صحیح ابن حبان: باب ذکر وصف الآیۃ التی نزلت عندما ذکرنا قبل ۶۸۷۷۔ یہ روایت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے) قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر سب کے سب چلے جاتے اور تم میں سے کوئی باقی نہ رہتا تو تم پر وادی آگ بن کر بہتی۔

اسی اثناء میں یہ آیت نازل ہوئی: ''وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَۃً أَوْ لَھْوًا انْفَضُّوْا إِلَیْھَا وَتَرَکُوْکَ قَائِمًا''۔(الجمعۃ:۱۱) اور جب تجارت یا کھیل دیکھتے تو اس کی طرف دوڑ جاتے اور تم کو کھڑا چھوڑ دیتے۔

اس واقعہ کے بعد سے خطبہ کو نماز کے پہلے کر دیا گیا اور اس سے پہلے نماز کے بعد خطبہ کہا جاتا تھا۔

مشروع خطبات

مشروع خطبات دس ہیں:

۱۔خطبۂ جمعہ

۲۔خطبۂ عیدالفطر

۳۔خطبۂ عیدالاضحیٰ

۴۔خطبۂ کسوف

۵۔خطبۂ خسوف

۶۔خطبۂ استسقاء

۷۔ساتویں ذی الحجہ یوم الزینۃ کا خطبہ مکہ میں

۸۔نویں ذی الحجہ عرفہ کا خطبہ نمرہ میں

۹۔دسویں ذی الحجہ یوم النحر کا خطبہ منی میں

۱۰۔بارھویں ذی الحجہ یوم النفر کا خطبہ منی میں

آخری چار خطبوں کا تعلق مناسکِ حج سے ہے۔
جمعہ اور عرفہ کے خطبے تو نماز سے پہلے اور استسقاء کا خطبہ نماز سے پہلے یا نماز کے بعد اور بقیہ خطبے نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ ہر ایک موقع پر دو خطبے پڑھے جاتے ہیں۔ سوائے حج کے بقیہ تین خطبوں کے، ان میں ایک خطبہ پڑھا جاتا ہے۔

خطبات کے ارکان

خطبات کے ارکان پانچ ہیں اور یہ ارکان ہر خطبہ کے لیے لازمی ہیں:
۱۔حمدِ خدا یعنی الحمدللہ جس کے معنی ہیں؛ تمام تعریف ثابت ہے اللہ تعالی کے لیے۔ کسی آیت کے ضمن میں بھی خدا کی تعریف بیان کی جاسکتی ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے:
''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرَ'' (الأنعام:۱)
حمد کا لفظ صرف مادہ کی حد تک متعین ہے، اس کے مشتقات بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں، لیکن لفظ اللہ معین ہے، اس لیے کہ وہ ایسا نام ہے جس کے ذکر میں سارے صفاتِ کمال سمجھ میں آتے ہیں۔ مثلاً: حَمِدْتُ اللّٰهَ. أَنَا حَامِدٌ لِلّٰهِ۔
۲۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا جیسے الصلاۃ علی نبینا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے آل واصحاب پر بھی درود بھیجنا مسنون ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ پر درود بھیجتے تھے۔ صلاۃ کا لفظ بھی بلحاظ مادہ کے متعین ہے، اس کے مشتقات بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ جیسا کہ أَنَا مُصَلٍّ یا أُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ۔
۳۔تقوی کی وصیت؛ پرہیزگاری کی نصیحت کرنا، اللہ تعالی کی اطاعت کی ترغیب دینا اور گناہ سے روکنا۔ تقوی کے معنی یہ ہیں کہ اوامر پر عمل کرے اور مناہی سے اجتناب کرے۔
نصیحت میں الفاظ کی قید نہیں ہے۔ حمد، درود اور وصیت ان تینوں ارکان کی ترتیب مسنون ہے اور یہ تینوں ارکان دونوں خطبوں میں مشروط ہیں۔
امام مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں پابندی کے ساتھ تقوی کا شوق

دلاتے تھے۔(مصنف ابن أبي شيبة: كلام ابن مسعود۱۳/ ٦٩٦۔شعب الإيمان: الخوف من الله تعالى ۷۲۸۔ یہ روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے)

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی ﷺ جمعہ کے روز خطبہ دیتے تو آپ کی دونوں آنکھیں سرخ ہوجاتیں، آواز بلند اور غضب ناک ہوتی، گویا کہ آپ فوج کو خطاب کررہے ہیں۔ایک مرتبہ آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر بتایا اور فرمایا:"بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ"(بخاری: باب اللعان ۵۳۰۱،اس کے راوی سہل بن سعد ساعدی ہیں۔مسلم: باب تخفيف الصلاة والخطبة ۲۰۴۲۔یہ رویت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے) میں اور قیامت دونوں ایسے ساتھ ساتھ بھیجے گئے ہیں جیسا کہ یہ دو (انگلیاں)۔

۴۔آیت کی تلاوت؛ کم سے کم ایک مفہمہ آیت کسی ایک خطبہ میں پڑھے اور پہلے خطبہ میں اس کا پڑھنا افضل ہے۔مفہمہ ایسی آیت کو کہتے ہیں جس کے مفہوم میں وعدہ، وعید اور وعظ شامل ہو۔

مسلم کی روایت ہے کہ نبی ﷺ جمعہ میں منبر پر سورہ ق پڑھتے تھے۔(مسلم: باب تخفيف الصلاة والخطبة ۲۰۵۲۔یہ روایت ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہا سے ہے) اس لیے سورہ ق کا کچھ حصہ پڑھنے سے سنت کی تکمیل ہوتی ہے، پہلے یا دوسرے خطبہ میں آیت پڑھی جاسکتی ہے۔لیکن خطبہ اولی میں اس کا پڑھنا اس لیے اولیٰ ہے کہ دوسرے خطبہ میں مومنین اور مومنات کے لیے دعا کی جائے تو دونوں خطبے مساوی ہوجاتے ہیں اور ہر ایک خطبہ میں چار ارکان شامل ہوجاتے ہیں۔

۵۔مومنین اور مومنات کے لیے دوسرے خطبہ میں دعا کرنا جیسا کہ "رحمکم اللہ" اللہ تم پر رحم فرمائے۔اکمل دعا یہ ہے کہ اس میں تعمیم ہو اور اخروی ہو نہ کہ دنیاوی۔امام شافعی کا قول ہے کہ خطبہ میں کسی شخص کی تخصیص کر کے دعا کرنا مکروہ ہے۔لیکن "المجموع" میں لکھا ہے کہ اس میں مضائقہ نہیں۔لیکن تعریف میں مبالغہ کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔

ائمہ مسلمین اور ارباب صلاح وفلاح اور اعانت حق اور قیام عدل کے لیے دعا کرنا

مسنون ہے۔خطیب شربینی کا قول ہے کہ سلطان کے لیے تخصیص کے ساتھ دعا کرنے میں مضائقہ نہیں۔

امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لَا تَشْغَلُوْا قُلُوْبَكُمْ بِسَبِّ الْمُلُوْكِ وَلٰكِنْ تَقَرَّبُوْا إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِالدُّعَاءِ لَهُمْ يُعَطِّفُ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ عَلَيْكُمْ''۔(یہ روایت بخاری میں نہیں ہے اور ان لفاظ کے ساتھ کوئی بھی روایت نہیں ملی، البتہ مصنف ابن أبی شیبہ میں مالک بن مغول سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: ''كان في زبور داود مكتوبا: إني أنا الله، لا تشغلوا أنفسكم بسب الملوك، ولا تتوبوا إليهم، توبوا إليّ أعطِّف قلوب الملوك عليكم ''۳۵۴۰۱۔ماذکرعن داود علیہ السلام) اپنے دلوں کو بادشاہوں (اورارباب اقتدار) کو برا کہنے میں مشغول نہ کرو بلکہ ان کے لیے دعائے خیر کر کے اللہ تعالی سے قربت حاصل کرو، اللہ تعالی ان کے قلوب کو تمھاری طرف مہربان کرے گا۔

ان پانچوں ارکان کی ترتیب سنت ہے۔

خطبہ کی شرطیں

خطبہ کی شرطیں بارہ ہیں:

۱۔خطیب اتنی بلند آواز سے خطبہ پڑھے کہ خطبہ کے ارکان اُن چالیس اشخاص کو سنائی دیں جو جمعہ کے اہل ہیں۔

۲۔حاضرین خطبہ کو سنیں، اگرچہ کہ سمجھ میں نہ آئے۔حاضرین کے لیے بات کرنا مکروہ ہے۔ائمہ ثلاثہ کے پاس بات کرنا حرام ہے۔

۳۔موالات؛ خطبہ کے کلمات میں باہم اور دونوں خطبوں کے درمیان موالات یعنی پے درپے شرط ہے، خطبوں اور نماز کے درمیان بھی موالات شرط ہے۔

۴۔سترِ عورت کی شرط خطیب کے لیے ہے، سامعین کے لیے نہیں۔

۵۔طہارت؛ خطیب کے لیے خطبہ میں حدث اور نجاست سے، بدن، لباس اور جگہ کی طہارت شرط ہے۔اگر خطبہ کے دوران حدث واقع ہو تو طہارت کے بعد امام کو خطبہ شروع

سے پڑھنا ہوگا، اس لیے کہ خطبہ واحد عبادت ہے جس کی تجزّی نماز کی طرح نہیں ہوسکتی۔

۶۔ خطبہ عربی زبان میں ہو، البتہ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ جماعت میں کوئی شخص عربی سے واقف ہو، ورنہ کسی دوسری زبان میں بھی ہوسکتا ہے، لیکن آیتِ قرآنی کی حد تک عربی کی شرط قائم رہے گی۔ بجیرمی نے صراحت کی ہے کہ سلفِ صالحین کی اتباع کے لیے کم سے کم خطبہ کے ارکان کا عربی میں ہونا شرط ہے۔ عربی کا سیکھنا بطورِ فرض کفایہ سب پر واجب ہے، اس لیے کسی ایک شخص کا عربی سے واقف ہونا بھی واجب ہے، اگر کوئی شخص عربی سے واقف نہ ہو تو سب پر اس کا گناہ ہوگا۔

۷۔ خطیب مرد ہو: خطیب کا مرد ہونا شرط ہے، عورت خطبہ نہیں دے سکتی ہے۔

۸۔ قیام: خطبہ کھڑے ہو کر دینا شرط ہے، مجبوری کی صورت میں بیٹھ کر یا کروٹ لیٹ کر خطبہ دیا جاسکتا ہے۔

۹۔ دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا: اگر بھول کر بھی دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا بھول جائے تو خطبہ صحیح نہیں ہوگا۔ بیٹھ کر خطبہ دینے کی صورت میں خطبوں کے درمیان صرف خاموش رہنا کافی ہے۔

۱۰۔ دونوں خطبے نماز سے پہلے پڑھے جائیں۔

۱۱۔ وقت: دونوں خطبے ظہر کی نماز کے وقت کے اندر ہوں، نماز بھی ظہر کے وقت کے اندر ادا کی جائے۔

۱۲۔ مقام: خطبۂ جمعہ ایسے مقام پر دیا جائے جہاں آبادی ہو۔

خطبہ کی سنتیں

خطبہ بلند مقام سے یا منبر سے دیا جائے، خطیب ان لوگوں کو سلام کرے جو منبر کے قریب ہوں اور منبر پر چڑھنے کے بعد حاضرین کی طرف متوجہ ہو اور سلام کر کے بیٹھ جائے۔ ایک شخص اذان دے۔ خطبہ فصیح یا ایسے الفاظ میں دیا جائے جو آسانی سے سمجھ میں آسکے۔ رکیک اور گرے ہوئے اور پیچیدہ اور نادر الفاظ استعمال نہ کیے جائیں۔ خطبہ کی مقدار متوسط

ہو۔نہ اتنا طویل ہو کہ جی اُکتا جائے اور نہ اتنا مختصر ہو کہ مقصد ہی فوت ہو جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أَطِيلُوا الصَّلَاةَ وَأَقْصِرُوا الْخُطْبَةَ'' نماز طویل کرو اور خطبہ مختصر کرو۔(صحیح ابن حبان: باب استحباب الخطبة ۱۷۸۲، مستدرک حاکم: ذکر مناقب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ۵۶۸۳۔حاکم نے کہا ہے: صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ بھذہ السیاقۃ۔یہ روایت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے ہے)

اس سے مراد یہ ہے کہ نماز کی بہ نسبت خطبہ میں کمی کرو، اس طور پر کہ خطبہ متوسط ہو۔

خطبہ میں شروع سے اخیر تک حاضرین کی طرف رخ کر کے دے، ادھر اُدھر منہ نہ موڑے۔حاضرین کو چاہیے کہ متوجہ رہیں اور سنتے رہیں۔خطیب کا بایاں ہاتھ تلوار وغیرہ پر اور سیدھا ہاتھ منبر کے کنارے پر رہے۔دو خطبوں کے درمیان بقدر سورہ اخلاص بیٹھے اور سورہ اخلاص پڑھے۔خطبہ ختم ہونے کے ساتھ ہی موذن کھڑا ہو جائے اور خطیب محراب کی طرف نماز پڑھانے کے لیے چلا جائے۔

قرأت

پہلی رکعت میں امام سورہ فاتحہ کے بعد سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ منافقین یا پہلی رکعت میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى'' اور دوسری میں ''هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ'' جہر سے پڑھے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہی دو دو سورے پڑھتے تھے۔

(عن النعمان بن بشير قال: ''كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في العيدين والجمعة ''سبح اسم ربك الأعلى'' و ''هل أتاك حديث الغاشية''۔مسلم: باب ما يقرأ في صلاة الجمعة ۲۰۶۵۔مسلم ہی کی دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ''أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقرأ في صلاة الجمعة سورة الجمعة والمنافقين''۔باب ما يقرأ في يوم الجمعة ۲۰۶۸)

جس شخص کو امام کی قراءت سنائی نہ دے ان میں سے بعض سورے یا آیۃ الکرسی پڑھے۔خطیب کسی عذر کی وجہ سے کھڑے رہ نہ سکتا ہو تو بیٹھ کر یا کروٹ لیٹ کر خطبہ دے سکتا ہے اور اس کی اقتدا جائز ہے۔بیٹھ کر خطبہ دینے کی صورت میں دو خطبوں کے درمیان سکتہ یعنی خاموش رہنا کافی ہے۔

۶۔ جماعت کے ساتھ دو رکعت نماز

دو رکعت نماز ایسی جماعت کے ساتھ جو جمعہ کی اہل ہو۔ جماعت کی شرط پہلی رکعت کے لیے ہے، لیکن تعدادِ اشخاص اہلِ جمعہ کی شرط شروع سے اخیر تک باقی رہے گی۔ جمعہ کی نماز خطبوں کے بعد ہوگی۔ جمعہ اور غیر جمعہ کی جماعت کے شرائط یکساں ہیں۔ جمعہ کی سنن راتبہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ جو شخص دوسرے رکوع کی طمانینت کے بعد جمعہ میں شریک ہو، اس کو چاہیے کہ جمعہ کی نیت کرے، لیکن ظہر کی نماز کی تکمیل کرے، اس لیے کہ جمعہ ایک رکعت کے بغیر نہیں مل سکتا۔

۷۔ دوامِ تعداد (یعنی نماز مکمل ہونے تک چالیس افراد موجود ہوں)

جمعہ کے اہل چالیس اشخاص کی تعداد خطبہ کے آغاز سے نماز کے ختم ہونے تک رہے۔ اگر خطبہ کے وقت یا نماز کے وقت اس تعداد میں کمی ہو تو ایک رکن فوت ہو جائے گا اور جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔

۸۔ عدمِ مسابقت

کسی دوسری جماعت کی جمعہ کی تکبیر تحریمہ اُسی شہر میں اُس سے پہلے یا اس کے ساتھ نہ ہوئی ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے ایک جمعہ کے علاوہ دوسرے کسی جمعہ کو قائم ہونے نہیں دیا۔

اس کے علاوہ ایک جمعہ پر اکتفا کرنے میں اجتماع اور اتفاق کے شعار کا بخوبی اظہار ہوتا ہے، البتہ آبادی کی مقدار اتنی ہو کہ ایک مقام پر ان کا جمع ہونا دشوار ہو تو یہ صورت جداگانہ اور مستثنیٰ ہے۔ آبادی میں کوئی ایسی وسیع جگہ نہ ہو جہاں سب کو جمع کیا جائے تو اظہر قولین یہ ہے کہ تعددِ جمعہ جائز ہے اور معتمد قول یہی ہے۔ امام شافعی جب بغداد آئے تو جمعہ کی نمازیں دو تین مقامات پر ہوتی تھیں اور آپ نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔

ہیئات

جمعہ کی سنتیں آٹھ ہیں:

۱۔غسل کرنا ۲۔سفید لباس پہننا

۳۔ناخن تراشنا ۴۔خوشبو لگانا

۵۔سورہ کہف پڑھنا ۶۔دعا کرنا

۷۔درود پڑھنا ۸۔تکبیر کہنا

ہیئات سے مراد وہ سنتیں ہیں جو جمعہ میں مطلوب ہیں اور جمعہ کی نماز سے خارج ہیں۔ابوشجاع نے صرف چار ہیئات؛ غسل، لباس، ناخن اور خوشبو کا ذکر کیا ہے۔خطیب اور دیگر شروح سے بقیہ ہیئات کا اضافہ کیا گیا۔

۱۔غسل

ہر شخص؛ مرد، عورت، مقیم اور مسافر کے لیے جو جمعہ میں شرکت کا ارادہ رکھتا ہو غسل مسنون ہے۔حدیث میں آیا ہے: ''إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ'' (بخاری ۳۸۷، مسلم ۸۴۴) جب تم جمعہ کے لیے آؤ تو غسل کرو۔

دوسری حدیث میں ہے: ''غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ'' (موطا امام مالک: باب العمل فی غسل یوم الجمعۃ ۲۳۰۔ بخاری: باب وضوء الصبیان ۸۵۸۔ مسلم: باب وجوب غسل الجمعۃ علی کل محتلم ۱۹۹۴۔ یہ روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے) جمعہ کا غسل ہر بالغ پر موکد ہے۔

یہاں وجوب سے مراد تاکید ہے۔بعض حنفیہ کا قول ہے کہ جمعہ کا غسل ابتدائے اسلام میں واجب تھا اور پھر اس حکم کی تنسیخ کی گئی۔

حدیث میں آیا ہے: ''مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ''۔(ترمذی: باب الوضوء یوم الجمعۃ ۴۹۷۔ یہ روایت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے ہے۔ترمذی نے اس کو حدیث حسن کہا ہے اور کہا ہے کہ اس باب میں ابوہریرہ، عائشہ اور انس رضی اللہ عنہم سے

روایتیں ہیں۔ابوداود:۳۵۴) جس نے جمعہ کے روز وضو کیا ٹھیک کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے (بہ نسبت اس کے کہ وضو پر اکتفا کرے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اِغْتَسِلُوْا یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ مَنِ اغْتَسَلَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلَهُ كَفَّارَةُ مَا بَيْنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ'' (المعجم الکبیر للطبرانی ۷/۱۹۶ حدیث ۷۶۴۱، یہ روایت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ہے) جمعہ کے روز غسل کرو، جس نے جمعہ کے روز غسل کیا تو اس کے لیے کفارہ ہے؛ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ کے درمیان اور مزید تین دنوں کے لیے۔

وضو جمعہ کے غسل کے لیے بھی ایسا ہی مسنون ہے جیسا کہ غسل دوسرے مواقع پر۔ نمازِ جمعہ کا ارادہ نہ ہو تو جمعہ کا غسل مسنون نہیں ہے۔ البتہ عید کا غسل ہر حال میں مسنون ہے۔ جمعہ کے غسل اور عید کے غسل میں فرق یہ ہے کہ جمعہ کے غسل سے مقصود بدن کی صفائی ہے تاکہ میلے پن کی وجہ سے دوسروں کو اذیت نہ پہنچے اور عید کا غسل زینت اور مسرت کے اظہار کے لیے ہے۔ جمعہ کی نماز کے وجوب اور عدمِ وجوب کی وجہ سے غسل کے سنت ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

غسل کا وقت

غسل کا وقت جمعہ کی صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، مگر نماز کے لیے جانے کے قریب غسل کرنا افضل ہے، غسل کرنے سے معذور ہو تو جمعہ کے غسل کی نیت سے تیمّم کرے۔ اس لیے کہ غسل سے دو امور مقصود ہیں: صفائی اور عبادت۔ اگر مجبوراً صفائی کی غرض چھوٹ جائے تو عبادت کی نیت باقی ہے۔ نیت یہ ہے: ''نَوَيْتُ التَّيَمُّمَ بَدْلاً عَنْ غُسْلِ الْجُمُعَةِ'' نیت کرتا ہوں میں غسل جمعہ کے بدلے تیمّم کی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حسن بصری اور مالک رحمۃ اللہ علیہم نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر جمعہ کے غسل کے واجب ہونے کی رائے دی ہے۔ اور جمہور نے ''من توضا یوم الجمعة'' کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے غسل جمعہ کو مسنون قرار دیا ہے۔

تنظیفِ بدن

جمعہ کے غسل میں بدن کو صاف کرنا مسنون ہے۔بغل وغیرہ سے بدبو دور کرے۔ تنظیف کے معنی میل کو دور کرنے کے ہیں۔جس طرح بدن کو صاف کرنا مسنون ہے اسی طرح لباس کو صاف کرنا، دھونا، دھلانا مسنون ہے۔ان امور کا لحاظ ہر اس شخص کے لیے مسنون ہے جو کسی مجمع میں شرکت کا ارادہ رکھتا ہو، تاکہ دوسرے لوگوں کو اس کی گندگی سے اذیت نہ ہو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ کا قول ہے: ''مَنْ نَظَّفَ ثَوْبَهُ قَلَّ هَمُّهُ وَمَنْ طَابَ رِيْحُهُ زَادَ عَقْلُهُ'' جس نے اپنا لباس صاف رکھا اس کا غم کم ہوا اور جس نے خوشبو لگائی اس کی عقل میں اضافہ ہوا۔ابوشجاع اور ابنِ قاسم نے تنظیفِ بدن کو ایک علیحدہ ہیئت شمار کیا ہے اور بجیرمی کی رائے کے لحاظ سے اس کو غسل میں شامل کیا گیا ہے۔

۲۔سفید لباس پہننا

سفید لباس پہننا مسنون ہے اور شملہ بھی لباس میں داخل ہے۔لباس کا جدید ہونا مسنون ہے اور جدید نہ ہو تو جدید کے قریب ہو اور زیادہ پرانا نہ ہو۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اِلْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ'' (ترمذی ۹۹۴) سفید لباس پہنو، اس لیے کہ وہ تمہارا بہتر لباس ہے اور تمہاری میّتوں کو اُسی (سفید لباس) میں کفن دو۔

سفید کے بعد اس لباس کو ترجیح دی گئی ہے جو بُنائی سے پہلے رنگا گیا ہے۔

۳۔ناخن تراشنا

ناخن اور بال بڑے ہوں تو ان کا نکالنا مسنون ہے، بغل اور ناف کے نیچے کے بالوں کا نکالنا مسنون ہے، مگر اس شخص کے لیے نہیں جو حج یا عمرہ کی حالت میں ہو، اسی طرح عشرہ ذی الحجہ میں قربانی دینے سے پہلے ناخن تراشنا مسنون نہیں ہے۔

جمعہ کے علاوہ پیر اور جمعرات بھی ایسے دن ہیں جو اس غرض کے لیے مسنون بتائے

گئے ہیں۔

ناخن تراشنے کی ترتیب

ناخن تراشنے میں مختلف ترتیب بتائی گئی ہے اور یہاں ان کے منجملہ صرف ایک ترتیب کا ذکر کیا جاتا ہے، جس پر اتفاق ہے اور ذہین نشین رکھنے میں سہولت بھی ہے؛ داہنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کر کے ِکن انگلی تک اور پھر اسی ہاتھ کا انگھوٹا اور بائیں ہاتھ کی ِکن انگلی سے انگھوٹے تک اور داہنے پاؤں کی ِکن انگلی سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی ِکن انگلی تک ناخن نکالے جائیں۔

ناخن نکالنے کے بعد انگلیوں کے ِسروں کو دھونا مسنون ہے، اس لیے کہ انگلیوں کو دھوئے بغیر ناخنوں سے بدن کے ُکھجانے میں نقصان کا خوف ہے۔ مونچھ کاٹنا مسنون ہے، اتنا کہ ہونٹ کی سرخی نظر آئے لیکن اس کے مونڈھنے میں کراہت ہے۔

تین موقعوں پر سر مونڈھنا مسنون

تین مواقع پر سر مونڈھنا مسنون ہے: حج میں، پیدائش کے ساتویں دن اور جب کافر اسلام لائے۔

حج میں تین بالوں کا مونڈھنا تو فرض (رکن) ہے، مگر پورے سر کا مونڈھنا مسنون ہے۔

داڑھی کے احکام

امام غزالی نے لکھا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''وَاعْفُوا اللُّحٰی '' (بخاری: باب اِعفاءِ اللحی ۵۸۹۳۔ مسلم: باب خصال الفطرۃ ۶۲۳۔ یہ روایت ابن عمر سے ہے) یعنی داڑھی کو بڑھاؤ۔ مٹّھی سے زیادہ کو نکال دیا جائے۔

توسط ہر امر میں مستحسن ہے، اہلِ جنت امرد ہوں گے سوائے موسی کے بھائی ہارون علیہما السلام کے۔

یہودی مونچھ کو بڑھاتے تھے اور داڑھی کو کاٹتے تھے، اس لیے ان کے خلاف کرنے

کی ہدایت کی گئی۔

بعض علماء نے داڑھی مونڈھنے کو مکروہ اور بدعت قرار دیا ہے۔ امام غزالی لکھتے ہیں کہ کسی نے داود طائی سے پوچھا: آپ داڑھی کو کنگھا کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے جواب دیا: میں فارغ ہوں، نہ عالم نظر آتا ہوں اور نہ متعلم اور نہ عامل۔

۴۔ خوشبو کا استعمال

خوشبو کا استعمال مسنون ہے اور مشک بہتر ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ روزے سے یا احرام کی حالت میں نہ ہو۔ خوشبو کا استعمال روزے دار کے لیے مکروہ اور مُحرم کے لیے حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَبِسَ مِنْ أَحْسَنِ ثِيَابِهِ وَمَسَّ مِنْ طِيبٍ إِذَا كَانَ عِنْدَهُ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ وَلَمْ يَتَخَطَّ أَعْنَاقَ النَّاسِ ثُمَّ صَلَّى مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ أَنْصَتَ إِذَا خَرَجَ إِمَامُهُ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهِ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِي قَبْلَهَا''۔ (ابوداود: باب فی الغسل یوم الجمعة ۳۴۳۔ یہ روایت ابوسعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ہے) جس نے جمعہ کے روز غسل کیا اور اچھا لباس پہنا اور خوشبو میسر ہو تو لگایا، جمعہ کی نماز کے لیے آیا اور لوگوں کی گردنوں کو نہیں پھاندا، پھر نماز پڑھی جو اس پر فرض کی گئی اور پھر خاموش رہا امام کے آنے کے بعد سے امام کے نماز سے فارغ ہونے تک تو یہ کفارہ ہوگا اس جمعہ سے اُس جمعہ تک جو اس سے پہلے گزرا۔

۵۔ سورہ کہف کی تلاوت

جمعہ کے دن اور رات میں سورہ کہف کا پڑھنا مسنون ہے۔ حدیث میں ہے: ''مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَضَاءَ لَهُ مِنَ النُّوْرِ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ''۔ (مستدرک حاکم ۳۳۹۲۔ حاکم نے کہا ہے: ھذا حدیث صحیح الإسناد ولم یخرجاہ۔ السنن الکبری للبیھقی: باب مایؤمر بہ فی لیلۃ الجمعۃ ۶۲۰۹۔ یہ روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے) جس نے جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھا تو اس کے لیے دو جمعہ کے درمیان کی مدت نور سے روشن ہوگئی۔

۶۔ دعا

جمعہ کے دن اور رات میں کثرت سے دعا کرنا مسنون ہے۔ اس لیے کہ جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے۔

۷۔ درود

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جمعہ کے دن اور رات میں درود بھیجنا مسنون ہے۔ حدیث میں آیا ہے: ''أَكْثِرُوا مِنَ الصَّلَاةِ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَةَ الْجُمُعَةِ ، فَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا''۔ (السنن الکبری للبیھقی میں انس رضی اللہ عنہ سے یہ مکمل روایت ہے: باب مایؤ مر بہ فی لیلۃ الجمعۃ ۶۲۰۷۔ ''فمن صلی'' سے اخیر تک یہ روایت صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ہے: باب استحباب القول مثل قول الموذن لمن سمعہ ثم یصلی علی النبی ۸۷۵) جمعہ کے دن اور رات میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ تعالی اس پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے۔

۸۔ تبکیر یعنی جمعہ کی نماز کے لیے جلدی مسجد جانا

نھایۃ المحتاج میں لکھا ہے کہ 'بکّر' کے معنی گھر سے سویرے روانہ ہونے کے ہیں اور تبکیر کے معنی نماز کے لیے اول وقت پہنچنے کے ہیں اور 'ابتکر'' کے معنی خطبہ کے اثناء میں پہنچنے کے ہیں۔ تبکیر بکرۃ سے ہے اور بکرۃ دن کے اول وقت کو کہتے ہیں۔ امام غزالی لکھتے ہیں کہ طلوعِ فجر سے 'بکور' کا وقت شروع ہوتا ہے۔ بخاری اور مسلم میں روایت ہے: ''مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ (أَيْ كَغُسْلِهَا) ثُمَّ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْأُوْلٰى فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بُدْنَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّهَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً''۔ (مسلم: باب الطیب والسواک یوم الجمعۃ ۲۰۰۱۔ موطا امام مالک: باب العمل فی غسل یوم الجمعۃ ۲۲۷۔ یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) جس نے جمعہ کے روز غسلِ جنابت کی طرح غسل کیا اور پہلی

ساعت میں روانہ ہوا گویا کہ اس نے اونٹ کی قربانی دی، اور جو دوسری ساعت میں روانہ ہوا، اس نے گائے کی قربانی دی، اور جو تیسری ساعت میں روانہ ہوا، اس نے سینگھ والے دنبے کی قربانی دی، اور جو چوتھی ساعت میں روانہ ہوا، اس نے مرغی کی قربانی دی۔

مذکورہ حدیث میں جمعہ کے سویرے سے نماز کے اول وقت تک کے اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک ساعت کی فضیلت کو ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

تبکیر غیر امام کے لیے مسنون ہے، جب کہ امام کے لیے تاخیر مسنون ہے۔

جمعہ کے آداب

خاموش رہ کر خطبہ سننا مستحب ہے۔ اور جب مسجد میں داخل ہوا اور امام خطبہ دے رہا ہو تو دو خفیف رکعتیں تحیۃ المسجد کی پڑھے اور بیٹھ جائے۔ دونوں خطبوں کی نسبت ایک ہی حکم ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا﴾ (الأعراف:۲۰۴) جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو۔

مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی اور اس میں قرآن سے مراد قرآنی آیتیں ہیں جو خطبہ میں پڑھی جاتی ہیں۔ خاموش رہنا مسنون قرار دیا گیا اور واجب اس لیے نہیں قرار دیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا: قیامت کب ہوگی؟ آپ نے الٹا سوال کیا: تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب دیا: اللہ تعالی اور اس کے رسول کی محبت۔ تو آپ نے فرمایا: تو اس کے ساتھ ہے جس سے تو نے محبت کی۔ (بخاری: باب مناقب عمر بن الخطاب ۳۶۸۸۔ مسلم: باب المرء مع من أحب ۶۸۷۸۔ یہ روایت انس رضی اللہ عنہ سے ہے)

قیامت ایک غیبی چیز ہے جس کا علم صرف اللہ تعالی کو ہے۔ اس بارے میں سائل کا

سوال ہی بیکار تھا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب سے اعراض کرتے ہوئے ایک ایسے معاملہ کی طرف رہنمائی فرمائی جو ہر بندہ کے لیے اہم ہے۔ اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ خطبہ کے دوران میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بات کرنے پر انکار نہیں فرمایا۔ جس کو خطبہ سنائی نہ دے اس کو چاہیے کہ قراءت اور ذکر میں مصروف رہے۔ ایسی مصروفیات خاموشی سے بہتر ہے۔

اس حکم سے بعض مستثنیٰ امور

خاموش رہنے کے مقابلے میں بعض امور مستثنیٰ بھی ہیں:

ا۔ خطبہ کے وقت کسی نے سلام کیا تو اس کا جواب دینا واجب ہے، اگرچہ کہ سلام کی ابتداء ایسے وقت مکروہ ہے۔ چھینکنے والے کے لیے الحمدللہ کہنا مسنون ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر درود بھیجنا مسنون ہے۔ اندھے کو ہلاکت سے روکنا واجب ہے۔

تحیۃ المسجد: جب مسجد میں داخل ہو اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو دو خفیف رکعتیں تحیۃ المسجد کی پڑھے اور بیٹھ جائے۔ مسجد کی قید سے وہ مقام خارج ہو گیا جو مسجد کی تعریف میں داخل نہیں ہے، اس لیے کہ تحیۃ (خیر مقدم) صرف مسجد کے لیے ہے۔ اگر کوئی شخص ایسے وقت داخل ہو کہ تحیۃ المسجد کی گنجائش نہ رہے اور امام کے ساتھ تکبیر احرام نہ ملنے کا خوف ہو تو جماعت کے انتظار میں کھڑا رہے اور نہ بیٹھے۔

اگر امام نے کسی کو نماز پڑھتے دیکھا تو خطبہ ذرا طویل کرے۔ اگر جمعہ کی سنت گھر میں پڑھ چکا ہو تو صرف تحیۃ المسجد کی نیت کرے، ورنہ تحیۃ المسجد اور جمعہ کے پہلے کی سنت دونوں کی نیت کرے تو دونوں سنتیں حاصل ہو جائیں گی۔ لیکن کسی صورت میں دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، حضرت سلیک غطفانی آئے اور بیٹھ گئے تو آپ نے فرمایا: ''**سُلَيْكُ! قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَتَجَوَّزْ فِيهِمَا**'' اے سلیک! اٹھو اور دو رکعت پڑھو اور اس میں تخفیف کرو۔ پھر آپ نے فرمایا: **إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ**

يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا'' (مسلم ۸۷۵، یہ روایت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے)

دو خفیف رکعتوں سے مراد یہ ہے کہ طویل نہ کرے۔ جو شخص مسجد میں موجود ہو اور خطبہ شروع ہو چکا ہو تو اس کو اثنائے خطبہ کسی نماز کے لیے اٹھنا نہیں چاہیے، خواہ قضا فرض نماز ہی کیوں نہ ہو۔ خطبہ سنائی نہ دے تو بھی ایسے وقت نماز پڑھنا حرام ہے۔ نووی نے شرح مہذب میں اس کی نسبت تحریم کا حکم دیا ہے اور اجماع اسی پر ہے۔

تخطی یعنی لوگوں کی گردنیں پھاندنا

جماعت میں لوگوں کے کندھوں پر سے پھاندتے ہوئے جانا مکروہ ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایسا کرتے دیکھ کر فرمایا: ''**إِجْلِسْ فَقَدْ آذَيْتَ وَ آنَيْتَ**'' (ابن ماجہ: کتاب إقامة الصلاة ۔ باب ما جاء في النهي عن التخطي يوم الجمعة ۱۱۱۵۔ یہ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے) بیٹھ جاؤ، تم نے اذیت دی اور تاخیر کی۔

صفوں کو چیر کر جانے کی اجازت صرف امام اور اس بزرگ شخص کے لیے ہے جن کی لوگ تعظیم کرتے ہیں اور ان کے اس عمل کو برا نہیں سمجھتے۔ اگر لوگ صفوں میں جگہ خالی چھوڑ کر بیٹھے ہوں تو ان کی تکمیل کے لیے آگے بڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

تتمہ: جس کو امام کے ساتھ ایک رکعت ملی اس کی جمعہ نہیں چھوٹی۔ امام کے سلام کے بعد ایک رکعت پڑھ کر اپنی نماز کی تکمیل کرے۔ اس دوسری رکعت کے لیے مسنون ہے کہ آواز سے پڑھے۔ حدیث میں ہے: ''**مَنْ أَدْرَكَ مِنْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ**'' (نسائی: باب من أدرک رکعة من الجمعة ۱۴۲۵۔ یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، ابن ماجہ، دار قطنی) جس نے جمعہ کی نماز ایک رکعت پائی اس نے نماز پالی۔

اگر امام کے ساتھ ایک رکعت سے کم نماز ملی تو اس کی جمعہ چھوٹ گئی، اس کو چاہیے کہ امام کے سلام کے بعد ظہر کی تکمیل کرے، لیکن جماعت میں شریک ہوتے وقت اس پر واجب ہے کہ جمعہ کی نیت کرے تا کہ امام سے اختلاف نہ ہو اور پھر وہ نمازِ جمعہ سے اس

وقت تک مایوس نہیں ہوسکتا جب تک کہ امام سلام نہ پھیرے۔اس لیے کہ امام کو کوئی چھوٹا ہوا رکن یاد آجائے تو ایک رکعت مزید پڑھے گا تو اس کو جمعہ مل جائے گا، اگر امام کی نماز باطل ہو تو نماز کے باطل ہونے سے پہلے جائز ہے کہ اپنے قریب کے کسی مقتدی کو اپنی جگہ امام بنائے۔اس لیے کہ یکے بعد دیگرے دو اماموں کے پیچھے نماز جائز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کے زمانہ میں ابوبکر نماز پڑھاتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز مرض میں تخفیف پائی اور نماز کے لیے پہنچ گئے، ابوبکر صدیق امامت کررہے تھے، وہ پیچھے آگئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے کردیا اور خود امامت سے نکل کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی۔

()عبدالوہاب شعرانی کا قول ہے کہ جس نے نماز کے بعد دو اشعار پڑھنے کی عادت کی تو اس کی وفات اسلام پر ہوگی۔

إِلٰهِیْ لَسْتُ لِلْفِرْدَوْسِ أَهْلاً	وَلَا أَقْوٰی عَلٰی نَارِ الْجَحِیْمِ
یا اللہ میں جنت کا اہل نہیں ہوں	اور نہ دوزخ کی آگ برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہوں
فَهَبْ لِیْ تَوْبَةً وَاغْفِرْ ذُنُوْبِیْ	فَإِنَّکَ غَافِرُ الذَّنْبِ الْعَظِیْمِ
پس مجھ کو توبہ عنایت کر اور میرے گناہ بخش دے	بے شک تو بڑے بڑے گناہ بخشتا ہے

عیدین

(حکم، مقام، وقت، تکبیراتِ مرسل ومقید، خطبہ، تشریق، مسنونات)

عید، عَود سے مشتق ہے جس کے معنی لوٹانے اور دوبارہ کرنے کے ہیں اور عید چوں کہ ہر سال آتی ہے، اس لیے اس کو عید کہا گیا۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ عید کے روز ہر سال بندوں کے گناہ بخشتا ہے اور مسرت اور خوشی عطا کرتا ہے۔ اس بارے میں دو مشہور مقولے یہ ہیں: ''**لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ لَبِسَ الْجَدِيْدَ . إِنَّمَا الْعِيْدُ لِمَنْ طَاعَاتُهُ تَزِيْدُ**'' عید اس کی نہیں ہے جس نے نیا لباس پہنا، بے شک عید اس کی ہے جس کی نیکیاں زیادہ ہوئیں۔

''**لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ تَجَمَّلَ بِاللِّبَاسِ وَالْمَرْكُوْبِ إِنَّمَا الْعِيْدُ لِمَنْ غُفِرَتْ لَهُ الذُّنُوْبُ**'' عید اس کی نہیں جس نے لباس اور سواری سے زینت حاصل کی، بے شک عید اس کی ہے جس کے گناہ بخشے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے دنیا میں ہر سال دو عیدیں مقرر کی ہیں اور یہ دونوں عیدیں عبادت کی تکمیل کے بعد آتی ہیں:

عید فطر رمضان کے روزوں کے بعد اور عید الاضحیٰ حج کی تکمیل کے بعد، ہر ہفتہ میں ایک دن عید جمعہ بھی ہے۔ جنت میں مسلمانوں کی عید اس وقت ہوگی جب کہ پروردگار کا دیدار نصیب ہوگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے عید الفطر کی نماز ہجرت کے دوسرے سال مدینہ میں آبادی کے باہر ''منزل حاج مصری'' میں پڑھائی تھی، عید الاضحیٰ بھی اسی سال شریعت میں داخل ہوئی۔

عید کی نمازیں جماعت کے ساتھ یا منفرد، مسافر یا مقیم اور مرد یا عورت کے لیے

سنت مؤکدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ (الکوثر ۲) پس نماز پڑھو اپنے رب کے لیے اور قربانی دو۔

شرائط جو جماعت، خطبہ اور جمعہ میں ہیں عیدین میں نہیں ہیں۔ البتہ خطبوں سے پہلے بیٹھنا مسنون ہے۔

ہر دو عید کی نمازیں سنت اور مؤکدہ اس لیے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا تھا اور پابندی کی تھی۔ سائل کے اس سوال پر کہ مفروضہ پانچ وقت کی نمازوں کے علاوہ بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، سوائے اس کے کہ ثواب مقصود ہو۔ (بخاری: باب زیادۃ الإیمان ونقصانہ ۴۶۔ مسلم: باب بیان الصلوات التی ھی أحد أرکان الإسلام ۱۰۹۔ یہ روایت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے)

بقول امام شافعی: ''مَنْ وَجَبَتْ عَلَیْهِ الْجُمُعَةُ وَجَبَتْ عَلَیْهِ الْعِیْدُ''۔ میں وجوب سے مراد تاکید ہے۔ ''فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ'' سے عید کے وجوب کی نسبت اس لیے استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں قربانی بھی شریک ہے، جس کے واجب نہ ہونے کی نسبت اجماع ہے۔

عید کی نماز چھوڑنا مکروہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کو منیٰ میں مصروفیت کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا اور بہت ممکن ہے کہ آپ نے تنہا عید کی نماز پڑھی ہو۔

ممیّز لڑکے کے لیے عید کی نماز مسنون ہے۔ شرائط جو جماعت، خطبہ اور جمعہ میں ہیں عیدین میں نہیں ہیں۔ اس لیے کہ عید کی نماز مسافر، غلام اور عورت کے لیے بھی مسنون ہے۔ بشرطیکہ شوہر نے اجازت دی ہو۔ جماعت کے ساتھ عید کی نماز عام طور پر مسنون ہے مگر حاجی کے لیے منیٰ میں جماعت کے ساتھ پڑھنا مسنون نہیں ہے، بلکہ منفرد پڑھنا مسنون ہے، جماعت کے ساتھ پڑھنا خلاف سنت ہے، اس لیے کہ حاجی مناسک حج میں مصروف رہتا ہے، جماعت اور خطبہ کی پابندی اس پر عائد کی جائے تو حج کی مشغولیات میں تکلیف ہوگی۔ منفرد کے لیے جماعت اور خطبہ کی شرط نہیں ہے۔

مقام

عید کی نماز مسجد میں پڑھنا افضل ہے، مسجد تنگ ہو اور سب لوگ نہ سما سکیں تو الگ بات ہے۔ ایک مقام پر سب کا جمع ہونا مسنون ہے اور بغیر حاجت کے متعدد مقامات پر عید کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ غیر مسجد یعنی عید گاہ وغیرہ کو جانے کی صورت میں امام کے لیے مسنون ہے کہ بستی میں اپنا نائب چھوڑے، تا کہ بستی میں عید کی نماز مسجد میں پڑھائے اور خطبہ دے جیسا کہ حضرت علی نے حضرت ابو مسعود انصاری کو نائب بنایا تھا۔

وقت

عید کی نماز کا وقت سورج کے طلوع اور زوال کے درمیان ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ سورج کے ایک نیزہ برابر بلند ہونے تک انتظار کرے۔ عید کے وقت کے لیے سورج کا کچھ حصہ برآمد ہو جائے تو کافی ہے، مگر ایک نیزہ کے برابر بلند ہونے تک توقف کرنا مسنون ہے۔ بعض کا قول ہے کہ سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے کے بعد نماز کے وقت کا آغاز ہوتا ہے۔ نمازوں کو اول وقت پڑھنے کی فضیلت کی نسبت جو عام حکم ہے اس سے عید کی نماز مستثنیٰ ہے۔

تاخیر نہ کر کے اول وقت عید کی نماز فوت ہو تو اس کی قضاء مسنون ہے، اس لیے کہ وقت والی نفل کی قضا مسنون ہے، اگر غروب کے بعد رویت ہلال کی شہادت ملے یا رویت ہلال کا تصفیہ کیا جائے تو دوسری صبح میں نماز ادا پڑھی جائے گی۔ ورنہ زوال کے بعد قضاء پڑھی جائے گی۔

فضیلت

عید الاضحیٰ، عید الفطر سے افضل ہے۔ اس لیے کہ اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے:
﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ عید الاضحیٰ کے بعد عید فطر کا درجہ ہے۔ اصح قول یہ ہے کہ رمضان کا ہر ایک دن عید الفطر کے دن پر فضیلت رکھتا ہے۔

عید کی نماز

عید کی نماز دو رکعت ہیں۔ پہلی رکعت میں تکبیر احرام اور دعائے افتتاح

کے بعد سات مرتبہ تکبیر اور دسری رکعت میں تکبیر قیام کے بعد پانچ مرتبہ تکبیر کہے۔ عید کی نماز کی دو رکعت ہونے کے سلسلہ میں ائمہ کا اجماع ہے۔ اگر عید کی اقل نماز کا ارادہ ہو تو دو رکعت سنت وضو کی طرح پڑھے اور اگر اکمل نماز کا ارادہ ہو تو تکبیروں کے ساتھ پڑھے، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

امام اور منفرد دونوں عید کی نماز بالجہر یعنی آواز سے پڑھیں گے۔ عید کی قضا نماز بھی بالجہر پڑھی جائے گی، دن کا وقت ہو یا رات کا۔ اس لیے کہ عید کی نماز دن کی نماز ہونے کے باوجود جہر سے پڑھنے کا حکم ہے۔ بخلاف دوسری نمازوں کے جو دن کے وقت آہستہ آواز سے پڑھی جاتی ہے۔

نیت میں عید فطر یا عید اضحیٰ کا تعین کرے: "**نَوَيْتُ أُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ سُنَّةَ عِيْدِ الْفِطْرِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ**" یا کہے: "**نَوَيْتُ أُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ سُنَّةَ عِيْدِالْأَضْحٰى، اَللّٰهُ اَكْبَرُ**"۔

افتتاح: نیت کے بعد دعائے افتتاح **وجهت وجهي** الخ پڑھے، اگر دعائے افتتاح کے بغیر تکبیر کہے تو دعائے افتتاح نہیں چھوٹے گی۔ لیکن تعوذ کہنے کے بعد دعائے افتتاح کا موقع چھوٹ جائے گا، اس لیے کہ تعوذ سے قراءت شروع ہو جاتی ہے جو فرض ہے اور فرض میں مصروف ہونے کے بعد سنت کی طرف لوٹا نہیں جا سکتا۔

تکبیرات

دعائے افتتاح کے بعد پہلی رکعت میں سات مرتبہ اور دوسری رکعت میں تکبیر قیام کے بعد پانچ مرتبہ تکبیر کہے اور تکبیروں کے بعد قراءت پڑھے۔ تکبیروں کو بلند آواز میں کہے اگرچہ کہ ماموم ہو یا قضا پڑھ رہا ہو، اس لیے کہ قضا بھی ادا کے مشابہ ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿**وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ**﴾ (البقرۃ ۱۸۵) یعنی رمضان کے روزوں کی مدت پوری کرو اور اس کے بعد تکبیر پکارو۔

یہ حکم عید الفطر کی نسبت ہے اور اسی پر عید الاضحیٰ کو قیاس کیا گیا۔ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرے اور سینے کے نیچے ہاتھ باندھے۔ تکبیروں کا ترک کرنا مکروہ ہے مگر ترک

ہوجائیں تو ان کے لیے سجود سہو نہیں ہیں، اس لیے کہ یہ تکبیرات نہ فرض ہیں اور نہ ابعاض میں سے ہیں جس کے ترک ہونے پر سجود سہو کیے جائیں۔

دعائے افتتاح اور تعوذ کی طرح تکبیرات ہیئات ہیں، تکبیروں کی تعداد ترمذی کی روایت پر مبنی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ میں پہلی رکعت میں تلاوت سے پہلے سات مرتبہ اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ مرتبہ تکبیر کہی تھی۔(ترمذی ۵۳۶، یہ روایت عمرو بن عوف مزنی سے ہے، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ روایت اس باب کی سب سے بہترین روایت ہے)

تکبیروں کی تعداد کی نسبت اگر شک ہو تو رکعتوں کی طرح اقل پر عمل کرے۔ تکبیروں میں امام کی اتباع کرے۔ تکبیریں خواہ کم ہوں یا زیادہ۔ اسی طرح مسبوق جو تاخیر کے ساتھ جماعت میں شریک ہوا ہو، امام کی تکبیروں کی پیروی کرے۔

تکبیروں کی تعداد میں پہلی رکعت میں تکبیر احرام اور تکبیر رکوع اور دوسری رکعت میں تکبیر قیام اور تکبیر رکوع شمار نہیں کی جاتی۔ امام مالک، مزنی اور ابوثور نے ان تکبیروں کو بھی شمار کیا ہے۔

تسبیح: دو تکبیروں کے درمیان آہستہ آواز میں تسبیح پڑھے: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ'' یہ تسبیح نہ پڑھنا مکروہ ہے۔

قراءت: تکبیروں کے بعد پہلی رکعت میں تعوذ، سورہ فاتحہ اور سورہ ق اور دوسری رکعت میں بھی تکبیروں کے بعد تعوذ، سورہ فاتحہ اور سورہ اقتربت جہر سے پڑھے۔ ان سوروں کے بدلے 'الکافرون' اور 'ہل أتاک' یا 'الاخلاص' بھی پڑھ سکتے ہیں۔ دعائے افتتاح اور تعوذ آہستہ پڑھے۔ ہر دو رکعتوں میں ترتیب یکساں ہے۔

خطبہ

نماز کے بعد دو خطبے پڑھے۔ پہلے میں نو اور دوسرے میں سات مرتبہ تکبیر کہے۔ خطبہ پڑھنا مسنون ہے جب کہ عید کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے۔ ورنہ منفرد کے لیے خطبہ مسنون نہیں ہے۔ عورتوں کی جماعت کے لیے بھی خطبہ مسنون نہیں ہے۔ اگر

عورتوں میں سے کوئی عورت کھڑی ہو اور وعظ و نصیحت کے طور پر کچھ کہے تو مضائقہ نہیں۔

جمعہ کے ضمن میں خطبہ کے تفصیلی احکام تفصیل سے درج کیے گئے ہیں۔عید کا خطبہ عید کی نماز کے بعد پڑھا جائے گا۔اگر نماز سے قبل خطبہ پڑھے تو بیکار ہوگا اور نماز کے بعد اس کا اعادہ کرنا ہوگا۔عید کے خطبہ کے ارکان وہی ہیں جو جمعہ کے خطبہ کے ہیں۔البتہ جمعہ کے خطبہ میں جو امور مشروط ہیں وہ عید کے خطبہ میں مستحب ہیں۔

خطبہ اس طرح پڑھے کہ دوسروں کو سنائی دے اور حاضرین خاموشی کے ساتھ خطبہ سنیں۔خطبہ عربی میں ہو اور خطیب مرد ہو۔

تکبیرات خطبہ سے خارج ہیں اور خطبہ کا جزء نہیں ہیں۔

جملہ شرعی خطبے دس ہیں جن کی تفصیل خطبۂ جمعہ میں بیان کی جا چکی ہے۔

خطبہ کی تکبیروں میں موالات مسنون ہے۔دو تکبیروں کے درمیان زیادہ طویل فصل نہ ہو۔تکبیروں کی افراد بھی مسنون ہے؛ تکبیروں کو علیحدہ علیحدہ پڑھنا چاہیے۔ایک سے زیادہ تکبیروں کو نہ ملایا جائے۔

خطیب کے لیے مندوب ہے کہ خطبہ سے پہلے استراحت کے لیے بیٹھے، نہ کہ اذان کے انتظار میں۔اس لیے کہ عید کے خطبہ کے لیے کوئی اذان نہیں ہے۔خطیب کے لیے مستحب ہے کہ عید الفطر کے خطبہ میں فطرہ کے احکام اور عید الاضحیٰ کے خطبہ میں قربانی کے احکام بیان کرے۔

متفرق مسائل

اگر کوئی شخص خطبہ کے وقت داخل ہو اور وہ مقام کھلا ہو اور مسجد نہ ہو اور نماز کا وقت باقی رہے تو بیٹھ جائے اور خطبہ سنے اور اگر وقت گزر رہا ہو تو نماز پڑھ لے۔اگر خطبہ کا مقام مسجد ہو تو نماز عید اور تحیۃ المسجد دونوں ملا کر دونوں کی نیت کر کے نماز پڑھے۔

عید الفطر سے پہلے کی رات کو سورج کے غروب ہونے کے بعد سے عید کی نماز تک اور عید الاضحیٰ میں نمازوں کے بعد عرفہ کے دن کی صبح سے تشریق کے آخری دن کی عصر تک

تکبیر کہتا رہے۔ یہاں وہ تکبیر مراد ہے جو نماز اور خطبہ سے خارج ہے۔اس تکبیر کی دو قسمیں ہیں: تکبیر مرسل یا مطلق اور تکبیر مقید لیکن دونوں میں تکبیر کا صیغہ ایک ہی ہے۔

تکبیر مرسل : اس تکبیر کو کہتے ہیں جس کے لیے نماز کے بعد ہونے کی قید نہیں ہے۔ یہ تکبیر عید الفطر سے پہلے کی شام سورج کے غروب کے بعد سے امام کے عید کی نماز میں مصروف ہونے تک کہی جاتی ہے۔

مرد اور عورت، حاضر اور مسافر، منزل میں اور راستے میں، مسجد میں اور بازار میں یہ تکبیر کہتے رہیں۔عید الفطر کی تکبیر احرام کے ساتھ اس تکبیر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔عید الفطر کی رات نمازوں کے بعد تکبیر سنت نہیں ہے، لیکن نووی نے اس کو بھی سنت بتایا ہے۔

تکبیر مقید: وہ تکبیر ہے جو عید الاضحیٰ میں عرفہ کی صبح سے تشریق کے آخری دن کے عصر تک ہر ایک نماز کے بعد بلند آواز سے کہی جاتی ہے۔حاجی اس سے مستثنیٰ ہے، اس لیے کہ حاجی کا شعار لبیک ہے اور حاجی تحلیل یعنی احرام کھولنے تک لبیک کہتا ہے اور البتہ تحلیل کے بعد حاجی بھی تکبیر کہے گا۔

نماز کے بعد زیادہ وقت گزرنے سے یہ تکبیر فوت نہیں ہوتی۔اس تکبیر کا تعلق ان خاص ایام سے ہے۔اگر دوسرے ایام کی نمازیں ان ایام میں پڑھی جائیں گی تو ان کے بعد بھی تکبیر کہنا ہوگا۔اسی طرح اگر ان ایام کی نمازیں ان کے بعد قضا کی جائیں تو تکبیر نہیں کہی جائے گی۔

یہ تکبیر فرض، سنت راتبہ، تحیۃ المسجد اور نماز جنازہ ہر ایک نماز کے بعد کہی جائے گی۔ جملہ نمازیں جن کے بعد تکبیر کہی جائیں گی تئیس ہیں۔

دو مختلف وجوہ کی بنا پر ان تکبیروں کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔تکبیر مرسل کی تائید میں یہ آیت ہے﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ﴾(البقرۃ ۱۸۵)

تکبیر مقید کو اس لیے فضیلت ہے کہ نماز کے بعد کہی جاتی ہے اور متبوع کے شرف کی وجہ سے تابع کو شرف حاصل ہے۔

تکبیر کہنے میں آواز کا بلند کرنا مسنون ہے، اس لیے کہ آواز بلند کرنے سے عید کے

شعار کا اظہار ہوتا ہے، لیکن اجنبی مردوں کی موجودگی میں عورت اپنی آواز بلند نہ کرے۔
عید کی رات اور جمعہ کی رات دونوں مل کر آئیں تو تکبیر کو درود پر ترجیح ہے۔

ایام تشریق: دسویں ذی الحجہ کے بعد والے تین دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں۔
تشریق منی میں سورج کی دھوپ میں گوشت کے سکھانے کو کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے عید الاضحیٰ کے ایام جن میں تکبیر مسنون ہے پانچ ہیں۔ امام مالک کے پاس ایام تشریق دو ہیں۔

تکبیر کا صیغہ

اَللّٰہُ أَکْبَرُ اَللّٰہُ أَکْبَرُ اَللّٰہُ أَکْبَرُ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّأَصِیْلًا، لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہُ، صَدَقَ وَعْدَہُ وَنَصَرَ عَبْدَہُ وَأَعَزَّ جُنْدَہُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَہُ۔

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اور سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، میں اللہ کی صبح اور شام (ہر وقت) پاکی بیان کرتا ہوں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جو ایک ہی ہے۔ اپنے وعدہ کو پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اس کے لشکر کو غالب کیا اور (مخالف) جماعتوں کو تنہا شکست دی۔

بقول بیجوری یہ اضافہ بھی مسنون ہے: ”**لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِیَّاہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْکَرِہَ الْکَافِرُوْنَ**“۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں، اس کے لیے دین کو خالص کرکے، اگرچہ کہ کافر برا مانیں۔

خطیب شربینی نے صیغہ تکبیر کی یہ ترتیب بیان کی ہے: **اَللّٰہُ أَکْبَرُ اَللّٰہُ أَکْبَرُ اَللّٰہُ أَکْبَرُ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّأَصِیْلًا، لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِیَّاہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْکَرِہَ الْکَافِرُوْنَ، لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہُ، صَدَقَ وَعْدَہُ وَنَصَرَ عَبْدَہُ وَأَعَزَّ جُنْدَہُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَہُ لَا إِلٰہَ إِلَّا**

اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ۔

دن کے اول وقت کو 'بکرۃ' اور آخر وقت کو 'اصیل' کہتے ہیں اور ان دو اوقات کے ذکر سے مراد عام اوقات صبح سے شام تک ہیں۔ وعدہ سے مراد وہ وعدہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنوں پر غلبہ دلانے کی نسبت اللہ تعالی نے کیا تھا۔

احزاب سے مراد قریش، غطفان، قریظہ اور نضیر کے وہ قبیلے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لیے آئے تھے اور جن کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حملہ کی اطلاع پا کر مدینہ کے باہر خندق کھدوائی اور تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ ہر دو جانب فوجیں ایک مہینے تک صف آرا رہیں اور ایک دوسرے پر تیر اور پتھر برساتی رہیں، مگر راست تصادم نہیں ہوا۔ جاڑے کی رات تھی، شدت سے سرد آندھی کا طوفان آ گیا۔ آگ بجھ گئی، خیمے اکھڑ گئے۔ آنکھیں مٹی سے موندھ گئیں۔ گھوڑے میخوں سے چھوٹ کر سراسیمہ دوڑتے رہے اور اس پر طرہ یہ کہ اطراف سے فرشتوں کی اللہ اکبر کی آواز گونجی۔

طلحہ ابن خویلد اسدی نے پکار کر کہا: أما محمد فقد رماکم بالسحر فالنجاء النجاء (نعوذ باللہ) شاید کہ محمد نے تمہیں جادو سے مارا۔ پس پناہ میں جاؤ، پناہ میں جاؤ۔

یہ سن کر دشمن کی بارہ ہزار فوج نے راہ فرار اختیار کی۔ یہ آیت نازل ہوئی ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا**﴾ (الأحزاب ۹) اے ایمان والو! اللہ تعالی کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم پر لشکر کشی ہوئی تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور ایسی فوج جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی۔

عیدین کی سنتیں

عیدالفطر میں نماز سے پہلے کچھ کھانا مسنون ہے۔ بہتر ہے کہ ایک یا تین یا طاق تعداد میں کھجور کھائیں اور عیدالاضحیٰ میں نماز عید پڑھنے تک کچھ نہ کھائیں، تاکہ سلف کی اتباع ہو اور ہر دو عیدوں میں امتیاز قائم رہے۔ آغاز اسلام میں صدقہ فطر دینے سے پہلے کھانا حرام تھا مگر اس کی تنسیخ کی گئی۔

عیدالفطر میں تاخیر کرنا اور نماز سے پہلے کچھ کھانا اولی ہے اور عیدالاضحیٰ میں جلدی کرنا بہتر ہے۔ بیہقی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ بن حزم جب کہ بحرین کے گورنر تھے لکھا تھا: ''عَجِّلِ الْأَضْحٰی وَأَخِّرِ الْفِطْرَ'' (السنن الکبری للبیھقی: باب الغد وإلی العیدین ۶۳۶۹۔ مصنف عبدالرزاق میں یہ الفاظ ہیں: ''أخر الفطر وذکر الناس وعجل الأضحی'': باب خروج من مضٰی والخطبۃ ۵۶۵۱۔ یہ روایت ابوالحویرث رضی اللہ عنہ سے ہے) عیدالاضحیٰ میں جلدی کرو اور عیدالفطر میں تاخیر کرو۔

صبح سویرے غسل کر کے نماز عید کے مقام پر پہنچ جانا اور نماز کے لیے انتظار کرنا مسنون ہے، لیکن امام کے لیے نماز کے وقت آنا مسنون ہے۔

غسل دونوں عید کے لیے مسنون ہے، چاہے عید کی نماز کی جماعت میں شریک ہونے کا ارادہ نہ ہو، اس لیے کہ عید کے روز زینت مقصود ہے۔ اس لیے حیض ونفاس کی حالت میں بھی عورت احرام کے غسل کی طرح عید کا غسل کرے گی۔

عید کے غسل کا وقت آدھی رات سے شروع ہوتا ہے لیکن فجر کے بعد افضل ہے۔ عید کے دن کے غروب کے بعد غسل کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

خوشبو کا استعمال: مرد کے لیے خوشبو کا استعمال اور عمدہ لباس پہننا مسنون ہے اور افضل لباس سفید ہے۔ اگر سفید سے بہتر کوئی لباس ہو تو اس کا پہننا افضل ہے تا کہ اللہ تعالی کی نعمتوں کا اظہار ہو سکے۔

راستہ: عید کی نماز کے لیے بڑے اور طویل راستہ سے پیادہ اور سہولت اور سکون کے ساتھ جانا اور قریب کے راستے سے واپس ہونا مسنون ہے جیسا کہ جمعہ میں۔

تہنیت: عید اور ایسے دوسرے مواقع پر مصافحہ کے ساتھ مبارکبا د دینا مسنون ہے۔ مرد کو مرد اور عورت کو عورت تہنیت دیں گے، نہ کہ مرد عورت کو یا اس کے برعکس۔ تہنیت کا جواب دینا بھی مسنون ہے جیسا کہ "تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنْكُمْ" اللہ تم سے قبول کرے۔ أَحْيَاكُمُ اللّٰهُ لِأَمْثَالِهِ كُلَّ عَامٍ وَ أَنْتُمْ بِخَيْرٍ۔ اللہ تعالی ایسے مواقع کے لیے تم کو ہر

سال زندہ رکھے اور تم خیریت سے رہو۔

احیائے لیل

ہر دو عید کی راتوں میں بیدار رہنا اور عبادت کرنا مسنون ہے: ''مَنْ أَحْيَا لَيْلَتَيِ الْعِيْدِ ...... لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ '' (معرفۃ الصحابۃ ۵۳۳۳۔ص ۱۷/۷۷۔ یہ روایت کردوس بن عمرو سے ہے)

احیائے قلب سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی محبت میں قلب مصروف نہ ہو جائے اور موتِ قلب سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی محبت میں قلب مشغول ہو جائے۔

اختــــلاف: عید کی نماز شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک مسنون ہے اور حنفیہ کے نزدیک واجب عینی اور حنبلیہ کے نزدیک واجب کفایہ۔

تنبیہ: صدقہ فطر کا بیان زکاۃ میں اور عید الاضحیٰ کی قربانی کا بیان ذبیحہ میں مذکور ہے۔

کسوف وخسوف

(حکم، وقت، نماز، خطبه، زلزله)

کسوف مشتق ہے کسف سے اور کسف کے معنی چھپانے کے ہیں اور چوں کہ سورج اپنی ذات سے روشن ہے اور اس کے اور زمین کے درمیان چاند کے حائل ہونے سے چھپ جاتا ہے، اس لیے سورج گہن کے لیے کسوف کا لفظ استعمال کیا گیا۔ ان تین اجرام کے محل وقوع کے لحاظ سے سورج گہن عموماً ہلالی مہینہ کے آخری حصہ میں ہوتا ہے۔

خسوف مشتق ہے خسف سے اور خسف کے معنی میٹنے کے ہیں اور چاند کا جرم سورج کے مقابل ہونے سے چمکتا ہے اور سورج اور چاند کے درمیان زمین کے حائل ہونے سے سورج کی روشنی چاند پر نہیں پڑتی اور تاریک نظر آتا ہے۔ اسی لیے چاند گہن کو خسوف کہا گیا۔ چاند گہن عموماً ہلالی مہینہ کے وسط میں ہوتا ہے۔

سورج گہن کی نماز ہجرت کے دوسرے سال اور چاند گہن کی نماز ہجرت کے پانچویں سال جمادی الاخری میں مقرر کی گئی۔

کسوف اور خسوف کی نمازیں سنت موکدہ ہیں، مرد اور عورت، مسافر اور مقیم، آزاد اور غلام، جماعت کے ساتھ اور منفرد کے لیے سنت ہیں، ان نمازوں میں جماعت بھی مسنون ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے ﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ (حم سجدہ ۳۷) نہ سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو اور سجدہ کرو اس خدا کو جس نے ان کو پیدا کیا، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

یہاں سجدہ سے مراد نماز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا

رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَصَلُّوْا وَادْعُوْا حَتّٰى يَنْكَشِفَ مَا بِكُمْ ''(مسلم۹۰۴)سورج اور چاند نشانیاں ہیں ان نشانیوں میں سے جو اللہ تعالی کے وجود پر دلالت کرتی ہیں۔ کسی کی موت یا حیات پر ان کو گہن نہیں آتا۔ پس جب تم کو ایسا نظر آئے تو نماز پڑھو اور دعا مانگو جب تک کہ وہ خوف جو تم پر طاری ہوا ہے دور نہ ہو جائے یعنی گہن کھل جائے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا سورج گہن ہوا۔لوگوں نے گمان کیا کہ ان کی موت کے سبب گہن ہوا۔تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ گہن کو کسی کی موت یا کسی کی حیات سے تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ حجاج کے زمانہ میں سورج گہن ہوا تو لوگوں نے خیال کیا کہ حجاج کے لیے گہن ہوا۔اس کی تردید حدیث موصوف نے صاف الفاظ میں کر دی ہے۔

گہن کی نماز سنت مؤکدہ ہے

گہن کی دونوں نمازیں سنت مؤکدہ ہیں۔احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مواقع پر نماز کی پابندی کی تھی،اس لیے یہ نمازیں سنت مؤکدہ ہیں اور ان کا ترک کرنا مکروہ ہے۔ واجب اس لیے نہیں ہے کہ صحیحین کی مشہور حدیث کی رو سے صرف پانچ نمازیں واجب ہیں۔ گہن کی نماز کے لیے گہن کی نسبت یقین ہونے کی ضرورت ہے۔ اگر گہن کی نسبت شک ہو تو نماز نہ پڑھے۔اس لیے کہ اصل میں گہن نہ ہونا ہے۔

غسل : گہن کی نماز کے لیے غسل مسنون ہے لیکن بال مونڈھنا اور ناخن نکالنا مسنون نہیں ہے۔اس لیے کہ وقت میں کمی ہوتی ہے۔گہن کی نماز کے لیے غریبانہ لباس میں جانا مسنون ہے جیسا کہ نماز استسقاء کے لیے۔ان دونوں نمازوں کا تقاضا انکساری ہے۔

جماعت:ان دونوں نمازوں میں جماعت مسنون ہے،البتہ انفراداً بھی صحیح ہے۔

وقت: گہن کے آغاز سے گہن کے کھلنے تک نماز کا وقت ہے۔

کسوف کی نماز سورج سے گہن کے کھل جانے یا گہن کے ساتھ سورج کے غروب ہو جانے پر ختم ہو جاتا ہے، گہن کے کھلنے کی شرط یہ ہے کہ سورج کا پورا حلقہ گہن سے یقینی طور پر

نکل جائے۔ اگر سورج کا کچھ حصہ گہن سے نکلے اور کچھ حصہ پر گہن باقی ہو تو نماز فوت نہ ہوگی اور پڑھی جائے گی جس طرح کہ گہن کے آغاز میں پڑھی جاتی ہے جب کہ سورج کا کچھ حصہ گہن میں آتا ہے اور کچھ حصہ باہر باقی رہتا ہے۔ اگر مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے گہن کے کھلنے یا نہ کھلنے کی نسبت شک ہو تو بھی نماز پڑھی جائے گی۔ اس لیے کہ اصل گہن کی موجودگی ہے۔

خسوف کی نماز چاند سے گہن کے کھلنے یا سورج کے طلوع ہونے پر فوت ہوتی ہے۔ فجر کے طلوع ہونے یا گہن کے ساتھ ابر میں چاند کے غایب ہونے پر فوت نہیں ہوتی۔ نماز کے فوت ہونے کے لیے چاند کا پورا حلقہ گہن سے یقینی طور پر خالی ہو جانے کی ضرورت ہے لیکن سورج کا بعض حصہ بھی نمودار ہو جائے تو چاند گہن کی نماز فوت ہو جائے گی۔

قضا: کسوف اور خسوف کی نمازیں چھوٹ جائیں تو قضا نہیں ہے۔ یہ نمازیں سببی ہیں اور سبب کے فوت ہونے سے فوت ہو جاتی ہیں۔ وقت کے فوت ہونے پر ان نمازوں کا پڑھنا ممنوع ہے۔ یہ حکم نماز کی نسبت ہے، ورنہ خطبہ گہن کے کھلنے کے بعد بھی دیا جاتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔()

نماز: کسوف اور خسوف ہر ایک کے لیے دو دو رکعت مسنون ہے۔ ہر رکعت میں دو مرتبہ قیام کرے اور طویل سورے پڑھے اور دو مرتبہ رکوع کرے اور رکوع اور سجود میں طویل تسبیحیں پڑھے۔

گہن کی نماز کی کیفیتیں

گہن کی نماز کی تین کیفیتیں ہیں:

۱۔ اقل نماز دو معمولی رکعتیں ہیں، ظہر کی سنت وغیرہ کی طرح۔

۲۔ ادنی کمال یہ ہے کہ ہر رکعت میں دو رکوع اور دو قیام کرے اور قراءت کو طویل نہ کرے۔

۳۔ اعلی کمال یہ ہے کہ ہر رکعت میں دو رکوع اور دو قیام کرے اور قراءت طویل کر دے۔ ابو شجاع نے اپنے متن میں صرف اعلی کمال کی کیفیت درج کی ہے۔

گہن کی نماز کا طریقہ

نیت میں تعین کی ضرورت ہے۔ کسوف یا خسوف کے تعین کے ساتھ نیت کی جائے، نیت کے بعد دعائے افتتاح ''وجهت وجهی ''الخ پڑھے اور اس کے بعد قراءت یعنی تعوذ **اعوذ بالله من الشیطان الرجیم** اور اس کے بعد سورہ فاتحہ اور ایک سورہ پڑھے اور رکوع میں جائے اور پھر رکوع سے سر اٹھائے اور قیام کرے اور سورہ فاتحہ اور ایک سورہ پڑھے اور پھر دوبارہ رکوع کرے جو پہلے رکوع سے خفیف ہو، پھر اعتدال میں آئے اور سجدہ میں جائے اور حسب معمول دو سجدے کرے۔

اسی طرح دوسری رکعت دو قیام، دو رکوع، دو اعتدال اور دو سجدوں کے ساتھ پڑھے۔ چاروں قیام میں طویل سورتیں اور رکوع اور سجود میں طویل تسبیحیں پڑھے۔ رکوع، سجود، اور اعتدال میں طمانینت کرے اور طمانینت میں طوالت نہ کرے۔ رکوع کی تعداد میں اضافہ ہے اور سجود کی تعداد دو ہی ہے۔

قیام طویل کرنا: ایک رکعت میں دو قیام تو دو رکعت میں چار قیام ہوتے ہیں۔ امام شافعی نے ''الأم'' میں سورہ شامل کرنے کی نسبت لکھا ہے کہ پہلے قیام میں سورہ بقرہ، دوسرے میں آل عمران، تیسرے میں نساء اور چوتھے میں مائدہ پڑھنا چاہیے۔

امام شافعی کے خلیفہ یوسف ابن یعقوب نے بویطی میں لکھا ہے کہ پہلے قیام میں بقرہ، دوسرے میں اسی کی دوسو معتدل آیتوں کے مساوی، تیسرے میں ڈیڑھ سو آیتوں کے مساوی اور چوتھے میں سو آیتوں کے مساوی پڑھے۔

ان دونوں اقوال کا نتیجہ یہ ہے کہ دوسرے قیام کے مقابلہ میں تیسرے قیام میں زیادہ طوالت بھی ہوسکتی ہے اور کمی بھی اور ان دونوں امور میں مصلی کو اختیار حاصل ہے۔

رکوعات طویل کیے جائیں: اس طرح کہ پہلے رکوع میں بقرہ کی سو آیتوں کے برابر تسبیح پڑھے اور دوسری میں اسّی آیتوں کے برابر، تیسری میں ستّر کے برابر اور چوتھے میں پچاس کے برابر تسبیح پڑھے اور یہ تعداد کی مقدار تقریبی ہے، تحدیدی نہیں ہے۔

سجود طویل کیے جائیں: یہ بھی رکوع کی طرح ہے۔ پہلے سجدہ میں سو آیتوں کے برابر تسبیح پڑھے، دوسرے میں اسّی، تیسرے میں ستر اور چوتھے میں پچاس آیتوں کے برابر تسبیح پڑھے۔ اعتدال اور دوسجدوں کے درمیانی جلوس کو بھی طویل کرے۔

جہراً اور سراً: کسوف کی نماز آہستہ آواز میں اور خسوف کی نماز جہر سے پڑھے، اس لیے کہ کسوف دن میں ہوتا ہے اور دن کی نمازیں آہستہ آواز سے پڑھی جاتی ہیں اور خسوف رات میں ہوتا ہے اور رات کی نمازیں جہر سے پڑھی جاتی ہیں۔

مصلی نماز میں ہو اور سورج گہن کی حالت میں غروب ہو جائے تو مصلی بقیہ نماز جہر سے پڑھے گا۔ اسی طرح مصلی نماز میں ہو اور چاند گہن کی حالت میں ہو اور سورج طلوع ہو جائے تو مصلی بقیہ نماز آہستہ آواز میں پڑھے۔ بہر حال نتیجہ یہ کہ دن کے وقت آہستہ آواز سے اور رات کے وقت جہر سے نماز پڑھی جائے گی، خواہ کسوف ہو یا خسوف۔

خطبہ: نماز کے بعد امام عیدین کے خطبوں کی طرح مگر بغیر تکبیروں کے دو خطبے دے، دونوں خطبوں میں گناہوں سے توبہ کرنے، صدقہ دینے اور نیک کام کرنے کی ترغیب دے۔ توبہ اگر مسنون تھا تو امام کے حکم کے بعد واجب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح امام روزہ رکھنے کا حکم دے تو ایک دن کا روزہ واجب ہو جاتا ہے اور نماز پڑھنے کا حکم دے تو دو رکعت نماز واجب ہو جاتی ہے۔

خطبہ صرف اس صورت میں مشروط ہے جب کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے۔ منفرد کے لیے اور عورتوں کی جماعت کے لیے خطبہ مسنون نہیں ہے۔ عورتوں میں سے ایک عورت کھڑی ہو اور پند و نصائح کے الفاظ کہے تو مضائقہ نہیں۔

خطبہ میں یہ شرط ہے کہ مرد خطبہ دے اور ایسی آواز میں خطبہ دے کہ دوسروں کو سنائی دے اور حاضرین خاموشی کے ساتھ خطبہ سنیں اور خطبہ عربی میں ہو۔ ان خطبوں میں قیام، دو خطبوں کے درمیان جلوس اور طہارت شرط نہیں ہیں، مگر مسنون ہیں۔

زلزلہ: بادل کی کڑک، بجلی کی چمک اور طوفان باد و باراں کے وقت گھر میں دو

رکعت پڑھنا مسنون ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب شدت کی آندھی چلتی تو یہ دعا پڑھتے:
''اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ، (یہاں تک روایت مسلم میں ہے: باب التعوذ عند رؤیۃ الریح ۲۱۲۲، یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَلَا تَجْعَلْهَا رِيْحًا''۔ (شرح السنۃ ۵۱۶۔ص۴/۳۹۳۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے)

اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس چیز کی بھلائی جو اس میں ہے اور اس چیز کی بھلائی جو اس کے ساتھ بھیجی گئی ہے اور تجھ سے اس کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں اور اس چیز کی برائی سے جو اس میں ہے اور اس چیز کی برائی سے جو اس کے ساتھ بھیجی گئی ہے۔ یا اللہ! اس کو سودمند ہوا بنا اور مضرت رساں طوفان نہ بنا۔

استسقاء

(حکم ، توبہ ، صدقہ ، اجابتِ دعا، وسیلۂ حسنہ، نماز خطبہ ، دعا، تسبیح، رعد و برق)

استسقاء کے معنی لغت میں پانی مانگنے کے ہیں اور شرع میں حاجت کے وقت اللہ تعالی سے پانی مانگنے کو استسقاء کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں استسقاء کا ذکر اس آیت میں ہے: ﴿وَإِذَا اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ﴾ (البقرۃ ۶۰) اور جب کہ موسی نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا۔

یہ آیت ہمارے لیے اس لیے دلیل نہیں ہے کہ سابقہ شریعتیں ہماری شریعت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوتیں جب تک کہ صریحاً ہمیں ہدایت نہ کی جائے۔

استسقاء کی نماز ہماری شریعت میں ہجرت کے چھٹے سال داخل ہوئی، جو کیفیت استسقاء کی نماز کے لیے بتائی گئی ہے وہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔

استسقاء کے طریقے

استسقاء کی نماز سنت مؤکدہ ہے۔ استسقاء کے تین طریقے ہیں:

۱۔ پہلا یا اقل طریقہ یہ ہے کہ تنہا یا جماعت کے ساتھ باران رحمت کے لیے دعا کی جائے

۲۔ دوسرا اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ فرض اور سنت نمازوں اور جمعہ کے خطبہ وغیرہ کے بعد بارش کے لیے دعا مانگی جائے۔

۳۔ تیسرا اور سب سے افضل طریقہ استسقاء کی نماز ہے جس کی کیفیت آئندہ بیان کی جائے گی۔

سنت مؤکدہ اس لیے ہے کہ اس نماز کو جماعت سے ادا کرنا مسنون ہے۔ امام کے حکم کے بعد یہ نماز واجب ہوجاتی ہے۔ حاجت کے وقت استسقاء کی نماز پڑھنا مسنون ہے

۔حاجت کے اسباب یہ ہو سکتے ہیں کہ بارش رک جائے یا کنویں کا پانی خشک ہو جائے۔ پانی جو میٹھا تھا کھارا ہو جائے اور جو زیادہ تھا کم ہو جائے۔

مسلمانوں کے ایک طبقہ کو پانی کی تکلیف ہو تو دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی مسنون ہے کہ ان کے لیے دعا کریں۔

استسقاء کی نماز مقیم اور مسافر، آزاد اور غلام، بالغ اور نابالغ، مرد اور عورت کے لیے جماعت کے ساتھ پڑھے یا منفرد؛ مسنون ہے۔ استسقاء کی نماز دو یا زیادہ مرتبہ اس وقت تک پڑھی جائے گی جب تک کہ اللہ تعالی قبول کرے اور پانی برسائے۔ بندہ کی شان یہ ہے کہ اپنی دعا میں اصرار کرے۔ حدیث میں آیا ہے: ''مَن لَّمْ یَسْأَلِ اللّٰہ یَغْضَبْ عَلَیْہِ'' (ترمذی: باب منہ ۳۳۷۳۔ الأدب المفرد ۶۵۸۔ ص ۱/ ۲۲۹۔ یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) جو شخص اللہ تعالی سے نہیں مانگتا اللہ تعالی اس سے ناخوش ہوتا ہے۔

اگر نماز استسقاء سے پہلے ہی پانی برس جائے تو جمع ہو کر نماز پڑھیں اور امام خطبہ دے تاکہ خدا کی بارگاہ میں شکر ادا کریں اور مزید بارش کے طلب گار ہوں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ (ابراہیم ۷) اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو ضرور زیادہ دوں گا۔

اگر اثنائے نماز پانی برسے تو نماز پوری کرے۔ امام ابو حنیفہ کو نماز استسقاء سے اختلاف تھا۔ آپ کو وہ احادیث صحیحہ دستیاب نہ ہوئی تھیں جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا ثابت ہے۔ اسی لیے صاحبین نے آپ سے اختلاف کیا۔ حضرت عمر نے حضرت عباسؓ کے ساتھ نماز پڑھی اور کسی نے آپ سے اختلاف نہیں کیا۔

امام کے لیے مسنون ہے کہ توبہ کرنے، صدقہ دینے، ظلم ترک کرنے، آپس کی دشمنیاں مٹانے اور تین دن روزہ رکھنے کے لیے حکم دے اور چوتھے روز سب کو ساتھ لے کر روزے کی حالت میں غریبانہ لباس پہن کر خشوع اور خضوع کے ساتھ نکلے۔

توبہ

توبہ کے معنی رجوع کرنے کے ہیں اور شرع میں گناہ کو ترک کرنے، سابقہ گناہ پر نادم

ہونے اور آئندہ ایسا عمل نہ کرنے کی نسبت مستقل ارادہ کرنے کو توبہ کرنا کہتے ہیں۔ شرع میں توبہ کے تین ارکان ہیں، چاہے گناہ حق اللہ کے بارے میں سرزد ہوا ہو یا حق الناس کے تعلق سے۔

اگر گناہ کا تعلق کسی شخص کے حق سے ہو تو اس حق سے سبکدوشی کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے دو طریقے ہیں؛ یا تو وہ شخص معاف کر دے یا اس کو حق ادا کر دیا جائے۔ اگر یہ دونوں طریقے ناممکن ہوں تو اللہ پر بھروسہ کرے اور دعا کرے کہ قیامت میں ناراض فریق کو اللہ تعالیٰ راضی کرے۔

توبہ کا دروازہ اس وقت تک کھلا ہوا ہے جب تک کہ انسان نزع کی حالت میں نہ ہو یا سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ سورج مغرب تک جائے گا اور پھر لوٹے گا، یہ قیامت کی نشانی ہے۔ اس نشانی کے ظاہر ہونے کے بعد توبہ قبول نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ﴾ (الأنعام: ۱۵۸) جس روز کہ تمہارے پروردگار کی بعض نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی تو کسی کو اس کا ایمان فائدہ نہ دے گا جس نے اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو۔

توبہ کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کے پاس الحاح وزاری کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی گناہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ گناہ کبیرہ ہے۔ گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے مگر امام کے حکم کے بعد اس کے وجوب میں تاکید ہو جاتی ہے۔

صدقہ دینا مسنون ہے اور امام کے حکم کے بعد ایسی مقدار میں صدقہ دینا واجب ہے جس کی استطاعت ہو اور جس کا ذکر صدقہ فطر میں آئے گا۔

آپس کی عداوت سے مراد وہ ہے جس کا تعلق دنیاوی امور سے ہو۔ دنیاوی امور میں خصومت تین دن سے زیادہ حرام ہے۔ دینی امور سے اس حکم کا تعلق نہیں ہے۔

روزہ تین روز مسلسل رکھا جائے اور ان روزوں کے وقت نذر، قضاء اور کفارہ کے روزوں کی نیت بھی شریک کی جائے تو دونوں مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ ان روزوں کی نیت رات ہی میں کرنا واجب ہے۔

ایسا غریبانہ لباس پہن کر استسقاء کے لیے جائے جس سے انکساری کا اظہار ہوتا ہے۔زینت نہ کریں اور نہ خوشبو استعمال کریں۔ایک راستہ سے جائیں اور دوسرے راستہ سے واپس آئیں۔اگر زحمت نہ ہوتو پیادہ جائیں لیکن واپسی میں پیادہ اور سواری مساوی ہیں۔برہنہ سر اور برہنہ پا جانا مکروہ ہے۔

بلحاظ مصلحت جن مسنون یا مباح امور پر عمل کرنے کے لیے امام حکم دے اس کی تعمیل سب پر واجب ہے۔امام کا حکم شرع کے خلاف ہوتو واجب التعمیل نہیں ہے۔جو امر بذاتہ واجب ہے اس کی نسبت امام کے حکم دینے کے بعد وجوب میں تاکید ہو جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء۵۹) اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور اپنے میں سے ذمہ داروں کی۔

استسقاء کے لیے جاتے ہوئے بوڑھوں، بچوں اور بے زبان جانوروں کو بھی ہمراہ لے جائیں۔بخاری کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''هَلْ تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ ''(بخاری: باب من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب ۲۸۹۶۔ مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے) تمھارے کمزوروں کی وجہ ہی سے تم کو رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔

بوڑھے آدمی کے دل میں رقت ہوتی ہے اور بچے معصوم ہوتے ہیں اور اسی طرح جانور بھی بے زبان اور معصوم ہیں۔جانوروں کے بچوں کو ان کی ماؤں سے جدا کرنا چاہیے تا کہ چیخیں اور چلائیں۔حدیث میں ہے:''لَوْلَا شَبَابٌ خُشَّعٌ وَشُيُوخٌ رُكَّعٌ وَأَطْفَالٌ رُضَّعٌ وَبَهَائِمُ رُتَّعٌ لَصُبَّ عَلَيْكُمُ الْعَذَابُ صَبًّا ''(مسند أبی یعلی:۱۱/ ۲۸۷ حدیث ۶۴۰۲۔ السنن الکبری: باب استحباب الخروج بالضعفاء ۶۶۱۷ ص ۳/ ۳۴۵۔ یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) خشوع وخضوع والے نوجوان، اور بوڑھے خمیدہ پشت، چرنے والے مویشی اور بچے دودھ پینے والے نہ ہوتے تو تم پر عذاب ڈھایا جاتا یعنی قحط کی مصیبتوں میں مبتلا ہوتے۔

سلیمان علیہ السلام کے قصہ سے جانوروں کی دعا قبول ہونے کی وضاحت ہوتی

ہے۔ بعض وقت دعا قبول نہیں ہوتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اجابتِ دعا کی شروط نہیں پائی جاتیں۔ اجابتِ دعا کے لیے اہم شرط اکلِ حلال ہے۔ دعا کی اجابت میں استغفار اور توبہ کو بڑا دخل ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا﴾ (ہود ۵۲) اپنے پروردگار سے بخشش چاہو اور پھر توبہ کرو اور اس کی طرف رجوع کرو، وہ تم پر موسلا دھار پانی برسائے گا۔

بیہقی نے اس حدیث کی روایت کی ہے: ''لَا مَنَعَ قَوْمٌ مِنَ الزَّكَاةِ إِلَّا حُبِسَ عَنْهُمُ الْمَطَرُ '' (السنن الواردة فی الفتن للدانی ۲۳۶: باب ماجاء فیما ینزل من البلاء۔ یہ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے) کسی قوم نے زکاۃ ادا نہیں کی تو ان سے بارش روکی گئی۔

ترمذی نے یہ حدیث بیان کی ہے: '' ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: اَلصَّائِمُ حَتّٰى يُفْطِرُ وَالْإِمَامُ الْعَادِلُ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ '' (ترمذی: باب فی العفو والعافیۃ ۳۵۹۸۔ یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) تین اشخاص کی دعا مسترد نہیں ہوتی: روزہ دار کی دعا افطار تک اور حاکم عادل کی اور مظلوم کی۔

ظلم کی مذمت میں یہ دو اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

لَا تَظْلِمَنَّ إِذَا مَا كُنْتَ مُقْتَدِرًا ۔۔۔ فَالظُّلْمُ آخِرُهُ يَأْتِيكَ بِالنَّدَمِ
ظلم نہ کرو جب کہ تم برسرِ حکومت ہو ۔۔۔ ظلم آخر کار تم پر شرمندگی لائے گا
نَامَتْ جُفُوْنُكَ وَالْمَظْلُوْمُ مُنْتَبِهٌ ۔۔۔ يَدْعُوْ عَلَيْكَ وَعَيْنُ اللّٰهِ لَمْ تَنَمِ
تمہاری آنکھیں سو جائیں گی اور مظلوم بیدار رہے گا ۔۔۔ تم کو بددعا دیتا رہے گا اور اللہ نہیں سوتا

توبہ کے ضمن میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ لائق ذکر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے استسقاء کی دعا کی لیکن بارش نہیں ہوئی تو آپ نے کہا: اے پروردگار! ہم بارش سے کیوں محروم ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! تمہاری قوم میں ایک گنہ گار ایسا ہے جو چالیس سال سے میرے احکام کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ یہ سنتے ہی موسیٰ علیہ

السلام ایک اونچے ٹیلے پر چڑھے اور پکار کر کہا: اے گنہگار! ہم تیری وجہ سے بارش سے محروم ہیں، تو ہم میں سے نکل جا۔ وہ شخص جس کی طرف اشارہ تھا، چوطرف دیکھا مگر کسی شخص کو اس جماعت سے باہر جاتے نہیں دیکھا، اس پر سمجھ گیا کہ گنہگار سے مطلوب وہی ہے۔

سوچا کہ میں اگر نکل جاؤں تو اس سارے مجمع میں میری فضیحت ہوگی اور اگر نہ نکلوں تو میری وجہ سے یہ سب بارش سے محروم رہیں گے۔ آخر دل میں کہنے لگا: اے پروردگار! میں توبہ کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں، قبول کر۔

بارش ہوئی اور سب سیراب ہوگئے۔ موسیٰ علیہ السلام کو تعجب ہوا اور کہا: اے پروردگار عالم! تو نے پانی سے سیراب تو کیا مگر ہم میں سے کوئی شخص نہیں نکلا؟ جواب ملا: اے موسیٰ! جس شخص کی وجہ سے تم بارش سے محروم تھے اس نے توبہ کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس شخص کے بارے میں بتا دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: میں نے تم کو چغلی سے منع کیا اور میں خود چغلی کروں؟

اجابتِ دعا

حدیث میں آیا ہے: ”**تُفْتَحُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَيُسْتَجَابُ الدُّعَاءُ فِيْ أَرْبَعَةِ مَوَاطِنَ: عِنْدَ الْتِقَاءِ الصُّفُوْفِ وَعِنْدَ نُزُوْلِ الْغَيْثِ وَعِنْدَ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْكَعْبَةِ**“ (السنن الکبری: باب طلب الإجابۃ عند نزول المطر ۶۶۹۱۔ یہ روایت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ہے) چار مواقع پر آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے جب کہ کفار سے لڑائی ہو رہی ہو، بارش ہو رہی ہو، نماز قائم ہو اور کعبہ نظر آئے۔

عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں قحط سالی ہوئی۔ رعایا کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد کے خطیب نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! ہم آپ کے پاس اپنی حاجت لے کر حاضر ہوئے ہیں، غذا نہ ملنے سے ہماری کھال ہمارے بدن پر سوکھ رہی ہے۔ بیت المال کی طرف اشارہ کر کے کہا: اگر یہ مال اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے غنی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لیے ہے تو ہم اللہ کے بندے ہیں اور اگر آپ کا ہے تو ہم کو

صدقہ دیجیے، اللہ صدقہ دینے والوں کو جزاء دے گا۔

عمر بن عبدالعزیزؒ بہت روئے اور ہر ایک کو اس کی ضرورت کے موافق بیت المال سے مال دلوایا۔ وفد کے خطیب سے فرمائش کی: جس طرح تم نے اپنی حاجت ہمارے سامنے پیش کی اسی طرح میری حاجت کو اللہ تعالی کی درگاہ میں عرض کیجیے۔ خطیب نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا: یا اللہ! جس طرح عمر نے اپنی رعایا کے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تو اس کے ساتھ احسان کر۔ خطیب کی دعا ختم نہ ہونے پائی تھی کہ ابر منڈلایا اور برسنے لگا۔ حاکمِ عدل کی یہ بہترین مثال ہے۔

وسیلۂ حسنہ

جو لوگ استسقاء کے لیے دعا کریں ان کو چاہیے کہ اگر کوئی نیک کام کیا ہے تو اس کو وسیلہ بنائیں اور اس کا ذکر کر کے اللہ تعالی سے رحم کے طالب ہوں جیسا کہ حدیث میں ان تین اشخاص کا ذکر ہے جنھوں نے ایک غار میں پناہ لی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ تین آدمی روزگار کی تلاش میں روانہ ہوئے، راستہ میں بادسموم نے انھیں گھیر لیا، پناہ کے لیے ایک غار میں چلے گئے۔ ان کا غار میں داخل ہونا تھا کہ ایک چٹان گری اور غار کا دہانہ بند ہو گیا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس نے جو نیک کام کیا ہے ذکر کرے تو شاید اللہ تعالی ہمارا راستہ کھول دے۔

ایک نے کہا: میں نے ایک شخص کے ساتھ نیکی کی تھی۔ چند آدمیوں سے دن بھر کی اجرت پر کام لے رہا تھا کہ ایک شخص آدھا دن گزرنے کے بعد آیا، میں نے اس کو بھی کام پر لگایا۔ اس آخری شخص نے بقیہ دن میں اتنا ہی کام کیا جتنا کہ دوسرے نے دن بھر میں کام کیا تھا۔ میں نے اس کو پوری اجرت دی۔ اس پر دوسرے شخص نے اعتراض کیا کہ آدھے دن کے لیے جتنی اجرت دی گئی اتنی ہی اجرت سارے دن کے کام کے لیے دی گئی۔

میں نے جواب دیا: میں نے تمہاری اجرت سے کوئی کمی نہیں کی، میرا مال ہے جس طرح چاہا خرچ کیا، تمہیں اعتراض کا حق نہیں۔ معترض اپنے اعتراض پر قائم رہا اور اپنی

اجرت نہ لے کر غصہ میں چلا گیا۔ میں نے اس کی اجرت امانت رکھی اور اس سے ایک گائے کی بچھڑی خریدی اور اللہ کی قدرت سے اس میں ترقی ہوئی۔

یہ ہوا ہی تھا کہ اتنے میں ایک پیرانہ سال شخص میرے پاس آیا اور اپنا حق طلب کیا۔ میں نے اس کو پہچانا نہیں۔ اس نے اپنا ماجرا بیان کیا اور اپنی امانت میں رکھی ہوئی اجرت طلب کی، میں نے اس کو پہچان لیا اور کہا کہ یہ جانوروں کا مندہ تمہارا ہے لے جاؤ۔ اس نے جواب دیا: اللہ کے بندے صدقہ نہ دیتے ہو نہ دو مگر میرا حق دے دو، مصیبت کا مارا ہوں، دل لگی نہ کرو۔ میں نے کہا: اس میں دل لگی کی کیا بات ہے، یہ جانوروں کا مندہ تمہاری اجرت کا نتیجہ ہے۔ اس میں میرا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ کہہ کر مویشی کا سارا مندہ اس کے حوالے کر دیا۔ یا اللہ! اگر یہ کام میں نے محض تیری رضا جوئی کے لیے کیا تھا تو مجھ پر رحم کر، میرا راستہ کھول دے۔ غار کا دہانہ ایک تہائی کھل گیا۔

دوسرے نے کہا: میں نے بھی ایک نیک کام کیا ہے۔ اللہ تعالی نے دولت وثروت سے مجھ کو نوازا تھا۔ قحط سالی ہوئی اور لوگ پریشان ہوئے، ایک عورت آئی اور مجھ سے صدقہ مانگا، میں نے کہا: دوں گا مگر اس شرط پر کہ تم میری خواہش کو پوری کرنے کے لیے راضی ہو جاؤ، اس نے انکار کیا اور چلی گئی پھر دوسرے دن آئی، میں نے وہی سوال کیا اور اس نے انکار کیا اور چلی گئی، تیسری بار آئی اور اللہ کا واسطہ دے کر مجھ سے صدقہ طلب کیا۔ میں نے وہی پرانی شرط پیش کی، اس نے خاموشی کے ساتھ سر جھکا یا مگر جب نوبت بہ مطلب رسید تو یہ کانپنے اور لرزنے لگی، میں نے وجہ دریافت کی تو کہا: پروردگار عالم کے قہر سے ڈرتی ہوں۔ ان الفاظ نے میرے دل کو ایسا پسیجا کہ میں اٹھ کھڑا ہو گیا۔ تو مصیبت میں اللہ کے قہر سے ڈرتی ہے اور میں اس آسائش میں نہ ڈروں۔ یہ کہا اور جو کچھ بلحاظ حالات دینا تھا دے کر اس کو رخصت کیا۔ یا اللہ! اگر میرا یہ فعل تیری خوشنودی کے لیے تھا تو رحم کر اور ہمارا راستہ کھول دے۔ اس پر دوسرا تہائی راستہ کھل گیا اور روشنی نمودار ہوئی۔

تیسرے نے بیان کیا: میں نے بھی ایک نیک کام کیا ہے۔ میرے ماں باپ نہایت

بوڑھے اور اپاہج تھے اور میرے پاس بکریاں تھیں۔ بکریوں کو چراتا اور ماں باپ کی خدمت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے میری واپسی میں دیر ہوئی۔ میرے آنے تک ماں باپ سو چکے تھے۔ میں حیران تھا کہ نیند لگی ہے، کیسے جگاؤں؟ اور دوسری طرف بکریوں کی حفاظت کا خیال تھا۔ اسی سوچ میں دودھ کا برتن ہاتھ میں لیا ہوا ماں باپ کے سرہانے کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہوئی اور ماں باپ بیدار ہوئے، انھیں دودھ پلایا۔ یا اللہ! اگر میرا یہ سلوک خالص تیری رضامندی کے لیے تھا تو ہم پر رحم کر اور ہمارا راستہ کھول دے۔ اس پر غار کا پورا دہانہ کھل گیا اور تینوں مسافر اپنا راستہ لیے۔ (مسند احمد: ۱۸۴۴۱۔ نعمان بن بشیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ روایت کیا ہے)

استسقاء کے لیے صالحین کو وسیلہ بنانا چاہیے۔ صالحین کی دعا کے قبول ہونے کا امکان زیادہ ہے۔ اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرباء کو وسیلہ بنانا چاہیے جیسا کہ حضرت عمر نے حضرت عباس کا وسیلہ اختیار کیا تھا اور دعا کی تھی: ''اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا إِذَا قَحَطْنَا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا'' (بخاری ۹۶۴ میں انس رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں: ''أن عمر بن الخطاب كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب فقال: إنا كنا نتوسل إليك نبينا فتسقينا، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا''۔ قال: فيسقون'') یا اللہ! جب قحط ہوتا تو ہم اپنے نبی کا وسیلہ اختیار کرتے اور پانی سے سیراب ہوتے تھے اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو اپنا وسیلہ بناتے ہیں۔ پس ہم کو سیراب کر۔ اس پر سیراب ہوئے۔

طبرانی نے روایت کی ہے کہ عبدالمطلب استسقاء کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے اور آپ کو وسیلہ بنا کر دعا مانگی تھی۔ ()

استسقاء کی نماز

نماز استسقاء عیدین کی طرح دو رکعتیں ہیں۔ امام دو رکعت نماز سب کے ساتھ پڑھے۔ دعائے افتتاح کے بعد پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں رفع

یدین کے ساتھ کہے اوراس کے بعد قراءت پڑھے۔ دورکعت کی تعداد متعین ہے، دو سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ نماز میں سنت استسقاء کی نیت کی جائے۔ عیدین کی تمثیل سے مراد یہ ہے کہ استسقاء کی نماز میں تکبیریں اوران کے درمیان ایک معتدل آیت کے بقدر فصل اور فصل میں ذکر کرنا، قراءت جہر سے پڑھنا، پہلی رکعت میں سورہ ق یا سبح اسم، دوسری میں ''اقتربت'' یا ''ھل أتاک حدیث الغاشیۃ'' یا ''إنا أرسلنا نوحاً'' پڑھنا مسنون ہے۔

دونوں رکعتوں میں تکبیروں کی جو تعداد مقرر کی گئی ہے وہ پہلی رکعت میں تکبیر احرام اور دوسری رکعت میں تکبیر قیام کے علاوہ ہے۔ رفع یدین میں دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے۔

خطبہ : نماز کے بعد امام دو خطبے پڑھے اوراپنی چادر کو تحویل کرے یعنی داہنے والا حصہ بائیں کرے اور استغفار بھیجے اور کثرت سے دعا مانگے۔ خطبوں کے ارکان وہی ہیں جو عیدین کے خطبہ میں ہیں، لیکن فرق یہ ہے کہ خطبوں کے آغاز میں تکبیروں کے عوض استغفار پڑھے، پہلے خطبہ میں نو مرتبہ اور دوسرے میں سات مرتبہ کہے۔ تکبیر کے عوض استغفار صرف خطبہ میں کہا جائے گا نہ کہ نماز میں، نماز میں تکبیریں ہی کہی جائیں گی۔

خطبہ نمازِ استسقاء کے پہلے بھی پڑھنا جائز ہے، برخلاف عیدین کے، لیکن افضل یہ ہے کہ نماز کے بعد خطبے پڑھے جائیں۔ خطبے دو ہوں گے، ایک خطبہ کافی نہیں ہے۔ مسنون یہ ہے کہ امام منبر پر چڑھتے ہی بیٹھے اور پھر کھڑا ہو کر خطبہ دے مگر خطبہ میں قیام واجب نہیں ہے۔

دعائے کرب: کرب تکلیف ومصیبت کو کہتے ہیں۔ دعائے کرب کثرت سے پڑھنا مسنون ہے۔ دعائے کرب یہ ہے:

لَا إِلٰـهَ إِلَّا الـلّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔

یہ دراصل ثناء ہے مگر چوں کہ آگے آنے والی دعا کا مقدمہ ہے اس لیے اس کو بھی دعا کہا گیا۔

صیغہ استغفار:

اقل استغفار۔

أَسْتَغْفِرُ اللّٰه ہے، ورنہ اکمل یہ ہے: أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ الَّذِىْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ تَوْبَةَ عَبْدٍ ظَالِمٍ لِنَفْسِهِ لَا يَمْلِكُ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُوْرًا۔

میں اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتا ہوں جو بزرگ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ ہمیشہ زندہ ہے اور ہمیشہ قائم ہے اور میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں، ایک ایسے بندے کی طرح جس نے اپنے نفس کے ساتھ ظلم کیا ہے اور جو مضرت کی قدرت نہیں رکھتا اور نہ فائدہ پہنچانے کی اور نہ موت کی اور نہ حیات کی اور نہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کی۔

خطبۂ اولیٰ میں امام یہ دعا مانگے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی تھی:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا سُقْيَا رَحْمَةٍ وَلَا سُقْيَا عَذَابٍ وَلَا مَحْقٍ وَلَا بَلَاءٍ وَلَا هَدْمٍ وَلَا غَرْقٍ، اَللّٰهُمَّ عَلَى الضِّرَابِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ وَبُطُوْنِ الْأَوْدِيَةِ۔ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيْثًا هَنِيْئًا مَرِيْئًا سُحًّا عَامًّا غَدَقًا طَبَقًا مُجَلَّلًا دَائِمًا إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ إِنَّ بِالْعِبَادِ وَالْبِلَادِ مِنَ الْجُهْدِ وَالْجُوْعِ وَالضَّنْكِ مَالَا نَشْكُوْ إِلَّا إِلَيْكَ۔ اَللّٰهُمَّ أَنْبِتْ لَنَا الزَّرْعَ وَأَدِرَّ لَنَا الضَّرْعَ وَأَنْزِلْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِ السَّمَاءِ وَأَنْبِتْ لَنَا مِنْ بَرَكَاتِ الْأَرْضِ۔ اَللّٰهُمَّ ارْفَعْ عَنَّا الْجُهْدَ وَالْجُوْعَ وَالْعُرْىَ وَاكْشِفْ عَنَّا مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَا يَكْشِفُهُ غَيْرُكَ۔ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ، إِنَّكَ كُنْتَ غَفَّارًا فَأَرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْنَا مِدْرَارًا۔ (بخاری ۹٦۷، مسلم ۸۹۷، ابوداود ۱۱٦۹، الأم للشافعی ۲۲۲/۱)

اے اللہ! تو اس بارش کو رحمت کی سیرابی بنا، نہ کہ عذاب کی سیرابی اور نہ ہلاکت اور نہ بلا اور نہ عمارتیں ڈھانے والی اور نہ غرق کر دینے والی۔ اے اللہ! ٹیلوں پر برسا اور درختوں کے اگنے کے مقامات پر اور وادیوں کے شکم میں۔ اے اللہ! ہمارے اطراف میں برسا، نہ ہمارے خلاف برسا۔ اے اللہ! تکلیف دور کرنے والی، برکت کرنے والی، خوشگوار،

شاداب، گڑھے کرنے والی، عام شیریں تہ بہ تہ، ڈھانپنے والی، ہمیشہ قیامت کے دن تک بارش برسا۔اے اللہ! ہم کو بارش سے سیراب کراور ہم کو مایوس نہ کر۔اے اللہ! بیشک بندوں اورشہروں میں مشقت، بھوک وتنگی ہے جس کی فریاد ہم سوائے تیرے کسی کے پاس نہیں کرتے۔اے اللہ! ہمارے لیے کھیتی اگا دے اور جانوروں کے تھن سے دودھ عطا کراور آسمان کی برکتیں ہم پر اتاراور ہمارے لیے زمین کی برکتیں اگا۔اے اللہ! ہم سے مشقت، بھوک اور برہنگی دور کراور ہم سے بلاء کھول دے، جس کو تیرے سوا کوئی نہیں کھولتا۔اے اللہ! ہم تجھ سے مغفرت مانگتے ہیں۔بے شک تو غفار ہے، پس ہم پر موسلا دھار بارش بھیج۔

خطبۂ ثانیہ کا ایک تہائی حصہ گزرنے کے بعد امام قبلہ کا رخ کرے اور اپنی چادر کو تحویل کرے اور کثرت سے بلند آواز سے اور آہستہ آواز سے دعا مانگے۔

چادر الٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے چادر کے بائیں جانب کا نچلا حصہ اٹھا کر داہنے مونڈھے پر ڈالے اور یہی عمل بائیں ہاتھ سے برعکس کرے۔تحویل رداء سے انکساری کا اظہار اور حالت کی تبدیلی کی نسبت فالِ نیک مطلوب ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ (الرعد۱۱) بے شک اللہ تعالی کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے۔

امام کے ساتھ دوسرے مرد بھی یہ عمل کریں۔عورتیں ایسا نہ کریں۔

امام کثرت سے استغفار کرے اور اس آیت کو پڑھے۔﴿اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَّيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا﴾ (نوح ۱۰-۱۲) اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔موسلا دھار بارش تم پر بھیجے گا اور تمہاری مال سے اور اولاد سے مدد کرے گا اور تمہارے لیے جنتیں اور نہریں بنائے گا۔

دعا:اَللّٰهُمَّ أَنْتَ أَمَرْتَنَا بِدُعَائِكَ وَوَعَدتَّنَا بِإِجَابَتِكَ وَقَدْ دَعَوْنَاكَ كَمَا أَمَرْتَنَا فَأَجِبْنَا كَمَا وَعَدتَّنَا۔ اے اللہ تو نے ہم کو حکم دیا کہ ہم تجھ سے دعا کریں

اور تو نے ہم سے اپنے قبول کرنے کا وعدہ کیا اور تحقیق کہ ہم تجھ کو پکاریں جیسا کہ تو نے حکم دیا پس ہماری دعا قبول کر جیسا کہ تو نے وعدہ کیا۔

آدم علیہ السلام کی دعا: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا ۔ وَإِن لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الأعراف۲۳) اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اگر تو ہمیں نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو ہم بڑے نقصان میں رہیں گے۔

موسی علیہ السلام کی دعا: ﴿رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْلِي﴾ (قصص۱۶) اے میرے پروردگار بے شک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا پس معاف کر مجھ کو۔

یونس علیہ السلام کی دعا: ﴿لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ (الأنبیاء۸۷) سوائے تیرے کوئی معبود نہیں اور تو پاک ہے، بیشک میں ظالموں میں سے ہوں۔

دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا اور پنجوں کی پشت آسمان کی طرف کرنا مسنون ہے، ورنہ عام دستور یہ ہے کہ مانگنے کے الفاظ کہتے وقت ہتھیلی کو آسمان کی طرف اور دور کرنے کے الفاظ کہتے وقت پنجے کی پشت کو آسمان کی طرف کیا جائے، اس لیے کہ کسی چیز کے لینے کے وقت کفِ دست دراز کیا جاتا ہے اور کسی چیز کے انکار کرنے کے وقت پشت دست سے اشارہ کیا جاتا ہے۔

امام آہستہ سے دعا کرے تو سب آہستہ سے دعا کریں اور جب امام پکار کر دعا کرے تو سب آمین کہیں۔ پہلی بارش کا پانی بہے تو اس میں غسل اور وضو کریں۔ پہلی بارش میں بدن کو کھول کر بارش کے پانی سے بھیگنے دینا مسنون ہے۔

کثرتِ بارش کی وجہ سے نقصان پہنچ رہا ہو تو جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے بلکہ تنہا بارش کے بند ہونے کی نیت کرے۔

بادل کی گرج پر یہ تسبیح پڑھے :

﴿يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ﴾ (الرعد۱۳) بادل تسبیح پڑھتا

ہے اس کی تعریف میں اور فرشتے تسبیح پڑھتے ہیں اس کے خوف سے۔

بجلی کی چمک پر یہ تسبیح پڑھے:

''سُبۡحَانَ مَن یُّرِیۡکُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا''۔ پاک ہے وہ ذات جو دکھاتی ہے تم کو بجلی خوف وامید کی حالت میں۔

بجلی کو چمکتے ہوئے نہ دیکھنا مسنون ہے، اس لیے کہ بینائی کمزور ہوتی ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿یَکَادُ سَنَا بَرۡقِهٖ یَذۡهَبُ بِالۡاَبۡصَارِ﴾ (النور ۴۳) بجلی کی چمک آنکھوں کو چندیانے کے قریب ہے۔

صلاۃ الخوف

خوف کی حالت میں جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کو صلاۃ الخوف کہتے ہیں۔

کسی مکروہ چیز کے لاحق ہونے یا کسی مرغوب چیز کے سلب ہونے سے دل میں جو بے چینی پیدا ہوتی ہے اس کو خوف کہتے ہیں۔

صلاۃ الخوف کے ارکان، شرائط وغیرہ وہی ہیں جو دوسری نمازوں میں مقرر ہیں، لیکن اس کو علحیدہ اس لیے بیان کیا ہے کہ خوف کی حالت میں نماز میں نماز کی ادائی کے ایسے طریقے مروی ہیں جو دوسری نمازوں میں اختیار نہیں کیے جاسکتے۔

یہ نماز بھی اس امت کی خصوصیات میں سے ہے اور ہجرت کے چھٹے سال مشروع کی گئی۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ﴾ (النساء۱۰۲) جب تم ان کے درمیان ہو تو ان کے لیے نماز قائم کرو۔

احادیث سے ان نمازوں کے طریقے مقرر ہوئے ہیں اور ان کی تائید میں یہ عام حدیث بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي'' ((بخاری: باب الأذان للمسافر إذا کانوا جماعۃ و إقامۃ ۶۳۱۔ یہ روایت ابو سلیمان مالک بن حویرث سے ہے۔ باب رحمۃ الناس والبھائم ۶۰۰۸)) تم نماز اسی طرح پڑھو جس طرح کہ مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

صلاۃ الخوف حضر میں بھی جائز ہے، بشرطیکہ خوف کی حالت پائی جائے لیکن امام مالک کو اس سے اختلاف ہے، ان کے پاس حضر میں صلاۃ الخوف جائز نہیں ہے۔

صلاۃ الخوف کی شکلیں

خوف کی حالت میں نماز پڑھنے کے جملہ سولہ طریقے ہیں۔ جن کے منجملہ امام شافعی

نے چار طریقے اختیار کئے اوران میں سے ایک کو چھوڑ کر تین کا ذکر ابوشجاع نے اپنے متن میں کیا، مگر یہاں ہم اس چوتھے طریقے کو بھی درج کرتے ہیں، ایک طریقہ کی نماز دوسرے طریقہ پر ادا نہیں کی جاسکتی۔

۱۔ صلاۃ ذات الرقاع

جب دشمن قبلہ کی جہت میں نہ ہوتو امام جماعت کو دو فرقوں میں تقسیم کر کے ایک فرقہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑا رہے اور دوسرا امام کے پیچھے اور امام اس کے ساتھ ایک رکعت پڑھے۔ پھر یہ فرقہ اپنی بقیہ نماز خود سے مکمل کرے اور دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور دوسرا فرقہ آئے اور امام اس کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور یہ فرقہ اپنی نماز کی تکمیل کرے اور امام اس فرقہ کے ساتھ سلام پھیرے۔

رقاع کے معنی کپڑے کی پٹیوں کے ہیں، چوں کہ اس جنگ میں صحابہ کے پاؤں زخمی ہونے کی وجہ سے پاؤں کو پٹیاں باندھی گئی تھیں اس لیے اس جنگ کو ''ذات الرقاع'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔

دشمن کے جہتِ قبلہ میں نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ نماز کی حالت میں نمازیوں کو دشمن نظر نہ آسکے، اس لیے وہ شکل بھی داخل ہے جہاں دشمن قبلہ کی جہت میں ہو مگر کوئی چیز ایسی حایل ہو کہ نمازیوں کی نظر سے دشمن غائب ہوں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو۔ اس سے مطلب صرف اسی قدر ہے کہ دشمن کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ نہ ہو یعنی مسلمان اور کفار تعداد میں مساوی ہوں۔ کفار دو سو ہوں تو مسلمان بھی دو سو۔ ایسی صورت میں امام مسلمانوں کو سو سو کے دو فرقوں میں تقسیم کرے اور سو کے ایک فرقہ کے ساتھ امام نماز پڑھے اور سو کا دوسرا فرقہ دشمنوں سے حفاظت کرے جن کی جملہ تعداد دو سو ہوگی اور حفاظت میں دو کافر اور ایک مسلمان کا تناسب ہوگا۔

یہ مسلمانوں کی کثرتِ تعداد کی اقل صورت ہے، ورنہ آغاز اسلام میں دس اور ایک کا تناسب تھا۔ دس کافروں کا مقابلہ ایک مسلمان پر فرض تھا۔ امام نماز کے لیے ایسے مقام پر

کھڑا ہو جو دشمن کی تیروں کی زد سے باہر ہو۔

دو رکعت والی نماز میں امام ایک فرقہ کے ساتھ ایک رکعت اور دوسرے فرقہ کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے۔

تین رکعت والی مغرب کی نماز میں پہلے فرقہ کے ساتھ دو اور دوسرے فرقہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے۔ دوسرے فرقے کی شرکت کا انتظار تیسری رکعت کے قیام کی حالت میں کرے اور قیام کی حالت میں انتظار کرنا افضل ہے بہ نسبت اس کے کہ تشہد کے جلوس میں انتظار کرے۔

مغرب کی نماز کا افضل طریقہ یہی ہے، ورنہ پہلے فرقہ کے ساتھ ایک رکعت اور دوسرے فرقہ کے ساتھ دو رکعت بھی پڑھ سکتا ہے۔

چار رکعت والی نماز میں ہر ایک فرقہ کے ساتھ امام دو دو رکعت نماز پڑھے۔ چار رکعت والی نماز میں امام جماعت کو چار فرقوں میں تقسیم کرے اور ہر ایک فرقہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے تو بھی جائز ہے مگر چوں کہ انتظار کے علاوہ دوسرے موقع پر انتظار کیا اس لیے سجود سہو کرے۔

بقیہ نماز کی تکمیل کے لیے پہلے فرقہ کو امام سے الگ ہونے کی نیت کرنا مندوب ہے اور اس کو تخفیف کے ساتھ اور بغیر طول دیے پڑھنا بھی مندوب ہے تا کہ دوسرے فرقہ کے انتظار میں زیادہ وقت نہ ہو۔

امام کے لیے مسنون ہے کہ پہلی رکعت میں لڑائی کے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے تخفیف کرے، البتہ دوسری رکعت کے قیام میں سورہ فاتحہ کے بعد طویل سورہ پڑھ کر طویل کرے تا کہ دوسرا فرقہ جماعت میں شریک ہو۔

یہ دوسرا فرقہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھنے کے بعد امام کو تشہد کے جلوس میں چھوڑ کر کھڑا ہو جائے اور دوسری رکعت پڑھے اور امام تشہد کے جلوس میں اس کا انتظار کرے اور اس فرقہ کے ساتھ سلام پھیرے، اس لیے دوسرے فرقہ کو دوسری رکعت میں تخفیف کرنا چاہیے۔ دوسرے فرقہ کو اپنی نماز کی تکمیل کے لیے امام سے الگ ہونے کی نیت نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔صلاۃ عسفان

دشمن قبلہ کی جہت میں ہو تو امام جماعت کی دو صفیں بنائے اور ان سب کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہے۔امام کے ساتھ ایک صف پہلی رکعت میں دونوں سجدے کرے اور دوسری صف کے لوگ اس صف کی حفاظت کریں اور جب امام سجدوں سے سر اٹھائے تو دوسری صف کے لوگ سجدے کر کے قیام میں آ جائیں اور دوسری رکعت کے سجدے امام کے ساتھ کریں اور پہلی صف کے لوگ خود سجدے کر کے امام کے ساتھ مل جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عسفان کی جنگ میں اس طرح نماز پڑھی تھی۔ مشرکین نے یہ جنگ خالد بن ولید کی سرکردگی میں لڑی تھی۔اس کے بعد ہی خالد بن الولید نے اسلام قبول کیا۔

دشمن قبلہ کی جہت میں اس طرح ہو کہ مسلمانوں کی نظر سے ان کو چھپانے کے لیے کوئی چیز درمیان میں حائل نہ ہو اور دشمن کی تعداد اور مسلمانوں کی تعداد کثیر ہو اور دشمن کی جانب سے نماز کی حالت میں حملہ کرنے کا خوف ہو اور امام مسلمانوں کو دو صفوں میں تقسیم کرے۔اس طریقہ نماز میں فرق صرف سجدوں کی حد تک ہے۔پہلی صف امام کے ساتھ سجدوں میں جائے تو دوسری صف اعتدال میں کھڑی رہے اور دشمن کی نگرانی کرے۔پہلی صف سجدوں سے اٹھے تو دوسری صف سجدوں میں جائے۔

چوں کہ دشمن قبلہ کی جہت میں ہے اور سب کی نظروں کے سامنے ہے اس لیے قیام، رکوع، اعتدال اور تشہد وغیرہ کی حالتوں میں کسی تفریق کی ضرورت نہیں۔البتہ سجدہ کی ایک حالت ایسی ہے جس میں دشمن پر نظر قائم نہیں رہتی، اس لیے صرف سجدہ کی حد تک حفاظت کی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہوئی، دو صفوں کی تعداد محدود نہیں ہے، چار صفیں بھی بنائی جاسکتی ہیں۔یہی طریقہ دو، تین اور چار رکعت والی نمازوں میں ہوگا۔

۳۔شدید خوف والی جنگ کا طریقہ

جنگ میں شدید خوف ہو تو ہر شخص جس طرح ممکن ہو اپنی نماز فرداً فرداً ادا کرے، پیادہ

ہو یا سوار، قبلہ رو ہو سکے یا نہ ہو سکے۔لڑائی کو روکنا ممکن نہ ہو، سوار سواری سے اتر نہ سکے، پیادہ مڑ نہ سکے تو ہر ایک شخص جس طرح ممکن ہو اپنی نماز پڑھے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾ (البقرۃ ۲۳۹) پس اگر تم ڈرو تو پیدل یا سوار (نماز پڑھ سکتے ہو)

نماز کے دوران متواتر وار کرنے اور ضرب لگانے کی وجہ سے جو عمل کثیر ہوتا ہے، ان سے معذور رہے گا۔

ہر ایک لڑائی میں جو واجب یا مباح ہو یہ طریقہ جائز ہے: حاکم عادل کی لڑائی باغی کے ساتھ، صاحبِ مال کی لڑائی غاصب کے ساتھ جو ظلم سے حاصل کرنا چاہے مباح ہے۔

اس طریقہ سے نماز آخر وقت میں پڑھے جب کہ امن کی توقع ہو، ورنہ اول وقت پڑھنا جائز ہے۔فاقد الطہورین کی نماز کو اس مسئلہ پر قیاس کیا گیا ہے۔

رکوع اور سجدہ سے عاجز ہو تو اشارے سے کام لے اور سجود کا اشارہ رکوع کے اشارہ سے زیادہ پست کرے تا کہ دونوں میں امتیاز رہے۔

لڑائی میں ہتھیار وغیرہ کے استعمال میں کثیر اعمال کی ضرورت ہو تو معاف ہیں اور کسی کو دشمن کی زد سے بچانے کے لیے گفتگو کرنا جائز ہے۔

۴۔صلاۃ بطن نخل

دشمن قبلہ کی جہت میں نہ ہو تو امام جماعت کو دو فرقوں میں تقسیم کرے۔ایک فرقہ دشمن کا مقابلہ کرے اور دوسرا فرقہ امام کے پیچھے پوری نماز پڑھے اور پھر یہ فرقہ دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور دوسرا فرقہ آئے اور پوری نماز امام کے پیچھے پڑھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بطن نخل'' میں اسی طریقہ پر نماز پڑھی تھی، اس لیے اس نماز کو اس نام سے موسوم کیا گیا۔اس طریقہ سے نماز خوف کے علاوہ امن کی حالت میں بھی پڑھی جا سکتی ہے۔

یہ کتاب المکتبة الشافعیة ادارہ رضیة الابرار بھٹکل میں شامل کیا جارہاہے،

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....